ہندوستان کی مکمل تاریخ
تاریخ فرشتہ
اوّل
محمد قاسم فرشتہ
ترجمہ
عبدالحیٔ خواجہ (مشفق خواجہ)
www.KitaboSunnat.com
المیزان

ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ

اوّل

ترجمہ: عبدالحئی خواجہ (مشفق خواجہ)

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

سلسلہ مطبوعات۔ ۰۲۲/۱

سن اشاعت ۲۰۰۸ء
محمد شاہد عادل نے
حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اُردو بازار، لاہور سے شائع کی۔

خواجہ عبدالحیؒ المعروف بہ مشفق خواجہ

خواجہ عبدالرحمٰن طارق

برادرِ بزرگ خواجہ عبدالحی المعروف بہ مشفق خواجہ (ولادت ۱۹ دسمبر ۱۹۳۶، وفات ۲۰ فروری ۲۰۰۵) کی شہرت بہ حیثیت شاعر، ناقد، محقق اور کالم نگار خوش بو کی طرح چہار سو پھیلی، لیکن بہت کم لوگ جانتے ھیں کہ خواجہ صاحب ایک نہایت عمدہ مترجم بھی تھے، انھوں نے طالب علمی کے زمانے میں 'تاریخ فرشتہ' اور روسو کی خودنوشت کے بالترتیب فارسی اور انگریزی سے ترجمے کیے اور عمر کے آخری دور میں کتاب:.........فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا: تاریخ فرشتہ نفیس اکیڈمی، کراچی نے شایع کی اور روسو کی خودنوشت کا مسودہ راقم کے کتب خانے میں محفوظ ھے اس کا ترجمہ 'جریدہ' جامعہ کراچی (غالباً شمار: ۳۷ یا ۳۸) میں شایع ھو چکا ھے۔

۱۹۴۸ء میں والد گرامی جناب خواجہ عبدالوحیدؒ نے سرکاری ملازمت چھوڑ کر ایک نجی ادارے (ڈالمیا سیمنٹ فیکٹری) میں شمولیت اختیار کر لی اور ھم لوگ لاھور سے ڈنڈوت منتقل ھو گیے۔ خشک پہاڑوں کے درمیان اس بے آب و گیاہ بستی میں مختصر قیام کے بعد والد گرامی نے دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کر لی اور ۱۹۴۹ء میں ھم لوگ کراچی منتقل ھو گیے۔ ھمارا قیام نیوٹاون پولیس اسٹیشن کے قریب سرکاری رہائش گاہ جہاں گیر روڈ ایسٹ کے کوارٹر نمبر ۲۲/۳ میں تھا، ان دنوں یہ علاقہ بہت صاف ستھرا اور متوسط درجے کے سرکاری ملازمین کا مسکن تھا۔ ہماری رہائش گاہ تین کمروں، دو برآمدوں اور ایک کشادہ دالان پر مشتمل تھی، جو ایک بڑے کنبے کے لیے کافی نہ تھی اس لیے باہر والے برآمدے کو لکڑی کی جالی لگا کر دو چھوٹے چھوٹے کمروں میں تقسیم کر لیا گیا، جو کتب خانہ اور مہمان خانے کے طور پر استعمال کیے جانے لگے۔ مذکورہ کتب خانہ والد گرامی کا تھا، لیکن ھم سب بہن بھائی بلا تکلف استفادہ کرنے کے مجاز تھے۔ بڑے کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کرتے اور بچے انگریزی رسائل، خاص طور پر نیشنل جیاگرافک میگزین کی تصاویر دیکھ کر دل بہلاتے۔ بچوں کی کہانیوں کی کتابیں اور رسائل (پھول، تعلیم و تربیت اور کلیاں) بھی اس کتب خانے کا حصہ تھے۔ مشفق بھائی جان نے جب اسلامیہ کالج (آرٹس) کراچی میں داخلہ لیا تو انھوں نے اپنی کتابوں کے لیے کتب خانے کے ایک کونے میں، ایک علاحدہ الماری لگالی۔ اس الماری میں انھوں نے اپنی تصنیف کردہ بچوں کی کہانیوں کی کتابیں اور چند اردو، فارسی اور انگریزی کی کتابیں سلیقے سے سجا رکھی تھیں۔ الماری کا آخری خانہ پرانے رسائل اور اخبارات کے تراشوں کے لیے مخصوص تھا۔ مولوی احمد دین وکیل کی 'سرگذشت الفاظ' اور دو بیاضیں ان کے سرھانے رکھی رھتیں۔ ایک بیاض میں بچوں کی نظمیں اور دوسری بیاض میں غزلیں صاف کر کے لکھا کرتے تھے (اول الذکر بیاض راقم کے کتب خانے میں آج بھی محفوظ ھے)

ان دنوں اسلامیہ کالج، گرومندر کے قریب واقع تھا، اب یھاں خواتین کا کالج ھے۔ خواجہ صاحب بی اے کے پہلے یا دوسرے سال کے طالب علم تھے، جب انھوں نے اقبال گاھندری (نفیس اکیڈمی، کراچی) کے ایما پر 'تاریخ فرشتہ' کے ترجمے کا آغاز کیا، یہ کام وہ والد گرامی کے کتب خانے میں بیٹھ کر کرتے تھے۔ اگر گھر میں مہمانوں کی وجہ سے ہنگامہ ھوتا تو جمشید روڈ کے مغربی سرے کے

دائیں جانب ایک ایرانی چائے خانے میں بیٹھ کر کام کرتے۔ جہاں عموماً ان کے ہم جماعت دوست سید مظفر احمد اور رضی اختر شو
ان کے ہم راہ ہوتے۔ اس ہوٹل میں مجھے بارہا ارشاد احمد عثمانی اور عبدالرؤف عروج کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں بعض ا
طالب علم بھی آ کر بیٹھتے تھے، جنھوں نے بعد میں سیاست اور صحافت کے میدانوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ ترجمہ کرنے کے دوران
فارسی اردو ڈکشنری اور اردو لغت کا استعمال اس کثرت سے کرتے کہ دیکھنے والوں کو شدید کوفت ہوتی، اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ
بنیادی طور پر ایک Perfectionist تھے۔ اکثر یوں بھی ہوتا کہ خواجہ صاحب 'تاریخ فرشتہ' کا فارسی نسخہ، فارسی اردو ڈکشنری اور ا
لغت سامنے رکھ کر، ترجمہ مظفر مرحوم کو املا کراتے تھے۔ یہ عمل گھنٹوں جاری رہتا۔ چھٹی والے دن تو دونوں دوست صبح سے شام تک
اس کام میں ہمہ تن مشغول رہتے۔ کبھی کبھی والد گرامی کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا جاتا۔ کام کے دوران دونوں دوست ادھر ادھ
باتوں سے مکمل اجتناب کرتے۔ خواجہ صاحب جو دوستوں کی محفلوں میں بلبل کی طرح چہکتے تھے، کام کے وقت ان کی سنجیدگی قابل د
ہوتی۔ کام کے دوران صرف ایک غیر متعلقہ عمل تسلسل کے ساری جاری رہتا اور وہ چائے نوشی کا عمل تھا۔ خواجہ صاحب بلا کے چا
نوش تھے۔ کام سے وقفے کے دوران گھر سے باہر جا کر، کچھ دیر کے لیے سگرٹ نوشی کا شغل فرماتے (خواجہ صاحب نے کبھی ا
والدین، بزرگوں اور بڑے بھائی بہنوں کے سامنے سگرٹ نوشی نہیں کی)۔

جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے، خواجہ صاحب نے قریباً بارہ ماہ کے مختصر عرصے میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا
نفیس اکیڈمی، نے یہ ترجمہ دو جلدوں میں شایع کیا۔ ملک بھر کے معتبر اخبارات اور رسائل نے اس پر عمدہ تبصرے کیے، لیکن خوا
صاحب نے ہمیشہ اس کام کو اپنی طالب علمانہ کاوش قرار دیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کی زندگی میں جب دوسرا اڈیشن شایع ہوا تو اس
بھی مترجم کی حیثیت سے ان کا اصل نام 'خواجہ عبدالحی' شایع کیا گیا لیکن صاحبانِ علم ونظر اس ترجمے سے بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں
کہ خواجہ صاحب کو اردو ہی نہیں فارسی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔

گزشتہ سال جب عزیزم محمد شاہد عادل (المیزان، لاہور) نے اس کتاب کی اشاعت کا اشتیاق ظاہر کیا تو، میرا جواب صرف
یہ چھے لفظ تھے:

چشمِ ماروشن، دلِ ماشاد

فہرست جلد اول

مقالہ اول

امیر اسمٰعیل بن امیر ناصرالدین سبکتگین 57

امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی 59

دیباچہ مترجم

تاریخ، تہذیب و تمدن کا ایک ایسا آئینہ ہے۔ جس میں اِنسانیت کے خدوخال اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ بڑی وضاحت سے ابھر کر ہوتے ہیں۔ اِنسانی تہذیب نے "خوب سے خوب تر کی تلاش میں جو ارتقائی سفر طے کیا اور جن وادیوں اور منزلوں سے یہ کاروان رنگ و بو گزرا ہے۔ ان کی روداد جب الفاظ کا پیکر اختیار کرتی ہے تو "تاریخ" بن جاتی ہے، لیکن تاریخ ماضی کے واقعات کو صرف دہرا دینے ہی کا نام نہیں بلکہ ماضی کی بازیافت کا فن ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ مخصوص افراد کے نام گنوا کر یا کچھ چیدہ شخصیتوں کے حالات لکھ کر عہد گزشتہ کو زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ واقعات کے اسباب و نتائج کو گہری نظر سے دیکھا جائے۔ اور اجتماعی زندگی کی ان قدروں کا جائزہ لیا جائے جو اقوام و ملل کے عروج و زوال سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ مورخ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنے پیش رو مورخین کے بیانات "انداز دیگر" سے پیش کر دے، بلکہ اسے سیاسی، معاشی اور جغرافیائی حالات کے فکری تجزیے سے اسباب و واقعات اور ان کے اثرات کی ایک ایسی تصویر پیش کرنی پڑتی ہے۔ جو ماضی کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہو۔ تاریخ کا دیگر معاشرتی علوم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ ایک مورخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام معاشرتی علوم اور علوم تاریخ سے ان کے تعلق پر گہری نظر رکھتا ہو۔

اگر ہم تاریخ نگاری کے فن کا جائزہ لیں تو ہمیں واضح طور پر نظر آئے گا کہ ابتداء میں تاریخ کا مفہوم یہ تھا کہ کچھ نمایاں افراد کے حالات زندگی لکھ دیئے جائیں۔ کسی ملک کی تاریخ یوں لکھی جاتی تھی کہ وہاں کے سلاطین کا یکے بعد دیگرے تذکرہ کر دیا جاتا تھا۔ اور حالات و واقعات اور ان کے اسباب و نتائج کے باہمی تعلق اور اجتماعی زندگی کی تصویر کشی کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ انداز نظر متروک ہو تا گیا اور تاریخ اجتماعی زندگی کی داستان بنتی گئی۔

تاریخ کے بارے میں بے شمار نظریات ہیں۔ ہر مورخ نے اپنا نظریہ تاریخ جداگانہ طور پر بیان کیا ہے لیکن ایک حقیقت ان تمام نظریات کے پس پردہ کارفرما ہے۔ کہ اگر تاریخ سچائی کے رخ سے نقاب نہیں اٹھاتی تو وہ محض داستان طرازی ہے۔ یعنی حقیقت کو تلاش کرنے کا جذبہ ہی تاریخ اور قصص و حکایات میں فرق پیدا کرتا ہے۔

علم تاریخ سے ہر دور میں دلچسپی لی گئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے ماضی سے لگاؤ رہا ہے وہ اپنے پیچھے پھیلے ہوئے لامتناہی ارتقائی راستوں کی طرف مڑ کر دیکھنا پسند کرتا ہے۔ کیونکہ ہر گزرا ہوا لمحہ اور اس سے وابستہ یادیں عزیز ہی نہیں ہوتیں بلکہ متاع حیات کا درجہ رکھتی ہیں۔ ماضی کا مطالعہ حال کو سمجھنے اور مستقبل کو بہتر بنانے میں بڑی مدد دیتا ہے۔ گزرے ہوئے زمانے کو فراموش کر کے حال و مستقبل کو سازگار بنانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ علم سیاسی شعور کی بیداری میں بڑی مدد دیتا ہے۔ آج کی دنیا میں جمہوریت کی مقبولیت نے ہر فرد پر بڑی ذمہ داریاں ڈال دی ہیں۔ وہ اب اپنے حکمرانوں کا انتخاب خود آپ ہی کرتا ہے۔ گویا تاریخ کی تشکیل میں وہ اہم خدمت انجام دیتا ہے۔ عہد حاضر کے شہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ گزشتہ ادوار کی تاریخ کو سامنے رکھے اور اس کے گہرے مطالعہ کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں علم تاریخ اس کے سیاسی شعور کی نشو و نما میں بہت زیادہ حصہ لے گا۔ تاریخ کا مطالعہ ہر باشعور شہری کے لیے ضروری ہے اس سے نگاہ میں وسعت اور ذہن میں کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک شہری اور علم تاریخ کے درمیان شاگرد اور

فارسی زبان کا ماہر ہو گا وہ ترجمہ کیوں پڑھنے لگا وہ اصل کو بہرحال ترجیح دے گا اور اس سے استفادہ کرے گا۔

زیر نظر ترجمے کو راقم الحروف نے ہر اعتبار سے موجودہ زمانے کے انداز نگارش سے قریب کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح کہ اصل کتاب کے مفاہیم و مطالب میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ جابجا حواشی بھی دیئے گئے ہیں جن میں قدیم شہروں اور دریاؤں کے موجودہ نام اور ان کے جغرافیائی حالات بھی درج کیے ہیں۔ فرشتہ سے جہاں کہیں کسی تاریخی یا جغرافیائی صورت حال کے بارے میں غلط بیانی ہو گئی ہے وہاں اس کی حتی الامکان حاشئے میں تصحیح بھی کر دی ہے۔

عبدالحئ خواجہ ایم۔اے

حرفے چند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا تعالیٰ کی حمد و نعت رسول کے بعد یہ بندہ عاجز کہ جسے محمد قاسم ہندو شاہ استر آبادی کہتے ہیں اور جو فرشتہ کے لقب سے مشہور ہے۔ بزم دنیا کے ان پاک نفس حضرات کی خدمت میں کہ جن کے دل الفاظ و معانی کے عیب و صواب کو پرکھنا جانتے ہیں یہ عرض کرتا ہے کہ جن دنوں یہ ناچیز احمد نگر میں رہتا تھا۔ ان دنوں اس کے کانوں میں کبھی کبھی یہ صدائے غیب آتی تھی۔

"اے نگار خانہ ہستی میں نقش طرازیاں اور رنگ آمیزیاں کرنے والے! جب یہ امر مسلمہ ہے کہ حق پرست لوگوں کا شکر ادا کرنا اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا درحقیقت خداوند باری تعالیٰ کی تعریف کے مترادف ہے تو پھر یہ تیرا فرض ہے کہ تو ایک ایسی کتاب تصنیف کرے جو ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے حالات اور اولیائے کرام کے تذکرے پر مشتمل ہو کیونکہ ہندوستان کی ظاہری اور باطنی حکومت انہیں دو طرح کی عظیم الشان شخصیتوں کی مرہون منت رہی ہے اور رہے گی۔

مجھے اس قسم کی کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی کہ جس میں ہندوستان کے عالی مرتبت بادشاہوں کے حالات درج ہوتے۔ اس لیے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچنے میں قدرے تاخیر ہوئی۔ ۹۹۷ء میں میں نے دارالسلطنت احمد نگر کو خیرباد کہا اور بیجا پور پہنچا۔ اور یہاں کے فرمانروا یعنی والیے دکن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت میں حقائق سے دلچسپی لینے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اور اکثر تاریخی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ اس عالی مقام فرمانروا نے اپنی روایتی کرم گستری اور شفقت سے مجھے بھی نوازا۔ اور طرح طرح کے انعامات عطا کیے اور مہربانیاں کیں۔ نیز حکم فرمایا "یہ تیرا فرض ہے اور حق بندگی ہے کہ تو ہمارے مبارک حالات و واقعات اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہوں کے کارنامے سپرد قلم کرے۔ تو ایک مشاق غواص کی طرح دریائے فکر سے ان چمکدار جواہرات کو نکال اور گوش ہائے ہوش میں آویزاں کر۔ اپنی طبیعت کے باغبان سے کہ جو الطاف شاہانہ کا پروردہ ہے ایک ایسا گلشن آراستہ کرو کہ جس میں گلستان معنی کے بلبل چہچہائیں۔ اپنی طبع تعمیرپسند سے کہ جو خسروانہ عنایتوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے یہ کہہ کر کہ وہ ایک ایسے محل کی بنیاد کھڑی کرے کہ جس کی سپاس گزاری کی شیرینی سے صاحبان فرہاد منش شریں کام ہوں۔ عطارد کی طرح ایک ایسی دوکان آراستہ کر کہ پاک روحیں اس کے سامان کی خریداری کے لیے آئیں۔ حضرت سلیمانؑ کی مانند ایک ایسا دسترخوان بچھا کہ جنت کے پرندے اس کی ریزہ چینی کے لیے زمین کی طرف آئیں۔

زی مرتبت شاہ جب اس قدر مہربان ہوا تو میں اس کی عنایتوں کے جام سے سرشار ہو کر حق خدمت بندگی بجا لایا۔ اور عرض کیا کہ "اب جب کہ میری بے زبان قسمت کو نعمت خوش الحانی مل گئی ہے اور میری گفتگو شاہی کلام سے ہم آہنگ ہوئی ہے تو اس میں کیا تعجب ہے کہ میں کلیم کی طرح قدر و منزلت کے طور پر اپنا پرچم لہراؤں اور خداوند تعالیٰ کی مدد اور بادشاہ سلامت کی مسیحا نفسی کے طفیل بازار حسن میں ایک ایسا معشوق نازنیں لاؤں کہ جسے دیکھ کر زلیخائے زمانہ پکار اٹھے کہ یہی یوسف ثانی ہے۔ یا یہ کہ ایک زلیخا حسین دلہن کو بیجا پور کی جلوہ گاہ میں تخت رعنائی پر اس طرح بٹھاؤں کہ دنیا یوسف کنعان کی طرح اس کی خدمت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت کہ خلدش بے بینی بہ اروی بہشت
گلستانے آرائم ازخوش سخن ا کہ ہرگز نہ گرودز گردش کہن

اس گفتگو کے بعد میں نے ہندوستان کی تاریخ سے متعلق کتابیں جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی اور ہر مقام اور ہر ملک کی تاریخی کتابوں کے مختلف نسخے جمع کیے، لیکن ان کتابوں میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں ہندوستانی بادشاہوں کے مکمل حالات اور ان کے زمانوں کے مفصل واقعات درج ہوں۔ کتابوں کے اس فراہم شدہ مجموعے میں سب سے بہتر نسخہ "تاریخ نظام الدین احمد بخشی" کا تھا لیکن اس میں ایسے بہت سے حالات و واقعات درج نہ تھے جن کا خود مجھے ذاتی طور پر علم تھا۔ یہ عالم دیکھ کر میرا شوق تصنیف و تالیف تیز سے تیز تر ہو گیا اور میں نے متقدمین کی ان تصنیف کردہ کتابوں کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اس مخفی خزانے کو جو ان کتابوں میں موتیوں کی طرح بکھرا پڑا تھا ایک خاص ترتیب کے ساتھ تاگے میں پرو دیا ہے۔ میری محنت اس کتاب کی صورت میں کہ جس کا نام "گلشن ابراہیمی" ہے۔ آپ کے سامنے ہے۔

میں نے اس کتاب کو جو زمین تحقیق کی پیداوار ہے اور جس کا شانہ حق و صداقت کی چادر سے سجا ہوا ہے۔ ۱۰۱۵ھ میں عدالت پناہ' معارف سپاہ' گوہر معدن شاہنشاہی' فروغ خاندان جہاں پناہی' انتخاب دیوان قضا و قدر' مقدمہ جنود فتح و ظفر بادشاہ جہاں پناہ کے اسم مبارک سے معنون کر کے ان کے مبارک محفل میں ایک تحفے کی صورت میں پیش کیا۔

میں یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنے آپ کو ان ذی علم اور فاضل مصنفین کے مقابلے پر پیش کروں جو اعلیٰ درجے کی تصانیف اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ کر عالم فانی کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور ان گرامی قدر تصانیف کے بالمقابل اپنی اس حقیر تصنیف کو لاؤں۔ کیونکہ ایسا کرنا بے ادبی کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا اس سلسلے میں میرا خاموش رہنا ہی بہتر ہو گا۔ ہاں اس قدر کہنے کی جراءت ضرور کروں گا کہ نکتہ شناس اور معاملہ فہم اصحاب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کو اسلاف کی تصانیف سے وہی نسبت ہے جو کعبے کو بیت المقدس سے ہے۔

مرا در سخن گرچہ آں پایہ نیست دلے خاک فطرت تنک مایہ نیست

مجھے امید ہے کہ یہ سادہ رخسار محبوب جو ہر طرح کی تزئین و آرائش سے بے نیاز ہے اور گوہر شب چراغ جو عبارت آرائی اور نظم کی پابندیوں سے آزاد ہے عنایات خسروانہ کو اپنی جانب مبذول کرے گا اور یہ خالص اور کھرا سکہ مروج ہو گا اور قبولیت حاصل کرے گا۔

ذیل میں ان کتابوں کے نام دیے جاتے ہیں جو زیر نظر کتاب کی تیاری میں میرے زیر مطالعہ رہیں۔

۱۔ ترجمہ یمینی زین الاخبار۔

۲۔ تاج المآثر۔

۳ طبقات ناصری۔

۴ ملفوظات شیخ عین الدین بیجاپوری۔

۵ تاریخ فیروز شاہی۔

۶ واقعات بابری۔

۷ واقعات ہمایونی۔

۸ تاریخ بناسے گیتی

۹ [illegible]

۱۰- سراج التواریخ بہمنی تالیف ملا محمد لاری۔
۱۱- تاریخ مبارک شاہی۔
۱۲- تحفتہ السلاطین بہمنی تالیف ملا داؤد بیدری۔
۱۳- تاریخ الفی۔
۱۴- تاریخ اُستادی ملا احمد تتوی۔
۱۵- روضتہ الصفا۔
۱۶- حبیب السیر۔
۱۷- تاریخ حاجی محمد قندہاری۔
۱۸- طبقات محمود شاہی بزرگ (مندوی)
۱۹- طبقات محمود شاہی بزرگ (مندوی)
۲۰- تاریخ محمود شاہی خورد (مندوی)
۲۱- تاریخ نظام الدین احمد بخشی۔
۲۲- تاریخ بنگالہ۔
۲۳- تاریخ سندھ۔
۲۴- تاریخ کشمیر
۲۵- نسخہ الفوائد الفواد
۲۶- نسخہ منیر المجالس
۲۷- نسخہ قلبی
۲۸- نسخہ خیر العارفین شیخ جمالی شاعر

یہ کتاب بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ایک "مقدمہ" اور آخر میں "خاتمہ" ہے۔

تفصیل مقالات

۱- تذکرہ سلاطین لاہور
۲- تذکرہ سلاطین دہلی
۳- تذکرہ شاہان دکن
۴- تذکرہ شاہان گجرات
۵- تذکرہ سلاطین مالوہ
۶- تذکرہ شاہان خاندیش
۷- تذکرہ شاہان ملتان
۸- تذکرہ شاہان سندھ

۹- تذکرہ شاہان کشمیر

۱۰- تذکرہ فرمانروایان ملیبار

۱۱- تذکرہ شاہان بنگالہ

۱۲- تذکرہ مشائخ ہند

مقدمہ

اہل ہندوستان کے عقائد

مہابھارت ہندوؤں کی ایک مستند کتاب ہے۔ اس زمانے میں ان کی کوئی اور کتاب اس سے زیادہ بڑی اور معتبر نہیں ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں شیخ مبارک کے صاحبزادے ابوالفیض فیضی نے اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا اس کتاب میں ایک لاکھ سے زائد اشعار ہیں۔ ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں اس کتاب کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ مکمل تاریخی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ شروع سے آخر تک اصل حقیقت سے باخبر ہو جائیں۔

صوفی ہو' فلسفہ دان ہو یا فقیہ ہر کوئی تخلیق دنیا کے بارے میں الگ الگ خیال رکھتا ہے ایک گروہ کی رائے دوسرے گروہ سے مختلف ہے۔ مہابھارت میں اس قسم کے تیرے (۱۳) مختلف مشربوں کا تذکرہ ہے' لیکن جو اہل نظر ہیں ان کے نزدیک ان میں سے کوئی مشرب ایسا نہیں ہے جو دنیا کی پیدائش کے بارے میں بالغ نظر اصحاب کو مطمئن کر سکے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق (جو اسلامی عقیدے سے مختلف ہے) اس جہاں بوقلموں کی گردش چار ادوار پر ختم ہوتی ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ست یگ

۲۔ ترتیا یگ

۳۔ دواپر یگ

۴۔ کل یگ

"کل یگ" کے خاتمے پر پہلا یگ یعنی "ست یگ" نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے یگ پہلے کی طرح آتے ہیں اور "کل یگ" پر خاتمہ ہوتا ہے۔ غرض اسی طرح ان چاروں یگوں (زمانوں) کی گردش جاری رہتی ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ابتدا کب ہوئی اور نہ انتہا کا کچھ پتہ چلتا ہے۔

میں نے ایک معتبر کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بار کسی شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ "اے امیرالمومنین حضرت آدم علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل دنیا میں کون تھا؟ آپ نے جواب میں فرمایا آدم۔" اس شخص نے تین بار یہ سوال دہرایا اور حضرت علیؓ نے تینوں بار یہی جواب دیا۔ اس پر وہ شخص متعجب ہو کر خاموش ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے جب اس سائل کو متعجب اور خاموش دیکھا تو فرمایا۔ "اگر تو تیس ہزار مرتبہ مجھ سے یہ سوال کرتا تو میں ہر بار یہی جواب دیتا" اس روایت سے بھی اس دنیا کی قدامت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوؤں کا "تقسیم ادوار" کا عقیدہ ہر حیثیت سے ایک بے سروپا افسانہ ہے۔

بعض قدیم برہمن اہل علم کے مختلف اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی آخری حد یا انتہا معین ہے اور قیامت کا آنا لازمی ہے لیکن بعد کے ہندو عالم ان اقوال کی جو تعبیر دیتے ہیں وہ اس کے برخلاف ہے۔ یعنی ان کے نزدیک "تقسیم ادوار" کا وہی قدیم عقیدہ درست ہے۔ بہرحال "ست یگ" کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال (۱۷۲۸۰۰۰) کی جاتی ہے۔ اس یگ (دور) میں انسانوں کا چال چلن

درست اور صالح سمجھا جاتا ہے کہ اس دور میں کسی انسان کا بھی خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو قدم ذرہ برابر بھی سیدھے راستے سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا اور ہر شخص کے تمام افعال خداوند تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے تابع ہوتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس دور کے انسانوں کی طبعی عمر ایک لاکھ سال ہوتی ہے۔ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس قول اور عمر کی اصل حقیقت کیا ہے۔

دوسرے دور یعنی "ترتیا یگ" کی مدت بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال (۱۲۹۶۰۰۰) بتائی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اِنسانوں کی کل آبادی کا تین چوتھائی حصہ اپنے کردار و گفتار کے لحاظ سے منشائے خداوندی کے تابع ہوتا ہے اور اِنسانوں کی طبعی عمر دس ہزار سال بتائی جاتی ہے۔

تیسرے دور "دواپر یگ" کی مدت آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال (۸۶۴۰۰۰) ہوتی ہے اس دور میں آدھی اِنسانی آبادی کے کردار و گفتار میں نیکی اور سچائی ہوتی ہے اور اِنسان کی طبعی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ حضرت آدم و نوح و دیگر انبیاء علیہم السلام کی عمریں جو ہزار سال کے قریب سمجھی جاتی ہیں ہندو ان کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان انبیاء علیہم السلام نے چونکہ "دواپر یگ" کا زمانہ پایا اس لیے ان کی عمروں میں اتنی طوالت ہے۔

چوتھے دور "کل یگ" کی مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال (۴۳۲۰۰۰) بتائی جاتی ہے۔ اس دور میں اِنسانی آبادی کے تین حصے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی صراط مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں اس دور میں اِنسانی کی طبعی عمر ایک سو سال ہوتی ہے۔ ان چاروں ادوار کی مدتوں کا طول اہل ہند کے اعتقاد کے مطابق یہ ہے۔

ست یگ = ترتیا یگ + کل یگ
ترتیا یگ = دواپر یگ + کل یگ
دواپر یگ = کل یگ (۸۶۴۰۰۰) سال
کل یگ = (۴۳۲۰۰۰) سال

موجودہ زمانہ آنحضرتؐ کی ہجرت کا ایک ہزار پندرھواں سال ہے۔ اہل ہند (ہندوؤں) کے عقیدے کے مطابق یہ "کل یگ" ہے۔ جس کے ابھی صرف چار ہزار سال گزرے ہیں۔ سبحان اللہ دنیا کی قدامت اور اِنسان کے اس طرفہ پن کا کیا کہنا؟

اس عقیدے پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے پانچ عناصر پیدا کیے۔ اول خاک، دوم آگ، سوم پانی، چہارم ہوا، اور پنجم "اکاس" ان کے بعد "برہما" نام کے ایک ذہین و فطین شخص کو پیدا کیا اور اس کو اس دنیا کی پیدائش کا سبب قرار دیا۔ عام لوگ "اکاس" کے معنی "آسمان" مراد لیتے ہیں، لیکن خاص خاص ہندو اس عقیدے کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ہندوستان کے عالم و فلسفہ دان کسی آسمانی ہستی کے قائل نہیں ہیں۔ اور جو کچھ اوپر کی فضا میں نظر آتا ہے وہ جمی ہوئی ہوا ہے اور اسی کا فرضی نام "آسمان" رکھ دیا ہے۔ آسمان پر جو درخشندہ ستارے نظر آتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ قدیم بزرگ ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں خدا کی سچی عبادت کی اور اس کے نتیجے میں یہ نورانی وجود اختیار کر لیا اور ان کی ذات خداوند تعالیٰ کے اوصاف کی حامل ہوگی یہ نورانی وجود اپنے ارادے سے بسیط آسمانی فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ ان بزرگوں یا نورانی پیکروں میں جو کمال کے اعلیٰ مدارج تک پہنچے ہیں وہ بہت زیادہ اونچائی پر ہیں بڑے ستارے ہیں اور اس دنیا کی طرف پلٹنے کا خیال نہیں کرتے، لیکن جو کم درجے کے کامل بزرگ ہیں انہوں نے چھوٹے ستاروں کا روپ اختیار کر لیا ہے، لیکن وہ فضا کی انتہائی بلندیوں پر متمکن نہیں بلکہ اپنی دنیاوی عبادات و ریاضت کے مطابق بلندی پر ہیں یہ نورانی وجود دنیا کی طرف واپس آ جاتے ہیں۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق لفظ "اکاس" سے مراد آسمان نہیں وہ کوئی اور چیز ہے۔ جس کا اس جگہ بیان کرنا طوالت کا باعث ہو گا۔

نسل اِنسانی کی تقسیم

"برہما" خدا تعالیٰ کے حکم سے اِنسان کو عدم سے عالم وجود میں لایا اور انہیں چار گروہوں میں تقسیم کیا- اول برہمن' دوم چھتری' سوم ویش اور چہارم شودر- برہمنوں کو عبادت' مذہبی احکام کی نگہداشت' قوانین خداوندی کی حفاظت سونپی گئی اور اہل دنیا کا روحانی پیشوا مقرر کیا گیا- دوسرے گروہ یعنی چھتریوں کو دنیاوی انتظام سونپا گیا- حکومت و سیاست کی باگ ان کے ہاتھ میں دی گئی- تیسرے گروہ یعنی ویشوں کے ذمے کھیتی باڑی اور دیگر پیشوں اور حرفتوں کا کام کیا گیا- اور چوتھے گروہ یعنی شودروں کو متذکرہ تین گروہوں کی خدمت گزاری پر مقرر کیا گیا-

دنیا اور عقبیٰ کے فوائد کے لیے "برہما" نے ایک کتاب لکھی جس کو "وید" کہتے ہیں اس کتاب میں برہما نے اپنے غیبی علم اور تائید الہامی کی مدد سے ایسے قوانین بنائے ہیں کہ جن پر عمل کر کے اِنسان دنیا کی ہر شے سے وابستہ رہتے ہوئے بھی خدا کو فراموش نہیں کر سکتا اور ہر چیز میں اسی کا جلوہ دیکھتا ہے- نیز ایسے ضابطے مقرر کیے ہیں کہ اِنسانوں کے ہر طبقے اور ہر گروہ کے معاملات بخوبی طے پا جائیں- ان تمام قوانین و ضوابط و قواعد کی پوری تفصیل کے ساتھ وید میں لکھا گیا ہے- برہما نے اس کتاب کو کلام الٰہی مشہور کیا تاکہ اِنسان اس کتاب کی تعلیمات پر عمل کریں اور جو لوگ آگے ہیں وہ اپنی جگہ سے نہ بڑھیں اور جو پیچھے ہیں وہ اپنے اصلی مقام سے نہ ہٹیں (یعنی جو کام جس کے سپرد کیا گیا ہے وہ اسی پر عمل کرے) اور یوں سب کے سب سیدھے راستے پر چلیں اور "وید" کے قوانین کے پابند رہیں' وید کے اشلوکوں کی تعداد ایک لاکھ ہے- اشلوک چار "چرنوں" کا مجموعہ ہوتا ہے- اور "چرن" ایک "اچھر" سے کم اور چھبیس (۲۶) اچھروں سے زیادہ کا نہیں ہوتا- "اچھر" ایک حرف کو یا ان دو حرفوں کو کہتے ہیں جن میں دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے-

ہندوستان کے علماء و فضلاء اس امر پر متفق ہیں کہ وید کے اس عجیب و غریب مصنف یعنی برہما نے ایک سو سال کی عمر پائی' لیکن اس کو آج کل کے سو سالوں کے برابر نہیں سمجھنا چاہیے- یہ درست ہے کہ برہما کی عمر کا ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کا سمجھا جاتا ہے لیکن جس دور میں برہما موجود تھے اس دور کا ہر دن آج کے چار ہزار سالوں کے برابر ہے اور اس دور کی ہر رات بھی اتنی ہی بڑی ہوتی تھی- ہندوستان کے علماء اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ابتدائی زمانے سے لے کر اب تک کئی ہزار "برہما" پیدا ہوئے- اور خدا کے حکم سے روپوش ہو گئے- میں نے برہمنوں کے معتبر گروہ سے یہ سنا ہے کہ اس زمانے میں جو برہما موجود ہے اس کا عدد شمار ایک ہزار ایک (۱۰۰۱) ہے- اور اس کی عمر سے پچاس سال اور آدھا دن گزر چکے ہیں اور باقی آدھے دن کا آغاز اب ہوا ہے-

کوروؤں اور پانڈوؤں کے حالات

ہندوستان کے مورخین کا بیان ہے کہ "دواپر یگ" کے نصف آخر میں ہستنا پور میں ایک راجہ تھا جو ذات کا کھتری اور نام کا "بھرت" تھا- اس کی اولاد جب سات نسلوں تک حکومت کر چکی تو آٹھویں نسل میں اس خاندان میں ایک لڑکا پیدا ہوا جو بڑا ہو کر راجہ کور کے نام سے مشہور ہوا- ہندوستان کا مشہور شہر کورکھیت (تھانیسر) اسی راجہ کے نام پر آباد کیا گیا اور اسی کی اولاد نے کوروؤں کے نام سے شہرت پائی- راجہ کور کی چھٹی پشت میں ایک لڑکا پیدا ہوا- جس نے بڑے ہو کر راجہ چتر برج کے نام سے شہرت پائی یہ ایک عظیم المرتبت راجہ تھا- اس کے یہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام "دہتر آشتر" اور دوسرے کا "پنڈا" رکھا گیا- دہتر آشتر بڑا لڑکا تھا باپ کی جگہ سنبھالنے کا حق اسی کو تھا- لیکن اندھا ہونے کی وجہ سے سلطنت کا بار نہ اٹھا سکا اسی لیے چتر برج کے بعد اس کی سلطنت اس کے چھوٹے بیٹے پنڈا کو ملی- پنڈا کو بڑی عظمت اور جلالت نصیب ہوئی جس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس کی اولاد خود اس کے نام سے مشہور ہوئی اور پانڈو کہلائی- راجہ پنڈا کے یہاں پانچ لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں جدھسٹر' بھیم سین' ارجن' نکل' اور سہدیو- اول الذکر تین لڑکوں کی والدہ کا نام رانی کنتی تھا- اور آخر الذکر دو رانی مادری کے بطن سے پیدا ہوئے- دہتر آشتر کے ایک سو ایک (۱۰۱) بیٹے کوروؤں کے تاریخی

نام سے مشہور ہیں۔

جب رضائے خداوندی سے راجہ پنڈا کا انتقال ہوا تو حکومت و سلطنت دھترآشٹر کے ہاتھ آئی حقیقت میں حکومت دھترآشٹر کی تھی کیونکہ وہ خود اندھا تھا۔ خاص طور پر اس کا بیٹا دریو دھن آگے آگے تھا اور وہی باپ کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ چونکہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حکومت کو دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا جائے اور مدعیوں کو کچل دیا جائے۔ تاکہ سلطنت خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ اسی لیے دریو دھن کو پانڈوؤں کی طرف سے تشویش ہوئی۔ (کیونکہ وہ سلطنت کے دعویدار بنتے تھے) اور وہ ان کی تباہی کے منصوبے سوچنے لگا۔ دھترآشٹر نے پانڈوؤں کے دعوے اور دشمنی کا عالم دیکھا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے گھر شہر سے باہر بنائیں۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ شاید دوری کے سبب سے جنگ کے شعلے زیادہ نہ بھڑکیں۔ جب دھترآشٹر کے اس حکم کی تعمیل ہونے لگی اور پانڈوؤں کے لیے گھر تعمیر ہونے لگا تو دریو دھن نے کاری گروں اور معماروں سے مل کر یہ طے کیا کہ اس گھر کو رال اور لاکھ سے بنایا جائے۔ تاکہ ایک چنگاری دکھانے ہی سے اس گھر میں شعلے بھڑکنے لگیں اور دشمنوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

پانڈوؤں کو اس سازش کا علم ہو گیا لہٰذا وہ چوکنے ہو گئے اور اس مکان میں بڑی احتیاط سے رہنے لگے۔ ایک رات موقع پاکر پانڈوؤں نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگا دی اور اپنی ماں کو لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک عورت جس کا نام بھیل تھا اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ دریو دھن کی طرف سے اس کام کے لیے متعین کی گئی تھی کہ موقع پاکر مکان کو آگ لگا دے' اتفاق سے وہ اس مکان میں موجود تھی۔ اور "چاہ کندہ راچاہ درپیش" کے مصداق جل کر خاک ہو گئی۔

دریو دھن کے جاسوس نے اس عورت اور اس کے پانچ لڑکوں کے جلنے سے یہ سمجھا کہ پانڈو مع اپنی ماں کے جل کر مر گئے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ اطلاع دریو دھن کو دی کہ دشمن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ کورو یہ خبر سُن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے آپ کو دشمن کے خوف سے محفوظ و مامون سمجھنے لگے۔

اس واقعے کے بعد جیسا کہ مہابھارت میں لکھا ہے۔ پانڈو اپنی وضع قطع اور نام بدل کر جنگل سے شہر میں آ گئے اور کنپلا (یہ مقام ہندوستان کے ضلع فرخ آباد کی تحصیل قائم گنج میں واقعہ ہے آج کل اس کا نام "کنپل" ہے) میں آکر آباد ہو گئے اور یہاں کے راجہ کی [illegible]ی دروپدی سے مشترکہ شادی کر لی۔ (یعنی پانچوں بھائی دروپدی کے شوہر تھے) ان کے نزدیک یہ "مشترکہ شادی" باہمی اتحاد و محبت کا سبب تھی۔ دروپدی کے متعلق یہ طے کیا گیا کہ وہ ان بھائیوں کے ساتھ بہتر بہتر روز باری باری سے رہا کرے۔ چونکہ اس طرح کی شادی ہندوؤں کے قانون کے مطابق جائز نہیں ہے اس لیے بہت سے ہندو عالموں نے اس واقعے کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پانڈوؤں کی پیشانی سے اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے اس لیے ان کی عظمت و شان دن بدن بڑھتی رہی۔ دریو دھن اور اس کے [illegible]اریوں کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ اس کی تحقیقات کرنے لگے۔ اور آخر کار انہوں نے حقیقت کا سراغ لگا ہی لیا کہ پانڈوؤں کے [illegible] کی اطلاع غلط تھی اور وہ ابھی تک صحیح و سلامت موجود ہیں۔ اب کوروؤں نے ایک دوسری چال چلی اور اپنے چچا زاد بھائیوں سے [illegible] مراسم استوار کرنے کی کوشش کی اور ان کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھایا انہیں ہستنا پور آنے کی دعوت دی۔ پانڈوؤں نے یہ دعوت [illegible] کی اور ہستنا پور جا پہنچے۔ دریو دھن نے ان کی بڑی آؤ بھگت اور خاطر تواضع کی۔ دونوں میں حکومت کی تقسیم کے متعلق یہ فیصلہ ہوا [illegible] اندر [illegible] پرانی دہلی کہا جاتا ہے مع آدھی سلطنت کے پانڈوؤں کے قبضے میں رہے اور ہستنا پور باقی آدھی کے ساتھ کوروؤں کے [illegible] رہے۔ حکومت کی اس تقسیم کے بعد سلطنت کے اکثر امیروں نے پانڈوؤں میں اقبال مندی اور جہانگیری کے آثار دیکھ کر ان کی اطاعت قبول کی [illegible] کورو ظاہری طور پر تو بالکل خاموش رہے لیکن دل ہی دل میں پانڈوؤں کی تباہی کے منصوبے باندھتے رہے۔

راجسوی جگ

اس دوران میں جدھشڑ (پانڈو بھائیوں میں سب سے بڑا) کے دل میں بلند ہمتی کی ایک بہت بڑی لہر اٹھی اس نے "راجسوی جگ" کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اس جگ کا انعقاد اس طرح کیا جاتا ہے کہ آگ کا ایک بڑا الاؤ روشن کر کے اس میں ہر طرح کے میوے، خوشبوئیں اور غلہ جات ڈالے جاتے ہیں نیز ہر قسم کے صدقے اور خیراتیں دی جاتی ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے اس جگ کے منعقد کرنے کی ایک اہم بنیادی شرط یہ ہے کہ ساری دنیا کے راجہ جگ کرنے والے راجہ کے دربار میں اس کے مطیع ہو کر جمع ہوں اور اس جگ کی تمام رسمیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیں۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے جدھشڑ نے اپنے چاروں بھائیوں کو ساری دنیا فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ خداوند تعالیٰ پانڈوؤں پر مہربان تھا اس لیے پانڈوؤں نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ چاروں باہمت اور بہادر بھائیوں نے خدا کی مدد سے ساری دنیا میں چاروں طرف اپنی فتح کا نقارہ بجا دیا۔ اور ہر ملک، شہر اور قصبے کے فرمانرواؤں اور راجاؤں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ خطا، روم، حبش، عرب، عجم، ترکستان اور ماوراالنہر (مہابھارت میں ان ملکوں کے نام کہیں نہیں ہیں۔ مشہور محقق برگس کا خیال ہے کہ یہ نام مسلمانوں کے عہد میں داخل روایت ہو گئے ہوں گے) وغیرہ مشہور و معروف مقامات کے فرمانرواؤں کو مع بے شمار زر و جواہر کے دارالحکومت اندرپت میں لایا گیا اور حسب منشا راجسوی جگ کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کیا گیا۔

دریودھن نے جب پانڈوؤں کی یہ شان و شوکت، عظمت اور جاہ و جلال دیکھا اور ان کی سلطنت کی وسعت پر نظر کی تو انسانی فطرت کے مطابق اس کے دل میں حسد کی جو آگ جل رہی تھی اب اور بھڑک گئی۔ اپنے حریفوں کو ختم کرنے کا خیال رہ رہ کر اس کے دل میں آنے لگا اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگا۔ بڑے بڑے مشہور و معروف حیلہ باز و مکار درباریوں سے مشورے کرنے لگا۔ اس زمانے میں جوا کھیلنے کا عام رواج تھا۔ چالاک درباریوں نے دریودھن کو جوئے میں کوروؤں کی قسمت کا پانسہ پلٹنے کا مشورہ دیا اور ایک خاص قسم کی جو سر پر جوا کھیلنے کو کہا۔ اس مقصد کے لیے یہ طے پایا کہ جوا کھیلنے کے لیے ایک ایسا پانسہ بنایا جائے جو ہر بار دشمن کے خلاف پڑے۔ (دریودھن کو یہ تجویز پسند آئی اور اس نے) اس (خاص قسم کے پانسے سے) جدھشڑ اور اس کے بھائیوں سے جوا کھیلنے کا ارادہ کیا۔

(جب یہ سب کچھ طے ہو گیا تو) بڑی لجاجت اور ملائمت کے ساتھ جدھشڑ اور اس کے بھائیوں کو ہستناپور آنے کی دعوت دی گئی۔ جب بے خبر اور سچا راجہ جدھشڑ ہستناپور پہنچا تو دریودھن نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور خوب اچھی طرح اس کی مدارت کی اور فرصت کے وقت تفریح کے طور پر جوا کھیلنے کو کہا۔ پانڈوؤں کو چونکہ دریودھن کی عیاری کا حال معلوم نہ تھا اس لیے وہ بغیر کسی حیل و حجت کے جوا کھیلنے پر تیار ہو گئے۔ اس پر دریودھن نے اپنا وہی مخصوص پانسہ نکالا اور کھیلنا شروع کر دیا۔ دو چار ہاتھوں ہی میں پانڈو اپنا ملک و مال ہار بیٹھے اور یوں دریودھن ہر چیز کا مالک بن بیٹھا لیکن اس نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک آخری بازی اس شرط پر لگانے کو کہا کہ اگر پانڈو جیت جائیں تو انہیں ان کا سب ہارا ہوا مال و ملک واپس کر دیا جائے اور اگر ہار جائیں تو وہ آبادی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں اور وہاں بارہ سال تک پرندوں اور چرندوں وغیرہ کے ساتھ زندگی گزاریں اور جب جلاوطنی کی یہ مدت ختم ہو جائے تو وہ واپس آبادی میں آئیں اور ایک سال تک گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کریں کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ کون ہیں۔ اگر یہ راز کھل گیا تو انہیں پھر بارہ سال کی جلاوطنی بھگتنی ہو گی۔

پانڈو بدقسمتی سے یہ آخری بازی بھی ہار گئے۔ شرط کے موافق انہوں نے شہر کی سکونت ترک کر کے جنگل میں بسیرا بنایا اور بارہ سال گزار دیئے۔

جلاوطنی کے یہ بارہ سال پورے کرنے کے بعد پانڈو دکن کے قریب ملک وائین میں آئے اور یہاں انتہائی گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ دریودھن نے ان کا کھوج لگانے کی بہت کوشش کی، لیکن اسے کہیں ان کا سراغ نہ ملا۔ (پانڈو حسب شرط ایک سال تک

گمنامی کے اس عالم میں رہے) جب جلاوطنی کی تمام شرائط پوری ہو گئیں تو پانڈوؤں نے سری کرشن کو اپنا ایلچی بنا کر دریودھن کے دربار میں بھیجا اور اپنے ملک کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ دریودھن نے اس مطالبے کو رد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی جنگ سے فیصلہ کرنے کی ٹھانی گئی۔ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی فوجوں کو سامان جنگ سے پوری طرح آراستہ کیا اور تھانیسر کے قریب کورکھیت کے میدان میں بالمقابل صف آرا ہو گئے۔ یہ عظیم الشان معرکہ جنگ "کل جگ" کے شروع کے دور میں برپا ہوا۔ دونوں لشکر اس بری طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے کہ الامان والحفیظ! اٹھارہ روز تک یہ ہنگامہ برپا رہا اور اس طرح سے کہ دونوں طرف کے لشکریوں کو حریفوں اور حلیفوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ چونکہ مکاری اور غداری کا انجام ہمیشہ ذلت و رسوائی ہوتا ہے اس لیے دریودھن کا اس جنگ میں قصہ تمام ہوا۔ اور اس کے لشکری بھی موت کے گھاٹ اتارے گئے' ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق اس جنگ میں کوروؤں کی طرف سے شامل ہونے والا لشکر گیارہ "کشون" پر اور پانڈوؤں کا لشکر سات "کشون" پر مشتمل تھا۔ ہندوستان والوں کی اصطلاح کے مطابق ایک "کشون" اکیس ہزار چھ سو بہتر (۲۱۶۷۲) فیل سواروں' اتنے ہی سانڈنی سواروں۔ پینسٹھ ہزار چودہ سو (۶۵۱۴۰۰) گھوڑے سواروں اور ایک لاکھ نو ہزار چار سو پچاس (۱۰۹۴۵۰) پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ عجیب و غریب بات یہ بیان کی جاتی ہے کہ سپاہیوں کی اس قدر بھاری تعداد سے صرف بارہ آدمی زندہ بچے۔ چار کوروؤں کے لشکر میں سے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ایک برہمن کرپاچارج جو فریقین کا اُستاد تھا اور مالک سیف و قلم تھا۔ ۲۔ درون نامی ایک عالم کا بیٹا اشوتھامان جو کرپاچارج کی طرح فریقین کا اُستاد تھا۔ ۳۔ کرت برماں نامی ایک شخص جو یادو خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۴۔ دریودھن کے باپ کا بجی نامی رتھ بان۔ باقی آٹھ آدمی پانڈوؤں کے لشکر میں سے بچے تھے۔ پانچوں پانڈو بھائی' سانک نامی یادو خاندان کا فرد' دریودھن کا سوتیلا بھائی یویوچھ اور آٹھویں سری کرشن کہ جو اپنی شہرت کی وجہ سے تعریف سے بے نیاز ہیں۔

اس جگہ چونکہ اتفاقیہ طور پر سری کرشن کا نام آ گیا ہے۔ اس لیے ناظرین کی اطلاع کے لیے ان کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب ہو گا۔

سری کرشن

اہل ہند اس امر پر پوری طرح متفق ہیں کہ سری کرشن شہر متھرا میں پیدا ہوئے۔ ان کے بارے میں لوگوں میں مختلف عقیدے مروج ہیں۔ بعض انہیں دنیا بھر کے تمام سیاستدانوں کا سردار اور ڈپلومیسی میں اعلیٰ مانتے ہیں' بعض ان کی پیغمبری کے قائل ہیں' بعض ان کو خدا کا اوتار سمجھ کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ سری کرشن کی ولادت اور پرورش کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ متھرا کے والی راجہ کنس کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی موت کرشن کے ہاتھوں واقعہ ہو گی۔ راجہ نے یہ سن کر حکم دے دیا کہ اس لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے' لیکن سری کرشن بچ گئے۔ پیدائش سے لے کر گیارہ سال کی عمر تک وہ نند نامی ایک شخص کے گھر میں پرورش پاتے رہے۔ آخر کار انہوں نے ایک موقعہ پر راجہ کنس کو قتل کیا اور اس کے باپ راجہ اوگرسین کو تخت پر بٹھایا لیکن اوگرسین کی حکومت برائے نام تھی حقیقی اقتدار خود سری کرشن کے ہاتھوں میں تھا۔ سری کرشن نے اپنی زندگی کے ابتدائی بتیس سال بہت عیش و آرام میں گزارے جن کے متعلق بہت سے عجیب و غریب قصے آج تک مشہور ہیں جب عیش و آرام کے بتیس سال گزر گئے تو دوسرے راجاؤں نے سری کرشن کو ستانے کی تجویز کی۔ بہار و پٹنہ کے راجہ جراسنگھ نے ایک طرف سے متھرا پر حملہ کیا اور دوسری طرف سے ملیچھوں (ملیچھ یعنی ایسی قوم جو ہندوؤں کے دین و مذہب میں شامل نہ تھی) کے راجہ کالیون نے حملہ کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دوسرا راجہ عرب کا فرمانروا تھا واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال سری کرشن ان دونوں راجاؤں کی یورش سے بچنے کے لیے متھرا سے دوارکا چلے گئے جو احمد آباد گجرات سے [illegible] میل کے برابر ہوتا ہے) کے فاصلے پر دریائے شور کے کنارے آباد ہے۔ دوارکا کے قلعے میں پناہ گزین ہوئے سری کرشن نے انہتر (۶۹) سال دوارکا کے آس پاس کے علاقوں میں گزار[illegible]

کا خیال ہے کہ سری کرشن کو موت نہیں آئی بلکہ (انھوں نے) بحالت زندگی روپوشی اختیار کی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

رانی گندھاری کی بددعا کا قصہ

کہا جاتا ہے کہ جب رانی گندھاری کی زچگی کا زمانہ قریب آیا تو ایک دن اس نے سوچا کہ جب یہ لڑکا (دریودھن) پیدا ہو گا تو اس کا باپ (دہتر آشٹر) اندھا ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہ سکے گا بہتر یہی ہے کہ میں اپنے شوہر کی رفاقت کا پورا پورا خیال رکھوں اور دہتر آشٹر کی طرح لڑکے کو دیکھنے سے باز رہوں اسی خیال کی بنا پر جب دریودھن پیدا ہوا تو رانی گندھاری نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے بیٹے کے جسم پر نگاہیں نہ ڈالیں یہاں تک کہ جوان ہو کر تخت سلطنت پر بیٹھا اور لڑائی کا بے شمار سامان لے کر دشمنوں کے مقابلے پر میدان جنگ میں آیا اور رانی روز اول کی طرح بیٹے کے دیدار سے محروم رہی جب لڑائی کا دن مقرر ہوا اور خطرے کی گھڑی قریب آئی تو اس سے ایک روز پہلے گندھاری نے اپنے بیٹے دیوردھن کو بلا کر کہا۔

"اے نور نظر انسان اپنی اولاد کو ہر طرح کی آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور بے خوف رکھتا ہے کل جب کہ جنگ شروع ہو گی مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تیرے نازک جسم کو جو کسی خاص زرہ سے محفوظ نہیں ہے کوئی صدمہ نہ پہنچے اس لیے تو بالکل عریاں ہو کر میرے سامنے آتا کہ میں تیرے سارے جسم پر نگاہ ڈالوں" دریودھن نے اپنی ماں سے اس طرح عریاں ہو کر سامنے آنے کا طریقہ پوچھا ماں نے جواب دیا۔ "اے میرے بیٹے اس زمانے میں عقل' سچائی' انجام بینی اور بزرگی میں پانڈوؤں کے برابر کوئی نہیں ہے تجھ کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا طریقہ دریافت کرے۔" دریودھن نے ماں کا کہنا مانا اور پانڈوؤں کے پاس پہنچا اور انھیں اپنے آنے کی وجہ بتائی پانڈوؤں نے یہ جاننے کے باوجود کہ دیوردھن ان کا جانی دشمن ہے سچائی اور طبیعت کے استقلال کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "فطرت کا یہ قانون ہے کہ اولاد ماں کے پیٹ سے بالکل برہنہ پیدا ہوتی ہے اور والدین کی نظر اسی برہنہ حالت میں بچے پر پڑتی ہے چونکہ تیری ماں نے اب تک تجھے نہیں دیکھا اس لیے تجھے اس کے سامنے برہنہ جانا چاہیے کیونکہ اس کے لیے تیرا وجود اب بھی وہی حیثیت رکھتا ہے جو حیثیت کہ تیری ولادت کے روز تھی لہٰذا یہ تیرا فرض ہے کہ تو اپنی ماں کا کہنا مانے اور اس کے سامنے بالکل برہنہ جائے تاکہ وہ تیرے جسم پر پاک نگاہیں ڈال کر تجھے تمام آفات سے محفوظ کر دے۔"

دریودھن یہ نیک مشورہ حاصل کر کے اٹھا اور اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوا راستے میں سری کرشن سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا "اس طرح تنہا دشمن کے لشکر میں آنا خلاف مصلحت ہے آخر تم کس لیے آئے تھے؟ دریودھن نے اس کے جواب میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ اس پر سری کرشن نے کہا "پانڈوؤں نے تجھے جو مشورہ دیا ہے وہ بہت موزوں و مناسب ہے تو بس صرف اتنی احتیاط کر لینا کہ اپنے گلے میں پھولوں کا ایک لمبا ہار سا پہن لینا تاکہ تیری ستر پوشی ہو سکے اس عالم برہنگی میں پھر تو اپنی ماں کے سامنے چلے جانا۔" دریودھن کو سری کرشن کا مشورہ پسند آیا اور اس نے اسی پر عمل کیا اور اپنی ماں کے سامنے جا کر کہنے لگا۔ "اے مادر گرامی حاضر ہو گیا ہوں اپنی آنکھیں کھولیے اور مجھے دیکھیے۔" ماں نے یہ سوچ کر کہ دریودھن پانڈوؤں سے نیک مشورہ لے کر آیا ہو گا آنکھیں کھول دیں لیکن جونہی اس کی نگاہ دریودھن کے گلے میں پڑے ہوئے پھولوں کے ہار پر پڑی تو وہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئی جب اسے ہوش آیا تو وہ زار و قطار رونے لگی۔ اور پوچھنے لگی کیا یہ ہار پہن کر آنے کا مشورہ تجھے پانڈوؤں نے دیا تھا۔" دریودھن نے جواب دیا بخدا پانڈوؤں نے یہ مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ سری کرشن راستے میں ملے تھے میں نے ان کی رائے پر عمل کیا ہے۔" یہ بات سن کر گندھاری نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے جلے ہوئے دل سے سری کرشن کو بددعا دی اور اپنے بیٹے سے کہا۔ "اے بیٹے تیرے جسم کی یہی جگہ جو میری نگاہوں سے اوجھل رہ گئی ہے دشمن کے وار سے زخمی ہو گی اور پھر یہی تیری ہلاکت کا سبب ہو گی۔" چنانچہ دریودھن کی موت اسی طرح واقع ہوئی۔

مختصر یہ کہ کوروؤں کے خاندان کی تباہی اور دریودھن کے قتل کے بعد جدھشٹر ممالک ہندوستان کا فرماں روا ہوا اور ساری دنیا میں

اس کی سلطنت کا شہرہ ہوا۔ "مہابھارت" کے بعد پورے تیس سال تک جدھشٹر نے حکومت کی، مگر قبل اس کے کہ دنیا اسے چھوڑے اس نے خود ہی دنیا کی ماہیت و حقیقت پر غور کر کے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس نے چاروں بھائیوں کو ساتھ لے کر گوشہ نشینی میں بقیہ زندگی گزار دی اور اسی عالم میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ کوروؤں اور پانڈوؤں دونوں نے مل کر چھہتر برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد اکیلے دریودھن نے تیرہ (۱۳) سال تک فرماں روائی کی۔ مہابھارت کے بعد جدھشٹر نے تیس سال تک حکومت کا کاروبار سنبھالا۔ اس حساب سے ان چچازاد بھائیوں کی کل مدت سلطنت ایک سو پچیس (۱۲۵) سال ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! ایسا عجیب و غریب قصہ ہندوستان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں شائد ہی کہیں اور ملے۔

مہابھارت

قدیم روایتوں کے بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد پانڈوؤں کے خاندان میں ارجن کی اولاد سے تیسری نسل میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ لڑکا ہر طرح کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مالا مال تھا۔ جب یہ تخت پر بیٹھا تو اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اپنی رعایا میں ہر دلعزیز ہوا۔ اس نے بڑے عدل اور انصاف سے حکومت کی اور ماضی کے واقعات کو حال اور مستقبل کے لیے عبرت انگیز سمجھ کر ہمیشہ خالق کائنات کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی۔ ایک دن اس راجہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ آخر میرے بزرگوں کے درمیان جنگ وجدال کی اصل وجہ کیا تھی اور ان کی بزم و رزم کے احوال کی اصل حقیقت کیا تھی۔" اس خیال کے پیش نظر اس نے مشہور و معروف عالم بھشم سے اصل حالات جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ بھشم نے جواب دیا۔ "میرا اُستاد بیاس خود اس معرکے میں موجود تھا۔ وہ اصل حقیقت سے پوری طرح واقف ہے لہٰذا بہتر ہے کہ آپ اسی سے پوچھیں۔" راجہ نے بیاس کو شاہی عنایات و انعامات سے سرفراز کیا اور اپنی خواہش بیان کی۔ بیاس نے بڑھاپے کی ضعف اور عبادت کی مصروفیات کی بنا پر اس طویل اور عظیم الشان واقعے کو بیان کرنے میں معذوری کا اظہار کیا۔ البتہ یہ کیا کہ اس تمام واقعہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے قلم بند کرتا رہا۔ اور درمیان میں جابجا نصیحتوں کا اضافہ کر کے کتاب کو مکمل کیا اور اس کا نام مہابھارت رکھا۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ "مہا" کے معنی "بزرگ" یا "بڑے" کے ہیں اور بھارت جنگ یا لڑائی کو کہتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر ہے اس لئے اسے مہابھارت کہتے ہیں لیکن یہ معنی درست معلوم نہیں ہوتے کیونکہ ہندی زبان میں "بھارت" کا لفظ کبھی بھی "جنگ" کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بظاہر اس کتاب کی صحیح وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ اس میں مہاراجہ بھرت کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے یہ کتاب اسی کی طرف منسوب کی گئی ہے شت استعمال کی وجہ سے "بھرت" میں "الف" کا اضافہ ہو کر لفظ بھارت بن گیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوستان والے بیاس کو بڑا پاکیزہ فطرت اور عارف کامل مانتے ہیں۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ بیاس زندہ جاوید ہے۔ بعض ہندو عالموں کے نزدیک یہ ماننا عین حق ہے کہ "ہر یگ" میں انسانوں کے گروہ سے ایک ایسا اِنسان اٹھتا ہے جو لوگوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا سبب بنے۔ ایسے شخص کو "بیاس" کہتے ہیں اور بعض اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ شخصیت جو "بیاس" کے نام سے موسوم ہے زمانے کے رواج کے مطابق مختلف لباسوں اور صورتوں میں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ بہرحال (کچھ بھی ہو) اس عالم و فاضل بیاس نے برہما کے الہامی کلام "وید" کو تفصیل اور شرح کے ساتھ چار کتابوں میں تقسیم کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ رگ وید ۲۔ یجر وید ۳۔ سام وید ۴۔ اتھر وید۔ وید کے اس مشہور شارح کو بیاس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ (بیاس) کے اصل معنی تفصیل کرنے اور حل کرنے والے کے ہیں ورنہ اس کا حقیقی نام "دوی پائین" ہے۔ اور وہ دو آب کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش کے متعلق ایک عجیب و غریب اور پر اسرار قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر کرنا ...

اس مقام پر بیاس نے بعد تکمیل کتاب ایک جشن عظیم برپا کیا جس میں بیاس نے خلق خدا کو اپنے علمی خزانے اور انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ بیاس نے ساٹھ لاکھ اشلوکوں کو اس طور پر تقسیم کیا کہ تیس لاکھ اشلوک دیوتاؤں یعنی عالم بالا کی مقدس ہستیوں سے متعلق ہیں۔ پندرہ لاکھ اشلوک عالم بالا کے دوسرے طبقے یعنی "ستر لوک" کے رہنے والوں سے متعلق ہیں۔ چودہ (۱۴) لاکھ اشلوک جنوں، راکھشوں اور گندھرب وغیرہ دوسری ذی حیات مخلوق سے متعلق ہیں۔ بقیہ ایک لاکھ اشلوک بنی نوع انسان کے افادے کے لیے ہیں۔ ان ایک لاکھ اشلوک کو اٹھارہ "پرب" یعنی ابواب میں تقسیم کرنے کے ہر ذی استعداد شخص کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے یہ ایک لاکھ اشلوک اب تک محفوظ ہیں اور انہیں کے مجموعے کو مہابھارت کہا جاتا ہے ان اشلوکوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) اشلوکوں میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی معرکہ آرائی کا احوال قلم بند کیا گیا ہے اور باقی اشلوکوں میں مختلف طرح کے وعظ نصیحتیں مختلف داستانیں روایات اور ان کی تفصیل و شرح ہے نیز گزشتہ زمانے کے بزم و رزم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

برہمن اس امر پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر یگ میں ایک پیغمبر یا مجتہد ضرور پیدا ہوتا ہے اور انسانوں کی اصلاح کے لیے ایک کتاب تصنیف کرتا ہے۔ باوجود ایک طویل مدت گزرنے کے وہ تمام کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔ خطا' ختن' اور چین کے غیر مسلموں کی طرح ہندوستان کے غیر مسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ طوفان نوح کے منکر ہیں۔ بعض ہندوؤں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ دو مشہور ذاتیں برہمن' کھتری تو شروع زمانے سے ہیں یعنی ہمیشہ سے۔ اور بقیہ ذاتیں (ویش' شودر) تیسرے دواپر یگ کے آخری اور چوتھے کل یگ کے ابتدائی زمانے میں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ راجپوت شروع میں نہ تھے بعد میں پیدا ہوئے۔ اور مشہور کھتری راجہ بکرماجیت کی وفات کے بعد (جو اس کتاب کی تحریر سے ایک ہزار چھ (۱۰۰۶) سال کا زمانہ ہے) راجپوت قوم کے لوگوں کے ہاتھ حکومت بھی آئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ راجہ سورج (جس کا ذکر آگے آئے گا) کی اولاد کو راجپوت کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کی پیدائش کا آغاز آدم خاکی سے ہوا اور اسی طرح آدم خاکی کا وجود آئندہ بھی ظاہر ہوتا رہے گا اور یہ دنیا بھی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی لیکن ذی عقل اور صاحب بصیرت حضرات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک جسے آٹھ لاکھ سال کی طویل مدت گردانا جاتا ہے عین ممکن ہے کہ کئی ہزار آدم دنیا میں آ کر روپوش ہو چکے ہوں۔ اور جنوں میں سے ہوں کہ جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ "خاکی" نہ تھے۔ ان میں سے بعض "بادنہاد" (ہوا سے بنے ہوئے) اور بعض "آتش نہاد" تھے۔ اگرچہ قانون فطرت روز اول سے یہی ہے کہ جب کوئی قوم (احکام خداوندی کی) نافرمانی کرتی ہے تو خداوند تعالیٰ اس سے سخت انتقام لیتا ہے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم پیدا کرتا ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر قوم خاکی نہاد ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے ہر قوم کو خاکی نہاد سمجھ رکھا ہے اور ہر آدم کو آدم خاکی سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے خود ہندوؤں کی بعض ایسی روائتیں موجود ہیں جو گزشتہ ادوار کی مخلوق کے قد و قامت کی بزرگی' ان کی عمر کی درازی' کارناموں کی نادر الوجود قوت (جیسی کہ رام لچھمن سے منسوب کی جاتی ہے) ہرگز بشری فطرت اور احوال انسانی کے موافق و مطابق نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو یہ تذکرہ محض حروف اور آوازیں ہیں جو عقل کے ترازو میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اور اگر یہ صحیح ہیں تو پھر یہ ان ناری اور ہوائی مخلوقات کی نسبت ہوں گے کہ جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ

ہم مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت آدم سے پہلے دنیا میں کوئی آدم خاکی پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کے دور سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے۔ دنیا کی مدت قیام کو لاکھوں برس سے بھی زیادہ بتانا ہمارے نزدیک غلط ہے اور ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست ہے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح حضرت آدم کی اولاد سے آباد ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنے تینوں بیٹوں یعنی سام' یافث اور حام کو ازروئے کھیتی باڑی اور کاروبار کا حکم دے کر دنیا کی چاروں

اطراف میں روانہ کیا۔

سام حضرت نوحؑ کے بڑے بیٹے اور جانشین تھے۔ ان کے فرزندوں کی تعداد ننانوے (۹۹) تھی۔ جن میں ارشد' ارفخشد' کیئے' نود' یود' ارم' قبط' عاد اور قحطان مشہور ہیں۔ اور عرب کے تمام قبیلے انہیں کی نسل سے ہیں۔ حضرت ہود' صالح اور ابراہیم علیہم السلام اپنا سلسلہ نسب ارفخشد تک پہنچاتے ہیں۔ ارفخشد کا دوسرا بیٹا کیومرث شاہان عجم کا مورث اعلی ہے۔ کیومرث کے چھ بیٹے تھے۔ سیامک' عراق' فارس' شام' تورا اور دمغان بڑا بیٹا سیامک باپ کا جانشین ہوا۔ اور باقی بیٹے جس جس جگہ گئے وہ جگہ انہیں کے نام سے موسوم ہوئی اور وہاں انہیں کی اولاد آباد ہوئی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام عجم تھا اور عجم کے سب رہنے والے اسی کی اولاد میں سے ہیں۔ سیامک کے بڑے بیٹے کا نام ہوشنگ تھا عجم کے تمام بادشاہ "یزد جرد" تک اسی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت نوحؑ کے تیسرے بیٹے یافث اپنے والد محترم کے ایما پر مشرق اور شمال کی طرف گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ اس کے بہت سے بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے زیادہ مشہور بیٹا ترک نام کا ہے۔ ترکستان کی تمام قومیں یعنی مغل' ازبک' ترکمانی اور ایران کے وردما کے ترکمانی اسی کی اولاد میں ہیں' یافث کے دوسرے مشہور بیٹے کا نام چین تھا ملک چین کا نام اسی کے نام پر ہے۔ تیسرے بیٹے کا نام آردیس ہے۔ اس کی اولاد شمالی ملکوں کی سرحد پر بحر ظلمات تک آباد ہوئی' اہل تاجیک' غور و سقلاب اسی کی نسل سے ہیں۔

حضرت نوحؑ کا تیسرا بیٹا حام اپنے عالی قدر والد کے حکم سے دنیا کے جنوبی حصے کی طرف گیا اور اس کو آباد و خوشحال کیا۔ حام کے چھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں ۱۔ ہند ۲۔ سندھ ۳۔ حبش ۴۔ افرنج ۵۔ ہرمز ۶۔ اور بویہ۔ ان سب بیٹوں کے نام پر ایک ایک شہر آباد ہوا۔ حام کے سب سے زیادہ مشہور بیٹے ہند نے ملک ہندوستان کو اپنایا اور اسے خوب آباد و سرسبز و شاداب کیا۔ اس کے دوسرے بھائی سندھ نے ملک سندھ میں قیام کیا۔ اور ٹھٹہ (ٹھٹھہ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا۔ ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ پورب ۲۔ بنگ ۳۔ دکن ۴۔ نہروال۔ جو ملک اور شہر آج کل ان ناموں سے مشہور ہیں وہ انہی کے آباد کیے ہوئے ہیں۔ ہند کے بیٹے دکن کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مرہٹ اور دوسرے کا کنہڑا اور تیسرے کا تلنگ تھا۔ دکن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کیا۔ آج کل دکن میں جو ان ناموں کی تین مشہور قومیں ہیں وہ انہی تینوں کی نسل سے ہیں۔ ہند کے بیٹے نہروال کے بھی تین بیٹے تھے جن کے نام بھروج' کنباج اور مالراج ہیں۔ ان تینوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے۔ اور ان شہروں میں ان کی اولادیں آج تک آباد ہیں۔ ہند کے تیسرے بیٹے بنگ کے گھر میں بہت سی اولاد ہوئی۔ انہوں نے ملک بنگالہ آباد کیا' چوتھے بیٹے پورب کے ہاں جو ہند کا سب سے بڑا بیٹا تھا بیالیس (۴۲) بیٹے پیدا ہوئے اور کچھ ہی عرصے میں ان کی اولاد اس قدر بڑھی کہ انہوں نے ملک کے انتظام کے لئے اپنے خاندان میں سے ایک شخص کشن نامی کو اپنا سردار اور فرماں روا بنایا۔

کشن کی حکومت

ملک ہندوستان میں جس شخص نے سب سے پہلے اپنی حکومت قائم کی' وہ کشن تھا۔ یہ کشن وہ مشہور سری کرشن نہیں ہے بلکہ یہ کشن ایک اور شخص تھا جس کو ہندوستان والوں نے اس کی بہادری اور مردانگی کے پیش نظر اپنا فرماں روا منتخب کیا تھا۔ یہ شخص بہت بھاری جسم کا تھا۔ اس کا وزن اس قدر تھا کہ گھوڑا اس کی سواری کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ للذا اس نے حکم دیا تھا کہ جنگلی ہاتھیوں کو حسن تدبیر سے رام کیا جائے تاکہ وہ ان پر سواری کرے۔۔۔۔۔ راجہ کشن کے زمانے میں ہند کے بیٹے بنگ کی نسل سے ایک دانشور اور عاقل برہمن پیدا ہوا کشن نے اسے اپنا وزیر بنایا۔ ہندوستان کی بعض صنعتیں اسی برہمن کے حسن تدبیر سے رائج ہوئیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج بھی اسی دانشور برہمن کی فکر عالی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں پہلا شہر جو آباد ہوا وہ اودھ ہے۔ کشن نے چار سو (۴۰۰) سال کی

تھے جن میں سب سے بڑا جس کا نام مہاراج تھا باپ کے بعد مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔

مہاراج کی حکومت

اپنے باپ کشن کی وفات کے بعد مہاراج نے اپنی قوم کے سرداروں اور بھائی بندوں کے مشورے سے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور یہ حقیقت ہے کہ ملک کو آباد کرنے اور حکومت کے انتظام کو بہترین طریقے پر چلانے میں اس نے اپنے باپ سے زیادہ محنت کی' اپنی رعایا کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ ہند کے بیٹے پورب کی اولاد کو حکومت اور سیاست کے کاموں کے لئے منتخب کیا۔ برہمن کی نسل کے لوگوں کے سپرد وزارت اور نجوم و طبابت کے اہم کام کیے۔ ایک طبقہ زراعت اور کھیتی کے کاموں کے لئے متعین کیا اور ایک قوم کو پیشہ وری کا حکم دیا۔

مہاراج نے زراعت کی ترقی و ترویج پر بہت زیادہ توجہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے شہر جو ہندوستان سے بہت دور کے مقامات پر تھے آباد ہو گئے۔ اس نے شہر بہار آباد کیا اور دور دور سے اہل علم کو بلا کر اس شہر میں بسایا۔ شہر میں بے شمار مدرسے اور عبادت گاہیں بنوائیں اور نواحی محاصل کی آمدنی کو ان عبادت گاہوں کے مصارف کے لئے وقف کر دیا۔ ان اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنیاسی' جوگی اور برہمن فرقے کے لوگ پڑھنے پڑھانے سے پوری پوری دلچسپی لینے لگے۔ مہاراج نے سات سو (۷۰۰) سال تک ہندوستان پر حکومت کی' اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کی حالات بدل گئی۔ یہ راجہ ہندوستان کا جمشید اور فریدون تھا۔ اس نے حکومت کے کاموں کے استحکام اور رعایا و افواج کی بہتری کے لئے بہت سے قاعدے اور اصول مقرر کیے۔ جن میں سے چند قاعدے آج تک اسی طرح جاری ہیں۔ اس نے شاہان ایران کے ساتھ ہمیشہ خلوص و محبت کا برتاؤ رکھا' لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کا بھتیجا ناراض ہو کر فریدون کے پاس گیا اور اس سے اپنے چچا کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ فریدون نے ایک بہت بڑی فوج گرشسپ بن اطرود کے ساتھ اس کی مدد کے لئے روانہ کی۔ جب گرشسپ ہندوستان آیا تو اس کی فوج نے بہت سے آباد شہروں کو ویران کر دیا اور غارت گری کا یہ سلسلہ دس روز تک جاری رہا۔ مہاراج نے جب یہ عالم دیکھا تو اس نے اپنے ملک کا ایک حصہ دے کر اپنے بھتیجے کو راضی کر لیا۔ اور چند عمدہ اور قیمتی اشیاء فریدون کی خدمت میں بطور تحفے میں بھیجیں---- مہاراج کے آخری زمانے میں سنگلدیپ اور کرناٹک کے زمینداروں نے آپس میں مل کر پوری قوت کے ساتھ اس کی فوج کا مقابلہ کیا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی' مہاراج کا بیٹا لڑائی میں مارا گیا۔ شیو رائے اور مہاراج کی باقی ماندہ فوج زخمی اور پریشان ہو کر بھاگ نکلی اور اپنے اسباب اور ہاتھیوں کو میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئی۔ مہاراج نے جب یہ خبر سنی تو وہ دم بریدہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور سخت غصے میں آیا۔ اس پیچ و تاب اور غم و غصہ کا سبب یہ تھا کہ دکن کے معمولی زمینداروں کی یہ سرکشی اتنی بڑی تھی کہ ایسی سرکشی تلنگ' پیگو اور ملیبار جیسے دور دراز مقامات کے بہادر اور جانباز زمینداروں نے بھی کبھی نہ کی تھی۔ مہاراج نے اس شکست کا انتقام لینے کا پکا ارادہ کیا' لیکن اس زمانے میں بادشاہ ایران کے حکم سے ایرانی سردار سام بن نریمان ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے پنجاب کی سرحد تک پہنچ چکا تھا اور مالچند سپہ سالار (یعنی مہاراج کی افواج کا سپہ سالار) بقیہ سپاہ کو لے کر اس کے مقابلے پر گیا ہوا تھا۔ لہٰذا مہاراج کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑا۔ جب تک کہ مالچند سردار شام سے صلح کر کے واپس نہ آ گیا۔ مالچند نے یہ صلح اپنے چرب زبان ایلچیوں کے توسط سے بہت سے زر و جواہر اور ملک پنجاب کو سام کے حوالے کر دینے پر کی تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ فریدوں کے عہد سے پنجاب ہمیشہ ایرانی بادشاہوں کے قبضے میں رہا۔ اور گرشسپ کی اولاد یعنی رستم کے بزرگ پنجاب' کابل' زابل' سندھ اور نیمروز (مغربی افغانستان اور موجودہ خراسان کے چند علاقوں کا نام زابل یا زابلستان تھا۔ اس کا جنوبی علاقہ جس کا زیادہ تر حصہ اب سیستان میں شامل ہے نیمروز کہلاتا تھا۔) پر جاگیرداروں کی صورت میں قابض رہے۔

مالچند ایک سپہ سالار کی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ملک مالوہ ابھی تک اسی کے نام سے مشہور ہے (گرشسپ سے صلح کرنے کے

بعد) جب وہ واپس مہاراج کے پاس پہنچا تو اسے دکن جانے کا حکم ملا۔ اس نے بڑے استقلال اور شان و شوکت کے ساتھ فوراً ملک دکن کا رخ کیا۔ جب دشمنوں نے اس کی آمد کی خبر سنی تو ہراساں ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ مالچند نے فساد پھیلانے والے گروہ کو بری طرح تہ تیغ کیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اس نے جابجا تھانے اور چوکیاں قائم کیں اور واپس آیا۔ واپسی میں گوالیار اور بیانے کے قلعے تعمیر کروائے اور راگ کا علم جو موسیقی کے نام سے مشہور ہے دکن اور تلنگانے سے لا کر ہندوستان میں مروج کیا۔ چونکہ مالچند کا زیادہ وقت گوالیار ہی میں گزرا اور وہ تمام مشہور موسیقار اور کلاونت جو اس کے ساتھ دکن سے آئے تھے گوالیار ہی میں رہے اس لئے اس شہر میں موسیقی کو بہت ترقی اور فروغ حاصل ہوا۔

کیشو راج کی حکومت

مہاراج نے سات سو سال کی عمر پائی' اس کے چودہ (۱۴) بیٹے تھے۔ جن میں سے سب سے بڑا کیشو راج اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ کیشو راج نے اپنے عہد حکومت میں اپنے ہر بھائی کو مملکت کے کسی نہ کسی حصے میں بھیجا اور خود کالپی سے گونڈوارہ (گونڈوانہ یا وسط ہند) آیا۔ اور دکن سے سنگلدیپ (لنکا) تک کا سفر کیا۔ اس سفر میں اس نے سرکش اور کج کلاہ راجاؤں سے خراج لیا اور تحفے حاصل کیے اور اپنی رعیت کی پوری پوری طرح بہبودی کی کوشش کی۔ جب وہ اس سفر سے واپس ہوا تو دکن کے زمینداروں نے آپس میں متحد ہو کر بغاوت کا علم بلند کیا۔ ان زمینداروں کی قوت و طاقت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ وہ کیشو راج کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت کیشو راج نے یہ محسوس کیا کہ اس میں ان سرکشوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ لہٰذا مجبوراً اسے ان سے صلح کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت میں آیا اور بیش قیمت تحفوں کے ساتھ ایک خط شاہ ایران منوچہر کی خدمت میں ارسال کیا اور اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ (اس خط کے جواب میں) منوچہر نے ایک زبردست فوج سام بن نریمان کی ماتحتی میں ہندوستان کی طرف روانہ کی۔ کیشو راج نے جالندھر پہنچ کر اس فوج کا استقبال کیا اور بڑے اعلیٰ پیمانہ پر اس کی مہمان داری اور خاطر و تواضع کی اور پھر اس فوج کو لے کر دکن کی جانب روانہ ہوا۔ دکن کے زمینداروں نے جب اس زبردست فوج کی آمد کی خبر سنی تو وہ پریشان ہو کر منتشر ہو گئے اس طرح دکن پھر کیشو راج کی ماتحتی میں آ گیا---- (اس فتح کے بعد) کیشو راج نے سام بن نریمان کی بڑی اچھی طرح خاطرداری کی اور اسے رخصت کرنے کے لئے پنجاب کی سرحد تک گیا۔ اور منوچہر شاہ ایران کے لئے بہت سے تحفے اور نذرانے اس کے ساتھ روانہ کیے۔ بعد ازاں کیشو راج اپنے پایہ تخت اودھ میں آیا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ اہل ہندوستان کو اس نے اپنے انصاف کی برکت سے مالا مال اور خوش حال رکھا۔ اس نے دو سو بیس (۲۲۰) سال تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا منیر رائے تخت پر بیٹھا۔

منیر رائے کی حکومت

منیر رائے کو ہندوؤں کی علمی کتابوں یعنی شاستر وغیرہ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ اہل علم اور عقل مند لوگوں کی محبت کو پسند کرتا تھا۔ اس بنا پر اس نے (غیر علمی مشاغل یعنی) سواری اور لشکر کشی وغیرہ کو بالکل ترک کر دیا۔ وہ اپنا بیشتر وقت علماء و فضلاء کی محفل میں گزارتا تھا۔ اس نے اہل ضرورت اور فقراء وغیرہ میں بے شمار دولت تقسیم کی اور بہار جا کر بہت زیادہ خیرات کی۔ منیر نامی شہر اسی راجہ کی عہد میں آباد ہوا۔۔۔۔۔ اس راجہ نے بڑی ناشائستہ حرکت یہ کی کہ جب سام بن نریمان کا انتقال ہوا تو منوچہر شاہ ایران کی سلطنت میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ ایرانی بادشاہوں کے پرانے دشمن افراسیاب نے موقعے سے فائدہ اٹھایا اور ایران پر حملہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا۔ اس وقت منیر رائے نے سام بن نریمان اور منوچہر کے احسانات کو فراموش کر کے پنجاب پر حملہ کیا اور اسے زال بن سام کے عمال کے قبضے سے نکال کر اپنے تصرف [illegible]

بھیجا تاکہ اپنے آپ کو اس کا دوست ظاہر کرے۔ اس زمانے سے لے کر کیقباد کے عہد تک پنجاب ہندوستان کے راجاؤں کے قبضے میں رہا' لیکن جب (مشہور عالم) رستم پہلوان اپنے باپ دادا کے منصب سرداری پر پہنچا تو اس نے پنجاب کو واپس لینے کے لئے ہندوستان پر حملہ کیا۔ منیر رائے رستم کا مقابلہ نہ کر سکا اور ترہٹ کے کوہستان کی طرف بھاگ نکلا۔ جب رستم نے پنجاب' سندھ اور ملتان کو فتح کر کے ترہٹ کا عزم کیا تو منیر رائے (دریائے سون کے دائیں کنارے کا علاقہ جو اب بگھل کھنڈ اور چھوٹے ناگپور میں شامل ہے) چمار کھنڈ اور کونڈواڑے کے کوہستانوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد پھر کبھی اسے خوشی کا دن دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ اسی زمانے میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ راہی ملک عدم ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ منیر رائے کا زمانہ سلطنت پانچ سو سینتیس (۵۳۷) سال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

راجہ سورج

کہا جاتا ہے کہ جب منیر رائے کی وفات کی خبر رستم نے سنی تو اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس کی اولاد میں سے کسی کو سلطنت کی ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ کیونکہ منیر رائے کی بدعہدی اور بے وفائی اس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے اب ہندوستان کے سرداروں میں سورج کو جو اس کی خدمت میں پہنچ گیا تھا (اس کام کے لئے منتخب کیا اور) ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کی اور خود واپس ایران چلا گیا۔ سورج نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو بہت مضبوط اور طاقتور بنایا اور ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی کہ دریائے بنگالہ سے لے کر دکن کی سرحد تک اسی کی عمل داری تھی اور اسی کے نائبین حکومت کرتے تھے اپنے عہد حکومت میں راجہ سورج نے زراعت کی ترقی اور بستیوں کی آبادی کی طرف بہت توجہ کی۔

چمار کھنڈ کے کوہستان کا ایک برہمن جو جادو ٹونے وغیرہ میں بڑی مہارت رکھتا تھا راجہ سورج کے دربار میں آیا' اس نے تھوڑے عرصے میں راجہ کی نگاہوں میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا۔ اس برہمن نے راجہ کو بت پرستی کی تعلیم دی۔

ہندوستان میں بت پرستی

چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہند نے اپنے بزرگوں کو خدا کی عبادت اور اطاعت گزاری کرتے ہوئے سنا اور دیکھا تھا۔ لہٰذا (وہ خود بھی اسی راہ پر گامزن رہا اور) اس کی اولاد بھی کئی نسلوں تک اسی مشرب کی پیروی کرتی رہی۔ مہاراج کے زمانے میں ایران سے ایک شخص ہندوستان آیا اور اس نے یہاں کے لوگوں کو آفتاب پرستی کی تعلیم دی اس کی تعلیم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ ستارہ پرست لوگ بھی آگ کی پرستش کرنے لگے' لیکن اس کے بعد جب بت پرستی کا رواج ہوا تو یہی طریقہ سب سے زیادہ مروج و مقبول ہوا۔ بت پرستی کو اس درجہ مقبولیت اس سبب سے ہوئی کہ اس برہمن نے جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے راجہ کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو شخص اپنے بزرگوں کی سونے چاندی یا پتھر کی شبیہ بنا کر اس کی پرستش کرتا ہے وہ سیدھے راستے پر ہوتا ہے۔ اس عقیدے کو لوگوں نے اس حد تک اپنایا کہ ہر چھوٹا بڑا اپنے بزرگوں کے بت بنا کر ان کی پوجا کرنے لگے۔ خود راجہ سورج نے بھی دریائے گنگا کے کنارے شہر قنوج آباد کر کے وہاں بت پرستی شروع کی۔ رعیت نے بھی اپنے فرماں روا کی تقلید کی اور ہر کوئی اس مشرب کے مطابق اپنے اپنے طور پر بت پرستی میں مبتلا ہو گیا (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ہندوستان میں بت پرستوں کے نوے (۹۰) مختلف گروہ پیدا ہو گئے۔ راجہ سورج نے چونکہ قنوج کو اپنا دارالسلطنت بنا لیا تھا۔ اس لئے اس شہر کی آبادی میں بہت اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ شہر کا پھیلاؤ پچیس (۲۵) کوس تک بڑھتا چلا گیا۔ راجہ سورج کی مدت حکومت دو سو پچاس برس ہے۔ اس مدت کے بعد اس نے انتقال کیا۔ یہ راجہ شاہ ایران کیقباد کا ہمعصر تھا اور اسے ہر سال خراج ادا کیا کرتا تھا۔ نیز اس نے ہمیشہ رستم کے احسان کو یاد رکھا۔ اس کا بڑا لحاظ کیا اور اپنی بھانجی کی شادی رستم کے ساتھ کر دی۔ راجہ ہر سال بادشاہ ایران کو خراج بھیجنے کے ساتھ ساتھ رستم کے لئے بھی تحفے تحائف ارسال کیا کرتا تھا۔ اس راجہ کے پینتیس (۳۵) بیٹے پیدا ہوئے جن میں سب سے بڑا لہراج تھا جو اس کا جانشین ہوا۔

لہراج کی حکومت

لہراج نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی اپنے نام کی مناسبت سے ایک شہر "لہراج" آباد کیا۔ اس راجہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم موسیقی سے دلچسپی لینے میں گزارا۔ اس کے باپ یعنی راجہ سورج نے اپنے عہد حکومت میں بنارس شہر کی بنیاد رکھی تھی، لیکن اس شہر کو اپنی زندگی میں مکمل نہ کروا سکا تھا۔ لہراج نے اس شہر کو بسانے میں پوری کوشش کی اس نے اپنے بھائیوں کو ہمیشہ عزیز رکھا اور انہیں ان کے حال کے مناسب جاگیریں وغیرہ دے کر ہمیشہ خوش رکھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس راجہ نے اپنے باپ کی اولاد کو "راجپوت" کے نام سے اور دوسرے لوگوں کو مختلف فرقوں اور ناموں سے موسوم کیا' لیکن ان خوبیوں کے باوجود اس نے حکومت اور سلطنت کے امور اور قواعد میں بڑا خلل پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کی حکومت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور ہر شخص حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالنے کے خواب دیکھنے لگا۔ ایسے ہی لوگوں میں کیدار نامی ایک برہمن بھی تھا۔ اس نے سوامک کے کوہستان سے سرکشی کی اور لہراج پر حملہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لہراج کو شکست ہوئی ہندوستان کی حکومت کیدار کے ہاتھوں آگئی کہا جاتا ہے کہ لہراج نے ۲۶ سال تک حکومت کی۔

("کوہستان سوامک" کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ کوہستان سلسلہ ہمالیہ کی جنوبی شاخ ہے)

کیدار برہمن کی حکومت

کہا جاتا ہے کہ جب کیدار مسند حکومت پر بیٹھا اس وقت وہ حکومت اور سلطنت کے امور سے پوری طرح واقف تھا۔ اس لئے اس کا نام بھی ہندوستان کے مشہور اور عالی مرتبت فرماں رواؤں میں شامل ہو گیا۔ ایران کے مشہور بادشاہوں "کیخسرو" اور "کیکاؤس" کو اس نے ہمیشہ خوش رکھا۔ ان کی خدمت میں تحفے تحائف بھیجتا رہا اور ان کا مطیع بن کر رہا۔ اس نے کالنجر کے قلعے کی بنا ڈالی اور اسے مکمل کروایا۔ اس کے عہد میں شنکل نامی ایک باغی نے کوچ بہار کی طرف سے نکل کر سلطنت پر حملہ کیا اور ملک بنگال و بہار کو فتح کر کے ایک بھاری فوج تیار کی۔ اس کی کیدار سے کئی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں جن کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ کیدار کو شکست ہوئی اور شنکل کو فتح اور یوں شنکل ہندوستان کا راجہ بن گیا۔ کیدار کی مدت حکومت انیس سال ہے۔

شنکل کی حکومت

شنکل نے زمام اقتدار ہاتھ میں لے کر اپنی شان و شوکت اور رعب داب کا سکہ بٹھایا۔ لکھنوتی کا شہر جو اب گور کے نام سے مشہور ہے اسی نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر دو ہزار سال تک صوبہ بنگالہ کا دارالسلطنت رہا' لیکن سلاطین تیموریہ کے عہد میں ویران ہو گیا اور اس کے بجائے ٹانڈہ کو حکام نے اپنی قیام گاہ بنایا۔ شنکل نے ایک زبردست فوج تیار کی جس میں چار ہزار ہاتھی' ایک لاکھ سوار اور چار لاکھ پیادے شامل تھے۔ اس وجہ سے اس پر غرور و تکبر کا نشہ چھایا رہنے لگا۔ اس کے عہد حکومت میں افراسیاب نے جب اپنا ایلچی خراج وصول کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا تو شنکل نے اسے ذلیل و خوار کر کے واپس بھیج دیا۔ افراسیاب کو جب شنکل کی اس حرکت کا علم ہوا تو وہ بہت وافروختہ ہوا۔ اور اس نے اپنے سپہ سالار "پیران دیسہ" کو پچاس ہزار خونخوار ترک سپاہ کے ساتھ ہندوستان کی طرف بھیجا۔ شنکل نے بھی ہمت نہیں ہاری اور ایک بہت بڑی فوج اپنے ساتھ لے کر (پیران دیسہ) کے مقابلے کے لئے نکل پڑا۔ بنگالہ کی سرحد کے قریب کوچ کے کوہستان میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور لڑائی شروع ہوئی جو دو دن دو رات تک جاری رہی۔ اس جنگ میں اگرچہ ترکوں نے بڑی بہادری سے کام لیا اور اپنی مردانگی کے جوہر دکھائے اور پچاس ہزار دشمنوں کا کام تمام کیا' لیکن دشمنوں کی بھاری جمعیت کی وجہ سے انہیں بھی نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر کار (نتیجہ نکلا) [illegible]

بھاگ کر ایک مضبوط جگہ پر پناہ گزین ہوئی۔ "پیران ویسہ" نے اپنے ساتھیوں کی رائے سے جنگ کی ساری کیفیت ایک خط میں لکھ کر افراسیاب کو روانہ کی اور خود رات دن چھپ چھپا کر دشمن کے حملے سے اپنا بچاؤ کرتا۔ ترکوں کی فوج ہندوؤں کو جو چاروں طرف سے حملہ کرتے تھے تیراندازی کر کے پسپا کرتی رہی' لیکن پھر بھی ہر ترک کے دل میں یہی خیال رہ رہ کر آتا تھا کہ آخر اس جنگ کا انجام کیا ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں افراسیاب شہر کنک وژ میں مقیم تھا جو خطا اور ختن کے درمیان خان بالغ سے ایک مہینے کی مسافت پر واقع ہے۔ جب افراسیاب کو "پیران ویسہ" کے حالات کا علم ہوا تو وہ ایک لاکھ ترکی سواروں کی جمعیت تیار کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور چاند کی رفتار سے بھی تیز چل کر عین اس وقت ہندوستان میں وارد ہوا۔ جب کہ شنگل نے ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کو جمع کر کے "پیران ویسہ" کے مقابلے پر لا کھڑا کیا تھا۔ ہر طرف سے ترکی سپہ سالار کو گھیر کر پناہ کے تمام راستے بند کر رکھے تھے۔ افراسیاب نے یہاں آتے ہی دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا۔ اس حملے کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تلواریں اور سینے میں دل' دونوں ہی بیکار ہو گئے۔ ان کی فوج آسمانی ستاروں کی طرح بکھر گئی اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ پیران ویسہ کو جب محاصرے کی مصیبت سے نجات ملی۔ تو وہ اپنے آقا (افراسیاب) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ افراسیاب نے اسے ساتھ لے کر (بھاگتے ہوئے) دشمن کا پیچھا کیا اور جو شخص جس جگہ نظر آیا اسے وہیں قتل کر دیا۔ شنگل بھاگتا ہوا ملک بنگالہ میں پہنچا اور یہاں لکھنوتی میں پناہ گزین ہوا' لیکن ترکوں نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ لہٰذا شنگل (اپنی جان بچانے کے لیے) لکھنوتی میں صرف ایک روز ٹھہر کر کوہستان ترہٹ (۱اس نام کا علاقہ آج کل بنگال کے دو اضلاع مظفر پور اور دربھنگہ میں تقسیم ہو گیا ہے اور اب اس کا پرانا نام ترہٹ مروج نہیں رہا) کی طرف بھاگ گیا۔ ترکوں نے بنگالے میں ایسی غارت گری کی کہ کہیں بھی آبادی کا نشان تک نہ چھوڑا۔ لیکن افراسیاب نے پھر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس پر شنگل نے مجبور ہو کر (کئی) عقل مند پیامبر افراسیاب کے پاس بھیجے اور یہ کہلوایا کہ میرا قصور معاف کر دیا جائے اور مجھے قدم بوسی کی اجازت دی جائے۔ افراسیاب نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور شنگل تلوار اور کفن باندھ کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ استدعا کی کہ افراسیاب اسے اپنے ہمراہ توران (ترکستان) لے چلے افراسیاب کو شنگل کی عقیدت مندی کی یہ ادا بہت پسند آئی اور وہ اسے اپنے ساتھ توران لے گیا۔ ملک ہندوستان کی حکومت افراسیاب نے شنگل کے بیٹے "برہٹ" کے سپرد کر دی۔ شنگل نے بقیہ عمر افراسیاب کی خدمت میں گزار دی یہاں تک کہ ہماوران کی جنگ میں رستم کے ہاتھوں مارا گیا۔ شنگل نے ہندوستان پر کل چونسٹھ (۶۴) سال حکومت کی۔

برہٹ کی حکومت

(شنگل کا بیٹا) برہٹ بڑا عبادت گزار' نیک طبیعت اور خلیق انسان تھا اس کی سلطنت گڑھی سے مالوے تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کی آمدنی کے تین حصے کیا کرتا تھا ایک حصہ' غرباء و فقراء میں خیرات کر دیتا۔ ایک حصہ فوج اور جانوروں وغیرہ پر صرف کرتا۔ اس تقسیم کی وجہ سے اس کی فوج میں کمی واقع ہو گئی۔ مالوے کے راجہ نے جو اس کا مطیع اور خراج گزار تھا بغاوت کر کے گوالیار کے قلعے کو اس کے عہدیداروں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ قلعہ رہتاس کا بانی راجہ برہٹ بھی جو رہتاس میں ایک بڑا بت خانہ بنا کر مشغول عبادت تھا' اس کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ برہٹ نے اکیاسی (۸۱) سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔ برہٹ چونکہ لاولد مرا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد دارالسلطنت قنوج کے آس پاس طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ کچھواہہ قوم کے ایک شخص مہاراج نامی نے مارواڑ سے نکل کر قنوج پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان کا راجہ بن گیا۔

مہاراج کچھواہہ کی حکومت

مہاراج نے حکومت حاصل کرنے کے بعد ایک مدت تک اپنی قوت بڑھانے کی کوشش کی اور جب اس نے اپنی قوت میں مناسب اضافہ کر لیا۔ تو اس نے نہروالہ (گجرات) کے ملک پر حملہ کیا اور اسے وہاں کے زمینداروں سے جن میں سے بیشتر اسیر تھے' چھین کر اپنے

قبضے میں کر لیا۔ مہاراج مظفر و منصور واپس آیا۔ اس نے چالیس سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ مہاراج گشتاسپ کا ہم عصر تھا اور ہر سال اس کو تحفے تحائف وغیرہ ارسال کیا کرتا تھا۔

کیدراج کی حکومت

مہاراج کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھانجا کیدراج تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس زمانے میں رستم کی موت واقع ہوئی تھی۔ اور کچھ عرصے سے پنجاب کا کوئی طاقتور حکمران نہ رہا تھا۔ اس لئے کیدراج نے اس پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور کچھ دنوں شہر بھیرہ میں جو ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے قیام کر کے جموں کا قلعہ تعمیر کروایا۔ اور اپنے ایک رشتہ دار کو جس کا نام داک درگا تھا جو کھکروں کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور حکمران بننے کا پورا پورا اہل تھا۔ وہاں کا حاکم مقرر کیا اس وقت سے لے کر اب تک یہ قلعہ اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ کچھ عرصے بعد پنجاب کے زمینداروں کے دو معتبر فرقوں کھکر اور چوبیہ نے کابل اور قندہار کے وسطی کوہستانی اور جنگلی (علاقے کے) باشندوں کے اتحاد سے ایک بہت بڑی فوج تیار کی اور کیدراج پر حملہ کر دیا۔ کیدراج نے مجبور ہو کر یہ علاقہ انہیں زمینداروں کے سپرد کر دیا۔ اس وقت یہ قوم تفرقے کی حالت میں مختلف سرداروں کی ماتحتی میں پنجاب کے کوہستانی علاقوں میں آباد ہے' یہ وہی قوم ہے جسے اب افغان کہا جاتا ہے۔ کیدراج نے تینتالیس (۴۳) سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دے کر وفات پائی۔

جے چند کی حکومت

جے چند کیدراج کا سپہ سالار تھا اس نے کیدراج کے مرتے ہی قوت و اقتدار حاصل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا اور راجہ بن بیٹھا) اس کے عہد حکومت میں ایک بہت بڑا قحط پڑا چونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا اس لئے اس نے خدا کے بندوں کی کوئی پروانہ کی اور شہ بیانہ میں مشغول عیش و عشرت رہا۔ خدا کی مخلوق کی جانیں ضائع ہوئیں اور فوج اور رعایا کی تباہی سے اکثر گاؤں اور قصبے ویران ہو گئے۔ (اس کے باوجود بھی) جے چند نے کوئی پروانہ کی اور اس بے پروائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک عرصے تک ہندوستان اپنی اصلی حالت پر نہ آ سکا اور سارے ملک پر اداسی چھائی رہی۔ جے چند نے ساٹھ (۶۰) سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔ وہ بہمن و داراب کے زمانے میں تھا اور ان بادشاہوں کو ہر سال نذرانہ بھیجا کرتا تھا اس نے اپنے پیچھے ایک کم عمر لڑکا چھوڑا جو حکمرانی کے قابل نہ تھا۔ اس لئے جے چند کی بیوی اس لڑکے کو تخت پر بٹھا کر خود حکمرانی کرتی رہی۔ کچھ عرصے بعد جے چند کے بھائی دہلو نے سلطنت کے سرداروں اور امیروں وزیروں وغیرہ کی اتفاق رائے سے اس لڑکے کو تخت سے اتار دیا اور خود عنان حکومت سنبھالی لی۔

راجہ دہلو کی حکومت

یہ راجہ بڑا بہادر' باہمت اور دلیر شخص تھا۔ رعایا سے شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرتا اس کی یہ ہمیشہ کوشش رہی کہ رعایا خوش حال رہے اور آرام سے زندگی بسر کرے۔ دہلی شہر اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ جب دہلو کو حکومت کرتے ہوئے چالیس (۴۰) سال گزرے تو کمایوں کے راجاؤں کے ایک عزیز فور (فور سے مراد مشہور راجہ پورس ہے جس نے سکندر کے ساتھ جنگ کی تھی۔) نامی نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ فور نے پہلے تو کمایوں پر قبضہ کیا اور بعد ازاں قلعہ قنوج پر حملہ کیا۔ یہاں اس کی راجہ دہلو سے بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں دہلو گرفتار ہوا۔ فور نے اسے قلعہ رہتاس میں قید کر دیا۔

راجہ فور کی حکومت

فور نے راجہ دہلو کو قلعہ رہتاس میں قید کرنے کے بعد بنگالے پر قبضہ کیا اور سمندر تک تمام ملک کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لے آیا

فور نے گذشتہ راجگان ہند کی طرح شاہان ایران کو خراج دینا بند کر دیا تھا اس لئے سکندر نے اس پر حملہ کیا۔ فور نے (اس حملے کی) بالکل پروانہ کی اور ایک بہت بڑا کیڑوں مکوڑوں کی طرح لشکر لے کر اس نے سرہند کے قریب سکندر کا مقابلہ کیا دونوں بادشاہوں میں زبردست جنگ ہوئی فور اس جنگ میں کام آیا۔ فور نے تہتر (۷۳) سال تک حکومت کی۔

دنیا کے واقعات و حوادث سے باخبر رہنے کے متمنی لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مندرجہ بالا واقعات کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں اور بھی بہت سے عظیم الشان راجہ اس زمانے میں گزرے۔ مثلاً گل چند جس نے گلبرگہ آباد کیا۔ راجہ مرچ چند جس کے نام سے قصبہ مرچ اب تک آباد ہے۔ اور بجے چند جس نے بیجاپور کو آباد کر کے اسے سارے دکن کا دارالسلطنت بنایا' وغیرہ وغیرہ۔ اس جگہ سارے راجوں کے ناموں کی مفصل فہرست دینا موجب طوالت ہو گا۔

جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو قلعہ بیدر کا بانی' اور قوم راج بیدر سکندر کا سردار (جو دکن میں تمام قوموں اور فرقوں میں شجاعت و دلیری میں مشہور ہے) راجہ بیدر سکندر کے حملے اور راجہ پورس کے مارے جانے سے سخت ہراساں ہوا (اسے اپنی فکر لاحق ہوئی لہٰذا) اس نے بہت سا مال و دولت اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ جو کچھ کہ اس کے پاس تھا اپنے بیٹے کے ساتھ سکندر کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اس کے ملک پر حملہ نہ کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر واپس ایران چلا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سکندر نے اس پر حملہ نہ کیا اور واپس ایران چلا گیا۔

راجہ سینسار چند کی حکومت

فور کی وفات اور سکندر کی واپسی ایران کے بعد سینسار چند نامی ایک شخص نے ہندوستان کی عنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کچھ ہی مدت میں ہندوستان میں ایک مستحکم اور پائیدار حکومت قائم کر لی۔ چونکہ اس راجہ نے راجہ پورس کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس سے وہ بہت خوف زدہ تھا لہٰذا ہر سال وہ نذرانے کی رقم' طلبی سے پہلے ہی شاہ ایران گودرز کی خدمت میں روانہ کر دیتا تھا۔ سینسار کو حکومت کرتے ہوئے جب ستر (۷۰) سال گزر گئے تو جونہ نامی ایک شخص نے سرکشی کی اور حکومت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

راجہ جونہ کی حکومت

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جونہ راجہ کافور کا بھانجا تھا جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے اچھے کاموں اور نیک عادتوں کی وجہ سے ملک کو خوش حال اور آسودہ بنانے کی کوششیں کیں۔ اس نے گنگا اور جمنا دونوں دریاؤں کے کناروں پر بہت سے نئے قصبے اور گاؤں آباد کئے اور حسب مقدور عدل اور انصاف سے حکومت کی۔ راجہ جونہ کے ہم عصر ایرانی بادشاہ اردشیر بابکاں نے جب ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان کی سرحد پر پہنچ گیا تو راجہ جونہ کو سخت تشویش لاحق ہوئی۔ لہٰذا وہ اردشیر بابکاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت سے زر و جواہر اور کوہ پیکر ہاتھی اس کی نذر کئے (اس وجہ سے اردشیر) حملہ کئے بغیر واپس چلا گیا اس کی واپسی کے بعد جونہ واپس قنوج میں آیا۔ اور ایک عرصے تک بڑے آرام سے حکومت کرتا رہا۔ اس واقعہ کے نوے (۹۰) سال بعد اس کا انتقال ہوا۔ اس راجہ نے اپنے پیچھے بائیس (۲۲) بیٹے چھوڑے' ان میں سب سے بڑا جس کا نام کریان چند تھا سلطنت کا وارث ہوا۔

راجہ کریان چند کی حکومت

کریان چند بڑا ظالم اور سفاک راجہ تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر خلق خدا کو مروا دیتا تھا۔ اور بے گناہ لوگوں پر طرح طرح کی تہمتیں باندھ کر ان کا مال و اسباب ضبط کر لیتا تھا۔ اپنی رعایا سے وہ بڑی سختی سے روپیہ وصول کرتا تھا۔ ان سختیوں اور سفاکیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ دارالسلطنت کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ہندوستان کی حکومت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ قنوج کی قومی اور اجتماعی قوت میں زبردست کمی واقع ہوئی اور راجہ مع مختصر سی فوج کے تنہا رہ گیا۔ حکومت کی وہ اگلی سی شان و شوکت ختم ہو گئی اور

ہندوستان میں طوائف الملوکی کا ایسا دور دورہ ہوا کہ آس پاس کے سارے راجہ باغی اور خود مختار بن گئے۔

یہ باغی اور خود مختار راجہ اس قدر طاقت ور اور عالی مرتبت ہوئے کہ تاریخ میں ان کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے (یہاں) صرف قنوج اور ہند کے راجاؤں ہی کے تذکرے پر اکتفاء نہیں کی جاتی' بلکہ ان دوسرے راجاؤں کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے ذیل میں مالوے کے راجہ بکرماجیت کا حال درج کیا جاتا ہے۔

راجہ بکرماجیت کی حکومت

بکرماجیت کا تعلق پوار قوم سے تھا وہ طبیعت کا بہت نیک تھا۔ اس کی اصل حقیقت ان قصوں اور روایتوں سے معلوم کی جاسکتی ہے جو ہندوؤں کی قوم میں کہانیوں کی طرح مشہور ہیں۔ راجہ بکرماجیت ابتدائے جوانی سے کئی سال تک فقیروں کی وضع قطع اختیار کر کے انہیں کے گروہ میں شامل ہو کر جگہ جگہ کی سیاحت اور طرح طرح کے مجاہدے کرتا رہا۔ جب اس کی عمر پچاس (۵۰) سال کی ہوئی تو اس نے غیبی رہنمائی سے سپہ گیری کے میدان میں قدم رکھا چونکہ خدا کی مرضی اسی میں تھی کہ یہ فقیر ایک بہت بڑا فرمانروا بنے اور خدا کے بندوں کو ظالم حکمرانوں کے پنجہ ظلم سے آزاد کرائے۔ اس لئے بکرماجیت کو بڑی ترقی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصے میں نہروالا اور مالوہ اس کے قبضے میں آ گئے عنان حکومت سنبھالتے ہی اس راجہ نے عدل و انصاف کو دنیا میں اس طرح پھیلایا اور اپنے احسان کے چتر کے سائے تلے ہر شہر اور اہل شہر کو اس طرح پناہ دی کہ ظلم اور سفاکی کا کہیں بھی نام و نشان نہ رہا۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ بکرماجیت کی حالت اس کا مرتبہ دنیا کے عام انسانوں سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس کے عرفان اور روشن ضمیری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو بات اس کے دل میں آتی تھی وہ بغیر کسی کمی بیشی کے ظاہر ہو جاتی تھی اور ہر اچھا یا برا واقعہ جو رات کو اس کے ملک میں ہوتا اس کی اطلاع اسے دن ہی میں ہو جاتی تھی۔

باوجود فرمانروا ہونے کے وہ اپنی رعایا کے ساتھ بالکل برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ اس کے گھر کا تمام سرمایہ ایک مٹی کے پیالے اور ایک بوریئے پر مشتمل تھا۔ بکرماجیت نے اجین کو آباد کیا اور دھارے کے قلعے کو تعمیر کروا کے اپنا مسکن بنایا۔ اجین کا مشہور بت خانہ مہاکال بھی اسی نے بنوایا تھا اور ان جوگیوں اور برہمنوں کے وظیفے مقرر کئے تھے جو اس بت خانہ میں رہ کر عبادت کرتے تھے وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنی رعایا کے حالات جاننے اور خدا کی عبادت کرنے میں صرف کرتا تھا ہندوستان کے لوگ اس راجہ کے متعلق بہت اچھا عقیدہ رکھتے ہیں اور بہت سے عجیب و غریب افسانے اور قصے اس کے نام سے منسوب کرتے ہیں (ہندوؤں کے) سال اور مہینوں کی ابتدا اسی راجہ کی وفات کے دن اور مہینے سے ہوتی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت کہ جو ہجرت نبوی کا ایک ہزار پندرہواں (۱۰۱۵) سال ہے۔ سنہ بکرماجیت کی ابتداء کو ایک ہزار چھ سو تریسٹھ (۱۶۶۳) سال گزر چکے ہیں۔ راجہ بکرماجیت ایران کے بادشاہ اردشیر کا ہم عصر تھا۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اس کا اور شاپور کا زمانہ ایک ہی تھا۔ بکرماجیت کے آخری زمانے میں ایک زمیندار نے جس کا نام سال باہن تھا۔ اس پر حملہ کیا۔ (دریائے) نربدا کے کنارے دونوں کے لشکروں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں سال باہن کو فتح حاصل ہوئی اور بکرماجیت مقتول ہوا۔

سال باہن کے عہد حکومت کی بہت سی ایسی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جو تاریخی لحاظ سے معتبر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے۔ بکرماجیت کی وفات کے بعد ایک عرصے تک مالوہ بالکل ویران رہا اور کوئی انصاف پسند راجہ اور سخی حاکم اس پر فرمانروا نہ ہوا۔ بالآخر راجہ بھوج نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

راجہ بھوج کی حکومت

[illegible] تعلق [illegible]

راتوں کو بھیس بدل بدل کر پھرتا تھا اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کے حالات سے آگاہ ہو کر ان کی خبر گیری کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی رعایا کی خوش حالی اور آسودگی کی کوشش کرتا تھا۔ یہ تین مقامات کھرکھوں' بیجانگر' اور ہنڈیہ اسی راجہ کے عہد میں آباد کئے گئے تھے۔ راجہ بھوج کثرت ازدواج کا بڑا شوقین تھا۔ وہ ہر سال میں دو مرتبہ ایک بہت بڑا جشن منایا کرتا تھا۔ جس میں ہندوستان کے ہر گوشے کے رقص و سرود کے ماہرین شرکت کیا کرتے تھے۔ جشن کا یہ سلسلہ چالیس روز تک رہتا تھا اور اس میں سوائے ناچ گانے کے کوئی اور کام نہ ہوا کرتا تھا۔ دوران جشن میں ہر گروہ کو کھانا' شراب اور پان وغیرہ حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ رخصت کے وقت ہر شخص کو ایک خلعت اور دس مثقال سونا دیا جاتا تھا۔ راجہ بھوج نے پچاس (۵۰) سال تک حکومت کرنے کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

راجہ باسدیو کی حکومت

راجہ بھوج کے زمانے ہی میں ایک شخص جس کا نام باسدیو تھا' قنوج کا راجہ بن بیٹھا اور بہار کو جو بنگالے کی طرح قنوج سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ پھر دوبارہ اپنے قبضے میں لے آیا۔ اور اپنا رعب اچھی طرح قائم کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی راجہ کے زمانہ میں بہرام گور ایک سوداگر کے بھیس میں ہندوستان آیا تھا۔ تاکہ وہ اس ملک کے اور یہاں کے باشندوں کے حالات معلوم کرے۔ بہرام گور کے (ہندوستان) آنے اور (یہاں) اس کو پہچان لئے جانے کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ یہاں تھا ایک جنگلی ہاتھی قنوج کے نواح میں اتفاق سے آ گیا تھا اور کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا کہ یہ مدہوش ہاتھی لوگوں کی جانوں کو تلف نہ کرتا ہو۔ راجہ باسدیو نے کئی بار اس ہاتھی کا کام تمام کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار ناکام رہا۔ جس روز بہرام قنوج میں داخل ہوا اسی روز یہ بدمست ہاتھی جھومتا ہوا شہر کی حدود تک آ پہنچا اور شہر میں بڑا شور و غوغا بپا ہوا۔ راجہ نے شہر کے تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دے دیا۔ بہرام گور نے جب یہ خبر سنی تو وہ اکیلا اس بدمست اور جنگلی ہاتھی کے سامنے آیا اور ایک ہی تیر ایسا مارا کہ اس سفاک جانور کا کام تمام ہو گیا۔ اہل شہر نے جو یہ تماشا دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ جب یہ عالم دیکھا تو تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا اور (عقیدت و محبت) سے بہرام گور کے پیروں پر گر پڑے۔ جب راجہ باسدیو کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے بہرام گور کو بلایا' بہرام راجہ کی طلبی پر اس کے سامنے آیا۔ راجہ کے ایک مصاحب نے بہرام کو جب دیکھا تو اسے پہچان لیا۔ کیونکہ ایک سال قبل جب وہ نذرانہ لے کر ایران گیا تھا تو اس نے بہرام گور کو دیکھا تھا۔ اس مصاحب نے راجہ کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔ باسدیو کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ فوراً اسی وقت بہرام کے سامنے خادموں کی طرح حاضر ہوا اور اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی۔ نیز بہت اعزاز و اکرام اور دولت کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ باسدیو جب تک زندہ رہا ہر سال بیش قیمت تحفے تحائف بہرام گور کو بھیجتا رہا۔ باسدیو نے ستر سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ مشہور شہر کالپی اسی راجہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے اپنے پیچھے بتیس (۳۲) بیٹے چھوڑے' جو سلطنت حاصل کرنے کے لئے آپس میں متواتر دس سال تک لڑتے رہے۔ آخر کار باسدیو کے سپہ سالار نے ان بھائیوں کے باہمی نفاق سے فائدہ اٹھایا اور فوج کے سرداروں کے مشورے اور اتفاق رائے سے قنوج پر قبضہ کر کے ایک عظیم الشان راجہ بن بیٹھا۔

راجہ رام دیو راجپوت کی حکومت

راجہ رام دیو کا راٹھور قوم سے تعلق تھا وہ بہت بہادر اور دلیر اور مدبر تھا۔ اس نے سب سے پہلے تو ان سرکش سرداروں کو جن کی فطرت میں خود نمائی شامل تھی' بتدریج مطیع کر کے مقامی فتنہ و فساد کو ختم کیا۔ بعد ازاں ایک لشکر جرار تیار کر کے مارواڑ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے اپنے تصرف میں لایا۔ وہاں سے اس نے کچھواہہ قوم کو نکال کر اپنی قوم راٹھور کو آباد کیا۔ چنانچہ اسی تاریخ سے راٹھور مارواڑ میں آباد ہوئے۔ پھر راجہ رام دیو نے خود ہی کچھواہہ قوم کو رہتاس کے قلعے کے قرب و جوار میں آباد ہونے کی ترغیب دی اور اس قوم کے سرداروں کی لڑکیوں کو اپنے تصرف میں لایا اور انہیں اپنے محل میں داخل کیا اس کے بعد اس نے لکھنوتی پر حملہ کر کے اس پر

غلبہ حاصل کیا اور اپنے بھتیجے کو وہاں کی حکمرانی سونپی (اس طرح) وہ بے شمار مال و دولت سمیٹ کر تین سال بعد اپنے دارالسلطنت قنوج میں واپس آیا۔ اس کے دو سال بعد رام دیو نے مالوے پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ وہاں اس نے بہت سے نئے قصبے اور دیہات آباد کئے۔ فرور (یہ مقام گوالیار کے قریب واقع ہے) کے قلعے کی مرمت کروائی اور راٹھور قوم کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد اس نے بیجانگر کے راجہ شیورائے سے اس کی بیٹی طلب کی' شیورائے جو اس زمانے میں ملک دکن کا فرمانروا تھا۔ راجہ رام دیو کی وسعت سلطنت اور شان و شوکت سے خائف ہو کر اپنی بیٹی مع بیش قیمت تحائف اور جہیز کے رام دیو کے گھر بھیج دی۔ رام دیو نے گونڈواڑے میں دو سال تک قیام کیا اور بہت سرکش اور بڑے بڑے زمینداروں کو اپنا مطیع بنا کر قنوج کی طرف واپس ہوا۔ اس کے بعد کے سات سال اس نے عیش و عشرت میں بسر کئے اور پھر کوہستان سوالک کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے تمام راجاؤں کو اپنا باج گزار بنایا' لیکن راجہ کمایوں نے باج گزار بننے سے انکار کر دیا۔ یہ راجہ اس ملک کا سب سے بڑا فرمانروا تھا اور اس ملک کی حکومت اس گھرانے میں دو ہزار (۲۰۰۰) سال سے مسلسل چلی آ رہی تھی۔ راجہ کمایوں راجہ رام دیو کے مقابلے کے لئے سامنے آیا۔ صبح سے شام تک دونوں کے لشکروں میں جنگ ہوتی رہی۔ طرفین کے بہت سے بہادر اس جنگ میں کام آئے کہ جن کی موت سے ان کے گھرانے برباد و ویران ہو گئے۔ آخر کار رام دیو کی اقبال مندی نے دشمن کو نیچا دکھایا اور اسے فاتح بنایا۔ راجہ کمایوں بے شمار مال و اسباب اور بہت سے ہاتھی میدان جنگ میں چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔

کوہستان سوالک کی مہم سے فارغ ہو کر راجہ رام دیو نے اپنی فتح کی عنان کوہستان نگرکوٹ کی طرف موڑی۔ اور اس ملک کے قصبوں اور شہروں کو فتح کرتا ہوا اور مال غنیمت سمیٹتا ہوا "ہنکوٹ پنڈی" پہنچا۔ یہاں سے وہ آگے نہ بڑھا کیونکہ درگا کے مندر کی حرمت اس کے پیش نظر تھی۔ ایک جگہ قیام کر کے اس نے اپنا ایک ایلچی ہنکوٹ پنڈی کے راجہ کے پاس بھیج کر اسے طلب کیا۔ راجہ نے رام دیو کے پاس آنے میں حیل و حجت کی۔ آخر کار برہمن اس معاملے میں پڑے اور انہوں نے یہ تصفیہ کیا کہ رام دیو بت خانے کی زیارت کرنے کے لئے آئے اور ہنکوٹ پنڈی کا راجہ اس سے وہیں ملاقات کرے۔ رام دیو نے اس فیصلے کو منظور کر لیا اور بت خانے میں آ کر ہنکوٹ پنڈی کے راجہ سے ملاقات کی رام دیو نے عظیم الشان نذر بت خانے میں چڑھائی اور یہاں کے ملازموں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ نیز راجہ نگرکوٹ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا بیاہ رچایا۔ ان معاملات سے فارغ ہو کر رام دیو جموں کے قلعے کی طرف بڑھا۔ جموں کے راجہ نے اپنی شان و شوکت' قلعے کی مضبوطی' راستے کی مشکلات' جنگلوں کی گنجانی اور غلے کی فراوانی کے خیال سے رام دیو کی آمد کو کوئی اہمیت نہ دی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اپنی بدقسمتی سے وہ رام دیو کا مقابلہ نہ کر سکا اور میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ رام دیو نے اپنے لشکر کا ایک حصہ تو راجہ کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود قلعہ جموں کا محاصرہ کر لیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں اس کو فتح کر لیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا اور بہت سا بیش قیمت مال و اسباب اپنے قبضے میں کیا۔ جموں کا راجہ اپنی اس تباہی سے مجبور ہو کر بڑی عاجزی سے رام دیو کے سامنے آیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ رام دیو نے اسے معاف کر دیا اور اس کی لڑکی سے اپنے دوسرے لڑکے کی شادی کی۔ پھر یہاں سے روانہ ہوا اور بہت (دریائے جہلم مراد ہے) کے کنارے سے جو کشمیر سے پنجاب کی طرف بہتا ہے۔ بنگالے کی اس سرحدی جگہ تک کہ جہاں دریائے شور کے کنارے کوہستان سوالک (کوہستان ہمالیہ کے جنوبی پہاڑ مراد ہیں) کا سلسلہ ختم ہوتا ہے کا سفر خوب سیر و تفریح میں طے کیا اور تقریباً پانچ راجاؤں کو جو اس کوہستان کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے تھے اپنا مطیع اور باج گزار بنایا اور بے شمار زر و جواہر اور بہت سا مال و اسباب اور ان گنت ہاتھی گھوڑے وغیرہ ساتھ لے کر واپس قنوج میں آیا۔

قنوج پہنچ کر رام دیو نے ایک بہت بڑا جشن کیا اور اپنے لشکریوں کی تنخواہوں کو دس گنا اور بیس گنا کر دیا۔ قنوج کے بہادر اور جان باز

فرمانروائی کرتا رہا۔ اس کے بعد کبھی بھی کسی مقام پر حملہ نہ کیا۔

رام دیو نے چون (۵۴) سال تک حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اہل ہندوستان اس بات پر متفق ہیں کہ رام دیو جیسا عظیم الشان راجہ ہندوستان میں نہیں گزرا۔ یہ راجہ شاہ ایران کیقباد کے فرزند فیروز شاہ ساسانی کا ہم عصر تھا اور ہر سال اس کی خدمت میں خراج اور تحفے تحائف بھیجتا رہا اور اطاعت و فرمانبرداری میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دیتا تھا۔

پرتاپ چند یسودیہ کی حکومت

راجہ رام دیو کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں حصول سلطنت کے لئے جھگڑا ہوا اور نوبت باقاعدہ جنگ تک پہنچی۔ اس باہمی جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ قنوج کی حکومت بالکل تباہ و برباد ہو گئی اور رام دیو کا عظیم الشان خزانہ اسی کی نذر ہو گیا' اسی باہمی جنگ و جدال سے رام دیو کے ایک سپہ سالار پرتاپ چند نے فائدہ اٹھایا اور ایک عظیم الشان لشکر اپنی حمایت میں تیار کر کے قنوج پر حملہ کر دیا اور اسے بڑی آسانی سے اپنے قبضے میں کر لیا۔

قنوج پر قابض ہو جانے کے بعد پرتاپ چند نے سب سے پہلے تو رام دیو کے لڑکوں کی طرف سے اطمینان کیا اور ان کا سارا گھرانہ تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد آس پاس کے زمینداروں کی خبر لی۔ جو موقع سے فائدہ اٹھا کر مختلف علاقوں پر قابض ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ ان زمینداروں کو ختم کر کے خود ایک بہت بڑا راجہ بن بیٹھا۔

ان تمام کامیابیوں کی وجہ سے پرتاپ چند میں غرور و تکبر کا مادہ پیدا ہو گیا اور اس نشے میں ایسا غرق ہوا کہ شاہان ایران کو خراج بھیجنا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نوشیرواں کے ایلچی کو جو خراج لینے کے لئے ہندوستان آیا ہوا تھا' خالی ہاتھ واپس کر دیا۔ (اس کے جواب میں) جب ایرانی فوج پرتاپ چند کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اور پنجاب و ملتان تک پہنچی تو اس نے اس فوج کی کثرت سے خائف ہو کر معافی مانگ لی اور اپنی حرکت پر نادم ہوا۔ نیز بے شمار دولت بھیج کر ایرانی فوج کو قتل و غارت گری سے باز رکھا۔ اس کے بعد وہ جب تک زندہ رہا ہر سال شاہ ایران کو خراج ارسال کرتا رہا۔

پرتاپ چند کی وفات کے بعد آس پاس کے چھوٹے چھوٹے راجہ خود مختار ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اولاد کے قبضے میں بہت تھوڑا سا ملک باقی رہا۔ اس کے جانشین رانا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کیونکہ ہندی میں رانا کے معنی ہیں چھوٹا اور کمزور راجہ۔ اس تاریخ میں لکھنے کے وقت تک اس خاندان میں حکومت باقی ہے لیکن وہ صرف کومل مری کے کوہستان اور اس کے آس پاس کے علاقے پر حکمران ہیں اور رانا کے لقب سے مشہور ہیں۔ چتوڑ اور فنڈ سور وغیرہ اس خاندان کی حکومت میں نہیں رہے اب وہ خاندان تیموریہ کے قبضے میں ہیں۔

انند دیو راجپوت کی حکومت

یہ راجہ بیں قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ راجہ پرتاپ کی موت کے بعد اس راجہ نے مالوے سے سر اٹھایا اور اس کے آس پاس کا تمام علاقہ اپنے زیر نگین کیا۔ چونکہ اس کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اس لئے اس کی سلطنت میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور مالوہ' نہروالہ' مرہٹ' دکن اور برار کے علاقے اس کے قبضے میں آ گئے۔ رام گڑھ' ماہور اور مندو کے قلعے اسی نے بنوائے تھے۔ یہ راجہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کا ہم عصر تھا۔ سولہ سال فرمانروائی کرنے کے بعد اس کا انتقال ہوا۔

مالدیو کی حکومت

اسی زمانے میں مالدیو نامی ایک ہندو دو آب سے نمایاں ہوا اور ایک لشکر کثیر جمع کر کے دہلی کو راجہ پرتاپ کے لڑکوں سے چھین لیا اور پھر قنوج پر چڑھائی کی اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں قنوج اس قدر آباد تھا کہ اس شہر میں تنبولیوں کی تیس

(۳۰) ہزار دکانیں تھیں اور اہل رقص و سرور کے ساٹھ (۶۰) ہزار گھرانے تھے۔ اسی سے قنوج کی آبادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مالدیو نے بیالیس (۴۲) سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

چونکہ مالدیو نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی تھی۔ اس لئے اس کے مرتے ہی چاروں طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا اور (اس زمانے سے لے کر) اسلام کے آفتاب کے طلوع ہونے تک کوئی ایسا فرمانروا نہیں گزرا جس کی عظمت و وسعت سلطنت قابل ذکر ہو۔ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس وقت یہاں مختلف راج قائم تھے۔ قنوج میں راجہ کور' میرٹھ میں راجہ دھرم دت' نہاون میں راجہ گل چند' لاہور میں راجہ جے پال اور کالنجر میں راجہ بجیرا کی حکومت تھی۔ اسی طرح مالوہ' اجمیر' گجرات اور گوالیار میں بھی جدا جدا حکومتیں قائم تھیں۔ لہٰذا ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے اور سلاطین اسلام کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔ کہ وہی اس کتاب کا اصل موضوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

ہندوستان میں سب سے پہلے جس مسلمان نے قدم رکھا اور اہل ہندوستان سے معرکہ آرائیاں کیں وہ "مہلب بن ابی صفرہ" تھا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ہجرت نبوی کے اٹھائیسویں (۲۸) سال امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں بصرے کے حاکم "عبداللہ بن عامر" نے فارس پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں کو جنہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد بد عہدی کی تھی، شکست دی اور واپس بصرے آیا۔ ہجرت کے تیسویں (۳۰) سال امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے ولید بن عتبہ کو جو کوفے کا حاکم تھا، اس وجہ سے معزول کر دیا کہ اسے شراب خوری کی عادت تھی اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مقرر کر دیا۔ سعید اسی سال طبرستان کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت امام حسن و امام حسینؓ بھی اس کے ساتھ اس معرکے میں شریک ہوئے۔ استر آباد کے دارالسلطنت جرجان کو حضرت حسنینؓ کے قدموں کی برکت سے فتح کر لیا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے دو لاکھ دینار سالانہ دینا منظور کئے۔ اہل جرجان اسلام لے آئے اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

ہجرت نبوی کے اکتیسویں (۳۱) سال حضرت عثمان غنی نے عبداللہ بن عامر کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ ایک لشکر جرار کو ہمراہ لے کر کرمان کے راستے سے خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر کے مقدمتہ الجیش حنیف بن قیس تھے۔ غازیان اسلام کا یہ لشکر جرار سیستان (یہ علاقہ ایرانی مکران اور خراسان کے وسط میں واقع ہے اور اسے "کوہستان" کہا جاتا ہے۔)، قہستان، اور نیشاپور کو زیر کرتا ہوا اپنے محکوم کو اطاعت گزار بناتا ہوا طوس پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اسلام کی اطاقت قبول کی اور مسلمانوں کے لشکر نے سرخس، ہرات، باد غیس، غرجستھان، مرو، طالقان اور بلخ کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ چونکہ عبداللہ بن عامر کو تھوڑے سے عرصے میں مکمل طور پر فتح حاصل ہو گئی۔ لہٰذا انہوں نے خراسان کا حاکم قیس بن ہاشم کو مقرر کیا۔ مرو، طالقان اور نیشاپور میں حنیف بن قیس کو اور ہرات، غور اور غرجستھان میں خالد بن عبداللہ کو حاکم مقرر کیا اور خود حج کا احرام باندھ کر کعبے کی طرف روانہ ہو گئے-------- ہجرت نبوی کے بتیسویں (۳۲) سال حضرت عثمانؓ کے حکم سے عبداللہ بن عامر بلخ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن متعدد مخالف اسباب کی بنا پر امیر لشکر اور بہت سے مسلمان لشکری اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اور بقیہ لشکر پریشان ہو کر بھاگا۔ یہ مسلمان سپاہی جرجان (بحر خزر کے جنوب شرقی مقام کا نام تھا کہ جسے اب استر آباد کہتے ہیں) اور جیلان (جیلان یا گیلان، جرجان سے متصل علاقہ) میں آ کر پناہ گزین ہوئے۔ اسی سال عبداللہ بن عامر حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک ایرانی سردار جس کا نام قارون تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خراسان اس وقت بہادران اسلام سے خالی ہے تو اس نے طبس، ہرات، باد غیس، قہستان اور غور وغیرہ کے چالیس ہزار باشندوں کو جمع کیا اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن ہازم نے جو حنیف بن قیس کے ساتھ نیشاپور میں مقیم تھا۔ چالیس ہزار لشکریوں کی مدد سے اس فتنے کو دبایا اور اس کے صلے میں وہ خراسان کا حاکم بنایا گیا۔

۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ، خراسان اور سیستان کا حاکم مقرر کیا اور اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمٰن

بن ربیعہ نے کابل کو فتح کیا اور اہل کابل کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ کابل کی فتح کے کچھ ہی عرصے بعد ایک نامور عرب امیر مہلب بن ابی صفرہ مرو کے راستے سے کابل و زابل آئے اور ہندوستان پہنچ کر انہوں نے جہاد کیا اور دس یا بارہ ہزار کنیزو غلام اسیر کیے ان میں کچھ لوگ توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔

۵۳ھ میں زیاد بن ابیہ کی انگلی پر طاعون کی پھنسی نکلی اور اس سے اس نے وفات پائی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے اس کے بیٹے عبداللہ کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ کچھ عرصے بعد عبداللہ نے ماوراالنہر کا عزم کیا اور اس ملک کے بہت شہروں کو فتح کر کے واپس آیا۔ اس فتح کے صلے میں اسے بصرے کی حکومت ملی لیکن اس نے اسلم بن زراعہ کو اپنی طرف سے خراسان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ میں مقیم رہا۔ ۵۰ھ میں خراسان کی حکومت حضرت امیر معاویہ ؓ نے سعد بن عثمان غنی ؓ کے سپرد کی۔ ۶۳ھ میں یزید بن معاویہ نے مسلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم متعین کیا۔ جن لوگوں کو یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا تھا انہیں میں ایک مہلب بن ابی صفرہ بھی تھا۔ مسلم نے اپنے چھوٹے بھائی یزید کو سیستان کی حکومت سپرد کی۔ جب یزید بن زیاد نے یہ سنا کہ کابل کے بادشاہ نے سرکشی کر کے مسلمانوں کے حاکم ابو عبداللہ بن زیاد کو قید کر لیا ہے تو اس نے ایک لشکر جرار جمع کر کے اہل کابل سے جنگ کی' ایک زبردست اور شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں یزید کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا۔

جب مسلم بن زیاد کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ بن حنیف کو جو "طلحہ الطلحات" کے نام سے مشہور ہے۔ کابل روانہ کیا۔ کابل پہنچ کر طلحہ نے پانچ لاکھ درہم ادا کر کے ابو عبداللہ کو شاہ کابل کی قید سے آزاد کروایا۔ بعد ازاں مسلم نے سیستان کی حکومت طلحہ کو سونپی اور غور اور بادغیس کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے کابل روانہ کیا اور اہل کابل کو زبردستی اپنا مطیع" و فرمانبردار بنایا اور خالد بن عبداللہ کو جسے بعض لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے اور بعض ابو جہل کی اولاد سے بتاتے ہیں' حاکم کابل مقرر کیا۔

جب خالد بن عبداللہ کابل کی حکمرانی سے معزول ہوا تو اس نے عراق و عرب کی طرف واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ نئے حاکم کے خوف سے کابل میں قیام کرنا بھی مشکل تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے بال بچوں اور متعلقین کو جو عربی النسل تھے ساتھ لیا اور شاہ کابل کی راہنمائی میں کوہ سلیمان پر اپنا ڈیرہ جمایا۔ جو ملتان اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ خالد نے اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف افغانی کے ساتھ کر دی جو کہ مذہب اسلام اختیار کر چکا تھا۔ اس لڑکی کے بطن سے بہت سے لڑکے پیدا ہوئے جن میں دو لودھی اور سور بہت مشہور اور ممتاز تھے۔ افغانیوں کے گروہ میں دو مشہور فرقے لودھی اور سوری انہیں دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔

افغان

کتاب "مطلع الانوار" جو ایک معتبر مصنف کی تصنیف کردہ ہے اور جسے میں نے برہان پور خاندیس میں پڑھا تھا------ یہ لکھا ہے کہ افغان حقیقت میں قبطی فرعونی ہیں۔ جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں بہت سے قبطی توبہ کر کے دین موسیٰ میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان قبطیوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی کہ جس نے باوجود طرح طرح کی مصیبتوں کے یہ دین اختیار نہ کیا اور فرعون کی دوستی میں اور اس کے دعوائے خدائی کے ماننے میں ثابت قدم رہی۔ اس کے نتیجے میں اس جماعت کو جلاوطن ہونا پڑا لہٰذا یہ ہندوستان آئی اور کوہ سلیمان پر متوطن ہوئی۔

اس جماعت سے بہت سے قبیلے پیدا ہوئے جو افغانوں کے نام سے مشہور ہیں۔ جس وقت کہ خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تھا اس وقت ان میں سے بہت سے دشمن قبیلے دور دور سے آ کر ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے اس کے ساتھ مل کر کعبہ پر حملہ کیا تھا انہیں

جہنم واصل ہوئے۔ مختصر یہ کہ مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور بے شمار گھوڑوں' گائے اور بکریوں وغیرہ کے مالک بن گئے۔ ان افغانوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کیے۔ جب ان کی نسل کثرت سے پھیلی تو یہ ۱۴۳ء میں کوہستان کے علاقے سے نکل کر ہندوستان کے مختلف شہروں کرماج' پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ راجہ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا ان افغانوں کے فتنے کو دبانے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو مع ہزار سواروں کے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ افغان اس لشکر کے مقابلے پر نکلے اور انہوں نے بیشتر ہندو سواروں کو قتل کر کے اس لشکر کو شکست دی۔ اس واقعہ کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں کے ساتھ افغانوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ اس بار خلج' غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور چار ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کر کے ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ افغانوں کو اس مدد کے ملنے سے بڑی تقویت پہنچی۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ہند سے پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں لڑیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کی۔ لڑائی کے دوران میں ہی سردی کا موسم شروع ہو گیا۔ جاڑے نے اہل ہند کو بالکل مجبور اور عاجز کر دیا۔ لہٰذا وہ لڑائی بند کر کے واپس اپنے وطن چلے گئے' لیکن جب جاڑوں کا زمانہ ختم ہو گیا تو لاہور کے راجہ نے پھر ایک نئے لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ اس دفعہ بھی کابل اور خلج کے باشندوں نے افغانوں کی مدد کی اور کرماج اور پشاور کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی تو اہل ہند افغانوں پر غالب آ کر انہیں پہاڑوں تک بھگا دیتے اور کبھی افغان تیروں کی بوچھاڑ سے اہل ہند کو پسپا کرتے اور انہیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے۔

جب برسات کا زمانہ آیا تو دریائے نیلاب (نیلاب سے مراد دریائے اٹک یا سندھ ہے) کا سیلاب دیکھ کر اہل ہند لڑائی کے نتیجے کا خیال کیے بغیر اپنے ملک کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح کابل اور خلج کے مسلمانوں نے بھی اپنے وطنوں کو مراجعت کی۔ کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی ہم وطن یہ پوچھتا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گزری تو وہ جواب دیتے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو' افغانستان کہو۔ کیونکہ اب وہاں افغان وغوغہ یعنی شور اور فریاد کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بناء پر کوہستان کے مسلمانوں کو افغان اور ان کے وطن کو افغانستان کہا جانے لگا' لیکن اہل ہند ان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی' لیکن خیال یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں جب پہلی بار یہ قوم ہندوستان میں آئی تو پٹنے میں آباد ہوئی۔ اس لیے اہل ہند ان کو پٹھان کہنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس دوران میں ہندو کھکروں اور لاہور کے راجہ کے درمیان بجائے دوستی کے رنجش پیدا ہو گئی اس وجہ سے کھکر قوم نے قوم افغان سے دوستی اور میل ملاپ پیدا کر لیا۔ اس پر راجہ لاہور نے بھی افغانوں سے لڑائی بند کر دی اور ان سے صلح کر کے ملغان کے چند گاؤں ان کو دیئے۔ خلجیوں کو جو افغانوں کی مدد سے اسی جنگل میں آباد تھے اس شرط پر افغانوں کی سی مراعات دیں کہ وہ افغانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں سرحد کی حفاظت کریں۔ افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام "خیبر" رکھا۔ اور "روہ" کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آل سامان کے عہد حکومت میں سامانی لشکر کو کبھی انہوں نے لاہور تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی بنا پر سامانی لشکر کی لوٹ مار آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ ("بھاطنہ" کی اصل "بھاٹیہ" معلوم ہوتی ہے۔ اس نام کا ایک مقام ملتان کے قریب تھا) کی طرف رہی ہے۔ روہ سے وہ مخصوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور ("بجور" سے چترال اور دریائے کابل کا درمیانی علاقہ مراد ہے) سے سیوی (سیوی سے مراد ریاست قلات کا علاقہ ہے) تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے۔ جب غزنی کی حکومت الپتگین کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کئی بار لمغان (افغانستان کے مشرقی اضلاع جو پشاور کے قریب تک پاکستان کی حدود میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا نام "لمغان" تھا۔) اور ملتان میں لوٹ مچائی اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔

جب افغانوں نے یہ دیکھا کہ الپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں تو انہوں نے راجہ جے پال سے الپتگین کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد چاہی۔ جے پال نے اس خیال کے پیش نظر کہ ہندوستان کی فوج سردی کی وجہ سے سرحدی مقامات پر ہمیشہ قیام نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں بھاٹنہ کے راجہ سے مشورہ کیا۔ اس نے جو رائے دی اس کے مطابق ایک ایسے شخص کو جو افغانوں میں سے معتبر اور قابل اعتماد شخص تھا اور جس کا نام شیخ حمید تھا اس ملک کا امیر مقرر کیا۔ شیخ حمید نے لمغان اور ملتان کو اپنے قبضے میں کیا اور ہر مقام پر ایک ایک حاکم بطور اپنے نائب کے مقرر کیا اور اسی زمانے سے افغانوں میں حکومت اور سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا۔

الپتگین کی وفات کے بعد اس کا جانشین سبکتگین ہوا۔ شیخ حمید نے سبکتگین کی مخالفت کو مناسب نہ سمجھا اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مسلمان مذہب اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے ایک ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ اس طبقے (یعنی افغانوں) کو اپنا سمجھے اور جب (کبھی) مسلمانوں کی فوج ہندوستان پر چڑھائی کرے تو اس کا لشکر (یعنی سبکتگین کا) کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے اور اس جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ سبکتگین نے بھی مصلحت وقت کے پیش نظر شیخ حمید کی درخواست قبول کر لی اور جب راجہ جے پال پر فتح پائی تو افغانوں کی بہت خاطر تواضع کی اور ملتان کے اکثر حصے ان کو عطا کیے۔ لیکن سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود نے اپنے باپ کے برعکس عمل کیا۔ اس نے ہمیشہ افغانوں کو سرنگوں اور مغلوب رکھا۔ ان میں سے جو سرکش تھے انہیں قتل کیا اور جو اطاعت شعار تھے ان سے ملازموں کا سا سلوک کیا۔

مقالہ اول

تذکرہ سلاطین لاہور

جن کو "سلاطین غزنویہ" بھی کہا جاتا ہے

امیر ناصر الدین سبکتگین

اگرچہ امیر ناصر الدین کی فتوحات کا سیلاب دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھا اور کبھی اس کی حکومت پنجاب تک نہیں پہنچی' تاہم بعض مورخین نے اسے سلاطین لاہور کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

الپتگین کے حالات

تمام مورخین یہ کہتے ہیں کہ سبکتگین دراصل الپتگین کا غلام ترکی نژاد تھا۔ سامانی حکومت کے عہد میں الپتگین خراسان کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے اپنی حکومت کو پوری طرح قوی بنالیا اور (مکمل) غلبہ حاصل کر لیا۔ جب عبد الملک کا انتقال ہوا تو امرائے بخارا نے الپتگین کے پاس ایک قاصد بھیجا اور یہ دریافت کیا کہ آل سامان میں اب کونسا شخص حکومت کرنے کا اہل ہے؟ الپتگین نے جواب دیا کہ منصور بن عبد الملک ابھی نوجوان ہے۔ لہٰذا اس کام کے لیے اس کے چچا سے زیادہ اور کوئی موزوں نہیں' لیکن اس سے قبل کہ قاصد الپتگین کا جواب لے کر واپس لوٹتا امرائے سلطنت نے اتفاق رائے سے منصور کو تخت پر بٹھا دیا۔

منصور نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی الپتگین کو بخارا میں طلب کیا الپتگین ڈر گیا۔ (کیونکہ وہ منصور کو حکومت کا اہل نہ سمجھنے کی رائے دے چکا تھا۔) لیکن اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے وہ منصور کے دائرہ اطاعت سے نکل گیا اور علم سرکشی بلند کیا۔ ۹۶۱ء میں وہ تین ہزار سواروں کو لے کر جو اس کے غلام تھے خراسان سے غزنی کی طرف روانہ ہوا اور غزنی کو فتح کر کے اپنی حکومت مستقل طور پر قائم کر لی۔ جب منصور نے دیکھا کہ خراسان خالی ہے تو اس نے وہاں کی حکومت ابو الحسن محمد بن ابراہیم ہجوری کو دے دی۔ نیز دو تین بار الپتگین کے مقابلے پر اپنا لشکر بھیجا' لیکن ہر بار الپتگین کو فتح ہوئی اور منصور کی فوج شکست کھا کر دشمن کے سامنے سے بھاگ نکلی۔

احمد اللہ مستوفی کے قول کے مطابق الپتگین نے پندرہ (۱۵) سال تک ہمت و اقبال مندی سے حکومت کی اس عرصے میں اس کے سپہ سالار سبکتگین نے کئی بار ہندوؤں سے جہاد کیا اور ہر بار ان کے مقابلے پر کامیابی حاصل کی۔ ۳۶۵ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ابو اسحاق سبکتگین کے ساتھ بخارا روانہ ہوا۔

امیر منصور نے غزنیں کی حکومت اگرچہ ظاہری طور پر ابو اسحاق کو سونپ رکھی تھی لیکن امور سلطنت کے تمام اہم کام سبکتگین کی رائے سے انجام پاتے (یعنی حقیقت میں) حکومت اسی کے ہاتھ میں رہی۔

کچھ ہی عرصے میں ابو اسحاق کا انتقال ہو گیا۔ غزنیں کے امیروں اور ارکان سلطنت نے سبکتگین کے چہرے پر اقبال و فتح مندی کے آثار دیکھ کر ۳۶۷ھ میں اسے اپنا مستقل بادشاہ تسلیم کر لیا اور الپتگین کی بیٹی (یعنی ابو اسحاق کی بہن) سے اس کی شادی کر دی۔ الپتگین نے (اپنے عہد حکومت میں) عدل اور انصاف کی ترویج میں بڑا حصہ لیا اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ امراء شرفاء اور ارکان سلطنت پر طرح طرح کی مہربانیاں اور عنایتیں کیں اور ان کے دلوں میں اپنی محبت اور جہانداری کی قابلیت کا سکہ بٹھایا۔

سبکتگین کے ابتدائی حالات

مشہور مورخ منہاج جوزجانی نے اپنی کتاب "منہاج السراج" میں سبکتگین کے ابتدائی حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ایک سوداگر جس کا نام نصر حاجی تھا سبکتگین کو ترکستان ... [illegible]

کے آثار دیکھ کر اسے اپنے خاص لوگوں کے حلقے میں شامل کر لیا۔ غزنی کی جنگ میں اسے لشکر کا امیر الامراء بنایا اور اپنی طرف سے وکیل مطلق قرار دیا۔ مذکورہ مورخ (جوزجانی) سبکتگین کے نسب کی بابت لکھتا ہے کہ یہ ایران کے بادشاہ یزدجرد کی نسل سے ہے جس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

جب حضرت عثمان کے عہد خلافت میں یزدجرد ملک مرو میں اسیا کے مقام پر قتل کیا گیا تو اس کے تابعین اور اس کی اولاد وہاں سے نکل کر ترکستان کی طرف فرار ہو گئی۔ ترکستان پہنچ کر انہوں نے ترکوں سے بہت میل ملاپ کیا اور اس قوم سے شادی بیاہ کی رسم کی ابتدا کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین نسلوں کے گزرنے کے بعد یہ "آدھے ترک" بھی "اصل ترک" مشہور ہو گئے۔ چنانچہ سبکتگین کا شجرہ نسب یہ ہے۔ سبکتگین بن جو قان بن قراالحکم بن قزل ارسلان بن قرانامان بن فیروز بن یزدجرد۔

سبکتگین کا عہد حکومت

جب سبکتگین نے عنان حکومت سنبھالی تو بست (مشرقی خراسان کا ایک شہر) کے قلعے پر طغانام کے ایک شخص نے قبضہ کر لیا لیکن اس شخص کے ایک دشمن جس کا نام پاتور تھا اس پر حملہ کر کے اسے قلعے سے باہر نکال دیا۔ طغا نے امیر سبکتگین کی خدمت میں اس مضمون کی درخواست پیش کی اگر امیر، دشمن کے مقابلے میں میری مدد فرمائیں اور میں قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر تمام عمر خدمت گاروں اور خراج گزاروں کی طرح اطاعت کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھوں گا۔ امیر نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور پاتور پر لشکر کشی کر کے اسے شکست دی اور طغا کو اس کی حکمرانی واپس دلوا دی، لیکن طغا نے احسان فراموشی کی اور اپنے وعدے کے ایفا میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ جب امیر سبکتگین نے یہ دیکھا کہ طغا کی ہر بات اور ہر عمل میں مکر اور فریب کاری نظر آتی ہے تو اس نے ایک دن شکار گاہ میں (جب کہ دونوں کی ملاقات ہوئی) طغا سے ایک ایسے امر کے بارے میں باز پرس کی جس کے ایفاء کا وہ وعدہ کر چکا تھا۔ طغا نے اس کے جواب میں کچھ ناشائستہ کلمات کہے اور تلوار کھینچ کر امیر سبکتگین کے ہاتھ پر ایک کاری زخم لگایا۔ امیر نے اسی زخمی ہاتھ سے اس پر تلوار کا ایک وار کیا اور چاہتا تھا کہ دوسرے وار میں اس بدمعاش اور فریب پیشہ انسان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے کہ دونوں (یعنی سبکتگین اور طغا) کی فوجوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا اور ہنگامہ بپا ہو گیا۔ طغا کو اس افراتفری میں جان بچانے کا موقع مل گیا اور وہ کرماج کی طرف بھاگ گیا۔ اس سرکش کے بھاگنے کے بعد قلعہ امیر سبکتگین کے ہاتھ آ گیا۔ اس قلعے کی دستیابی سے سبکتگین کو جہاں اور بہت سے فائدے ہوئے وہاں ایک یہ فائدہ بھی ہوا کہ اس کی ابو الفتح سے ملاقات ہو گئی۔ ابو الفتح مختلف فنون کا ماہر کامل اور خصوصاً فن انشاء پردازی اور کتابت میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ حقیقت میں پاتور (جسے امیر سبکتگین نے طغا کی درخواست پر شکست دی تھی) کا میر منشی تھا اور اس کے اخراج کے بعد بست میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ امیر سبکتگین کو جب اس فاضل شخص کے حالات کا علم ہوا تو اس باکمال اور قابل قدر اہل فن کو اپنی باریابی سے نوازا اور اس کی لیاقت اور اہلیت کے مطابق اسے طرح طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کیا نیز اسے عہدہ انشاء پر متمکن کیا۔ ابو الفتح سلطان محمود کے ابتدائی زمانے تک اس عہدے کے فرائض انجام دیتا رہا۔ بعد ازاں سلطان سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر اس ملازمت سے علیحدہ ہو گیا اور ترکستان چلا گیا۔

قصدار پر لشکر کشی

امیر سبکتگین کو جب بست کی مہم سے فراغت ملی تو وہ قصدار (بلوچستان کا ایک مقام جو آج کل خزدار کے نام سے مشہور ہے) کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر بخارا کے حاکم کو نظربند کیا اور اسے اپنا مطیع بنا کر قصدار کا علاقہ اس کو جاگیر میں دیا۔ بخارا کی فتح کے بعد سبکتگین نے اہل ہند سے جہاد کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور ۳۶۷ھ کے اواخر میں ہندوستان پہنچ کر چند قلعے فتح کیے اکثر جگہوں پر مسجدیں تعمیر کروائیں اور بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے کامران و بامراد واپس غزنی پہنچا۔

جے پال سے معرکہ آرائی

راجہ استپال کا بیٹا راجہ جے پال جو برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی اس زمانے میں قلعہ بھٹنڈہ میں مقیم تھا تاکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکے۔ اس راجہ نے جب دیکھا کہ مسلمان حملہ آوروں کا ارادہ اب اس کی سلطنت حاصل کرنا ہے تو اس نے پریشان ہو کر ان غیر ملکی حملہ آوروں کی یورش کو روکنے کا تہیہ کیا اور کوہ پیکر ہاتھیوں اور بہادر سپاہیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں کی سلطنت کی طرف بڑھا (اس کے جواب میں) امیر سبکتگین نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور اس کے مقابلے کے لیے غزنیں سے روانہ ہوا۔ ملتان کی سرحد پر دونوں فرماں رواؤں میں آمنا سامنا ہوا اور کئی روز تک مسلسل لڑائی جاری رہی۔ اس معرکے میں سلطان محمود (غزنوی) نے باوجود کم سنی کے اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ یہ لڑائی چند روز تک کچھ اس طرح ہوتی رہی کہ فاتح اور مفتوح کی تمیز کرنا دشوار تھی۔

ایک دن ایک گروہ نے سلطان محمود سے جا کر کہا کہ راجہ جے پال کی فوج جہاں مقیم ہے وہاں قریب ہی ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اس میں تھوڑی سی نجاست ڈال دی جائے تو آندھی کے تیز تھپیڑوں' بادل کی گرج اور بجلی کی چمک دمک سے فوراً ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ (یہ سن کر) سلطان محمود نے حکم دیا کہ فوراً اس چشمے میں تھوڑی سے نجاست ڈال دی جائے۔ فوراً حکم سلطان کی تعمیل کی گئی۔ نجاست جونہی چشمے میں پڑی آسمان پر انتہائی گہرے بادل چھا گئے۔ بادل کی گھن گرج اور بجلی کی چمک کڑک سے میدان کارزار میں عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو گئی۔ لشکر کے تمام گھوڑے اور بار برداری کے دیگر جانور ہوا میں انتہائی ٹھنڈک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ لشکریوں کے بدن سردی کی شدت سے ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہر فرد نقل و حرکت سے معذور ہو گیا۔ اس عالم میں ہر لشکری فریاد و زاری کرنے لگا اور جے پال کے لشکر میں ماتم بپا ہو گیا۔

راجہ جے پال نے جب یہ دیکھا کہ اس آسمانی مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے چند قابل اعتبار ایلچیوں کو امیر سبکتگین کی خدمت میں روانہ کیا اور (ان کی معرفت) صلح کی درخواست کی۔ جس میں یہ شرط رکھی کہ اگر سبکتگین اس وقت جنگ بند کر دے تو جے پال اپنے ملک میں اس کا (یعنی سبکتگین کا) حکم چلائے گا اور اسے کوہ پیکر ہاتھیوں کی کچھ قطاریں اور چند بیش قیمت تحفے بطور نذرانہ دے گا۔ نیز ہر سال خراج اور جزیہ کی رقم باقاعدگی سے ادا کرتا رہے گا۔ امیر سبکتگین نے انسانی ہمدردی کے پیش نظر اس درخواست صلح کو منظور کر لینا چاہا' لیکن سلطان محمود نے اختلاف کیا جس کی وجہ سے صلح نامے کی تکمیل میں تھوڑی سی تاخیر ہوئی۔ اس پر جے پال نے ایک سمجھ دار ایلچی سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا۔ اس ایلچی نے راجہ کا پیغام دیا کہ "ابھی آپ اہل ہند اور خاص طور پر راجپوتوں کی جہالت اور تعصب کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس قوم کی جہالت اور بے فکری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے (اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا) تو یہ آخر کار مجبور ہو کر یہ قدم اٹھاتے ہیں کہ اپنا تمام مال و اسباب اور بیش قیمت اشیاء مایوس ہو کر آگ کی نذر کر دیتے ہیں اور اس فعل کو اپنی آخرت کی بہبودی تصور کرتے ہیں لیکن اگر اس کے بعد بھی اپنی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اپنے قدیم رواج کے مطابق اپنی عورتوں اور حرام والوں کو بھی نذر آتش کر دیتے ہیں اور پھر جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی مال و متاع کچھ نہیں رہا۔ تو پھر یہ دشمن سے مصروف معرکہ آرائی ہوتے ہیں۔ اور اس معرکے میں اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیتے ہیں اور سوائے مٹی کے ان کا نام و نشان کچھ باقی نہیں رہتا اب ان کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے پرانے دستور کے مطابق عمل کریں۔ اگر آپ کو ان کی تباہی و بربادی ہی منظور ہے تو خیر ورنہ بہتر یہی ہے کہ آپ صلح کر کے ہم سب کو اپنا ممنون بنائیں۔" سلطان محمود نے جب یہ باتیں سنیں تو اسے ہندوؤں

پیش کرے۔ جے پال نے اپنی حکومت کے ایک معتبر رکن "دولت" کو اس نذرانے کے عوض امیر سبکتگین کے پاس گروی رکھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر لاہور آیا کہ حسب شرط صلح ہاتھی اور درہم ان کے حوالے کرے۔ لاہور پہنچ کر جے پال نے بد عہدی کی اور ان مسلمانوں کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ جب تک امیر سبکتگین میرے سردار "دولت" کو واپس نہ کرے گا میں ان مسلمانوں کو قید میں رکھوں گا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو راجاؤں کے دربار کا یہ دستور تھا کہ ملک کے عاقل اور فہیم برہمن راجہ کی داہنی طرف اور لشکری اور سپاہی بائیں جانب بیٹھتے تھے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو یہ درباری راجہ کو اپنے مشورے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ (اس مسئلے پر غور و فکر کا موقع آیا تو) یہ درباری اس نتیجے پر پہنچے کہ راجہ کی رائے بالکل غلط ہے اور اس کا یہ فعل انتہائی نامناسب ہے۔ راجہ کی داہیں اور بائیں دونوں طرف سے بالاتفاق ایک ہی آواز بلند ہوئی اور سب نے یہ کہا کہ ایسے طاقتور دشمن سے وعدہ خلافی کرنا احتیاط اور عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بد عہدی ہمارے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہو اور ہم پر وہ مصائب نازل ہوں کہ دنیا میں کہیں ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ احتیاط اور مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس ترک (یعنی امیر سبکتگین) سے جس کا خوف عوام و خواص سبھی کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے' بد عہدی کر کے جنگ نہ کریں اور خدا کے بندوں کے امن و امان کا خیال رکھتے ہوئے بلا حیل و حجت وہ رقم سبکتگین کو ادا کر دیں جس پر صلح ہوئی ہے۔ چونکہ راجہ جے پال کا برا وقت (قریب) آ پہنچا تھا للہذا اس نے درباریوں کے مشورے اور استدعا کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

جے پال کی شکست

جب امیر سبکتگین کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو اسے جے پال کی بد عہدی پر بے انتہا غصہ آیا اور وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر (جے پال کو اس حرکت کی سزا دینے کے لیے) ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جے پال نے بھی ہندوستان کے دیگر راجاؤں سے مدد لے کر ایک لشکر جرار تیار کیا اور سبکتگین کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کے تمام راجاؤں نے اس خیال سے جے پال کو مدد دی کہ اس طرح ان کا اپنا فائدہ ہے (اور ان کی سلطنتیں بیرونی دشمن سے محفوظ ہو جائیں گی) خاص طور پر دہلی' کالنجر' قنوج اور اجمیر کے راجاؤں نے خوب دل کھول کر بہترین لشکر' دولت اور دیگر اشیاء سے جے پال کی مدد کی۔ الغرض جے پال نے ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیادہ سپاہی جمع کر لیے اور سبکتگین کے مقابلے پر آیا۔

امیر سبکتگین نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر جے پال کی فوج اور اس کی طاقت کا اندازہ کیا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ جے پال کا لشکر ایک دریائے ذخار کے مانند ہے۔ جس میں لشکریوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے لیکن اس کثرت سپاہ سے وہ قطعاً مرعوب نہ ہوا اور اپنے اور دشمن کے معرکے کو شیر اور بکری کی لڑائی جان کر پہاڑ سے نیچے اترا اور اپنے فوجی سرداروں سے مل کر ان میں سے ہر ایک کا دل بڑھایا۔ انہیں جہاد کے ثواب اور فوائد سے آگاہ کیا اور کہا کہ مصلحت وقت اسی میں ہے کہ پانچ پانچ سو سواروں کے دستے بنائے جائیں یہ دستے باری باری لڑیں پہلے ایک دستہ میدان جنگ میں جائے۔ جب وہ تھک جائے تو دوسرا روانہ ہو مسلمانوں کی فوج نے اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق جنگ شروع کی اور اس میں اس حد تک کامیابی حاصل کی کہ دشمنوں کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ دشمن کے حوصلے پست ہو رہے ہیں اور وہ بدحواس ہیں تو انہوں نے ایک بار مل کر حملہ کر دیا۔ اور بے شمار ہندوؤں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ ہندوؤں کی فوج سامنے کی طرف بھاگ نکلی' مسلمانوں نے نیلاب کے کنارے تک ان کا پیچھا کیا اور وسیع پیمانے پر قتل و غارت گری کی۔ اس معرکے میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور لمغان و پشاور کے ملک دریائے نیلاب کے کنارے تک مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں قانون اسلامی مروج ہوا اور امیر ناصر الدین کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہوا۔ اس فتح

کے بعد امیر ناصر الدین نے اپنے ایک سردار کو دو ہزار سواروں کے ساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس علاقے کے آس پاس کے افغانی اور خلجی صحرا نشینوں کو بھی مطیع کرتا ہوا واپس غزنی پہنچا۔

امیر نوح سے ملاقات

اسی زمانے میں امیر نوح سامانی نے سبکتگین کے پاس ابو نصر فارسی کو اس مقصد کے لیے بھیجا کہ وہ فائق (بخارا کا امیر) کی حرکات ناشائستہ بیان کر کے مدد کی درخواست کرے۔ سبکتگین آل سامان کی بیچارگی کی داستان سن کر اپنی غیرت کی وجہ سے سخت بے چین ہوا اور اسی بے چینی کے عالم میں فوراً ماوراء النہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ امیر نوح مقام سرخس تک سبکتگین کے استقبال کے لیے آیا۔ اگرچہ ملاقات سے پہلے سبکتگین امیر نوح سے کہلوا چکا تھا کہ اسے (یعنی سبکتگین کو) بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے گھوڑے سے اتر کر امیر نوح کا رکاب کو بوسہ دینے کی خدمت میں معاف رکھا جائے اور امیر نوح نے اس بات کو مان بھی لیا تھا لیکن جونہی دونوں کا آمنا سامنا ہوا اور سبکتگین نے امیر نوح کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو بادشاہی رعب داب سے وہ کچھ ایسا مجبور ہوا کہ وہ بے اختیار اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور امیر نوح کی رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر نوح نے بھی بڑی خوشی اور عزت افزائی کے ساتھ سبکتگین کو گلے سے لگایا۔ ان دونوں امیروں کی ملاقات سے تمام دیکھنے والے بہت خوش ہوئے اور ان سب پر اس خوشی کا خاص اثر ہوا۔ ان دونوں میں یہ بڑی پر لطف اور دلچسپ ملاقات تھی۔ مختصر یہ کہ جب بات چیت' خاطر و مدارات سے فراغت ہوئی تو اصل معاملہ درمیان میں آیا اور امور سلطنت کے بارے میں بات چیت ہوئی اور دشمنوں کے دفعیے کی تدابیر پر صلاح و مشورہ ہونے لگا۔ آخر کار یہی طے پایا کہ سبکتگین واپس غزنی جائے اور ایک لشکر جرار تیار کرے۔ اس کے بعد امیر نوح نے سبکتگین اس کی اولاد اور متعلقین کو طرح طرح کی بیش بہا خلعتوں اور نوازشوں کے ساتھ رخصت کیا اور خود لشکر کشی کا ارادہ کر کے بخارا کی طرف روانہ ہوا۔

ابو علی ہجوری کی پریشانی

جب ابو علی ہجوری کو جس کے پاس فائق پناہ گزین تھا۔ اس تمام معاملے کی خبر ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنے امیروں وزیروں سے مشورہ لیا کہ اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو کہاں اور کس والی ملک کے پاس مدد کی درخواست لے کر جانا چاہیے ان لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ فخر الدولہ دیلمی سے میل ملاپ پیدا کرنا چاہیے اور اس کی دوستی پر تکیہ کرنا چاہیے۔ ابو علی ہجوری نے جعفر ذوالقرنین کو جرجان کا سفیر مقرر کیا اور خراسان و ترکستان کی وہ بیش قیمت اور گراں قدر اشیاء جو مل سکیں فخر الدولہ دیلمی اور اس کے وزیر کے لیے بطور تحفہ ارسال کیں اور یوں ان سے دوستی پیدا کر کے آمد و رفت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران میں امیر سبکتگین (لشکر لے کر) بلخ پہنچا اور امیر نوح بھی بخارا سے روانہ ہو کر وہاں اس سے جا ملا۔ جب فائق اور ابو علی ہجوری کو ان کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی ایک لشکر جرار لے کر معرکہ آرائی کے لیے نکلے۔ اس لشکر میں دارا بن شمس المعالی اور قابوس بن وشمگیر بھی جو فخر الدولہ کی طرف سے ان کی مدد کے لیے ۱۰ ہزار سواروں کے ساتھ آئے ہوئے تھے شامل تھے۔

امیر ابو علی ہجوری سے جنگ

امیر سبکتگین نے ایک وسیع میدان جنگ کے لیے منتخب کیا اور میمنہ اور میسرہ کو سپاہیوں سے آراستہ کر کے خود امیر نوح اور اپنے بیٹے سلطان محمود کے ساتھ فوج کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ جب دونوں جانب صف آرائی ہو گئی اور لڑائی شروع ہو گئی تو ابو علی ہجوری کا میمنہ اور میسرہ امیر نوح کے دونوں دستوں پر غالب آیا اس طرح امیر نوح کے لشکر کے قدم اکھڑنے لگے۔ عین ممکن تھا کہ بنا بنایا کام بگڑ جاتا کہ ایک ... بن قابوس نے ابو علی ہجوری کے قلب لشکر سے نکل کر حملہ کیا۔ اور جب دونوں صفوں کے درمیان آیا تو اس نے سر کو پیچھے کی طرف ...

وزیروں نے جب یہ عالم دیکھا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ابن قابوس نے تنہا ہی غداری نہ کی ہو گی بلکہ لشکر کا ایک بڑا حصہ اس کے ساتھ ہو گا۔ سخت پریشان ہوئے اور مایوس ہو کر اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ امیر ناصر الدین نے جب دشمن کے لشکر کی یہ پریشانی دیکھی تو اس نے اپنے لشکر کے چیدہ بہادروں کے ایک دستے کو ساتھ لے کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ خراسانی لشکر اس زبردست حملے سے بدحواس ہو گیا اور سامنے کی طرف بھاگ نکلا۔ سلطان محمود نے ان بھاگنے والوں کا پیچھا کیا ان میں سے بیشتر کو قتل کیا اور جو باقی بچے انہیں قید کر لیا۔ یہ بد نصیب بھاگنے والے جنہوں نے اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کی تھی۔ اس قدر مال و اسباب اور اسلحہ وغیرہ چھوڑ کر بھاگے کہ اگر اس کا دسواں حصہ بھی اپنی عزت بچانے میں صرف کرتے تو زمانے کی مشکلات سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے۔

جب فائق اور امیر ابو علی ہجوری نیشاپور کی طرف فرار ہو گئے تو امیر نوح نے سبکتگین کو "ناصر الدین" کا خطاب دیا اور اس کے فرزند سلطان محمود کو "سیف الدولہ" کا لقب عطا کر کے ابو علی ہجوری کی بجائے امیر الامراء مقرر کیا اور خود کامیاب اور کامران بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ جب امیر ناصر الدین اور سلطان محمود بڑی آن بان اور شان و شوکت سے نیشاپور کی طرف روانہ ہوئے تو فائق اور ابو علی ہجوری بدحواس ہو کر جرجان بھاگ گئے اور فخر الدولہ دیلمی کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ جب امیر ناصر الدین غزنی کو روانہ ہو گیا اور سلطان محمود تنہا نیشاپور ہی میں رہ گیا تو ابو علی ہجوری اور فائق نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اس سے پہلے کہ امیر نوح اور امیر ناصر الدین کی طرف سے سلطان محمود کو مدد پہنچے اس پر حملہ کر دیا۔ سلطان محمود کو شکست ہوئی اور ان دونوں نے تمام مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا جب امیر ناصر الدین نے یہ افسوس ناک اور حیران کن خبر سنی تو وہ فوراً ایک زبردست لشکر تیار کر کے نیشاپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ طوس کے قریب امیر ناصر الدین اور فائق اور امیر ابو علی کا آمنا سامنا ہوا دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ابھی طرفین کے جوہر پوری طرح نہ کھلے تھے کہ امیر ابو علی ہجوری کے لشکر کے پیچھے سے گرد و غبار سا اٹھتا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب نے دیکھا کہ سلطان محمود ایک زبردست فوج لیے چلا آ رہا ہے۔ اب امیر ابو علی ہجوری نے اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں دستوں کو قلب لشکر سے ملا کر فائق کے لشکر کے ساتھ امیر ناصر الدین کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ امیر ناصر الدین نے اس حملے کو بڑی جرات اور دلیری سے روکا اور میدان جنگ میں ڈٹا رہا۔ اتنے میں سلطان محمود شیر کی طرح گرجتا ہوا دشمن کے سر پر آ پہنچا اور اس کی فوج کے چھکے چھڑا دیے۔ امیر ابو علی ہجوری اور فائق اپنی جان بچا کر فرار ہو گئے اور کلات (خراسان اور طوس کے درمیان ایک قلعہ تھا۔) کے قلعے میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔

اس فتح کے بعد امیر سبکتگین نے بڑے آرام اور اطمینان کے ساتھ حکومت کی اور چھپن (۵۶) سال کی عمر میں بمقام ترمذ شعبان ۳۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے بعد اس کے جسم کو تابوت میں رکھ کر غزنی لایا گیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ سبکتگین نے بیس سال تک فرمانروائی کی اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے چودہ (۱۴) افراد نے باری باری مسند حکومت سنبھالی اور وہ لاہور اور اس کے اطراف پر قابض رہے۔ ابو العباس فضل ابن احمد اسفرائنی سبکتگین کا وزیر تھا جو حکومت و سلطنت کے امور انتظام، رعایا کی خبر گیری، سپاہ و لشکر کی درستی، غرض ہر معاملے میں پوری مہارت رکھتا تھا۔

ایک عجیب و غریب واقعہ

"جامع الحکایات" میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب امیر ناصر الدین، الپتگین کی ملازمت میں تھا تو اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور وہ تمام دن اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں گھوما کرتا تھا اور جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی مع اپنے بچے کے جنگل میں چر رہی ہے۔ سبکتگین نے اسے دیکھتے ہی گھوڑے کو دوڑایا اور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس نے اس بچے کو اپنی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرنی پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے اور اس کی صورت اور حرکات سے پریشانی اور رنج کا اظہار ہو رہا ہے یہ عالم دیکھ کر سبکتگین

کو اس بے زبان جانور پر بہت رحم آیا اور اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرنی اپنے بچے کی رہائی سے بہت خوش ہوئی اور (بچے کو ہمراہ لے کر) جنگل کی طرف روانہ ہوئی وہ تھوڑی دور چل کر سبکتگین کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ لیتی تھی جیسے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔

جس دن کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو سبکتگین نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا۔ "اے ناصر الدین تو نے ایک بے زبان جانور پر جو رحم کیا ہے وہ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے۔ للذا اس کے صلے میں تجھے چاہیے کہ یہی طریق اختیار کرے اور کبھی رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ کیونکہ یہ طریق دین و دنیا کا سرمایہ ہے" ..... "معاصر الملوک" میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے اپنی جوانی کے ابتدائی زمانے اور باپ کی زندگی میں غزنی میں ایک سرسبز و شاداب باغ لگوایا تھا اور اس باغ میں ایک بڑی عمدہ اور عالی شان عمارت تعمیر کروائی تھی۔ جب یہ باغ اور عمارت پوری طرح تیار ہو گئی تو ایک جشن عظیم منعقد کیا اور اپنے باپ اور دوسرے ارکان سلطنت کو اس باغ میں مدعو کیا امیر ناصر الدین نے اس باغ اور عمارت کو دیکھا تو سلطان محمود سے کہا۔ "اے بیٹے اگرچہ یہ باغ اور یہ عمارت بہت خوبصورت ہیں لیکن ایسی چیزیں تو تمہارے ملازم بھی بنا سکتے ہیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایسی عمارت کی بنیاد ڈالیں جس کی مثال پیدا نہ کی جا سکے۔" محمود نے بڑے ادب سے پوچھا "وہ کون سی عمارت ہے جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں۔" سبکتگین نے جواب دیا۔ "اس عمارت سے مراد اہل علم کے دل ہیں۔ اس گھر کی زمین میں اگر تم اپنی محبت اور احسان کے بیج بوؤ گے اور وہ بار آور ہوں گے تو ان کے پھل ایسے ہوں گے جن کے چکھنے سے تمہیں دین و دنیا کی سعادت کی لذت ملے گی۔ اور تمہارا نیک نام روز حشر تک زندہ رہے گا۔

سبکتگین کا انتقال

"ترجمہ یمینی" (یعنی مشہور تاریخ یمینی) میں لکھا ہے کہ سبکتگین نے اپنی وفات سے چند روز قبل ایک دن شیخ ابوالفتح سے دوران گفتگو میں کہا۔ "ہم انسان نازل شدہ مصائب کو دور کرنے کی تدابیر اور لاحق شدہ امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ قصاب سے بھیڑ کو اس کے بال کترنے کے لیے پہلی مرتبہ زمین پر پٹکتا اور اس کے پاؤں مضبوطی سے باندھ دیتا ہے بھیڑ اپنے اوپر ایک نئی اور عجیب مصیبت دیکھ کر زندگی سے مایوس ہو جاتی ہے اور مرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے' لیکن قصاب اپنے کام سے فارغ ہو کر اسے آزاد چھوڑ دیتا ہے اور وہ خوشی سے اچھلنے کودنے لگتی ہے۔ دوسری مرتبہ پھر جب قصاب اسے پکڑتا ہے تو وہ ایک شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتی ہے خوف اور امید دونوں کا اسے خیال رہتا ہے (یعنی وہ یہ خیال بھی کرتی ہے کہ اسے ذبح کر دیا جائے اور ساتھ یہ امید بھی ہوتی ہے کہ گذشتہ موقع کی طرح اس بار بھی اسے رہا کر دیا جائے گا۔ اور جب قصاب (اس کے بال کتر کر) اسے آزاد کر دیتا ہے تو وہ پھر خوش ہو جاتی ہے اور خوف کا احساس اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ تیسری مرتبہ جب قصاب اسے ذبح کرنے کے خیال سے زمین پر گراتا ہے تو اس کے دل میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور وہ یہ خیال کرتی ہے کہ پہلے کی طرح اس بار بھی تھوڑی دیر کے لیے اس کی آزادی سلب کی گئی ہے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ پہلے کی طرح آزاد ہو جائے گی۔ وہ بے خبری اور بے خوفی کے عالم میں رہتی ہے اور اسی عالم میں اس کے گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے اور وہ دنیا سے گزر جاتی ہے۔ ہم انسان بھی چونکہ ہمیشہ طرح طرح کی مصیبتوں اور نت نئے امراض میں آئے دن مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہر مصیبت اور ہر مرض میں اس سے رہائی کا خیال کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آخری مصیبت موت کا پیغام لے کر آتی ہے اور اسی غفلت کے عالم میں ہمارے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر ہمیں اس دنیا سے لے جاتی ہے۔" مورخین لکھتے ہیں کہ سبکتگین نے یہ باتیں اپنی موت سے چار روز قبل کہی تھیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امیر اسمٰعیل بن امیر ناصر الدین سبکتگین

جب امیر ناصر الدین سبکتگین نے دنیا سے رحلت کی تو اس وقت چونکہ سیف الدولہ سلطان محمود نیشاپور میں مقیم تھا- اس لیے اس کا چھوٹا بھائی امیر اسمٰعیل اپنے باپ کی نصیحت کے مطابق بلخ میں اس کا جانشین ہوا- امیر اسمٰعیل نے لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کی باپ کے جمع کردہ خزانے کو اہل لشکر میں فراخ دلی سے تقسیم کیا- اور لشکریوں کی دل جوئی اور خاطرداری پوری پوری طرح کی لیکن باوجود ان عنایتوں اور مہربانیوں کے اہل لشکر میں خود غرضوں کی طمع روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور وہ آئے دن طرح طرح کے مطالبات کرتے رہتے اور کسی طرح بھی امیر اسمٰعیل کے قابو میں نہ آتے تھے- سلطان محمود کو نیشاپور میں ان معاملات کا علم ہوا اور اس نے اپنے بھائی کو اس بارے میں افسوس کا ایک خط لکھا- محمود نے وہ خط ابو الحسن حموی کے ہاتھ روانہ کیا اور ساتھ یہ پیغام دیا- "امیر ناصر الدین جو ہم سب کے پشت پناہ تھے وہ اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور ان کے بعد تم سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے تم میری آنکھیں ہو اور جو کچھ تمہاری خواہش ہو میں اسے پورا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن سلطنت کے قیام اور حکومت کے انتظامات کے لیے سن رسیدہ اور پختہ کار ہونا بہت ضروری ہے اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اچھا معاملہ فہم ہو- اگر تم میں یہ صفات ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی کی اطاعت کو ترجیح نہ دیتا- والد صاحب نے جو تم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو اس کا سبب صرف مصلحت وقت اور سلطنت کی حفاظت تھا میری دوری کی وجہ سے یہ امر ناگزیر تھا- اب وقت کی مصلحت یہ ہے کہ تم اچھائی اور برائی کے فرق کو سمجھو اور اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرو- انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور جو کچھ باپ کا متروکہ ہے اسے شریعت کے مطابق تقسیم کرو- غزنی جو ہماری حکومت اور رعب داب کا سرچشمہ ہے' مجھے دے دو تاکہ بلخ و خراسان کو دشمنوں سے پاک و صاف کر کے تمہارے حوالے کر دوں-

امیر اسمٰعیل نے اپنے بھائی کے کہنے کی کوئی پروانہ کی اور مخالفت پر ڈٹا رہا- سلطان محمود نے جب یہ دیکھا کہ زبانی نصیحت سے کوئی کام نہیں چلتا تو اس نے اس مثل پر عمل کیا کہ "آخری تنبیہہ مار ہے-" اور اپنے چچا معز الحق اور اپنے چھوٹے بھائی نصیر الدین کو ساتھ لے کر نیشاپور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا- (امیر اسمٰعیل بھی اپنے لشکر لے کر) بلخ سے آگے بڑھے جب دونوں بھائیوں کے لشکر آمنے سامنے آئے تو محمود نے آخری بار یہ کوشش کی کہ امیر اسمٰعیل جنگ سے باز رہے اور دونوں بھائیوں میں صلح ہو جائے لیکن اس کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اسمٰعیل اپنی ضد پر اڑا رہا- سلطان محمود نے ناچار اپنے لشکر کی صف آرائی کی اور اسمٰعیل بھی اپنے سرداروں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا- اس نے اپنی فوج کا ہر پہلو پوری طرح درست کر لیا تھا اور کوہ پیکر ہاتھی اور اس کے ساتھ تھے------ دونوں بھائیوں کی افواج میں معرکہ آرائی ہوئی اور میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہہ گئیں- آخر سلطان محمود نے اپنے قلب لشکر سے نکل کر دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا- اس حملے سے فریق مخالف کے چھکے چھوٹ گئے- سلطان اسمٰعیل کی فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی اور غزنی میں قلعہ بند ہو گئی- سلطان محمود نے ان لوگوں کو عہد و پیمان کے بعد قلعہ سے باہر نکالا اور ملک کے خزانے وغیرہ پر قبضہ کیا اور چند قابل اعتبار لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کر کے خود بلخ کی طرف روانہ ہوا-

اس لڑائی کے چند روز بعد ایک دن امیر اسمٰعیل اور سلطان محمود ----- دونوں بھائی آپس میں بیٹھے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے کہ سلطان محمود نے کسی بہانے سے اس لڑائی کا ذکر چھیڑا- اور اسمٰعیل سے پوچھا- "اگر تمہاری قسمت یاوری کرتی اور تم جیت جاتے تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک کرتے-" اسمٰعیل نے جواب دیا- "میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اگر مجھے فتح نصیب ہوتی تو تمہیں ایک قلعے میں نظر

بند کر دوں گا اور وہاں تمہیں راحت و آرام کا تمام سامان بہم پہنچاؤں گا۔۔۔۔" سلطان محمود کو جب اپنے بھائی کے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ تو اس نے لڑائی کے اس تذکرے کو ختم کیا اور خاموش ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد سلطان محمود نے امیر اسمٰعیل کو جرجان کے قلعے میں نظر بند کر دیا اور اس کے لیے راحت و آرام کا تمام سامان بہم پہنچایا اور اس طرح امیر اسمٰعیل کا اپنے بھائی کے لیے جو خیال تھا وہ خود اس کی اپنی حالت پر صادق آیا۔

امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی

تمام مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سلطان محمود تمام دنیاوی اور دینی خوبیوں کا مجموعہ تھا اور اپنی دلیری و شجاعت' عدل و انصاف' انتظام سلطنت اور فتوحات کی بنا پر دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور تھا اس کی معرکہ آرائیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ اسلام اور انصاف کی برکات کو پھیلایا جائے اور ظلم و تعدی کی بنیادوں کو ڈھا دیا جائے اس کی بہادری اور جرات مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتا ہوا چلا جاتا تھا اور کسی بلندی اور پستی کا مطلق خیال نہ کرتا تھا۔ انصاف کا یہ عالم تھا کہ دور و نزدیک ہر مقام پر اس کی انصاف پسندی کا بول بالا تھا۔ باوجود اس شہرت اور نیک نامی کے بعض مورخین نے اسے حریص اور لالچی لکھا ہے اور اس کی اولعزمی اور حوصلوں کی بلندی پر بھی اسے بخیل کہا ہے۔ اس ناچیز مورخ محمد قاسم فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے اولعزم بادشاہ کو بخیل کہنا ان مورخین کی ناانصافی اور کم توجہی کا ثبوت ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اسے دولت سے محبت تھی وہ حتی الامکان اسے جمع کرنا چاہتا تھا لیکن اسے دولت کو فراخ دلی سے خرچ کرنا بھی آتا تھا اور وہ خرچ کرتا تھا۔

فتح بلاد و مقامات ابو نصر مشکاتی اور مجلدات ابو الفضل وغیرہ تمام قابل اعتبار کتابیں اس امر کی شاہد ہیں کہ سلطان محمود کے دربار میں جس قدر شاعران باعلم اور بہادران روز گار جمع تھے اتنے شاید ہی کسی دوسرے بادشاہ کے دربار میں جمع ہوئے ہوں اور سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اہل علم کا ایسا گروہ بغیر عنایات اور بخششوں کے جمع نہیں ہو سکتا۔ سلطان محمود ہمیشہ اہل کمال سے دوستی رکھتا تھا اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا۔ مقررہ تنخواہوں کے علاوہ ہر سال مزید چار لاکھ درہم ان میں تقسیم کرتا تھا اور ہر طرح کی خاطر و مدارات کرتا تھا۔ ان اوصاف کے باوجود سلطان محمود کے بخیل مشہور ہونے کی بظاہر دو وجوہ نظر آتی ہیں ایک تو فردوسی طوسی کا قصہ اور دوسرے سلطان محمود کا اپنی آخر عمر میں اپنی رعایا اور دولت مندوں سے بلا ضرورت روپیہ طلب کرنا۔

صورت و سیرت

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود کی صورت خوشنما اور خوب نہ تھی ایک روز اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو اپنی بدصورتی سے بہت رنجیدہ اور پریشان ہوا۔ اور اپنے وزیر سے کہا۔ "مشہور ہے کہ بادشاہوں کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں روشنی آتی ہے ایک میری صورت ہے کہ جسے دیکھ کر شاید دیکھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو۔" وزیر نے جواب دیا تمہاری صورت تو شاید ہزاروں میں ایک دیکھتا ہو۔ لیکن تمہاری سیرت سے سبھوں کو تعلق ہے تم اگر عمدہ سیرت کے حامل ہو جاؤ گے اور ہمیشہ ایسے ہی رہو گے تو لوگوں میں تمہیں ہر دلعزیزی حاصل ہو گی۔" محمود کو اپنے وزیر کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس کے کہنے پر عمل کیا۔ (سلطان محمود نے اپنی سیرت کو اس حد تک خوبیوں کا مجموعہ بنایا کہ) تمام بادشاہوں سے زیادہ مقبول و محبوب ہوا۔

پیدائش

سلطان محمود کی ماں ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی۔ اسی وجہ سے سلطان کو محمود زابلی بھی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمود ۳۵۷ھ میں عاشورہ کی رات کو پیدا ہوئے------ کتاب "منہاج السراج" میں جو زجانی لکھتا ہے کہ سلطان محمود کی قسمت کا ستارہ اور صاحب صلی اللہ علیہ کے طالع مبارک کا ستارہ ایک ہی تھا۔

سلطان محمود کے پیدا ہونے سے ایک گھڑی پہلے اس کے باپ سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اس کے مکان میں آتش دان کے اندر سے

ایک درخت نکلا اور اس قدر بلند ہوا کہ ساری دنیا اس کے سائے میں آ گئی۔ سبکتگین کی جب آنکھ کھلی تو وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر محمود کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی۔ یہ خبر سن کر سبکتگین کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے خواب سے جس کی ابتداء اور انتہا بہت اچھی تھی۔ خوش ہوا اور امیدیں قائم کیں اور اس لڑکے کا نام محمود رکھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ لڑکا بڑا ہو کر ایک عظیم الشان حکمران بنا اور اس کی سلطنت یہاں تک وسیع ہوئی کہ ایک عالم نے اس کے انصاف کے سائے میں آرام اور راحت حاصل کی۔ چنانچہ فردوسی شاہنامہ میں بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسی زمانے میں امیر ناصر الدین سبکتگین نے ہندوؤں کا وہ مشہور بت خانہ جو سودرہ کے کنارے پر واقع تھا مسمار کیا اور اس طرح گویا خداوند باری تعالیٰ کے حضور میں اس لڑکے (محمود) کی پیدائش کا شکر بجا لایا۔ اور اپنے بیٹے کے طالع کی مدد سے جو پیغمبر اسلامؑ کے طالع سے مطابقت رکھتا تھا بت پرستوں کے مقابلے پر فتح حاصل کی۔

حالات ابتدائے حکومت

جلوس محمودی کے پہلے ہی سال سیستان میں سونے کی ایک کان جو درخت کی مانند تھی زمین کے اندر نمودار ہوئی جس قدر اس کان کو کھودا جاتا تھا سونا نکلتا آتا تھا یہاں تک کہ کھودتے کھودتے اس کان کا گھیرا تین (۳) گز مدور ہو گیا یہ کان ایک عرصے تک باقی رہی یہاں تک کہ سلطان مسعود کے زمانے میں ایک زلزلہ نے اسے بالکل معدوم کر دیا۔

جب سلطان نے اپنے بھائی امیر اسمعیل کی جنگ سے فراغت حاصل کی تو وہ بلخ کی طرف متوجہ ہوا۔ امیر منصور نے خراسان کی امیر الامراء کا منصب جو محمود اور اس کے باپ کا طرہ امتیاز تھا اس زمانے میں بکتوزن کے سپرد کر دیا تھا۔ سلطان محمود نے اس سلسلے میں ایک قاصد امیر منصور کے پاس بخارا روانہ کیا اور اس منصب سے علیحدگی پر اظہار افسوس کیا۔ اس پر منصور نے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں بلخ، ترمذ اور ہرات کا امیر الامراء مقرر کر دیا ہے۔ بکتوزن چونکہ ہمارے خاندان کا قدیم خیر خواہ ہے اس لیے بلاوجہ اس عہدے سے اسے معزول کرنا مناسب نہیں۔

سلطان محمود نے ابو الحسن کو بہت سے تحفے تحائف اور دوسری چیزوں کے ساتھ امیر منصور کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ "بادشاہ کی دور اندیشی سے مجھے توقع ہے کہ ہماری دیرینہ دوستی اور خلوص کی مضبوط بنیادیں بے رخی کی وجہ سے کمزور نہ ہوں گی اور میرے والد کے حقوق خدمت جو آل سامان پر ہیں نظر انداز نہ کیے جائیں گے اور دنیا کی کوئی بھی چیز ہمارے آپس کے رشتہ اخوت و محبت کو توڑ کر فرمانبرداری کی بنیادوں کو مسمار نہ کر سکے گی۔" جب ابو الحسن حموی بخارا پہنچا تو امیر منصور نے اپنی وزارت کی امید دلا کر اپنے پاس ہی رکھ لیا اور سلطان محمود کو کوئی جواب نہ دیا۔ (لہٰذا مجبوراً) اب محمود نے نیشاپور پر حملہ کیا۔ بکتوزن کو جب اس حملے کا علم ہوا تو وہ خود شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا اور امیر منصور کو ایک خط کے ذریعے اس کی اطلاع دی۔ امیر منصور نے حقیقت حال سے آگاہ ہوتے ہی فوراً اپنی فوج کو تیار کیا اور جوانی کے نشے میں سرشار ہو کر سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے نیشاپور روانہ ہوا اور سرخس میں جا کر مقیم ہوا۔

سلطان محمود اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھا کہ امیر منصور اس کے مقابلے پر کسی طرح نہیں ٹھہر سکتا' لیکن اس نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ احسان فراموشی کے داغ سے اپنے دامن کو آلودہ کرے۔ لہٰذا وہ نیشاپور کو چھوڑ کر مرغاب چلا گیا۔---- اسی زمانے میں بکتوزن نے فائق کے مشورہ پر غداری کی اور امیر منصور کو قید کر کے اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور اس کے چھوٹے بھائی عبد الملک کو جو ابھی کم عمر تھا تخت پر بٹھا دیا اور خود سلطان محمود کے ڈر سے مرو بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے جب یہ خبر سنی تو فوراً اس کا پیچھا کیا اور مرو پہنچ کر بکتوزن اور فائق سے معرکہ آرائی کی۔ چونکہ ان دونوں بدنصیبوں کے سر پر احسان فراموشی اور کفران نعمت کا وبال تھا

امیر منصور کے چھوٹے بھائی عبد الملک کو ساتھ لے کر بخارا کی طرف بھاگا اور بکتوزن نے نیشاپور کی راہ پائی۔ کچھ عرصے کے بعد بکتوزن نے پھر سلطان محمود سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور اس نے بخارا پہنچ کر اپنی منتشر فوج کو جمع کرنا شروع کیا' لیکن اس سے قبل کہ اس کی فوج یکجا ہوتی۔ اسے موت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ فائق کے انتقال کے فوراً بعد ایلک خاں کا شغر سے بخارا پہنچا اور اس نے عبد الملک اور اس کے ہوا خواہوں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ عبد الملک کی موت کے ساتھ آل سامان کا بھی خاتمہ ہوا۔ جو ایک سو انہا ئیس سال سے حکومت کرتی چلی آ رہی تھی۔

خطاب و اعزاز

ان چھوٹی چھوٹی پریشانیوں کے ختم ہو جانے کے بعد سلطان محمود بڑے اطمینان اور چین کے ساتھ بلخ اور خراسان پر حکومت کرنے لگا جب محمود کے کروفر اور شان و شوکت کا آوازہ بلند ہوا اور تمام دنیا میں اس کی شہرت ہوئی تو خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی نے اسے ایک قیمتی خلعت (ایک ایسا خلعت کہ اس جیسا خلیفہ نے اس سے پہلے کسی کو نہ بھیجا تھا۔) اور امین الملت اور یمین الدولہ کا خطاب عطا کیا۔

اواخر ذی قعدہ ۳۹۸ھ میں سلطان محمود بلخ سے ہرات آیا اور ہرات سے سیستان پہنچا۔ یہاں کے حاکم حنیف بن احمد کو اپنا مطیع بنایا اور واپس غزنی آ گیا۔ غزنی پہنچ کر محمود ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور ہندوستان کے چند قلعوں کو فتح کر کے واپس اپنے دارالسلطنت آ گیا اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر کے عوام و خواص دونوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ ایلک خاں نے ماوراء النہر کو آل سامان کے قبضے سے نکال کر سلطان محمود کی خدمت میں فتح نامہ ارسال کیا اور مملکت خراسان پر قبضہ کرنے کی خوش خبری سنائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایلک خاں اور سلطان محمود میں بڑے گہرے اور دوستانہ مراسم پیدا ہو گئے۔ اس کے جواب میں محمود نے اس زمانے کے مشہور محدث ابو الطیب سہل بن سلیمان معلوکی کو اپنا پیغامبر بنا کر ایلک خاں کے پاس بھیجا اور ایلک خاں کی بیٹی سے شادی کرنے کی درخواست کی۔ نیز انتہائی قیمتی اور اعلیٰ درجے کے یاقوت و لعل اور مروارید' مونگے کی مالیں۔ عنبر کے ڈبے' روپے اور اشرفیوں کے توڑے' خوشبو دار کافوری بتیاں اور ہندوستان کے دوسرے نوادرات (مثلاً) عود کے درخت' ہندوستان کی تلواریں' کوہ پیکر ہاتھی' زریں اور چمکدار جھول جو زیورات سے اس طرح سجے ہوئے تھے کہ ان کے دیکھنے سے آنکھوں کو چکا چوند پیدا ہوتی' علاوہ ازیں گراں قدر ساز و یراق سے لدے ہوئے اعلیٰ نسل کے گھوڑے ابو الطیب کے ساتھ (ایلک خاں کے لیے) بھجوائے۔ امام ابو الطیب جب ترکستان پہنچے تو ایلک خاں کے حکم سے ترکوں نے جن میں سے بیشتر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ امام ابو الطیب نے وہاں اس وقت تک قیام کیا کہ جب تک پیام بری کے فرائض پوری طرح ادا نہ کر لیے ایلک خاں کی بیٹی سے سلطان محمود کے نکاح کی بات چیت طے کرنے کے بعد ابو الطیب واپس ہوئے۔ ان کے ساتھ ایلک خاں کے دیئے ہوئے اعلیٰ درجے کے بیش قیمت تحائف' خالص سونا اور چاندی' خطا اور ختن کی خوبصورت لونڈیاں اور غلام' قاقم و سمور اور دوسری بہت سی اعلیٰ درجے کی اشیاء وغیرہ تھیں۔ یہ سب چیزیں انہوں نے سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیں۔ سلطان محمود نے امام ابو الطیب کو اس خدمت گزاری کے عوض طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے نوازا۔

اس کے بعد ایک مدت تک سلطان محمود اور ایلک خاں کے درمیان رشتہ اتحاد و یگانگت اور رابطہ لطف و محبت قائم رہا اور پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ گردش دوراں اور چغل خوروں کی کوششوں کے ہاتھوں یہ جگری دوست ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔

ہندوستان پر حملے

جے پال سے معرکہ آرائی

سلطان محمود نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ سلطنت کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرے گا اور غیر مسلموں سے لڑائیاں لڑے گا۔ اب اس نے اس عہد کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ تقریباً ہر سال ایک خاص موسم میں ہندوؤں سے معرکہ آرائی کرے گا۔ چنانچہ (اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے) وہ شوال ۳۹۱ھ میں دس ہزار لشکریوں کے ساتھ غزنی سے پشاور آیا۔ راجہ جے پال بھی ایک زبردست لشکر کے ساتھ جس میں بارہ ہزار سوار، بتیس ہزار (۳۲۰۰۰) پیادے اور تین سو ہاتھی تھے محمود کے مقابلے پر نکلا۔ ۸ محرم ۳۹۲ھ بروز دو شنبہ دونوں حکمرانوں کے لشکر آپس میں معرکہ آرا ہوئے۔ فریقین نے بڑی مردانگی اور دلیری سے ایک دوسرے پر حملہ کیا، لیکن فتح سلطان محمود ہی کو ہوئی۔ لہٰذا وہ اسلامی فاتح ہونے کی وجہ سے محمود غازی کے نام سے مشہور ہوا۔ راجہ جے پال پندرہ اشخاص کے ساتھ جو اس کے بیٹے اور رشتہ دار تھے، گرفتار ہوا۔ اس کے لشکر کے پانچ ہزار سپاہی تہ تیغ کیے گئے اور باقی بدحواس و پریشان ہو کر فرار ہو گئے۔ اس معرکے میں بہت سا مال و اسباب محمود کے ہاتھ لگا۔ بہت سی دوسری اشیاء کے ساتھ سولہ (۱۶) جڑاؤ مالے تھے جو قیدیوں کے گلے سے اتار کر محمود کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ جن میں سے ہر مالے کی قیمت جوہریوں کے اندازے کے مطابق ایک لاکھ اسی ہزار (۱۸۰۰۰۰) دینار تھی۔ سلطان محمود پشاور سے پہندہ کے قلعے میں گیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ جب موسم بہار قریب آیا تو سلطان محمود نے راجہ جے پال اور دوسرے اسیروں کو اپنا باجگزار بنا کر رہا کر دیا اور بہت سے باغی و سرکش افغانوں کو تہ تیغ کیا اور کچھ کو اپنا غلام بنا کر غزنی کو واپس لوٹا۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو ہندو راجہ دوبار مسلمانوں سے شکست کھائے یا ان کی قید میں رہ چکا ہو، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ فرمانروائی کرے۔ اور یہ چیز ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کو سوائے آگ کے کوئی دوسری شے پاک نہیں کر سکتی۔ جے پال چونکہ دو مرتبہ محمود سے شکست کھا چکا تھا اس لیے اس نے اپنے عقیدے کے مطابق اپنے بیٹے انند پال کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا۔

بھاٹنہ کی فتح

۳۹۳ھ میں سلطان محمود پھر سیستان گیا اور اس بار حنیف بن قیس کو اپنے ہمراہ غزنی لے آیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد محمود نے ہندوستان کو فتح کرنے کا پھر ارادہ کیا۔ وہ ۳۹۵ھ میں غزنی سے بھاٹنہ (یہ دراصل بھاٹیہ ہے جو ملتان کے قریب ایک مقام تھا اور ایک ہندو راجہ کا دارالسلطنت تھا) کی طرف روانہ ہوا اور ملتان کی سرحد سے گزر کر بھاٹنہ میں مقیم ہوا۔ بھاٹنہ کے گرد کھینچی ہوئی شہرپناہ بے حد بلند اور مضبوط تھی اور اس کے گرد ایک خندق بھی تھی۔ جس کی تھاہ کی کچھ خبر نہ تھی اور اس خندق کا منہ بہت چوڑا تھا۔ بھاٹنہ کے فرمانروا کا نام "بجے راؤ" تھا اور وہ اپنی فوج کی کثرت، ہاتھیوں کی قوت اور طاقت پر اس درجہ مغرور تھا کہ نہ تو سبکتگین کے ہندوستانی نائبوں کی پروا کرتا تھا اور نہ ہی راجہ جے پال کو خاطر میں لاتا تھا۔ جب سلطان محمود اس کی سرزنش کے لیے اس کی جانب بڑھا تو وہ بھی اپنے لشکر کو تیار کر کے مسلمانوں کی فوج کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ فریقین میں زبردست جنگ ہوئی، تین روز تک بازار جنگ گرم رہا اور دونوں اطراف نے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی [illegible]

جنگ سے اکھڑنے کے آثار پیدا ہو گئے' عین ممکن تھا کہ ہندوؤں کو فتح یابی نصیب ہوتی کہ سلطان محمود نے اپنی فوج میں یہ منادی کرا دی کہ آج "سلطانی جنگ" ہو گی۔ لہٰذا فوج کا ہر فرد خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان جان دینے کے لیے تیار ہو جائے اور (دشمن) کے مقابلے کے لیے میدان میں آجائے۔ جب بجے راؤ کو مسلمانوں کے اس ارادے کی خبر پہنچی تو وہ پریشان ہو کر مندر میں آیا اور اپنے معبودوں سے مدد کا خواستگار ہوا نیز اپنی فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیا وہ اپنے لشکر کو لے کر بڑی شان و شوکت اور کروفر سے' شہر سے نکل کر میدان جنگ میں آیا۔ مسلمانوں نے میمنہ اور میسرہ دونوں جانب سے ایک ہی بار ہندوؤں پر حملہ کر دیا اور صبح سویرے سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی ہمت و مردانگی کے جوہر دکھاتے رہے' اگرچہ فریقین کے بے شمار سپاہی اس معرکہ آرائی میں کام آئے' لیکن میدان جنگ سے کسی فریق کے پاؤں نہ اکھڑے۔

سلطان محمود نے پریشان ہو کر خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح و کامرانی کی دعا مانگی اور حضرت ختم المرسلین کا واسطہ دے کر مدد طلب کی اور اپنے قلب لشکر کو ساتھ لے کر ہندوؤں کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ محمود کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ ہندوؤں کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ راجہ بجے راؤ اپنی بھاگی ہوئی فوج کو لے کر قلعے میں پناہ گزین ہوا۔ سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور خندق کو پاٹنے کا حکم دے دیا۔ جب خندق پٹنے کے قریب ہوئی تو بجے راؤ نے یہ محسوس کر کے کہ اب دشمن سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے عالم بدحواسی میں اپنے لشکر کو سلطان محمود کے مقابلے پر چھوڑ دیا اور خود اپنے خاص ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہو گیا اور دریائے سندھ کے قریب ایک جنگل میں جا چھپا۔ سلطان محمود کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے اسلامی لشکر کا ایک حصہ بجے راؤ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان بہادر مسلمانوں نے (بڑی سرعت سے اس کا پیچھا کیا اور) اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس موقع پر بجے راؤ کو سوائے جان سے گزر جانے کے دشمنوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آئی لہٰذا اس نے پریشانی کے عالم میں اپنے خنجر سے آپ ہی اپنی جان لے لی۔ مسلمان سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر سلطان محمود کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کیا۔ اس فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ دو سو اسی ہاتھی (۲۸۰) اور دوسری بہت سی گراں قدر اشیاء آئیں اور بھاطنہ اپنے تمام مضافات کے ساتھ اسلامی مملکت میں داخل کیا گیا۔

ملتان پر لشکر کشی

اس مہم کے بعد سلطان محمود غزنی میں واپس آیا۔ ۳۹۶ھ میں اس نے پھر ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ ملتان کا مرحوم حاکم شیخ حمید لودھی' امیر سبکتگین مرحوم کے بہی خواہوں میں سے تھا اور ہر طرح سے امیر مرحوم کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالاتا تھا۔ شیخ حمید کے بعد اس کا بے دین پوتا ابوالفتح ملتان کا حاکم مقرر ہوا۔ کچھ عرصے تک تو ابوالفتح نے اپنے اسلاف کی پیروی کی اور محمود کے حلقہ بگوشوں میں شامل رہا' لیکن بعد ازاں مذہب کے ساتھ حقوق خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا اور جب سلطان محمود نے بھاطنہ کا محاصرہ کیا تو ابوالفتح نے اپنی نمک حرامی کا عملی ثبوت دینا شروع کیا اور اس سے بہت سی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوئیں جن کے پیش نظر سلطان محمود نے اسے جلد از جلد تنبیہہ کرنا مناسب سمجھا۔ اس سال تو محمود نے مصلحتاً ابوالفتح سے کچھ نہ کہا البتہ اس کے دوسرے سال اس نے یہ پکا ارادہ کر لیا کہ اس بدکردار انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے۔ "زین الاخبار" کی روایت کے مطابق سلطان محمود نے غیر معمولی راستے سے سفر اختیار کیا اور فوراً ابوالفتح پر حملہ کر دیا۔ راجہ انندپال راستے کا روڑہ بن کر سلطان محمود کی کامیابی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا' لیکن اسلامی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھا کر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ مورخ الفی بیان کرتا ہے کہ جب ابوالفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے گھبرا کر راجہ انندپال کو محمود کے عزائم سے باخبر کیا اور مدد کی درخواست کی۔ انندپال نے اس بار بھی جاہلانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے لاہور سے پشاور پہنچ کر اپنے لشکر کو اسلامی فوج کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ انندپال کی اس

حرکت سے سلطان محمود بہت غضبناک ہوا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اسی عاقبت نااندیش کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے۔ سلطان کے لشکر کے بہادروں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑی بہادری سے انندپال کے مقابلے پر آئے اور ایسی ہمت اور سرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کر دیا۔ انندپال نے اپنی فوج کا جو یہ حال دیکھا تو جان بچا کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جب اسلامی لشکر اس کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے سودرہ کے مضافات میں پہنچ گیا تو انندپال کی ہمت نے جواب دے دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ گھبرا کر کشمیر کے پہاڑوں میں چھپا۔ سلطان نے بھی اب زیادہ پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے اصل مقصد یعنی ملتان کی فتح کے پیش نظر پسندہ ہوتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا۔ جب ابوالفتح نے یہ دیکھا کہ محمود کا مقابلہ کرنے میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ انندپال کا یہ حشر ہوا ہے تو اس نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ لہٰذا اس نے اسی پر عمل کیا اور سلطان کی خدمت میں اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست پیش کی اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کرے گا۔ سلطان نے ابوالفتح کی درخواست کو قبول کر لیا اور محاصرے کے آٹھ روز بعد مندرجہ بالا شرط پر صلح کر کے واپسی کا ارادہ کیا۔ سلطان ابھی سوار بھی نہ ہو پایا تھا کہ حاکم ہرات "ارسلان جاذب" کے تیز رفتار قاصد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے ایلک خاں کے حملے اور اس کی غارت گری کی خبر سنائی۔ سلطان نے یہ خبر سنتے ہی جلد از جلد پتمندہ کے تمام اہم کام سکھپال کے سپرد کیے اور خود غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ سکھپال حقیقت میں ایک ہندو راجہ کا بیٹا تھا جو پشاور میں ابو علی ہجوری کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ عام طور پر اب باشا کے نام سے مشہور ہے۔

ایلک خاں کے حملے کی روداد

ایلک خاں کے حملے کی داستان اور اس کی اپنی روداد ذیل کی سطور میں درج کی جاتی ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایک عرصہ دراز تک سلطان محمود اور ایلک خاں کے درمیان خلوص و محبت کا رشتہ قائم رہا اور اس رشتے کو خانہ دامادی کے تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا (یعنی سلطان محمود نے ایلک خاں کی لڑکی سے شادی کی تھی) لیکن کچھ عرصہ بعد محبت اور خلوص کو دشمنوں' بدکرداروں' فساد پھیلانے والوں اور چغل خوروں نے دشمنی میں بدل دیا تھا اور یہ دونوں دوست ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب سلطان محمود ملتان کی طرف روانہ ہوا اور خراسان سے لشکر کا ایک بہت بڑا اور زبردست حصہ اس کے ساتھ رخصت ہو گیا تو ایلک خاں کے لالچی پن کو اظہار کا موقع ملا اور اس نے خراسان کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اپنے سپہ سالار سیاوش تگین کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خراسان کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا اور جعفر تگین کو بلخ کا کوتوال مقرر کیا۔ ہرات کے حاکم ارسلان جاذب نے جب یہ خبر سنی تو فوراً غزنی کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں پہنچ کر دارالسلطنت کی حفاظت کرے' چونکہ خراسان کے بہت سے امراء سلطان کی اس طویل غیر حاضری سے طرح طرح کے شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے انہوں نے ایلک خاں کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان محمود نے غزنی پہنچ کر ایک زبردست فوج تیار کی اور بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جعفر تگین' سلطان محمود کی آمد خبر سنتے ہی بھاگ نکلا اور ترمذ میں جا کر دم لیا۔ ارسلان جاذب نے سلطانی حکم کے مطابق سیاوش تگین کی طرف پیش قدمی کی اور ہرات سے ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوا۔ ایلک خاں نے چین کے بادشاہ قدر خاں سے مدد کی درخواست کی۔ قدر خاں پچاس ہزار سوار لے کر ایلک خاں کی مدد کے لیے آیا۔ اس نئی مدد سے ایلک خاں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ قدر خاں کے ساتھ دریائے جیحون سے پار اترا اور بلخ سے چار کوس کے فاصلے پر سلطان محمود کے مقابلے کے لیے مقیم ہوا۔

طائی کو مقرر کیا- میمنہ پر التونتاش کو متعین کیا اور میسرہ کو ارسلان جاذب اور دوسرے افغانی سرداروں کی نگرانی میں دیا- فریقین کے لشکر بڑی بے قراری سے ایک دوسرے پر جھپٹے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی صداؤں سے ساری فضا میں ایک غلغلہ مچ گیا- گرد و غبار کی وجہ سے میدان جنگ تیرہ تار ہو گیا اور اس شدت سے لڑائی کا بازار گرم ہوا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی- تلواروں اور نیزوں کی ضربوں سے میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں- ایلک خاں اپنے مخصوص غلاموں کا دستہ لے کر آگے بڑھا اور جوہر مردانگی دکھانے لگا- سلطان محمود نے جب ترکوں کی بہادری اور جرات کا یہ عالم دیکھا تو اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر قاضی الحاجات کی درگاہ میں فتح و کامرانی کی دعا مانگنے لگا- اس نے صدقات اور خیرات کی منتیں مانیں اور پھر ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہو کر' خدا کی رحمت کے سہارے دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوا- چونکہ خداوند تعالیٰ کی رحمت سلطان محمود کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھے اس لیے اس کے ہاتھی نے پہلے ہی حملے میں ایلک خاں کے علمبردار کو اپنی سونڈ کی لپیٹ میں لے کر اوپر کی طرف اچھالا اور اس کے بعد ترکوں کی فوج کی طرف بڑھا اور ان گنت ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا-جب غزنوی لشکر نے اپنے بادشاہ کو اس سرفروشی اور جانبازی کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو تمام فوج نے ایک ساتھ حریف پر حملہ کر دیا اور تلواروں اور نیزوں سے ترکوں کے سینے چھلنی کر دیے- ترکوں کی فوج میں ایسی پریشانی اور بدحواسی پھیلی کہ سپاہی اپنے سرداروں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگے- ایلک خاں اور قدر خاں (شاہ چین) نے بڑے مشکلوں سے اپنی جانیں بچائیں اور سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ دریائے جیحون کو پار کر کے اپنے ملک میں پہنچ کر ہی دم لیا-

ایک دلچسپ واقعہ

تاریخ یمینی میں یہ لکھا ہے کہ ایلک خاں کو شکست دینے کے بعد سلطان محمود نے اس کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا- وہ زمانہ سردی کا تھا اور اس علاقے میں شدید برف باری ہوتی ہے- اس لیے اکثر امیروں نے یہ مشورہ دیا کہ فوج کا بڑا حصہ اس سردی کو برداشت نہ کر سکے گا- مگر چونکہ سلطان کو خود اس سلسلے میں بے حد اصرار تھا اس لیے فوج نے بھی چار و ناچار سلطانی حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کے ساتھ لشکری بھی ایلک خاں کے تعاقب میں روانہ ہوئے- روانگی کی تیسری رات جنگل میں شدید برف باری ہوئی اور اس قدر سخت سردی پڑی کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں ٹھٹھرنے لگے- سلطان محمود کے لیے ایک خیمہ لگایا گیا' سردی کے اثر کو ختم کرنے کے لیے اس خیمے میں انگیٹھیاں جلائی گئیں ان انگیٹھیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی- لہٰذا خیمے میں اس قدر حدت پیدا ہو گئی کہ اکثر لوگ اپنے سردیوں کے موٹے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے- اس دوران ایک غلام سلطان محمود کے سامنے آیا سلطان نے ازراہ تفریح اس سے کہا- "باہر جا کر ذرا سردی سے کہو کہ تم کیوں اس قدر جان توڑ کوشش کر رہی ہو- ہمارا تو گرمی کے مارے یہ حال ہے کہ بدن سے کپڑے اتارنے پر مجبور ہو گئے ہیں-" وہ غلام فوراً خیمے سے باہر گیا اور پھر لوٹ کر اندر آیا تو بادشاہ سے بڑے ادب سے عرض کیا- "میں نے حضور کا پیغام سردی کو پہنچا دیا ہے- سردی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کے خاص ندیموں پر میرا زور نہیں چلتا تو کیا ہوا' لیکن میں سائیسوں اور دوسرے ملازموں کو آج کی رات اس قدر تنگ کروں گی کہ کل صبح بادشاہ اور اس کے امیر اپنے گھوڑوں کی تیمارداری خود اپنے ہاتھوں سے کریں گے اور مجھ سے انہیں پھر کوئی کسی قسم کی شکایت نہ ہو گی-" بادشاہ نے اگرچہ غلام سے تفریحاً ایک بات کہی تھی لیکن اس جواب سے وہ پشیمان ہوا اور افسردہ خاطر ہوا اور واپسی کا پکا ارادہ کر لیا-

اب سارا کا ارتداد

اسی رات کا واقعہ ہے کہ ہندوستان سے یہ خبر پہنچی کہ اب سارا نے مرتد ہو کر پھر اپنے اسلاف کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور موقع پا کر اس نے بادشاہ کے کارندوں کو شہر سے باہر نکال دیا ہے- (یہ خبر سنتے ہی محمود نے ہندوستان جانے کا ارادہ کر لیا اور) صبح ہوتے ہی ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا- سلطان منزل بہ منزل سفر کرتا رہا چند جاگیرداروں کو وہ پہلے روانہ کیا گیا تاکہ وہ جلد پہنچ کر اب سارا کو پکڑ کر بادشاہ

کے سامنے پیش کریں۔ اب سارا جب گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے آیا تو سلطان نے چار لاکھ درم (بطور جرمانہ) اس سے وصول کیے اور اپنے خزانچی کو دیئے اور اب سارا کو قید کر دیا' اس کو اسی عالم اسیری میں موت آئی محمود نے غزنی کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر چند ایام آرام اور چین سے گزارے۔

انندپال سے معرکہ

محمود نے جب ملتان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو راجہ انندپال نے کچھ نازیبا حرکتوں کا ارتکاب کیا تھا (ان حرکتوں کا انتقام لینے کے لیے) سلطان محمود نے ۳۹۹ھ میں ایک لشکر جرار تیار کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ یہ خبر سن کر انندپال بہت ہی پریشان ہوا اور اس نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد کی درخواست کی۔ چونکہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ہندوؤں کے مذہب اور عقیدے کے مطابق ثواب اور ترقی درجات کا باعث ہے۔ اس لیے اجین' گوالیار' کالنجر' قنوج' دہلی اور اجمیر وغیرہ کے راجاؤں کے علاوہ بھی دوسرے راجاؤں نے بھی انندپال کی بہت مدد کی اور لشکر کے دستوں پر دستے پنجاب کی طرف روانہ کیے۔ امیر سبکتگین کے مقابلے پر جس قدر فوج پہلے جمع ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ اس بار جمع ہوئی یہ ساری فوج انندپال کی ماتحتی میں سلطان محمود کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئی اور پشاور کے جنگل میں محمود کی فوج سے آمنا سامنا ہوا۔ تقریباً چالیس روز تک فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن رہیں' لیکن کسی کی طرف سے جنگ کا آغاز نہ کیا گیا ہندوؤں کا لشکر دن بدن بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا اور انہیں چاروں طرف سے تازہ مدد ملتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھکر کے ہندوؤں نے بھی انندپال کی مدد کی اور اس سے جا ملے ان لوگوں نے بڑی قیامت برپا کی۔ مسلمانوں کی دشمنی اور معرکہ آرائی سے ہندو بہت پریشان ہوئے۔ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر اپنے شوہروں کو روپیہ بھجوایا کہ وہ اس روپے کو صرف کر کے اپنی ضروریات پوری کریں تاکہ مسلمانوں کے مقابلے کی جان توڑ کوشش کر سکیں۔ جن عورتوں کے پاس زیورات وغیرہ نہ تھے' وہ چرخہ کات کر اور محنت مزدوری کر کے اپنے عزیزوں او شوہروں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہیں۔ سلطان محمود کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہندو اس مرتبہ جانبازی کا عہد لیے ہوئے ہیں تو اس نے بھی جنگ شروع کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لیا اور لشکر کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ ہندوؤں کا کسی طرف سے بس نہ چل سکے۔ اس کے بعد سلطان محمود نے جنگ کا آغاز کیا۔ سلطان کے حکم کے مطابق ایک ہزار تیز انداز آگے بڑھے اور انہوں نے دشمن پر تیر اندازی شروع کر دی اور سپاہیانہ داؤ پیچ سے دشمن کے لشکر کو اپنے لشکر کے قریب لے آئے۔ جب مسلمان لشکر ان کے مقابلے پر آئے تو باوجود کڑی احتیاط کے تیس (۳۰) ہزار کھکر سپاہی ننگے سر اور ننگے پاؤں عین لڑائی کے دوران دونوں طرف سے خندق پار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑے اور اپنے بھالوں اور تلواروں وغیرہ کی مدد سے سواروں اور گھوڑوں کو ہلاک کرنے لگے۔ ان کھکری وحشیوں نے تین ہزار مسلمانوں کو شہید کیا اور اس قدر ہمت و جرات کا مظاہرہ کیا کہ سلطان محمود نے اس روز لڑائی بند کر کے اپنی اپنی قیام گاہ پر واپس آ جانے کا ارادہ کر لیا------ اچانک انندپال کا ہاتھی گولہ اور بارود وغیرہ کی آوازوں سے بھڑک کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ ہندو لشکری یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی بہادری اور تیغ زنی سے ڈر کر انندپال میدان جنگ سے بھاگا ہے۔ ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کو اس عالم میں دیکھ کر ہندو لشکریوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ خود بھی راہ فرار تلاش کرنے لگے (ان بھاگنے والوں کا پیچھا کیا گیا) پانچ چھ ہزار عربی سواروں کے ساتھ عبداللہ طائی نے اور دو ہزار ترکی' افغانی اور غلجی بہادروں کے ساتھ ارسلان جاذب نے دو دن اور دو رات تک ان ہندو فراریوں کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تیس ہاتھی اور بے شمار قیمتی مال و اسباب حاصل کیا اور سلطان محمود کے سامنے جا کر رکھا۔

نگر کوٹ پر حملہ

معرکہ آرائی کرنے اور وہاں کے مندر کو مسمار کرنے کے لیے روانہ ہوا- اس زمانے میں نگر کوٹ کا قلعہ "قلعہ بھیم" کے نام سے مشہور تھا- سلطان محمود منزل بہ منزل راستہ طے کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور آس پاس کی غیر مسلم آبادی کو وسیع پیمانے پر موت کے گھاٹ اتارا- یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک یہ قلعہ "بتوں کا گڑھ" تھا- گردوپیش کے تمام راجہ انواع و اقسام کی اعلیٰ درجے کی اشیاء بطور نذرانہ وہاں بھیجتے تھے اور اپنے اس فعل کو تقرب خداوندی کا ایک بہت بڑا وسیلہ تصور کرتے تھے- چونکہ اس قلعے میں ہر چہار طرف سے دولت آ کر جمع ہوتی تھی اس لیے یہاں سونے' چاندی' جواہرات او موتیوں وغیرہ کا جس قدر بڑا ذخیرہ تھا' ویسا شاید ہی کسی بادشاہ کے خزانے میں ہو- یہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا یہاں کے مکین زیادہ تر برہمن اور مندر کے پجاری تھے- اس لیے سلطان محمود کے عظیم الشان لشکر کا رعب داب ان لوگوں پر اس قدر ہوا کہ وہ سخت ہراساں ہو گئے- اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محاصرے کے تیسرے روز ان لوگوں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان مانگی- سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور ان کی جان بخشی کی اور خود چند خاص ندیموں کے ہمراہ قلعے میں داخل ہوا- (اس قلعے سے سلطان نے بہت سی دولت اپنے قبضے میں کی) ساٹھ لاکھ اشرفیاں' سات سو من سونے اور چاندی کے اوزار' دو سو من خالص سونا' دو ہزار من خالص چاندی اور بیس من انواع و اقسام کے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانے میں اس مندر میں جمع ہو رہے تھے محمود کی ملکیت بن گئے- اور وہ دولت فراواں کو اپنے ساتھ لے کر غزنی کی طرف لوٹا-

۴۰۰ھ میں محمود غزنی پہنچا- وہاں اس نے شہر سے باہر ایک مکان بنوایا اور چند سونے اور چاندی کے تخت اس مکان میں بچھوائے اور جو مال و اسباب وہ نگر کوٹ سے لایا تھا- اس کو قرینے سے سجا دیا- تمام رعایا' کیا شہری اور کیا دیہاتی سبھی اس "نمائش" کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق آتے تھے یہ نمائش تین دن تک جاری رہی- سلطان نے بے شمار جشن کیے اور نیکوں اور مستحقوں کو اعزاز و اکرام اور عطیوں وغیرہ سے مالا مال کیا-

غور پر لشکر کشی

سلطان محمود نے ۴۰۱ ہجری میں غور پر حملہ کیا- محمد بن ثوری حاکم غور دس ہزار سوار لے کر مقابلے کے لیے نکلا دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوئی- سورج نکلنے کے وقت سے لے کر بارہ بجے دن تک یہ معرکہ آرائی بڑی شدت سے جاری رہا' غوری نے اس معرکے میں ہمت و مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے- جب سلطان محمود نے غوریوں کی جانبازی کا یہ عالم دیکھا تو فوراً اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ حریف کو دھوکا دے کر گرفتار کیا جائے- چنانچہ اس حکم پر یوں عمل کیا گیا کہ سلطان محمود کی فوج دشمن کے سامنے سے بھاگ نکلی- غوریوں نے یہ سمجھا کہ سلطان محمود کی فوج مقابلے کی تاب نہیں لا سکی اس لیے راہ فرار اختیار کر رہی ہے- لہٰذا انھوں نے اس "فراری لشکر کا پیچھا کیا اور اس سلسلے میں خود اپنی کھودی ہوئی خندق پار کر گئے- جب غوریوں کا لشکر کھلے میدان میں آیا تو محمود نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر دی اور یوں غوریوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا ان کے لشکر کا بیشتر حصہ موت کے گھاٹ اتارا- سلطان محمود کے فوج محمد بن غوری کو گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے لائے غوری اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا- اس نے ایک زہر آلودہ نگینہ چوس کر محمود کی مجلس ہی میں اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کر دی-

غوری کی وفات کے بعد اس کا ملک سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا- "تاریخ یمنی" میں مذکور ہے کہ اس لڑائی سے پہلے اہل غور مسلمان نہ ہوئے تھے اور وہ اس واقعہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن صاحب "طبقات ناصری" اور فخر الدین مبارک شاہ وغیرہ مورخین جنھوں نے غور کے سلطانوں کی تاریخیں لکھی ہیں' اس امر پر متفق ہیں کہ اہل غور حضرت علی کے عہد خلافت میں مسلمان ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے زمانے میں جب تمام اسلامی ملکوں میں خاندان علی پر تبرا ظاہر کیا جاتا تھا تو غور ہی وہ قابل فخر مقام تھا جہاں کے

باشندے اہل بیت رسالتؐ کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے۔

ملتان پر حملہ

سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر و غضب سے ملتان کو فتح کر لیا۔ بہت سے قرمطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اکثر کے پاؤں اور ہاتھ کاٹے۔ داؤد بن نصیر کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اسے وہاں کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ داؤد نے اسی قلعے میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

تھانیسر پر حملہ

۴۰۲ھ میں سلطان محمود کے دل میں ایک بار پھر جہاد کی لہر اٹھی اور اس نے تھانیسر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ محمود نے یہ سن رکھا تھا کہ تھانیسر کی حیثیت ہندوؤں کے نزدیک ایسی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے نزدیک کعبے کی (اسے یہ بھی معلوم تھا کہ) تھانیسر میں ایک بت پرانا مندر ہے جس میں بڑے بڑے بت رکھے ہوئے ہیں اور سب سے بڑے بت کا نام "جگ سوم" تھا۔ جس کے متعلق ہندوؤں کا ایمان تھا کہ اس بت کا وجود اسی وقت ظہور میں آیا تھا جس وقت دنیا میں انسان پیدا ہوا تھا۔ تھانیسر پر حملہ کرنے کے خیال سے جب محمود پنجاب پہنچا تو اس نے محض اس ملحنامے کے خیال سے جو راجہ انندپال اور سلطان محمود کے درمیان ہوا تھا ایک قاصد انندپال کے پاس بھیجا اور اس کو مطلع کیا کہ اس بار میرا ارادہ تھانیسر پر حملہ کرنے کا ہے۔ چونکہ پنجاب سے تھانیسر تک کے راستے کی تمام مشکلات کو دور کرنا ہے اور راستہ صاف کرنا ہے اس لیے تم اپنے کچھ قابل اعتبار آدمی ہمارے ساتھ کر دو تاکہ جو قصبہ تمہارا ہو وہ میری فوج کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

انندپال نے اس حکم کی تعمیل کو اپنی حکومت اور سلطنت کی پائیداری کا سبب سمجھا اور فوراً ہی خاطر و تواضع کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے ملک کے تاجروں اور بنیوں کو حکم دیا کہ وہ غلہ و روغن وغیرہ ضروریات زندگی کو لشکر سلطانی میں پہنچانے کا انتظام کریں اور اس امر کا خیال رکھیں کہ لشکر کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ انندپال نے اپنے بھائی کو دو ہزار سواروں کے ہمراہ سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا ایک خط اس کے نام دیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "میں آپ کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر طرح سے حاضر ہوں اور آپ کا سچا فرمانبردار ہوں لیکن اس نیاز اور محبت کی بنا پر جو مجھے آپ کی ذات و برکات سے ہے اس قدر عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ تھانیسر کا مندر شہر والوں کی ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے۔ اگرچہ آپ کے مذہب کی رو سے بت شکنی ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ہے، لیکن نگر کوٹ کے قلعہ کی بت شکنی کر کے آپ اس مقصد کو پورا کر چکے ہیں۔ تھانیسر کے مندر کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ اس کو تاخت و تاراج نہ کریں اور اس کے عوض آپ جو مناسب خیال فرمائیں، طلب کر لیں۔ یہاں کی رعایا کو اپنا باجگزار بنا کر اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں تو یہ بندہ حقیر اپنی درخواست کی قبولیت کے شکریے کے طور پر ہر سال پچاس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت اشیاء ارسال خدمت کیا کرے گا۔

سلطان محمود نے ان باتوں کے جواب دیا کہ۔ "ہم مسلمانوں کا اس امر پر اعتقاد ہے کہ ہم اس دنیا میں جس قدر مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کریں گے اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کریں گے اگلے جہاں میں ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جب دنیا سے بت پرستی کے رواج کو ختم کر دینا ہی ہمارا مقصد ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تھانیسر جیسے بت پرستی کے مرکز کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کو فتح کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔"

جب یہ بات راجہ دہلی کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگا ...

لیے آ رہا ہے۔ اگر پہلے ہی ہم نے اس سیلاب مصیبت کے روکنے کی تدبیریں نہ کیں تو ہر چھوٹا اور بڑا اس سیلاب کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائے گا۔ میرے نزدیک اس وقت یہی مناسب ہے کہ ہم سب آپس میں مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کریں۔" اس سے قبل کہ تمام ہندو آپس میں مل کر سلطان محمود کا مقابلہ کرتے' سلطان تھانیسر پہنچ گیا۔ شہر کو خالی پا کر مسلمانوں نے غارت گری کا بازار گرم کیا۔ محمود نے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا سب سے بڑے بت "جگ سوم" کو غزنی بھجوا دیا اور یہ حکم دیا کہ اس بت کو بیچ راستے میں ڈال دیا جائے تاکہ چلنے والوں کے پاؤں کے نیچے پامال ہو کر رہ جائے۔ مورخ قندھاری کے بیان کے مطابق تھانیسر کے مندر سے سرخ یاقوت کا ایک ٹکڑا محمود کے ہاتھ لگا جس کا وزن (۴۵۰) مثقال تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس طرح کا جواہر آج تک سننے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

اس فتح کے بعد سلطان محمود نے دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' لیکن امیروں اور وزیروں نے اسے یہ سمجھایا کہ دہلی کو اسی وقت فتح کیا جا سکتا ہے جبکہ سارے صوبہ پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور انندپال کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ سلطان محمود نے امیروں' وزیروں کے اس مشورے کو قبول کیا اور دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس غزنی چلا آیا اور تقریباً دو لاکھ لونڈیاں اور غلام اپنے ساتھ لے گیا۔ مورخین کا بیان تھا کہ اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ غزنی بھی ہندوستان کا ایک شہر سمجھا جانے لگا لشکر سلطانی کے ہر رکن کے پاس کئی کئی لونڈیاں اور غلام تھے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ

سپہ سالار "التون تاش اور "ارسلان جاذب" نے ۴۰۳ھ میں غرجستھان کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم "شاہ سارا ابونصر" کو گرفتار کر کے غزنی میں لے آئے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ جس وقت غزنوی لشکر شاہ سارا ابونصر کو قید کر کی غزنی لا رہا تھا اس وقت ایک غلام نے یہ ارادہ کیا کہ غزنی پہنچنے سے پہلے اپنی بیوی کو حالات سے آگاہ کرے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس غلام نے شاہ ابونصر سے ایک خط لکھنے کی درخواست کی۔ شاہ سارا نے خط لکھنے سے اگرچہ بہت انکار کیا لیکن اس غلام کے بے حد اصرار سے مجبور ہو گیا۔ قلم کاغذ سنبھال کر اس ضدی غلام کی طرف سے اس کی بیوی کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا------ "اے بد چلن طوائف اور اے نابکار عورت! تو اپنے طور پر یہ خیال کرتی ہے کہ تیرے برے اعمال اور تیری سیاہ کاریوں کی مجھے خبر نہیں ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں تو جس طرح میری دولت کو ضائع کر رہی ہے اس سے میں باخبر نہیں ہوں ------ مگر تو یہ یاد رکھ کہ میں اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہوں کہ تو شب و روز بادہ خواری اور بدکاری میں گزارتی ہے اور یوں میرے گھر کو تباہ و برباد کر کے میری عزت کو خاک میں ملا رہی ہے۔ اگر میں صحیح و سلامت اپنے وطن آیا تو پھر تجھے درست کروں گا اور تیری بد اعمالیوں کی سزا دوں گا۔" اس خط کو سربمہر کر کے شاہ سارا نے غلام کو دے دیا جب یہ خط اس غلام کی بیوی تک پہنچا تو وہ خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر بڑی پریشان ہو گئی اور اس کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ دشمنوں نے جھوٹی سچی باتیں لگا کر اس کے شوہر کے کان بھرے ہیں۔ وہ بیچاری عورت اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ اپنی چند لونڈیاں لے کر اپنے گھر سے نکل کر کسی گوشے میں چھپ گئی (تاکہ جب اس کا شوہر واپس آئے تو اس سے برا سلوک نہ کرے) جب وہ غلام شاہ سارا کو غزنی پہنچا کر اپنے وطن واپس آیا اور اپنے گھر پر پہنچا تو وہاں اس نے گھر کا دروازہ بند پایا' گھر بالکل خالی تھا' اس نے دروازہ کھولا اور دیکھا یہاں تو آبادی کا نشان تک نہیں اور بھرا گھر ویران ہے۔ نہ بیوی ہی کی کوئی خبر ہے اور نہ لونڈیوں اور غلاموں کا کوئی اتہ پتہ! یہ عالم دیکھ کر اس غلام نے آس پاس کے رہنے والوں سے اصل حقیقت کے جاننے کی کوشش کی۔ اس پر ہمسایوں نے غلام کو اس "عجیب و غریب خط" کی بات بتائی۔ یہ سن کر وہ بے چارا اپنا سر پیٹنے اور رونے لگا۔ وہ ہر شخص سے کہتا تھا کہ مجھے خط کے مضمون کا مطلق علم نہیں ہے بے چارے نے اپنی بیوی کو بہت تلاش کیا اور آخر کار اس کو ڈھونڈ نکالا اور معذرت کر کے اس راضی کر لیا؛ کہا جاتا ہے کہ جب شاہ سارا ابونصر پہلی مرتبہ سلطان محمود کے دربار میں آیا تو بعض خوش مزاج مصاحبوں نے مندرجہ بالا واقعہ اس سے بیان کیا۔ محمود یہ قصہ سن

کر مسکرایا اور کہا جو شخص اپنے بزرگوں کا ادب نہیں کرتا اور اپنی حد سے باہر قدم رکھتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

خلیفہ بغداد سے خط و کتابت

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود نے بغداد کے خلیفہ القادر باللہ العباسی کے نام ایک خط بھیجا۔ جس میں یہ درج تھا کہ "خراسان کا بیشتر حصہ چونکہ مملکت غزنویہ کے ماتحت ہے اس لیے یہ بہتر ہو گا کہ خراسان کا بقیہ حصہ جو خلافت کا محکوم ہے وہ بھی حکومت غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔" خلیفہ بغداد نے سلطان محمود کی اس خواہش کی مجبوراً پورا کیا اور پورا خراسان سلطان محمود کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد محمود نے خلیفہ سے کہا کہ سمرقند بھی ایک فرمان کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے بڑے زوردار الفاظ میں انکار کیا اور محمود کو لکھا۔ "اگر تو میری مرضی کو خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اٹھائے گا تو میں تمام دنیا کو تیرے خلاف ابھار دوں گا۔" یہ جواب کر محمود کو بڑا غصہ آیا اور اس نے خلیفہ کے قاصد سے کہا۔ "میں اب جان گیا ہوں کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ہزارہا کوہ پیکر ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور بارگاہ خلافت کا ملبہ انہیں ہاتھیوں پر ڈال کر غزنی لے آؤں۔" یہ جواب پا کر قاصد واپس بغداد چلا گیا اور کچھ عرصے بعد ایک خط لے کر پھر غزنی آیا۔ جس وقت خلیفہ بغداد کا یہ قاصد خط لے کر پہنچا تو اس وقت محمود اپنی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا غلام ہاتھ باندھے ہوئے سامنے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ قاصد نے محمود کے سامنے حاضر ہو کر سربمہر خط پیش کیا اور کہا کہ خلیفہ نے فرمایا ہے کہ تمھارے خط کا جواب یہ ہے معاملات خارجہ کے امیر (وزیر) خواجہ ابونصر روزنی نے یہ خط کھولا اور دیکھا کہ اس میں بسم اللہ کے بعد چند سطور حروف مقطعات الم۔ ال م میں لکھی ہوئی ہیں اور ان سطور میں لکھا ہے الحمدللہ رب العالمین والصلوہ علی رسولہ والہ اجمعین۔ اس عجیب و غریب خط کو پڑھ کر اور سن کر سلطان محمود اور تمام درباری بڑے حیران ہوئے اور دیر تک غور کرتے رہے کہ اس تحریر سے خلیفہ بغداد کی کیا مراد ہے اور ان مقطعات سے کس امر کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن کو ان مقطعات سے کچھ بھی تعلق تھا وہ سب پڑھی گئیں اور ان کے مفاہیم و مطالب پر غور کیا گیا' لیکن کسی کی سمجھ میں اس خط کا مطلب نہ آیا۔ کچھ دیر بعد خواجہ ابوبکر قہستانی نے جنھیں ابھی سلطان محمود کے دربار میں کچھ زیادہ رسوخ حاصل نہ ہوا تھا۔ جرات سے کام لے کر عرض کیا---- "میرا خیال ہے کہ چونکہ آنجناب نے خلیفہ بغداد کو پیکر ہاتھیوں سے روند دینے کی دھمکی دی اس لیے ممکن ہے کہ خلیفہ نے اس کا جواب میں سورہ فیل کی طرف اشارہ کیا ہو اور ان مقطعات سے الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل مراد ہو۔" سلطان محمود نے جب یہ بات سنی تو اس کا ہوش جاتا رہا جب ہوش آیا تو وہ بہت رویا اور خلیفہ بغداد کے قاصد سے معافی مانگی اسے بیش قیمت تحفے تحائف دے کر واپس بغداد روانہ کیا اور ابوبکر قہستانی کو قیمتی خلعت دے کر اپنے امیروں کے گروہ میں شامل کر لیا۔

نندونہ کے قلعے پر حملہ

۴۰۴ھ میں سلطان محمود نے بالنات کے مشہور قلعہ نندونہ پر حملہ کیا اس زمانے میں راجہ انندپال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا نندور کا راجہ تھا۔ جب اس راجہ کو محمود کے حملے کی اطلاع پہنچی تو اس نے محمود کا مقابلہ کرنا اپنی طاقت سے باہر پا کر چند سمجھ دار اور تجربہ کار لوگوں کے سپرد قلعے کو کیا اور خود درہ کشمیر میں جا کر چھپ گیا۔ محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور نقب زنی اور قلعے کے دروازے کھولنے کی دوسری تجویزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ اہل قلعہ نے عاجز ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور جان کی امان طلب کی محمود نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اپنے ایک معتمد خاص کو قلعے کا حاکم مقرر کیا اور خود درہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ انندپال

ایک المناک حادثہ

۴۰۶ھ میں سلطان محمود نے کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا' کشمیر کی حدود میں پہنچ کر اس نے "لوہ کوٹ" کے قلعے کا محاصرہ کر لیا- یہ قلعہ اپنی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے بے حد مشہور و معروف تھا- اس لیے اس کے سر کرنے میں بڑی دیر لگی (اس دوران میں) سردی اور برف باری کی شدت ہو گئی اور غزنوی فوج کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا- اس کے علاوہ اہل قلعہ کو دارالسلطنت کشمیر سے بھی مدد پہنچ گئی- ان وجوہ کی بنا پر محمود نے محاصرے سے دستبردار ہو کر غزنی واپس جانا مناسب سمجھا- واپسی پر فوج غلط راستے پر پڑ جانے کی وجہ سے ایک ایسی جگہ جا پہنچی جہاں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا- سارا جنگل پانی سے بھرا ہوا تھا بہت سے لوگ اس پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے- مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کو تسخیر کرنے کے سلسلے میں سلطان محمود کو سب سے پہلے جو سب سے برا حادثہ پیش آیا وہ یہی تھا- الغرض چند دنوں کی حیرانی و پریشانی کے بعد محمود نے اس مصیبت سے نجات پائی اور وہ بغیر کوئی کارنامہ سرانجام دیئے ہوئے غزنی واپس آ گیا-

اہل خوازم سے جنگ

اسی سال کا واقعہ ہے کہ ابوالعباس مامون خوارزم شاہ نے محمود کو ایک خط لکھا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ محمود اپنی بہن کی شادی خوارزم شاہ سے کر دے- محمود نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور اپنی بہن کو خوارزم شاہ کے عقد میں دے دیا- ۴۰۷ھ سلطان محمود کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ باغیوں نے فتنہ و فساد پیدا کر کے خوارزم شاہ کو قتل کر دیا ہے- یہ خبر سنتے ہی وہ غزنی سے بلخ پہنچا اور وہاں سے خوارزم کی طرف روانہ ہوا- جب سلطان محمود خوارزم کی سرحد کے قریبی علاقے حضر بند میں پہنچا تو اس نے اپنے ایک امیر محمد طائی نامی کو مقدمتہ الجیش بنا کر اپنے لشکر کے آگے روانہ کیا اور خود ایک مقام پر ٹھہر گیا- ایک دن کا واقعہ ہے کہ غزنوی لشکر نے ایک جگہ قیام کیا اور جب تمام لشکری صبح کی نماز میں مشغول ہوئے تو اہل خوازم کے سپہ سالار نے جس کا نام خمار تاش تھا' ایک دم کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ آور ہوا اور بہت سے غزنوی لشکریوں کو تہہ تیغ کر دیا- سلطان محمود نے نماز سے فارغ ہو کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں تمام لشکری اس کے غلامان خاص تھے- اس لشکر نے خمار تاش کا پیچھا کیا' خمار تاش گرفتار ہوا اور محمود کے سامنے لایا گیا- محمود اسے حراست میں لے کر ہزاراسپ کے قلعے کی طرف بڑھا اس قلعے کے قریب اہل خوارزم کی فوج ایک جگہ جمع ہو کر سلطان محمود کی فوج سے معرکہ آراء ہوئی- دونوں لشکروں میں زبردست جنگ ہوئی اس جنگ کے نتیجے میں اہل خوارزم کو شکست فاش ہوئی اور ان کا سپہ سالار التگین بخاری قید ہوا- اس کے بعد محمود نے خوارزم کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر عباس کے قاتلوں سے قصاص لیا اور اپنے امیر التون تاش کو خوارزم شاہی کا خطاب دے کر "خوارزم اور آورکند" کا حکمران مقرر کیا- خوارزم کو فتح کرنے کے بعد محمود بلخ پہنچا اور اپنے بیٹے امیر مسعود کو ہرات کا حاکم مقرر کیا- نیز ابو سہل محمد بن حسین زوزنی کو مسعود کا وکیل مقرر کر کے اس کے ساتھ روانہ کیا- محمود نے اپنے دوسری امیر محمد کو گورگان کا حاکم بنایا اور ابوبکر قستانی کو اس کے ہمراہ روانہ کیا-

قنوج پر لشکر کشی

خوارزم کی مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد محمود نے سردیوں کے دن بست میں گزارے تاکہ سپاہیوں کو آرام کا موقع مل جائے- سردیوں کی رخصت کے بعد ۴۰۹ھ میں جب کہ موسم بہار کی آمد آمد تھی' آب و ہوا میں اعتدال تھا اور چاروں طرف سبزی اور شگفتگی کا دور دورہ تھا' محمود نے قنوج جانے کا ارادہ کیا- اس نے اپنے ساتھ ایک لاکھ لشکری اپنے خاصے کے اور بیس ہزار دیگر مسلمانوں میں سے جو ترکستان' ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ سے جہاد کی نیت سے آئے ہوئے تھے اور اس امر کے منتظر تھے کہ محمود سفر پر روانہ ہو- تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ گشتاسپ سے لے کر محمود کے عہد تک کسی غیر قوم کے فرد (یعنی غیر ہندوستانی) نے قنوج پر حملہ کشی نہیں کی- اس مدت کے بعد محمود پہلا شخص ہے جس نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا- غزنی سے لر کر قنوج تک کا راستہ تین مہینوں میں طے ہوتا ہے-

راستے میں سات بڑے بڑے دریا پڑتے ہیں کہ جنھیں عبور کرنا پڑتا ہے (محمود نے یہ سفر باآسانی طے کر لیا) جب وہ کشمیر کی حدود میں پہنچا تو والیے کشمیر نے سلطان کی خدمت میں بیش قیمت تحفے اور نذرانے پیش کیے۔ محمود نے بھی اسے شاہی عنایات سے سرفراز کیا۔ والیے کشمیر محمود کے لشکر کا مقدمتہ الجیش بن کر ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ سفر کی منزلیں طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر جب قنوج پہنچا تو قلعے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ عظیم الشان قلعہ اپنی مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ قنوج کے راجہ کا نام "کورا" تھا۔ باوجود اس کے کہ یہ راجہ اپنے وقت کا زبردست فرمانروا تھا' مگر مسلمانوں کے لشکر کی کثرت اور سلطان محمود کی حشمت و شوکت دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے محمود کا مقابلہ کرنے کی سکت اپنے آپ میں نہ پائی اس نے قاصد بھیج کر محمود سے اطاعت اور فرمابرداری کا اظہار کیا چونکہ اس راجہ کی قسمت ابھی بگڑی نہ تھی۔ اس لیے وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے بیٹوں اور درباریوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا اور سلطان محمود کی خدمت میں پہنچ کر اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ محمود نے راجہ کورا سے بڑی محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور اسے اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل کر لیا۔ صاحب "حبیب السیر" کا بیان ہے کہ محمود کی اطاعت کے ساتھ ساتھ راجہ کورا مشرف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

قلعہ میرٹ کی فتح

قنوج میں تین روز قیام کرنے کے بعد محمود نے قلعہ میرٹ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ (جب محمود کی آمد کی خبر ہوئی تو) اس قلعے کا راجہ جس کا نام ہردت تھا۔ قلعے کو چند قابل اعتبار درباریوں کے سپرد کر کے خود کسی جنگل کی طرف نکل گیا۔ اہل قلعہ محمود کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے لہٰذا انھوں نے دو لاکھ پچاس ہزار (۲۵۰۰۰۰) روپے اور تیس ہاتھی پیش کر کے جان کی امان طلب کی' محمود نے اس نذرانے کو قبول کر لیا اور جان کی امان دے دی۔

قلعہ مہاون کی فتح

میرٹ کے قلعے کی فتح کے بعد محمود قلعہ مہاون کو فتح کرنے کے ارادہ سے چلا جو دریائے جمنا کے کنارے پر واقعہ ہے۔ اس قلعے کا حاکم راجہ گل چند کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریا پار کر کے اترنا ہی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فوج اس کے سر پر آ پہنچی۔ یہ عالم دیکھ کر گل چند نے پہلے تو خنجر سے اپنی بیوی اور بیٹے کے سر کاٹ ڈالے اور بعد ازاں یہی خنجر اپنے پیٹ میں بھونک لیا۔ اس قلعہ سے بہت سا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ دیگر اشیاء کے ساتھ اسی (۸۰) کوہ پیکر ہاتھی بھی ملے۔

متھرا کی فتح

ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد محمود نے متھرا کی طرف توجہ کی اس نے یہ سن رکھا تھا کہ اس علاقے میں متھرا نام کا ایک شہر آباد ہے جو سری کرشن کی جنم بھومی ہے' چونکہ ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے اوتار ہیں۔ اس لیے متھرا کی دولت اور یہاں کی آبادی اپنی مثال آپ ہے اور اس شہر میں ایسی عجیب و غریب اشیاء ہیں کہ جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ محمود نے جب متھرا پر حملہ کیا تو باوجود اس کے کہ یہ شہر راجہ دہلی کے زیر نگیں تھا' کوئی بھی محمود کے مقابلے میں نہ آیا۔ لہٰذا وہ بغیر کسی روک ٹوک کے متھرا پر قابض ہو گیا اور اس نے بیس دن میں اس شہر کو تاراج و برباد کیا۔ بہت سے بت خانوں کو جو شہر اور اس کے گردو پیش آباد تھے' توڑا اور جلایا اور ان سے بے شمار زر و جواہر حاصل کیا۔ متھرا کی بلند عمارتوں اور مندروں کو دیکھ کر محمود بہت حیران ہوا۔ اس کی حیرت کا اندازہ اس خط سے [illegible]

توڑتے تھک گیا ہوں' لیکن ان کا شمار نہیں کر سکا- اگر کوئی اس قسم کی عمارت بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ ایک لاکھ اشرفیاں صرف کرنے کے بعد' دو سو سال کے عرصے میں بہت ہی مشاق اور ماہر معماروں کے ہاتھوں اس کام کو انجام دیا جا سکے۔

مورخین کا بیان ہے کہ بے شمار مال غنیمت کے علاوہ پانچ سونے کے بنے ہوئے بت بھی تھے جن کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے- ان کی قیمت پچاس (۵۰) ہزار زر سرخ تجویز گئی تھی- ان بتوں میں سے ایک بت میں ارزقی یاقوت کا بھی ایک ٹکڑا جڑا ہوا تھا- جس کا وزن چار سو مثقال تھا- جب یہ بت پاش پاش کیا گیا تو اٹھانوے ہزار تین سو (۹۸۳۰۰) مثقال سونا اس میں سے برآمد ہوا- ان پانچ سونے کے بتوں کے علاوہ سو بت اور تھے' جن میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی اور جو سب کے سب چاندی کے بنے ہوئے تھے- ان بتوں کو توڑ کر جو چاندی حاصل کی گئی وہ اتنی زیادہ تھی کہ ایک سو اونٹوں پر لادی گئی- اس بت شکنی کے بعد سلطان محمود نے متھرا کی مشہور عمارتوں کو نذر آتش کر دیا اور بیس (۲۰) روز قیام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔

سات قلعوں کی فتح

مورخ الفی کا بیان ہے کہ اثنائے راہ میں محمود نے یہ سنا کہ متھرا کے قریب ہی دریا کے کنارے سات قلعے آباد ہیں جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں- یہ سنتے ہی محمود نے ان قلعوں کا رخ کیا اور جب ان قلعوں کے حاکم نے محمود کی آمد کی خبر سنی تو وہ بدحواس ہو کر بھاگ گیا' محمود نے ان قلعوں پر قبضہ کر لیا- محمود نے ان قلعوں میں ان بت خانوں کو بھی دیکھا جن کی بنیاد چار ہزار سال قبل پڑی تھی- ان بت خانوں کو محمود نے خوب لوٹا اور ان کے تمام مال و اسباب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قلعہ منج کی فتح

ان قلعوں کی فتح کے بعد مسلمانوں کے لشکر نے قلعہ منج کا رخ کیا یہ قلعہ بہادر سپاہیوں اور ہر طرح کی ضروریات کے سامان سے پر تھا- محمود نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ (۱۵) روز تک قلعہ کشائی کی تدبیریں عمل میں لاتا رہا- اس دوران میں سلطان محمود نے قلعہ کا محاصرہ بڑی سختی سے کر کے آمدورفت کے تمام راستے مسدود کر رکھے تھے جب اہل قلعہ کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان قلعہ فتح کیے بغیر نہ رہیں گے تو ان میں سے بہتوں نے قلعے سے اتر کر اپنی جانیں اپنے ہاتھوں سے تلف کر دیں- کچھ نے اپنے بال بچوں سمیت اپنے آپ کو نذر آتش کر کے ہلاک کر دیا اور جو لوگ باقی بچے وہ قلعہ کا دروازہ کھول کر خنجر بکف باہر نکل آئے- انہوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور یہ سب کے سب مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے- محمود نے اس قلعے کے تمام مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ چندپال کی فتح

اس کے بعد محمود نے قلعہ چندپال کا رخ کیا- راجہ چندپال نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنا عبث اور مشکل ہے' راہ فرار اختیار کی- وہ اپنے بیوی بچوں اور بیش قیمت جواہرات وغیرہ لے کر قریب کی پہاڑیوں میں جا چھپا محمود نے اس قلعے کے بقیہ مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

راجہ چند رائے پر حملہ

قلعہ چندپال کی فتح کے بعد محمود نے قریب ہی کے ایک مغرور اور سرکش راجہ چند رائے سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا- چند رائے نے بھی چندپال ہی کی تقلید کی اور مع اپنے اہل و عیال کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا- مورخین کا بیان ہے کہ چندپال کے پاس ایک نہایت ہی طاقتور اور کوہ پیکر ہاتھی تھا جو پورے ہندوستان میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا- محمود نے اس ہاتھی کو خریدنے کے لیے بارہا کوشش کی تھی' لیکن وہ کامیاب نہ ہوا تھا- چند رائے کے فرار کے بعد وہ ہاتھی اتفاق سے ایک رات بغیر فیل بان کے اپنے تھان سے بھاگا اور محمود کے خیمے کے [illegible]

سامنے پیش کیا۔ محمود اس ہاتھی کو یوں اچانک اپنے قبضے میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا چونکہ یہ ہاتھی بغیر کسی قسم کی محنت اور معاوضے کے محض تائید خداوندی سے ملا تھا' لہٰذا محمود نے اس خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منایا اور اس ہاتھی کا نام خداداد رکھا اور اسے اپنے ہمراہ غزنی لے کر آیا۔

"عروس فلک" مسجد کی تعمیر

جب سلطان محمود اپنے دارالسلطنت غزنی واپس پہنچا' تو اس نے حکم دیا کہ اس تمام مال غنیمت کی فہرست بنائی جائے اور قیمت کا اندازہ کیا جائے جو اس سفر میں ہاتھ لگا ہے۔ فوراً اس حکم شاہی کی تعمیل کی گئی' حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں بیس ہزار اشرفیاں' کئی لاکھ روپے' پچاس ہزار لونڈی غلام' تین سو پچاس ہاتھی اور دوسری بہت سی بیش قیمت اشیاء سلطان محمود کے ہاتھ آئی ہیں۔ محمود کا سفر چونکہ بڑا کامیاب رہا تھا اور اسے متعدد فتوحات نصیب ہوئی تھیں۔ اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس نعمت خداوندی کے شکریہ کے طور پر غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جائے۔ اس عمارت کو سنگ مرمر سے بنایا جائے اور دیگر بیش قیمت و گراں قدر پتھر' مربع' مسدس' مثمن اور مدور' ہر صورت کے تراش کر اس عمارت میں نصب کیے جائیں تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبصورتی اور متانت سے متاثر ہوں اور صاحب عمارت کی ہمت عالی کی داد دیں۔

جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو سلطان محمود نے اس کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا' خوب صورت قندیلوں سے اسے بقعہ نور بنا دیا۔ روشنی کی کثرت اور آرائش کی خوبی کی وجہ سے لوگ اس مسجد کو "عروس فلک" کہنے لگے ------- اس مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالیشان مدرسے کی بنیاد ڈالی اور مدرسے کے کتب خانے میں نایاب اور اعلیٰ کتب جمع کیں۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کر دیئے گئے' تاکہ طلبا' مدرسین اور دیگر عملے کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ محمود کا مسجد اور مدرسے کو تعمیر کروانا' امیروں اور ارکان سلطنت کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا اور انہوں نے اپنے بادشاہ کی تقلید کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مختصر سے عرصے میں غزنی میں بیشمار مسجدیں' درسگاہیں' سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہو گئیں۔

چند نوادرات

سفر قنوج میں سلطان محمود کے ہاتھ جہاں اور بہت سی بیش قیمت اشیاء آئیں۔ وہیں ایک عجیب و غریب مرغ بھی تھا' جو اپنی صورت و شکل کے لحاظ سے قمری سے مشابہ تھا۔ اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس جگہ موجود ہوتا اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا' تو اس پر اضطراب کی حالت طاری ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگتے۔ اس عجیب و غریب پرندے کو سلطان محمود نے چند دیگر گراں قدر تحائف کے ساتھ خلیفہ القادر باللہ عباسی کے پاس بغداد بھجوا دیا۔ اس مرغ کے علاوہ ایک عجیب و غریب پتھر بھی محمود کو ملا تھا' اس پتھر کی یہ خاصیت تھی کہ اگر کسی شخص کے جسم پر کوئی زخم ہوتا اور وہ کتنا ہی کاری کیوں نہ ہوتا' اگر اس پتھر کو گھس کر اس پر لگا دیا جاتا تو وہ زخم فوراً ہی مندمل ہو جاتا۔

فتح نامہ محمود

سلطان محمود نے ۴۱۰ھ میں ایک "فتحنامہ" جس میں اس کی تمام ہندوستانی فتوحات کی تفصیل درج تھی' خلیفہ بغداد کی خدمت میں ارسال کیا۔ جب یہ "فتحنامہ" خلیفہ کو ملا تو اسی وقت ایک بہت بڑی محفل اس غرض سے منعقد کی کہ یہ فتحنامہ خدا کے بندوں کو بلند آواز سے سنایا جائے۔ لوگوں نے جب اس "فتحنامہ" کو سنا' تو بے اختیار خداوند باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور کفر و ظلمت کی تباہی و تاراجی پر مسرت کا اظہار کیا' نیز سلطان محمود کی جرات و ہمت پر آفرین کی اور خدا سے دعا کی کہ آئندہ بھی اسے فتح کامرانی نصیب ہو [illegible]

دن ہے۔ تمام لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ عرب' عجم' روم اور شام میں جو کارنامے صحابہ کرام نے سرانجام دیئے وہی بعینہ ہندوستان میں سلطان محمود کی ذات سے ظہور میں آئے۔ جن کی وجہ سے محمود نے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت حاصل کی۔

بدویوں کی سرزنش

۴۱۲ھ کا واقعہ ہے کہ علماء اور زاہدوں کے ایک گروہ نے سلطان محمود کی خدمت میں گذارش کی کہ آپ ہر سال ہندوستان جا کر تو کفار سے معرکہ آرائی کرتے ہیں اور وہاں مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہیں لیکن آپ نے اب تک بیت اللہ کے راستے پر نظر نہیں کی۔ ایک مدت سے کعبہ کا راستہ بدویوں اور قرملیوں کی راہزنی کی وجہ سے بند پڑا ہوا ہے اور مسلمان لوٹ مار کی وجہ سے حج کی ثواب سے محروم ہیں یہ ظاہر ہے کہ خلافت عباسی میں اب اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ اس مقدس راستے کو ان رہزنوں سے پاک و صاف کرے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آپ ہی اس سلسلے میں کوئی اقدام فرمائیں ------ سلطان محمود نے اس التجا کو قبول کیا اور اپنی سلطنت کے قاضی القضاۃ ابو محمد ناصر ناصحی کو حاجیوں کے ایک قافلے کا امیر مقرر کیا اور بدویوں کو لوٹ مار سے باز رکھنے کے لیے (۳۰) ہزار اشرفیاں ابو محمد ناصحی کے سپرد کیں اور قافلے کو مکے کی جانب روانہ کیا۔ اس قافلے کے ساتھ غزنی کے بہت سے امیر اور سردار بھی حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں بعد یہ قافلہ مختلف منزلیں طے کرتا ہوا ایک جنگل میں پہنچا اور فید نامی ایک مقام پر قیام کیا' بدویوں نے معمول کے مطابق اس قافلے کو لوٹنا چاہا۔ ابو محمد ناصحی نے بدویوں سے صلح کرنی چاہی اور پانچ (۵) ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھجوائیں تاکہ وہ اہل قافلہ کو دق نہ دیں' لیکن بدویوں کے سردار حماد بن علی نے صلح کرنے سے انکار کیا اور اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دیا۔ جب بدویوں نے قافلے پر چھاپہ مارا تو اہل قافلہ نے انہیں منتشر کرنے کے لیے تیر چلانا شروع کر دیئے۔ اتفاق سے ایک ترکی غلام (جو ماہر تیر انداز تھا) کا تیر بدویوں کے سردار حماد بن علی کے سر پر لگا۔ وہ اس صدمے کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ بدویوں نے فوراً اس کو اٹھایا اور اہل قافلہ کے سامنے سے بھاگ گئے۔ اس حادثے کے بعد ابو محمد ناصحی مع اپنے قافلے کے راستے کی تمام مشکلات کو جھیلتے ہوئے کعبے تک پہنچے اور حج کرنے کے بعد صحیح سلامت غزنی واپس آئے۔

راجہ انندپال سے معرکہ

اسی سال یعنی ۴۱۲ھ میں سلطان محمود کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے لوگ قنوج کے راجہ کورا کے خلاف ہو گئے ہیں اور چاروں طرف سے اس پر لعنت و ملامت کی جا رہی ہے۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ کالنجر کے راجہ نندا پال نے قنوج پر حملہ کر دیا کہ کورا نے سلطان محمود کی اطاعت کیوں قبول کی اس حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ کورا قتل کر دیا گیا۔ محمود کو جب معلوم ہوا تو اس نے کثیر لشکر فراہم کیا اور بہت سے ساز و سامان کے ساتھ راجہ نندا سے انتقام لینے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا لشکر جب دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو راجہ انندپال کا بیٹا جو محمود سے کئی بار شکست کھا چکا تھا۔ راجہ نندا کی مدد کے لیے محمود کے راستے میں حائل ہوا۔ اس زمانے میں دریائے جمنا میں پانی بہت چڑھا ہوا تھا اور وہ بہت گہرا تھا۔ اس لیے محمود کے لشکر کے لیے دریا کو پار کرنا بہت مشکل ہو گیا اور ہر شخص دریا کے پار کرنے کے سلسلے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ اتفاق سے محمود کے آٹھ خاصے کے غلام ہمت کر کے دریا کے پار اتر گئے اور ہندوؤں کے لشکر سے جا ملے اور اپنے حملے سے تتر بتر کر دیا۔ انندپال کا بیٹا اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا۔ یہ آٹھوں غلام ہندی لشکر کو شکست دینے کے بعد ایک قریبی شہر میں داخل ہو گئے اور خوب جی کھول کر انہوں نے شہر کو لوٹا اور وہاں کے مندروں کو مسمار کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ صرف آٹھ آدمیوں نے کس طرح اتنے بڑے لشکر کو شکست دی۔ اس شبے کو یوں دور کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ آٹھ اشخاص سلطانی لشکر کے آٹھ امیر ہوں اور ہر ایک اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کے پار اتر کر ہندوؤں سے معرکہ آراء ہوا ہو۔

راجہ نندا سے جنگ

انند پال کو شکست دینے کے بعد مسلمانوں کی فوج نندا کی طرف بڑھی۔ کالنجر پہنچ کر محمود کو معلوم ہوا کہ دشمن کا لشکر بہت بڑا ہے اور وہ چھتیس (۳۶) ہزار سواروں' پینتالیس (۴۵) ہزار پیادوں اور چھ سو چالیس ہاتھیوں پر مشتمل ہے۔ محمود نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر ہندوؤں کے لشکر کا معائنہ کیا اور ان کی کثرت کو دیکھ کر دل ہی دل میں اپنے آگے بڑھنے سے پشیمان ہوا لیکن اس نے اپنا حوصلہ پست نہ کیا اور اپنے سر کو بارگاہ خداوندی میں جھکا کر بڑے خشوع و خضوع سے فتح کی دعا مانگی۔ محمود کا لشکر جس روز کالنجر پہنچا اور اس نے فتح کی دعا مانگی۔ اسی رات نندا کے دل میں محمود کا خوف کچھ ایسا بیٹھا کہ وہ اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر راتوں رات میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ صبح کو جب محمود نے یہ خبر سنی تو وہ ہندوؤں کے لشکر میں آیا اور آس پاس کے تمام کمین گاہوں کو دیکھ کر ہندوؤں کی طرف سے پورا اطمینان کر لیا' جب اسے اس باب کا کامل یقین ہو گیا کہ دشمن کی قوت ختم ہو چکی ہے تو اس نے دل کھول کر غارت گری کا بازار گرم کیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت اس قدر آیا کہ اس کی تفصیل بیان سے باہر ہے۔ کالنجر کے قریب ایک جنگل سے مسلمان لشکریوں نے پانچ سو اسی (۵۸۰) ہاتھی پکڑے۔ محمود چونکہ پنجاب اور دوسرے علاقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن نہ تھا۔ اس لیے اس نے اسی قدر فتح پر اکتفا کیا اور غزنی واپس آ گیا۔

قیرات اور ناردین کی فتح

کالنجر کی فتح کے بعد محمود کو معلوم ہوا کہ ابھی تک قیرات اور ناردین کے باشندے بت پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں اور باوجود اسلامی فتوحات کی کثرت کے انہوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا نیز خود سری بھی ان میں ابھی موجود ہے۔ یہ سنتے ہی محمود نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور سناروں' بڑھیوں اور سنگتراشوں کی ایک بڑی جماعت لے کر لشکر کے ہمراہ قیرات اور ناردین کی طرف روانہ ہوا۔

محمود نے پہلے تو قیرات پر حملہ کیا۔ قیرات اپنی آب و ہوا کی وجہ سے ایک سرد مقام ہے' جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام اپنے سبزہ زاروں اور پھلوں کے باغوں کی وجہ سے دنیا بھر میں اپنی شہرت رکھتا ہے۔ اس شہر کے حاکم نے مع اپنی رعایا کے مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اس لیے محمود کو اس کے فتح کرنے میں کچھ زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

قیرات کی فتح کے بعد سلطان محمود نے خود تو وہیں قیام کیا اور حاجب علی بن ارسلان جاذب کو ناردین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ اس نے ناردین کو فتح کیا اور بہت سی لونڈیوں' غلاموں اور مال و دولت پر قابض ہوا۔ جب حاجب علی بن ارسلان جاذب نے ناردین کے سب سے بڑے مندر کو مسمار کیا تو عمارت کے ایک حصے سے ایک رد پہلا منقش پتھر برآمد ہوا۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس مندر کی تعمیر کو چالیس (۴۰) ہزار سال کا زمانہ گزر چکا ہے۔ محمود نے جب ناردین کی فتح کی خبر سنی تو وہ خود وہاں پہنچا اور اس شہر میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کروایا۔ اس مقام کی حکومت اس نے علی بن قدر سلجوقی کو سونپی اور خود غزنی واپس آ گیا۔

لاہور کی فتح

۴۱۲ھ میں سلطان محمود نے اپنی عنان فتح کو کشمیر کی طرف موڑا اور نواح کشمیر میں پہنچ کر "لوہ کوٹ" کے قلعے کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ ایک مہینے تک رہا۔ یہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے محمود اپنی تمام کوششوں کے باوجود اسے فتح نہ کر سکا۔ یہ عالم دیکھ کر اس نے لوہ کوٹ کی تسخیر کا خیال ترک کیا اور لاہور کی طرف چل پڑا۔ لاہور پہنچنے کے بعد اس نے خود تو شہر میں ہی قیام کیا' لیکن اپنی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کر کے شہر کے مختلف حصوں میں غارت گری کے لیے روانہ کیا۔ سپاہیوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے خوب جی کھول کر شہر اور اس کے آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں کو لوٹا اور بے شمار مال غنیمت لے کر سلطان محمود کی خدمت میں [illegible]

کمزور اور ضعیف راجہ اجمیر کی طرف بھاگ گیا اور وہاں کے راجہ کے سائے میں پناہ لی۔ سلطان محمود نے لاہور پر قبضہ کر کے اسے اپنے ایک قابل اعتماد امیر کے سپرد کیا اور پنجاب کے دوسرے مقبوضات کی حکومتیں بھی قابل اور دیانتدار عاملوں کے سپرد کر کے ملک گیری کے اصولوں اور قوانین کے پیش نظر غارت گری اور لوٹ مار سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لاہور میں اس نے ایک بہت بڑا لشکر متعین کیا اور اس ملک کے تمام حصوں میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرانے کے بعد اس نے موسم بہار کی ابتداء میں غزنی کو واپسی کے لیے اپنا رخت سفر باندھا۔

راجہ نندا پر لشکر کشی

۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے ایک بار پھر راجہ نندا کے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں جب وہ قلعہ گوالیار کے قریب پہنچا تو طمع نے اس کو اس قلعے کا محاصرہ کرنے پر مجبور کیا۔ لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا جب محاصرے کو چار دن گزر گئے تو اس قلعے کے راجہ نے اس شرط پر محمود سے صلح کی درخواست کی کہ وہ پینتیس (۳۵) ہاتھی محمود کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرے گا۔ محمود نے اس درخواست کو قبول کر لیا (اور صلح کر لی)

گوالیار کے راجہ سے صلح کرنے کے بعد سلطان محمود راجہ نندا کے ملک یعنی کالنجر میں پہنچا۔ راجہ نندا نے بھی تین سو (۳۰۰) ہاتھیوں کی پیش کش پر صلح کی درخواست کی۔ محمود نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور اس سے وعدے کے مطابق تین سو ہاتھی طلب کیے۔ راجہ نندا نے محمود کے لشکر کا امتحان لینے کی غرض سے تین سو مست ہاتھی بغیر فیلبانوں کے قلعے سے باہر نکال کر جنگل میں چھوڑ دیئے۔ محمود نے اپنے ترک لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ ان ہاتھیوں کو پکڑ کر ان پر سوار ہو جائیں ان لشکریوں نے فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی۔ راجہ نندا نے محمود کی تعریف میں ہندی زبان میں ایک شعر لکھ کر اس کے پاس بھیجا۔ سلطان محمود نے مشہور ہندوستانی' عربی اور عجمی شعراء کو جو اس کے دربار میں ملازم تھے' یہ شعر سنایا سب نے اس شعر کو بہت پسند کیا اور دل کھول کر اس کی تعریف کی۔ اس شعر کی خوبی اور لطافت سے متاثر ہو کر سلطان محمود نے راجہ نندا کے پاس پندرہ قلعوں کا فرمان بھیجا کہ جن میں کالنجر کا قلعہ بھی شامل تھا۔ راجہ نے اس فرمان کے شکریے کے طور پر بہت سے بیش قیمت جواہرات اور دوسری گراں قدر اشیاء محمود کی خدمت میں پیش کیں۔ راجہ نندا کے اس خلوص سے سلطان محمود بہت خوش ہوا اور اس سے کسی قسم کا تعرض کیے بغیر اپنے دارالسلطنت غزنی کو واپس چلا گیا۔

بلخ میں محمود کا ورود

۴۱۵ھ میں سلطان محمود نے اپنی فوج کی جانچ پڑتال کی حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سپاہ کے علاوہ جو مملکت کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے محمود کے پاس چون ہزار (۵۴۰۰۰) سوار' اور تین سو ہاتھی ہیں۔ محمود نے اس فوج کو مرتب کیا اور بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ اس زمانے میں ماوراء النہر کے باشندے علی تگین کے ظلم و استبداد سے تنگ آ کر فریاد و فغان کر رہے تھے۔ اس لیے جونہی سلطان محمود کی فوج دریائے جیحون کے پار اتری ماوراء النہر کے تمام نامی گرامی امراء اور روساء سلطان محمود کے استقبال کے لیے آئے۔ اور ہر شخص نے اپنی حیثیت کے مطابق بارگاہ سلطان میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ یوسف قدر خاں بھی جو سارے ترکستان کا فرمانروا تھا۔ محمود کے استقبال کے لیے آیا اور بڑے خلوص اور محبت سے ملا۔ محمود بھی اس سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا اور اس کی خاطر تواضع اور مہمانداری میں کئی روز تک جشن مسرت منایا۔ الغرض یہ دونوں حکمران ایک دوسرے سے بڑے خلوص سے ملاقات کرنے اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد رخصت ہوئے۔ علی تگین کو جب سلطان محمود کی آمد کی خبر ملی تو وہ ڈر کے مارے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ محمود نے اپنے چند قابل اعتبار آدمی اس کے پیچھے روانہ کیے جنھوں نے اسے گرفتار کر کے بارگاہ سلطان میں پیش کیا۔ سلطان محمود نے علی تگین کو پابہ زنجیر کر کے ہندوستان کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا اور خود غزنی واپس چلا گیا۔

فتح سومنات

۴۱۵ھ میں محمود کو اس کے چند قابل اعتبار لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (موت کے بعد) انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ دریا کا اتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی عبادت ہے۔ جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جنہیں محمود نے پاش پاش کیا ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا۔ اسی لیے اس نے ان بتوں کی طرف داری نہیں کی۔ ورنہ اس میں اس قدر قوت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحے میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ برہمنوں کے اعتقاد کے مطابق سومنات بادشاہ ہے اور باقی تمام بت اس کے دربان اور مصاحب ہیں۔ محمود نے جب یہ بے معنی افسانے سنے تو اس کے دل میں جہاد کا شوق پھر چٹکیاں لینے لگا اور اس نے سومنات کو فتح کرنے کا اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس مقصد کے پیش نظر سلطان محمود نے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور دیگر تیس (۳۰) ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ سے جہاد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ اور بیس (۲۰) شعبان ۴۱۵ھ کو سومنات کی طرف چل دیا۔

کچھ سومنات کے بارے میں

اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا اور یہ دریائے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے پر واقع تھا یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک کعبے کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ آج کل یہ شہر بندر دیو میں ہے اور اہل فرنگ کے قبضے میں ہے بعض تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چند غیر مسلم ایک بہت بڑا بت' خانہ کعبہ سے ہندوستان میں لائے تھے" اس بت کا نام سومنات تھا' اسے اس جگہ نصب کیا گیا۔ لہٰذا اس مقام کا نام بھی اس بت کے نام پر رکھا گیا' لیکن برہمنوں کی ان کتابوں سے جو اسلام کے ظہور سے کئی ہزار سال پہلے تصنیف کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ روایت غلط ہے (ان کتابوں کے بیان کے مطابق) یہ بت سری کرشن کے زمانے سے تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے مطابق سری کرشن نے اس جگہ دنیا اور اہل دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔

محمود کے سفر کے حالات

رمضان المبارک ۴۱۵ھ کے وسط میں سلطان محمود مع اپنے لشکر کے ملتان پہنچا یہاں سے آگے راستے میں ایک خشک اور بے آب و گیاہ جنگل پڑتا تھا۔ اس لیے سلطان نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند دنوں کا پانی اور غلہ رکھ لیں اس کے علاوہ خود اس نے بھی بیس (۲۰) ہزار اونٹوں پر غلہ اور پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب اس خطرناک جنگل کا سفر تمام ہو گیا تو محمودی لشکر اجمیر کی سرحد پر جا پہنچا' اجمیر کا راجہ محمود کی آمد کی خبر سن کر روپوش ہو گیا تھا' اس لیے حسب معمول سلطانی لشکر نے جی کھول کر اس شہر کو تاراج کیا' لیکن اجمیر کے قلعے کو تسخیر کرنے کی کوشش میں وقت صرف نہ کیا گیا کیونکہ محمود کا ارادہ سومنات کو فتح کرنے کا تھا لہٰذا یہاں سے یہ لشکر آگے بڑھ گیا۔

کے سر پر خدا کی رحمت کچھ اس طرح سایہ کیے ہوئے تھی کہ ان قلعوں میں بسنے والوں نے بجائے جنگ کرنے کے محمود کے خوف سے اپنے قلعے مع تمام مال و اسباب کے محمود کے سپرد کر دیئے۔ ان قلعوں سے فرصت حاصل کرنے کے بعد محمود نہروالہ میں جسے پٹن گجرات بھی کہا جاتا ہے پہنچا۔ اس شہر کے تمام باشندے سلطان محمود کے خوف سے شہر خالی کر کے کہیں اور جا چکے تھے۔ لہٰذا محمود کے حکم سے اس شہر کا تمام غلہ اپنے ساتھ لاد لیا گیا اس کے بعد لشکر نے بڑی تیز رفتاری سے سفر طے کیا اور سومنات کے قریب جا پہنچا۔

سومنات میں ورود

جب مسلمانوں کا لشکر سومنات کے قریب دریا کے کنارے پر پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت ہی بلند ہے اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔ اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے اور چلا چلا کر مسلمانوں کو یہ کہہ رہے تھے ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ کر لایا ہے تاکہ ایک ساتھ ہی تم سب کو تباہ و ہلاک کر دے اور اس صورت سے تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے کہ جنہیں تم نے پاش پاش کیا ہے۔

معرکہ آرائی

مسلمانوں کے زبردست لشکر نے اپنے باہمت اور دلیر بادشاہ سلطان محمود کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ کر معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی یہ ہمت اور اولو العزمی دیکھی تو وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے قلعے کی دیوار سے نیچے قلعے کے اندر اتر گئے اور مندر میں جا کر سومنات سے فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ مسلمان بہت سی سیڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصے پر چڑھ گئے۔ اور بلند آواز سے تکبیر کا نعرہ مارا اس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی۔ جب رات کے آثار نمایاں ہونے لگے اور چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا تو اسلامی لشکر اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آگیا۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو پھر مسلمانوں نے حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعے کے اس حصے سے پسپا کر دیا اور گزشتہ دن کی طرح سیڑھیاں لگا کر قلعے کے چاروں طرف سے اہل قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر اہل سومنات مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور سومنات کے بت سے بغل گیر ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ "مارو مارو" کی آوازیں لگاتے ہوئے وہ اس قدر لڑے کہ ایک ایک کر کے تقریباً سبھی ہلاک ہو گئے۔

تیسرے روز ہندوؤں کے وہ لشکر جو قلعے کے آس پاس جمع تھے اہل قلعہ کی مدد کے لیے مسلمانوں کے سامنے مقابلہ پر آ گئے محمود نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو قلعے کے محاصرے سے واپس بلایا اور اسے ساتھ لے کر اس بیرونی لشکر سے نبرد آزما ہوا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ عالم دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل لرز لرز اٹھے۔ "پرم دیو" اور "واشلیم" کے لشکروں کے یکے بعد دیگرے آ جانے سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدان جنگ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں محمود کو جب اس بات کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو کر ایک گوشے میں آیا اور حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا۔ اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ اس نے خداوند تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اپنے لشکر میں واپس آگیا۔ اس کے بعد اس نے ہندوؤں پر ایک زبردست حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

اس معرکے میں تقریباً پانچ (۵) ہزار سومناتی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ لشکر اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی اپنی جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں جا کر پناہ لیں۔ محمود نے پہلے ہی سے ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا اور کشتیوں میں مسلمان لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بٹھا کر ان کشتیوں کو دریا میں چھوڑ رکھا تھا تاکہ وہ بھاگنے والوں کا راستہ روکیں لہٰذا جس وقت ہندو کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اسی وقت مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کر

کے ان کی کشتیوں کو غرق آب کر دیا۔

فتح سومنات کے بعد

جب ہندوؤں کی طرف سے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو سلطان محمود اپنے بیٹوں اور معززین سلطنت کو ساتھ لے کر قلعے میں داخل ہوا۔ اور قلعے کے ہر ہر حصے کو بغور دیکھنے لگا عمارت کو دیکھنے کے بعد سلطان محمود ایک اندرونی راستے کے ذریعے بت خانے میں پہنچا اس نے دیکھا کہ بت خانہ اپنے طول و عرض کے لحاظ سے اچھا خاصہ بڑا تھا اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت چھپن (۵۶) ستونوں پر قائم تھی۔ بت خانے میں سومنات رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی پانچ (۵) گز تھی جس میں دو (۲) گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ اور تین (۳) گز اوپر نظر آتا تھا' یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جب محمود کی نظر اس پر پڑی تو اس کی اسلامی غیرت کے جوش نے شدت اختیار کی۔ لہذا اس نے گرز سے جو اس کے ہاتھ میں تھا' ایک کاری ضرب لگائی اور اس بت کا منہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس بت میں سے پتھر کے دو ٹکڑے کاٹ کر علیحدہ کیے جائیں اور غزنی بھجوا دیئے جائیں ان میں سے ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوان سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔ (اس حکم کی تعمیل کی گئی) چنانچہ اس وقت سے لے کر اب تک چھ سو (۶۰۰) سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود یہ ٹکڑے وہیں رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سومنات کے بت سے دو اور ٹکڑے علیحدہ کیے گئے' جو مکے اور مدینے بھیجے گئے تاکہ انہیں عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر سلطان محمود کی ہمت و جرات کی داد دیں۔

تاریخ میں یہ واقعہ پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سلطان محمود نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہمنوں کے طبقے نے معززین سلطنت کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا معززین سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچاتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ اس درخواست کو قبول کر لینے میں ہمارا فائدہ ہے۔ بت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہو گا اگر ہم اس بت کو نہ توڑنے کے معاوضے میں کوئی معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا فائدہ ہو گا۔ اس کے جواب میں محمود نے ان سے کہا تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے لیکن اگر تمہارے کہنے پر چلوں گا تو میرے بعد دنیا مجھے "محمود بت فروش" کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو مجھے "محمود بت شکن" کے نام سے یاد کرے گی۔ مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں مجھے محمود بت شکن پکارا جائے۔ نہ کہ "محمود بت فروش" محمود کی نیک نیتی اسی وقت رنگ لائی اور جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے ان گنت اور بیش قیمت جواہر اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے۔ ان سب جواہرات کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ رقم سے سو (۱۰۰) گنا زیادہ تھی۔

لفظ سومنات کی اصل

"حبیب السیر" میں لکھا ہے کہ تمام مورخین اس امر سے متفق ہیں کہ "سومنات" اس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے تمام باشندے بتوں کا سردار مانتے ہیں' لیکن حضرت "شیخ فرید الدین عطار" کے قول کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ "سومنات" سوم "اور نات" سے مرکب ہے "سوم" مندر کا نام ہے اور "نات" اس بت کا جو مندر میں رکھا ہوا تھا۔ اس عاجز مورخ فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ جو کچھ قدیم مورخین نے لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت عطار کا قول بھی ان مورخین کے بیان کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ لفظ "سومنات" "سوم" اور "نات" سے مرکب ہے۔ لیکن "سوم" اس راجہ کا نام ہے جس نے یہ بت بنایا اور "نات" خود اس بت کا علم ہے دونوں لفظ استعمال کی کثرت کی وجہ سے "بعلبک" کی طرح ایک ہو گئے۔ اور یہ مفرد لفظ اس بت کا نام پڑ گیا بلکہ یہاں تک ہوا کہ

ہندی زبان میں نات کے معنے بزرگ یا بڑے کے ہیں جیسا کہ الفاظ جگ نات وغیرہ سے ظاہر ہے کہ "جگ نات" بھی جاگ اور نات سے مرکب ہے "جگ" کے معنی خلائق کے ہیں اور "نات" کے معنی خالق' لیکن ازروئے محاورہ اب ان الفاظ کے لغوی معانی کا خیال نہیں رکھا جاتا- بلکہ دونوں لفظ مل کر اسم مفرد کی صورت میں کسی خاص شخص کا نام سمجھے جاتے ہیں۔

کچھ سومنات کے مندر کے بارے میں

(سومنات کا مندر ہندوؤں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا) جب کبھی سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار (۲۳۰۰۰۰) آدمی جمع ہوتے' جن میں سے بیشتر دور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے کے لیے آتے تھے- ہندوستان کے راجہ اس مندر کے اخراجات کے لیے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وغیرہ وقف کیا کرتے تھے جس وقت سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا تھا اس وقت تقریباً دو ہزار قصبوں کی آمدنی اس کے اخراجات کے لیے وقف تھی- اس مندر میں ہروقت دو ہزار برہمن پوجا پاٹ کے لیے موجود رہتے تھے- یہ پجاری روزانہ رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے- واضح رہے کہ سومنات اور گنگا کا درمیانی فاصلہ (۶۰۰) کوس کا ہے- ان پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سونے کی ایک زنجیر باندھ رکھی تھی جس کا وزن دو سو من تھا- اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں پوجا پاٹ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا اور گھنٹیاں بجنے لگتیں اور ان گھنٹیوں کی آواز سے پجاری عین وقت مقررہ پر پوجا کے لیے مندر میں حاضر ہو جاتے یہاں پانچ سو (۵۰۰) گانے بجانے والی عورتیں اور تین سو (۳۰۰) مرد سازندے ملازم تھے' جن کے اخراجات وقف شدہ دیہاتوں اور قصبوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے- پجاریوں کے سر اور داڑھیاں مونڈھنے کے لیے تین سو حجام ہر وقت یہاں موجود رہتے تھے- ہندوستان کے بیشتر راجہ اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کے لیے مندر میں بھیج دیتے تھے- یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر میں مختلف فرائض سرانجام دیتی تھیں-

اس مندر سے سلطان محمود کو جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہو گا تاریخ "زین الماثر" میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت "سومنات" رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجے کے جواہرات کی شعاعیں تھیں- یہ جواہرات مندر میں قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے- اسی تاریخ (زین الماثر) میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سومنات کے خزانے سے سونے چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی بڑی تعداد میں برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ تقریباً ناممکن ہے چنانچہ حکیم سنائی ارشاد کرتے ہیں۔

کعبہ و سومنات چوں افلاک شدز محمود و از محمدؐ پاک
ایں زکعبہ بتاں بروں انداخت آں زکیں سومنات اپرداخت

راجہ پرم دیو کی سرزنش

جب سلطان محمود سومنات کی تباہی و غارت گری سے بالکل فارغ ہو گیا تو اس نے نہروالہ کے عالی شان راجہ پرم دیو کو راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا- جن دنوں سلطان محمود سومنات کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ان دنوں راجہ پرم دیو نے جرات و ہمت سے کام لے کر ایک بڑا لشکر سومنات کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا- اس لشکر سے جنگ کرنے میں تقریباً دو تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے- محمود کے ذہن میں راجہ پرم دیو کی اس جسارت کی یاد پوری طرح محفوظ تھی جس کا انتقام لینا بہت ضروری تھا- سومنات کی فتح کے بعد راجہ پرم دیو اپنے دارالسلطنت نہروالہ سے فرار ہو کر کندھ کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا تھا سومنات سے کندھ کا فاصلہ چالیس کوس کا تھا- سلطان محمود نے اس فاصلے کی کوئی پرواہ نہ کی اور منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا کندھ جا پہنچا- جب مسلمانوں کا لشکر کندھ کے قلعے کے قریب پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑی خندق نظر آئی جو قلعے کو چاروں طرف سے محیط کیے ہوئے تھی [illegible]

تھا محمود کے لشکر کے غوطہ خوروں نے اس پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کہیں سے بھی خندق کی تھاہ نہ ملی۔ آخر کار ہندی غوطہ خوروں نے ایک ایسی جگہ کا پتہ چلا لیا جہاں گہرائی کم تھی اور اس خندق کو عبور کرنا ممکن تھا۔ ان غوطہ خوروں کا بیان تھا کہ اگر اس کو عبور کرتے وقت پانی میں ہلچل پیدا ہوگئی تو سارا لشکر تباہ ہو جائے گا یہ سن کر سلطان محمود نے قرآن کریم سے استخارہ کیا اور اجازت ملنے پر خدا کی ذات بابرکات پر بھروسا کر کے اس نے اپنے امیروں اور لشکریوں کے ہمراہ پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور صحیح و سلامت سارا لشکر پار اتر گیا اور قلعے پر ایک دم حملہ کر دیا۔ پرم دیو اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر' بھیس بدل کر مسلمانوں کی آنکھوں سے بچ بچا کر فرار ہو گیا۔

قلعہ کندھ پر قبضہ

راجہ پرم دیو کے فرار ہوتے ہی اہل قلعہ نے قلعے کے دروازے کھول دیئے اور اسلامی فوج نے قلعے کے اندر داخل ہو کر بہت سے غیر مسلموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قلعے پر قبضہ کر لیا نیز ہندوؤں کی عورتوں اور بچوں کو اپنا قیدی بنا لیا گیا۔ محمود نے حکم دیا کہ راجہ پرم دیو کے خزانے کی تمام دولت اور جواہرات وغیرہ شاہی خزانے میں جمع کیے جائیں جس کے دروازے پر ہمیشہ "ہل من مزید" کا نقارہ بجتا رہتا ہے۔

نہروالہ کی طرف کوچ

سلطان محمود نے قلعہ کندھ فتح کرنے کے بعد خاص نہروالہ کی طرف کوچ کیا یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ باشندوں کے حسن و جمال زمین کی سرسبزی و شادابی' آب رواں کی کثرت اور دولت کی فراوانی کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ شہر ہندوستان کا بہترین علاقہ ہے اس علاقے کی بہترین آب و ہوا اور دوسری خوبیوں پر سلطان محمود کے دل میں یہ خیال آیا کہ چند سال تک یہیں قیام کرے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو اس کے دل میں یہ امنگ بھی اٹھی کہ اس علاقے کو اپنی سلطنت کا مرکزی مقام بنا لے اور غزنی کی حکومت سلطان مسعود کے حوالے کر دے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمود کی اس خواہش کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں نہروالہ میں خالص سونے کی چند کانیں بھی تھیں اور انہیں کے لالچ نے اسے نہروالہ کا والہ و شیدا بنا دیا تھا۔ ممکن ہے یہ روایت درست ہو مگر اس وقت تو نہروالہ میں سونے کی کسی کان کا نام و نشان بھی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہ کانیں معدوم ہو گئیں ہوں۔ جیسا کہ سلطان محمود ہی کے ابتدائی زمانے میں سیستان میں سونے کی ایک کان تھی لیکن اس کے آخری زمانے میں ایک زلزلہ آنے سے معدوم ہو گئی۔

سراندیپ اور پیکو وغیرہ پر حملے کا ارادہ

اس کے بعد محمود نے چاہا کہ سراندیپ' پیکو اور اسی قسم کی دوسری بندرگاہوں کو اپنے قبضے میں لائے کہ جہاں سونے اور یاقوت کی کانیں ہیں۔ اس خواہش کے مد نظر اس نے لشکریوں کو کشتیوں میں بٹھا کر ان جزائر تک پہنچانے کا حکم دیا تاکہ ان علاقوں کی بیش قیمت اور نفیس اشیاء کو حاصل کیا جا سکے' لیکن محمود کی سلطنت کے ارکان نے اس موقعے پر یہ عرض کیا کہ "ہم نے خراسان کو ایک عرصے کے بعد خس و خاشاک سے پاک کیا ہے اور ان گراں قدر جواہر پر بہت سی عزیز اور پیاری جانیں قربان کی ہیں۔ لہٰذا ان قربانیوں کے پیش نظر اس دارالعزیز شہر کو چھوڑ کر گجرات کو دارالسلطنت بنانا دور اندیشی نہیں ہے۔" سلطان محمود کو ارکان سلطنت کا یہ مشورہ قابل قبول معلوم ہوا اور اس نے غزنی کی طرف کوچ کا ارادہ کیا۔

نہروالہ کے حکمران کا انتخاب

حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی جائے۔" درباریوں نے آپس میں مشورہ کیا اور محمود سے کہا "چونکہ دوبارہ اس علاقے کی طرف ہمارے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہیں کے کسی شخص کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جائے۔" یہ رائے سن کر سومنات کے شہریوں سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ اس شہر کے معززین نے محمود سے کہا۔ "اس شہر کے باشندوں میں کوئی گروہ یا خاندان حسب و نسب میں "دا بشلیم" خاندان کی برابری نہیں کر سکتا۔ آج کل اس خاندان کا ایک فرد برہمنوں کا بھیس بدل کر عبادت اور ریاضت میں ہمہ تن مشغول ہے۔ اگر جہاں پناہ یہ ملک اسی کے سپرد کر دیں تو مناسب ہو گا۔" لیکن اہل سومنات کے ایک دوسرے طبقے نے اس مشورے کی مخالفت کی اور کہا۔ "دا بشلیم خاندان کا یہ فرد بڑا تند مزاج اور خشک طبیعت آدمی ہے اس نے چند بار حکمران بننے کا خواب دیکھا اور ہر بار اپنے بھائیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اب جان بچانے کے لیے مندر میں پناہ گزین ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی عبادت و ریاضت سچے دل سے نہیں ہے بلکہ زمانے کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔ ہاں اس کے رشتہ داروں میں ایک ایسا شخص ضرور موجود ہے جو بڑا عقل مند اور سمجھ دار ہے اور ہندوستان کے تمام برہمن اس کی ہربات کو عقل اور فراست کا گراں قدر جوہر سمجھ کر فوراً قبول کر لیتے ہیں اور یہ شخص فلاں ملک کا حاکم بھی ہے۔ اگر جہاں پناہ اس کے نام اس ملک کا فرمان صادر فرمائیں گے تو وہ بڑے خلوص سے خدمت عالی جاہ میں حاضری دے گا۔ اس کے علاوہ وہ مقررہ خراج ہر سال باوجود اس قدر فاصلے کے شاہی خزانے میں داخل کرتا رہے گا۔" سلطان محمود نے اس کے جواب میں کہا۔ "اگر وہ شخص خود میرے پاس آ کر یہ درخواست کرتا تو ممکن تھا کہ میں اس کی درخواست قبول کر لیتا، لیکن اس قدر وسیع ملک ایک ایسے شخص کے سپرد کرنا جسے میں نے دیکھا بھی نہیں اور جو خود بھی ایک ملک کا حکمران ہے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

دا بشلیم مرتاض کا نہروالہ کا حاکم مقرر ہونا

ان مشوروں کے بعد آخر کار سلطان محمود نے دا بشلیم مرتاض کو نہروالہ کی حکمرانی کے لیے منتخب کر لیا اسے بلایا اور نہروالہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ دا بشلیم مرتاض نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد سلطان محمود سے کہا۔ "میرا ہم قوم فلاں دا بشلیم میرا جانی دشمن ہے۔ اسے جب یہ معلوم ہو گا کہ آپ مجھے نہروالہ کی حکومت سونپ کر اپنے ملک واپس چلے گئے ہیں تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر ضرور حملہ کرے گا۔ چونکہ اس وقت میری حکومت کی بنیادیں پوری طرح مضبوط نہیں ہیں اس لیے اس کے غالب آ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ مجھ پر اتنا کرم اور کریں کہ اس دشمن کی شرارتوں سے مجھے مطمئن کر دیں تو میں اس عنایت کے شکرانے کے طور پر کابل اور زابل کے خراج سے دگنی رقم شاہی خزانے میں ہر سال جمع کیا کروں گا۔" محمود نے اس کے جواب میں اس سے کہا۔ "ہم لوگ اپنے ملک سے جہاد کی نیت سے نکلے ہیں اور دو سال گزر چکے ہیں ہم نے غزنی کی صورت نہیں دیکھی اگر ہم (تمہارے دشمن دا بشلیم پر لشکر کشی کریں گے تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ ہمیں چھ مہینے اور اپنے وطن سے علیحدہ رہنا ہو گا لیکن خداوند تعالیٰ کی رضا پر چلنے والوں کے لیے یہ دو سال اور ڈھائی سال برابر ہیں۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ہم چلتے چلتے اس قصے کو ختم کر دیں۔

دا بشلیم دشمن مرتاض پر حملہ

اس کے بعد سلطان محمود نے اپنے لشکر کو دا بشلیم دشمن مرتاض کے ملک کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور محمود نے وہاں پہنچ کر تھوڑی سی مدت میں اس ملک کو فتح کر لیا۔ اور راجہ دا بشلیم (دشمن مرتاض) کو گرفتار کر کے مرتاض کے حوالے کر دیا۔ دا بشلیم مرتاض نے سلطان محمود سے عرض کی کہ "ہمارے مذہب میں کسی بادشاہ کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے ہاں یہ دستور رائج ہے کہ جب ایک راجہ دوسرے راجہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ و تاریک اور اندھیری کوٹھڑی بنوا کر مفتوح راجہ کو اس میں قید کر دیتا ہے۔ اس کوٹھڑی کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور قیدی کو اس سوراخ کے

ذریعے کھانا اور پانی پہنچایا جاتا ہے یہ قید اس وقت تک رہتی ہے جب تک فاتح و مفتوح دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے۔ چونکہ اس وقت میرے پاس نہ تو ایسا کوئی قید خانہ ہے اور نہ ہی مجھ میں ابھی اتنی قوت ہے کہ دشمن کو اس طرح قید میں رکھ کر اس کی حفاظت کروں۔ نیز آپ کے چلے جانے کے بعد مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں اس راجہ کے ہمدرد علم بغاوت بلند کر کے اسے میرے قبضے سے چھڑا نہ لیں۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قیدی کو میرے پاس چھوڑنے کی بجائے اپنے ساتھ غزنی لے جائیں اور جب میری حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو میں اپنا آدمی بھیج کر اس قیدی کو منگوا لوں گا۔" سلطان محمود نے مرتاض کی درخواست منظور کر لی اور ڈھائی برس کے بعد غزنی کی حکومت کی طرف روانہ ہوا۔

غزنی کو واپسی

جب سلطان محمود نے غزنی کی طرف روانہ ہوا تو اس زمانے میں پرم دیور اور راجہ اجمیر نے ایک لشکر جرار تیار کر کے سلطان محمود کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن محمود نے اس وقت ان سے جنگ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور راستہ بدل کر سندھ کے راستے ملتان کی طرف نکل گیا اس راستے میں بعض مقامات پر پانی اور شادابی نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کو طرح طرح کی ناقابل برداشت مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑا اور بڑی مشکلوں کے بعد سلطان محمود ۴۱۷ھ میں غزنی پہنچا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان محمود سندھ کے جنگلوں میں سفر کرتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے یہ مناسب خیال کیا کہ راستے بتانے کے لیے کوئی رہبر ساتھ لے لینا چاہیے۔ ایک ہندو نے راہبری کا کام سنبھالا اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ اس ہندو راہبر نے قصداً لشکر کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیا جہاں دور دور تک پانی نہ تھا۔ ایک ایسے جنگل سے اس لشکر کا گزر ہوا جہاں سپاہیوں کو ایک دن اور ایک رات تک پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ ہوا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ لشکریوں کے لیے وہ جنگل میدان قیامت بن گیا۔ سلطان محمود نے یہ عالم دیکھ کر اس ہندو رہبر سے پوچھا کہ آخر وہ کس طرف سے لشکر کو لے کر جا رہا ہے اس نے جواب دیا۔ "میں سومنات کے جاں نثاروں میں سے ہوں اور آپ کو اور آپ کی فوج کو جان بوجھ کر اس جنگل میں لایا ہوں تاکہ آپ سب کو تباہ و برباد کیا جائے جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ہو۔ سلطان محمود نے جب یہ جواب سنا تو اسے بے انتہا غصہ آیا اور اس ہندو رہبر کو فوراً وہیں قتل کرا ڈالا۔

اسی رات کو سلطان محمود اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک گوشے میں آیا اور اپنے سرنیاز کو خاک پر رکھ کر اس نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ مسلمانوں کو جلد از جلد اس بلائے ناگہانی سے نجات دے۔ رات ابھی تھوڑی ہی گزری تھی کہ اس جنگل میں شمال کی جانب ایک روشنی نظر آئی۔ سلطان محمود نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور اسی روشنی کے تعاقب میں چلنے کا اشارہ کیا بادشاہی لشکر نے حکم کی تعمیل کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر تمام رات کی مسافت کے بعد آخر کار صبح کے وقت پانی کے کنارے پر پہنچ گیا اور اس طرح بادشاہ کی نیک نیتی اور خلوص کی بدولت لشکر نے اس مصیبت سے نجات پائی۔

دابشلیم مرتاض کی بدقسمتی

جب دابشلیم مرتاض نے اپنی حکومت کی بنیادوں کو اچھی طرح مضبوط کر لیا اور وہ سومنات پر پوری قوت کے ساتھ حکومت کرنے لگا تو اس نے چند سال کے بعد سلطان محمود کی خدمت میں اپنے ایلچی روانہ کیے۔ اور دابشلیم (جو مرتاض کا دشمن اور سلطان محمود کے پاس قید تھا) کی واپسی کا تقاضہ کیا تاکہ وہ اسے اپنے دستور کے مطابق سزا دے سکے ان ایلچیوں کے ہاتھ مرتاض نے بہت سے گراں قدر

انہوں نے سلطان سے کہا۔ "کافروں پر رحم کرنا اسلام کے احکامات کے خلاف ہے اور آپ نے دا بشلیم مرتاض سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کرنا آپ کے شایان شان نہیں ہے۔" ان معززین کے کہنے پر سلطان محمود نے دا بشلیم قیدی کو مرتاض کے ایلچیوں کے سپرد کر دیا اور یہ ایلچی اس قیدی کو اپنے ہمراہ لے کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ سومنات کی حدود میں پہنچے تو انہوں نے مرتاض کو اپنی آمد کی خبر دی اس عبادت گزار راجہ نے یہ خبر سن کر اپنے کارکنوں کو مطابق دستور قید خانہ تیار کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے قیدی کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ مرتاض نے ایک طشت اور لوٹا بھی ساتھ لے لیا تاکہ وہ انہیں دستور کے مطابق قیدی کے سر پر رکھ کر اسے اپنے گھوڑے کے ساتھ بھگاتا ہوا لائے اور اسی حالت میں اسے قید خانے تک پہنچائے۔

راستے میں مرتاض ایک جگہ پر رک گیا اور سیرو شکار میں مصروف ہو گیا۔ شکار کی تلاش میں اس نے بڑی بھاگ دوڑ کی اور آخر کار دھوپ کی شدت سے تنگ آ کر ایک درخت کے نیچے سائے میں دم لینے کے لیے بیٹھ گیا۔ شکار کے لیے بھاگ دوڑ کی وجہ سے مرتاض کی حالت خستہ ہو رہی تھی لہٰذا وہ اپنے چہرے پر ایک سرخ رومال ڈال کر وہیں لیٹ گیا۔ اسی عالم میں قضائے الٰہی سے اس کی قسمت کا پانسہ پلٹا گیا۔ (ہوا یہ کہ) ایک سخت چنگل پرندے نے سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھا اور نیچے اتر کر اس رومال پر ایسا زور کا جھپٹا مارا کہ اس پرندے کے ناخن مرتاض کی آنکھوں میں گھس گئے اور اس کی آنکھیں زائل ہو گئیں۔ چونکہ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ کسی ایسے شخص کو راجہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جس کے جسم کے کسی حصے میں کسی قسم کا کوئی نقص ہو۔ اس لیے راجہ کے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر شخص نے مرتاض کی اطاعت سے انکار کر دیا عین اسی وقت دا بشلیم قیدی بھی وہاں پہنچ گیا۔ چونکہ مرتاض کے بعد اس قیدی کے علاوہ اور کوئی سلطنت کا مستحق نہ تھا اس لیے اسی قیدی کو حکمرانی کے لیے منتخب کیا گیا اور مرتاض کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو دا بشلیم قیدی کے ساتھ ہونے والا تھا یعنی اس کے سر پر وہی طشت اور لوٹا رکھا گیا اور قیدیوں کی طرح اسے گھوڑے کے ساتھ دوڑاتے ہوئے لایا گیا اور قید خانے میں داخل کر دیا گیا خدا کی قدرت بھی عجیب و غریب ہے چند لمحوں کے اندر کیا سے کیا ہو گیا۔ جو سزا مرتاض نے اپنے قیدی کے لیے تجویز کی تھی وہ اسے خود ہی بھگتنی پڑی۔ مثل مشہور ہے کہ "چاہ کندہ را چاہ در پیش" اس کے مصداق مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانے میں داخل ہوا اور تمام عمر اپنی بدقسمتی کا ماتم کرتا رہا اس واقعے سے جو نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے اس سے متعلق شیخ سعدی نے کیا عمدہ بات کہی ہے۔ "یہ سچ ہے کہ خدا کی قدرت ایک لمحے میں کسی ایک شخص کو تخت شاہی سے اتار کر فرش پر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے کو مچھلی کے پیٹ میں بھی تمام آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔"

عجیب و غریب بت

"جامع الحکایات" میں مذکور ہے کہ سلطان محمود نے نہروالہ کے سفر میں شہر کے مندر میں ایک ایسا بت بھی دیکھا جو بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا۔ سلطان اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا' اس نے اپنے دربار کے علماء فضلاء سے اس کی وجہ پوچھی ان لوگوں نے بہت غور و خوض کے بعد جواب دیا کہ اس بت خانے کی چھت اور تمام دیواریں مقناطیسی پتھر کی بنی ہوئی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے۔ آس پاس کی مقناطیسی کشش اور اس بت میں خاص تعلق ہے ہر جانب کی کشش مساوی ہونے کی وجہ سے بت کسی ایک طرف جھکنے نہیں پاتا اور بالکل درمیان میں معلق ہو گیا ہے۔ اس بات کو آزمانے کے لیے سلطان نے حکم دیا کہ اس بت خانے کی ایک دیوار گرا دی جائے فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی جونہی ایک جانب کی دیوار گری یہ بت بھی زمین پر گر پڑا۔

خلیفہ بغداد کا خط بنام محمود

جس سال سلطان محمود سفر سومنات سے کامیاب و کامران واپس آیا اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کے نام ایک خط لکھا اور اسی کے ساتھ خراسان' ہندوستان' نیمروز اور خوارزم کا لوائے سلطنت بھی عطا کیا۔ اس خط میں خلیفہ نے سلطان محمود اور اس کے

بیٹوں اور بھائیوں کو خطابات سے نوازا تھا جن کی تفصیل یہ ہے۔

سلطان محمود　　کہف الدولہ والاسلام

امیر مسعود　　امیر الدولہ جمال الملت

امیر محمد　　جلال الدولہ جمال الملت

امیر یوسف　　عضد الدولہ موید الملت

ان خطابات کے علاوہ خلیفہ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ "تم جس کو اپنا ولی عہد بناؤ گے ہم بھی اسی کو قبول کریں گے۔" سلطان محمود کو یہ خط جس وقت موصول ہوا وہ اس وقت بلخ میں تھا اس نے تمام مفتوحہ ممالک میں ان خطابات کا اعلان کر دیا۔

جتائی قوم پر حملہ

اسی سال سلطان محمود نے قوم جتائی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قوم کوہ جودی کے دامن میں دریا کے کنارے پر آباد تھی (حملہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ) جب سلطان سومنات کی فتح کے بعد اپنے وطن کی طرف واپس آ رہا تھا تو اس قوم کے باغیوں نے راستے میں سلطانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی تھی (ظاہر ہے کہ ان کی اس حرکت ناشائستہ کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ تاکہ آئندہ انہیں ایسی جرات نہ ہو سکے) سلطان محمود ایک زبردست اور عظیم الشان فوج تیار کر کے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ سفر کی مختلف منزلیں طے کرتا ہوا وہ ملتان پہنچا وہاں پہنچ کر اس نے چودہ سو (۱۴۰۰) کشتیاں بنانے کا حکم دیا اور یہ ہدایت کی کہ ہر کشتی میں لوہے کی تین (۳) سلاخیں نصب کی جائیں اس صورت سے یہ کہ ایک سلاخ تو کشتی کے سامنے کی طرف ہو اور دوسری کشتی کے دونوں اطراف میں مضبوطی سے لگا دی جائیں۔ ان سلاخوں کو لگانے کا مقصد یہ تھا کہ جو چیز ان کے سامنے آئے وہ ان سے ٹکرا کر ٹوٹ جائے اور پانی میں ڈوب جائے۔ جب یہ کشتیاں تیار ہو گئیں تو سلطانی حکم سے ہر کشتی میں بیس بیس آدمی بٹھائے گئے۔ ہر آدمی کے حوالے تیر و کمان اور بارود کے گولے دے دیئے گئے۔ ان تمام انتظامات کے بعد یہ کشتیاں دریا میں چھوڑ دی گئیں اور جتائیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ لشکر آگے بڑھا۔ جتائیوں کو سلطان محمود کے لشکر کی آمد کی خبر مل چکی تھی' لہٰذا انہوں نے بھی مقابلے کے لیے تیاری کی اس قوم نے اپنے بال بچوں کو تو جزیروں میں بھیج دیا اور خود تنہا مقابلے پر آ ئے۔ ان لوگوں نے تقریباً چار یا آٹھ ہزار کشتیاں دریا میں چھوڑیں اور ہر کشتی میں سپاہیوں کا ایک ایک مسلح دستہ بٹھایا اور مسلمانوں کے لشکر کو تباہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔ دونوں فوجیں دریا میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں اور خوب زور کی لڑائی شروع ہو گئی۔ جتائیوں کی جو کشتی بھی مسلمانوں کی کسی کشتی کے سامنے آتی وہ فوراً آہنی سلاخوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی اور دریا میں غرق ہو جاتی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے جتائیوں کی تمام کشتیاں دریا میں ڈوب گئیں۔ دشمن کے جو سپاہی دریا میں ڈوبنے سے بچ گئے انہیں مسلمانوں نے اپنی تلواروں سے ختم کر دیا۔ ان سب کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر دشمن کے بال بچوں کی طرف روانہ ہوا۔ جزیرے میں پہنچ کر مسلمانوں نے دشمن کے ان پس ماندگان کو قید کر لیا ان قیدیوں کو ساتھ لے کر سلطان محمود سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا غزنی کی طرف واپس روانہ ہوا۔

ترکمانی سلجوقیوں سے معرکہ

۴۱۸ھ میں سلطان محمود نے ابوالحرب امیر طوس ارسلان کو باد آورد کے علاقے پر لشکر کشی کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر کشی کا مقصد یہ تھا کہ ان ترکمانی سلجوقیوں کو تباہ و برباد کیا جائے۔ کیونکہ وہ دریائے اموید سے گزر کر باد آورد کے گرد و نواح میں ہنگامے پیدا کر رہے تھے۔ امیر طوس نے زبردست معرکہ آرائیاں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی آخر کار اس نے مایوس ہو کر سلطان محمود کو لکھا کہ ترکمانی سلجوقیوں کو

سمجھ کر اس پر عمل کیا اور ایک عظیم الشان لشکر اپنے ہمراہ لے کر دشمن کی طرف بڑھا۔ غزنوی لشکر نے بہادری کے جوہر دکھائے ترکمانیوں کے لشکر کو منتشر کر دیا اور زبردست شکست دی۔

سلجوقی امیروں نے عراق کو خاندان بویہ کے قبضے سے نکال کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس وجہ سے محمود نے ملک رے کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر رے کے تمام خزانے اور دولت وغیرہ کو بغیر کسی محنت اور زحمت کے اپنے خزانے میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے ان ملحدوں اور قرملیوں کو قتل کیا جو اس ملک میں آباد تھے۔ اور جن کے عقائد اسلام کے خلاف تھے۔ رے کی فتح کے بعد محمود نے رے اور اصفہان کی حکومت امیر مسعود کے سپرد کی اور خود واپس آیا۔

سلطان محمود کی وفات

اس آخری معرکہ آرائی کے کچھ دنوں بعد محمود سل کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھتا چلا گیا۔ شروع شروع میں تو محمود نے اپنی بیماری کو دوسروں سے چھپایا اور کسی پر اصل حقیقت ظاہر نہ ہونے دی۔ اور اپنے آپ کو پہلے ہی سا تندرست و توانا ظاہر کرتا رہا۔ اسی بیماری کی حالت میں وہ بلخ گیا اور موسم بہار میں وہاں سے غزنی واپس آیا (اس تبدیلی آب و ہوا کے باوجود) اس کا مرض شدید صورت اختیار کرتا گیا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مرض کے سبب اپنے دارالسلطنت غزنی میں تیسویں (۲۳) ربیع الثانی بروز پنج شنبہ ۴۲۱ھ کو وفات پائی۔ سلطان محمود اپنے نہاں خانۂ دل میں ہزاروں خواہش لے کر ۶۳ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی مدت حکومت پینتیس سال بتائی جاتی ہے۔ جس روز محمود کا انتقال ہوا اس روز بارش ہو رہی تھی۔ رات کے وقت بارش ہی میں اس کی لاش کو غزنی کے قصر فیروز میں دفن کر دیا گیا۔

رنگ روپ' عادات و اطوار

محمود کا قد درمیانہ تھا (نہ زیادہ لمبا نہ بہت پست) اپنے قامت کے لحاظ سے اگرچہ وہ جاذب توجہ شخصیت کا حامل تھا' لیکن اس کے چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں تھے۔ محمود پہلا فرمانروا ہے جس نے اپنے لیے "سلطان" کا لقب اختیار کیا۔ تاریخ سے یہ بات پوری صحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ محمود نے اپنی موت سے دو روز پہلے اپنے تمام جواہرات' روپے اور اشرفیاں' جو اس نے زندگی بھر کی جدوجہد سے جمع کی تھیں' شاہی خزانے سے نکلوا کر اپنے محل کے سامنے ڈھیر کروا دیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ سرخ' سفید اور دوسرے متعدد رنگوں کے جواہرات کی چمک دمک سے صحن خانہ جنت کے باغ کی طرح سجا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ محمود ان گراں قیمت جواہر پاروں پر حسرت کی نظریں ڈالتا رہا اور دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔ کچھ دیر اس نے جواہرات کو دیکھنے اور ان کی جدائی کے خیال سے رونے کے بعد انہیں پھر خزانے میں جمع کرا دیا۔ محمود نے اپنے آخری وقت میں بھی کسی کو اس خزانے سے ایک پھوٹی کوڑی نہ دی تھی' اس واقعہ سے نیز اس قسم کے دوسرے واقعات کی وجہ سے لوگ اس عالی نسب بادشاہ کو بخیل سمجھتے ہیں۔ اس واقعے کے دوسرے روز محمود نے محافے میں بیٹھ کر میدان کی سیر کی' اس کے حسب الحکم شاہی ملازموں نے شاہی اصطبل' شتر خانہ اور فیل خانہ سے تمام گھوڑے' اونٹ' ہاتھی اور دوسرے جانور اس کے سامنے پیش کیے۔ ان جانوروں کو دیکھ کر محمود تھوڑی دیر تک (دل ہی دل میں) کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد خوب دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اسی حالت میں اپنے محل میں واپس آگیا۔

دولت سے محبت

ابو الحسن علی بن حسین میمندی کا بیان ہے کہ ایک دن سلطان محمود نے ابو طاہر سامانی سے یہ سوال کیا کہ "آل سامان نے اپنے عہد حکومت میں کس قدر جواہرات جمع کیے تھے۔" ابو طاہر نے جواب دیا۔ "امیر نوح سامانی کے عہد میں سات (۷) رطل اعلیٰ جواہرات شاہی خزانے میں موجود تھے۔" محمود نے یہ جواب سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ الحمد للہ خداوند تعالیٰ نے مجھے سو رطل سے بھی زائد بیش

قیمت جواہرات دیئے ہیں۔"

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان محمود نے اپنے آخری زمانے میں یہ سنا کہ نیشاپور میں ایک بہت بڑا دولت مند قیام پذیر ہے محمود نے حکم دیا کہ اس شخص کو غزنی بلایا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل میں اس دولت مند کو غزنی بلایا گیا اور وہ شاہی دربار میں پیش ہو سلطان محمود نے اس شخص سے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تو ملحد اور قرملی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا دیا "اے بادشاہ میں نہ ملحد ہوں نہ قرملی میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میرے پاس بہت دولت ہے۔ تو جو چاہے مجھ سے لے لے لیکن ملحد اور قرملی کہہ کر بدنام نہ کر۔" سلطان محمود نے اس سے تمام دولت لے لی اور اسے حسن عقیدت کا ایک فرمان لکھ کر دے دیا۔

ختم المرسلین ﷺ کی زیارت

"طبقات ناصری" میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث "العلماء ورثة الانبیاء" کی صحت پر پورا یقین نہ تھا اسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شبہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شبہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے ایک رات کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا۔ فراش سونے کا شمع دان لے کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسے میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا اس طالب علم کے پاس جلانے کے لیے روغن نہ تھا۔ اس لیے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنئے کے چراغ کے پاس آ کر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمع دان جو فراش نے اٹھا رکھا تھا' اس طالب علم کو دے دیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں محمود کو حضرت محمد ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ؐ نے محمود سے فرمایا۔ "اے ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے فرزند ارجمند خداوند تعالیٰ تجھ کو ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔" آنحضرت ؐ کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں متذکرہ بالا تینوں شکوک دور ہو گئے۔

محمود کا عدل و انصاف

سلطان محمود کے انتقال کے دوسرے سال غزنی میں ایک زبردست سیلاب آیا۔ اس کی وجہ سے شہر کی بہت سی عمارتیں گر گئیں خدا کے بہت سے بندوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ وہ پل جو عمر بن لیث صفار نے اپنے عہد حکومت میں دریا پر باندھا تھا اس سیلاب کی زد میں آ کر اس طرح مسمار ہوا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اہل نظر کے نزدیک یہ حادثہ محمود کے انتقال کی ایک بہت اہم نشانی ہے اور وہ اس کو محمود کے عدل و انصاف کی دلیل سمجھتے ہیں۔ محمود کے عدل و انصاف کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک شخص محمود کے دربار میں انصاف حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا جب محمود اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس شخص نے عرض کیا۔ "میری شکایت ایسی نہیں ہے کہ میں اسے سر دربار سب لوگوں کے سامنے بیان کر سکوں۔" محمود فوراً اٹھا اور اسے اکیلے میں لے جا کر اس کا حال پوچھا' اس شخص نے کہا "آپ کے بھانجے نے ایک عرصے سے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ رات کو مسلح ہو کر میرے گھر پر آتا ہے اور اندر داخل ہو کر مجھے کوڑے مار مار کر باہر نکال دیتا ہے اور پھر خود تمام رات میری بیوی کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے میں نے ہر امیر کو اپنا حال سنایا لیکن کسی کو میری حالت پر رحم نہ آیا اور کسی کو بھی اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ آپ سے یہ بات بیان کرتا جب میں ان امراء سے مایوس ہو گیا تو میں نے آپ کے دربار میں آنا شروع کر دیا۔ اور اس موقع کے انتظار میں رہا کہ جب آپ سے اپنا حال بیان کر سکوں' اتفاق سے اب آپ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں نے آپ سے اپنی داستان بیان کر دی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو ملک کا حاکم اعلیٰ بنایا ہے اس لیے رعایا اور کمزور بندوں کی نگہداشت آپ کا فرض ہے اگر آپ مجھ پر رحم فرما کر میرے معاملے میں انصاف کریں گے تو

اس کے منصفانہ فیصلے کا انتظار کروں گا۔" محمود پر ان واقعات کا بہت اثر ہوا اور وہ یہ سب کچھ سن کر رونے لگا اور اس شخص سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے مظلوم تو اس سے پہلے میرے پاس کیوں نہ آیا اور اتنے دنوں تک یہ ظلم کیوں برداشت کرتا رہا۔" اس شخص نے جواب میں کہا۔ "اے بادشاہ میں ایک مدت سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آپ کے حضور حاضر ہو سکوں۔ لیکن دربار کے چوکیداروں اور دربانوں کی روک تھام کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ خدا ہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ آج میں کس تدبیر اور بہانے سے یہاں تک پہنچا ہوں اور کس طرح ان چوکیداروں کی نظر بچا کر آپ کے حضور میں حاضر ہوا ہوں ہم جیسے فقیروں اور غریبوں کی ایسی قسمت کہاں ہے کہ وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سلطانی دربار میں چلے آئیں اور بادشاہ سے بالمشافہ اپنی اپنی روداد غم بیان کریں۔" محمود نے جواب دیا "تم یہاں مطمئن ہو کر بیٹھو، لیکن اس ملاقات اور گفتگو کا حال کسی کو نہ بتانا اور اس بات کا خیال رکھو کہ جب وہ سفاک تمہارے گھر میں آ کر (تمہاری بیوی کی) آبرو ریزی کرے تو تم فوراً اسی وقت مجھے اطلاع دینا پھر میں اس وقت تمہارے ساتھ انصاف کروں گا اور اس سفاک کو اس کی بد کرداری کی سزا دوں گا۔" اس شخص نے یہ سن کر کہا۔۔۔ "اے بادشاہ! مجھ جیسے نادار شخص کے لیے یہ ناممکن ہے کہ جب چاہوں بلا کسی روک ٹوک کے آپ سے مل سکوں" اس پر محمود نے اسی وقت دربانوں کو بلایا اور ان سے اس شخص کو متعارف کروا کر دربانوں کو حکم دیا۔ "جس وقت بھی یہ شخص ہمارے حضور میں آنا چاہے اسے بغیر کسی اطلاع اور روک ٹوک کے آنے دیا جائے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائے۔"

ان دربانوں کی رخصت کے بعد سلطان محمود نے اس شخص سے چپکے سے کہا۔ "اگرچہ اب میرے حکم کے مطابق یہ لوگ تمہیں یہاں آنے سے روکنے کی جرات نہ کریں گے، لیکن پھر بھی احتیاطاً تمہیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ اگر کبھی اتفاقاً یہ چوبدار میری عدیم الفرصتی یا آرام کا عذر کر کے تمہیں روکنا چاہیں اور میرے پاس نہ آنے دیں تو تم فلاں جگہ سے چھپ کر چلے آنا اور آہستہ سے مجھے آواز دینا۔ میں یہ آواز سنتے ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" اس گفتگو کے بعد محمود نے اس شخص کو رخصت کر دیا اور خود اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔"

وہ شخص اپنے گھر واپس آیا دو راتیں تو آرام سے گزریں اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ اسے محمود سے ملاقات کی ضرورت پیش آتی۔ تیسری رات کو اس شخص کا رقیب (یعنی سلطان محمود کا بھانجا) حسب دستور اس کے گھر آیا اور اسے مار کر گھر سے نکال دیا اور خود اس کی بیوی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ وہ شخص اسی وقت دوڑتا ہوا بادشاہی محل کی طرف آیا اور اس نے دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو اس کی آمد کی اطلاع دی جائے۔ دربانوں نے جواب دیا بادشاہ اس وقت دیوان خانے کی بجائے اپنی حرم سرا میں ہے اس لیے اس تک اطلاع کا پہنچانا ناممکن ہے۔" وہ شخص مایوس ہو کر اس جگہ پر پہنچا جس کے بارے میں سلطان محمود نے اس کو بتا رکھا تھا یہاں اس نے آہستہ سے کہا۔ "اے بادشاہ اس وقت آپ کس کام میں مشغول ہیں؟" سلطان محمود نے جواب دیا۔ "ٹھہرو میں آتا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد محمود باہر آیا اور اس شخص کے ساتھ اس کے گھر پہنچا وہاں جا کر محمود نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کا بھانجا اس غریب شخص کی بیوی سے ہم آغوش ہو کر سویا ہوا ہے اور شمع اس کے پلنگ کے سرہانے جل رہی ہے۔ محمود نے اسی وقت شمع کو بجھایا اور اپنا خنجر نکال کر اس ظالم کا سر تن سے جدا کر دیا اس مظلوم شخص سے کہ جس کے گھر میں محمود آیا ہوا تھا محمود نے کہا۔ "اے بندۂ خدا ایک گھونٹ پانی اگر تجھے مل سکے تو فوراً لے آ تاکہ میں اپنی پیاس بجھاؤں۔"

اس شخص نے فوراً پیالے میں پانی لا کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ محمود نے پانی پیا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نادار سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے شخص اب تو اطمینان کے ساتھ آرام کر میں جاتا ہوں۔" اور رخصت ہونے لگا لیکن اس شخص نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا "اے بادشاہ! تجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس نے تجھے اس عظیم الشان مرتبے پر سرفراز کیا ہے تو مجھے یہ بتا کہ شمع گل کرنے اور سفاک کا سر تن سے جدا کرنے کے فوراً بعد پانی مانگنے اور پینے کی وجہ کیا ہے اور تو نے کس طرح اس قصے کو ختم کیا۔" سلطان محمود نے جواب دیا۔

"اے شخص میں نے تجھے ظالم سے نجات دلا دی ہے اور اس ظالم کا سر میں اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ شمع کو میں نے اس لیے بجھایا تھا کہ کہیں اس کی روشنی میں مجھے اپنے بھانجے کا چہرہ نظر نہ آ جائے اور میں اس پر رحم کھا کر انصاف سے باز نہ رہ سکوں۔ پانی مانگ کر پینے کی وجہ یہ تھی کہ جب تم نے مجھ سے اپنی روداد غم بیان کی تھی تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف نہ ہو' تب تک میں نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا۔" قارئین کرام اس قصے سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ تاریخوں میں بادشاہوں کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے لکھے ہیں لیکن ایسا قصہ کسی بادشاہ کے متعلق نہیں ملتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

شیخ ابو الحسن خرقانیؒ سے ملاقات

"تاریخ بنائے گیتی" میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان محمود خراسان گیا تو اس کے دل میں شیخ ابو الحسن خرقانیؒ (سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ) سے ملاقات کرنے کا خیال پیدا ہوا' لیکن اس شوق کے ساتھ ساتھ اسے یہ خوف بھی لاحق ہوا کہ وہ خراسان میں اس بزرگ سے ملنے کے لیے نہیں آیا ہے' بلکہ ملکی سیاسیات کے پیش نظر اس نے اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ للذا سیاست کی بدولت خداوند تعالیٰ کے خاص بندوں کی زیارت کرنا پاس ادب سے دور ہے۔ اس وجہ سے اس نے شیخ ابو الحسنؒ سے ملاقات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور خراسان سے ہندوستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں معرکہ آرائیاں کرنے کے بعد غزنی واپس آیا۔ غزنی پہنچ کر اس نے شیخ ابو الحسن خرقانی کی زیارت کے لیے احرام باندھا اور خرقان روانہ ہو گیا۔ جب سلطان محمود خرقان پہنچا تو اس نے ایک شخص کو شیخ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھجوایا کہ "بادشاہ آپ سے ملنے کے لیے غزنی سے چل کر یہاں آیا ہے۔ اب اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی اپنی خانقاہ سے باہر نکل کر آئیں اور مجھ سے ملاقات کریں۔" اس کے ساتھ ہی محمود نے قاصد سے یہ کہہ دیا کہ اگر حضرت شیخؒ باہر آنے سے انکار کریں تو انہیں یہ فرمان خداوندی سنا دینا کہ "اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم پر حاکم ہیں۔" قاصد نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں سلطان محمود کا پیغام پہنچایا شیخ صاحب نے اپنی خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ انہیں اس خدمت سے معذور سمجھا جائے۔" قاصد نے محمود کی ہدایت کے مطابق متذکرہ بالا آیت پڑھ کر سنائی اس کے جواب میں شیخ صاحبؒ نے کہا محمود سے جا کر یہ کہو کہ میں اب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس حد تک مستغرق ہوں کہ رسول کی اطاعت کے مرتبے تک نہ پہنچنے کی بڑی ندامت ہے۔ بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہوں۔"

قاصد واپس چلا گیا اور اس نے شیخ صاحبؒ کا جواب سلطان محمود کو سنایا سلطان محمود یہ سن کر رویا اور اس سے کہا "چلو ہم خود ہی شیخ صاحب کے پاس چل کر لطف ملاقات و زیارت حاصل کریں۔ یہ مرد حق آگاہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا ہے۔ یہ کہہ کر سلطان محمود حضرت شیخؒ کی طرف روانہ ہوا اس انداز سے کہ خود تو ایاز کا لباس پہنا اور اپنے کپڑے ایاز کو پہنائے اور دس عدد کنیزوں کو غلاموں کے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ جب یہ لوگ شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلام علیک کی شیخ نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن وہ تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑے نہ ہوئے۔ اور محمود (جس نے ایاز کے کپڑے پہن رکھے تھے) کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ ایاز (جس نے محمود کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا) کی طرف ملتفت ہوئے اور اس سے کچھ فرمانے کے لیے آمادہ ہوئے۔ اس پر ایاز (یعنی اصل میں محمود) نے شیخ صاحبؒ سے کہا۔ "اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اٹھے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کیا جائے؟" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا۔ "ہاں جال تو یہی ہے' لیکن تیرا اشارہ الیہ اس جال کا گرفتار نہیں ہے تو سامنے آ کیونکہ تو خود اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے۔" سلطان محمود نے جب دیکھا کہ شیخ صاحب نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا ہے تو وہ بڑے ادب سے شیخ صاحب کے سامنے بیٹھ گیا اور ان سے کہا "مجھ سے کچھ فرمائیے۔"

سلطان نے ان کنیزوں کو وہاں سے اٹھا دیا اور پھر شیخ صاحبؒ سے یوں مخاطب ہوا۔ "حضرت بایزید بسطامی کی کوئی حکایت مجھے سنائیے۔" شیخ صاحب نے کہا "بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ دیکھ لیا وہ ظلم و ستم کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔" اس پر محمود نے سوال کیا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا بایزید کا مرتبہ حضرت محمد ﷺ کے رتبے سے بھی زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دیکھنے والوں میں بھی سبھی اچھے نہ تھے۔ ابو جہل اور ابولہب ویسے ہی کافر رہے تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر ظالم کس طرح اچھا انسان بن سکتا ہے؟" شیخ صاحب نے سلطان محمود کی یہ بات سن کر کہا۔ "اے محمود تو اپنی بساط سے بڑھ کر باتیں نہ کر ادب کو ملحوظ رکھ' بے ادبی سے ولایت کی دنیا میں قدم نہ رکھ' تو جان لے کہ حضرت محمد ﷺ کو سوائے چار (۴) یاروں کے اور چند دیگر صحابہ کرام کے کسی اور نے نہیں دیکھا۔ کیا تو نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی نہیں کہ "اور تم دیکھتے ہو ایسے لوگوں کو وہ نظر کرتے ہیں تمہاری طرف حالانکہ وہ حقیقتاً تم کو نہیں دیکھ سکتے۔" سلطان محمود کو حضرت شیخؒ کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے کہا "مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔" شیخ صاحبؒ نے جواب میں کہا۔ تجھے چاہیے کہ چار چیزوں کو اختیار کرے۔ اول پرہیز گاری' دوم نماز باجماعت سوم سخاوت چہارم شفقت۔" اس کے بعد محمود نے شیخ صاحبؒ سے کہا۔ "میرے حق میں دعا کیجئے۔" شیخ صاحب نے کہا۔ "میں پانچوں وقت نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا کیا کرتا ہوں اللھم اغفر للمئومنین والمئومنات' محمود نے کہا۔ "یہ دعا تو عام ہے میرے لیے کوئی خاص دعا فرمائیے۔" شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ "جا تیری عاقبت محمود ہو۔" اس کے بعد سلطان محمود نے روپوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا' شیخ نے جو کی روٹی سلطان کے سامنے رکھی اور کھانے کے لیے کہا۔ محمود نے دیکھا کہ روٹی بہت سخت ہے اس نے ہرچند اسے چبایا' لیکن نہ تو وہ دانتوں سے کٹتی تھی اور نہ ہی گلے سے نیچے اترتی تھی۔ شیخ صاحبؒ نے پوچھا کیا یہ روٹی تمہارے گلے میں اٹکتی ہے؟" محمود نے جواب اثبات میں دیا تو شیخ نے فرمایا۔ "جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے گلے سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح تمہارا یہ روپوں سے بھرا ہوا توڑا بھی ہمارے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کو ہمارے سامنے سے اٹھاؤ کیونکہ ہم اس کو بہت پہلے طلاق دے چکے ہیں۔" محمود نے شیخ صاحبؒ سے کوئی چیز بطور ان کی یادگار کے مانگی انہوں نے اسے اپنا ایک خرقہ دے کر رخصت کیا۔

جب محمود رخصت کے وقت اٹھا تو اس مرتبہ شیخ صاحبؒ نے اس کی تعظیم کی اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے محمود نے کہا۔ "آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے میری بالکل کوئی پروا نہیں کی تھی' لیکن اب آپ میرے لیے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں؟" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا۔ "جب تم میرے پاس آئے تھے اس وقت تم بادشاہی کے غرور میں سرشار تھے اور میرا امتحان کرنے کی غرض سے آئے تھے' لیکن اب تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔"

خرقہ شیخؒ کی کرامت

شیخ صاحبؒ سے رخصت ہو کر سلطان محمود غزنی واپس آیا اور اس نے ان کے عطا کردہ خرقے کو بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھا۔
جس زمانے میں محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا اور پرم اور داشلیم سے اس کی جنگ ہوئی تھی تو محمود کو یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں مسلمانوں کے لشکر پر ہندوؤں کا لشکر غالب نہ آ جائے۔ اس وقت پریشانی کے عالم میں سلطان محمود شیخ صاحبؒ کے خرقہ کو ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گیا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کی۔ "اے خدا اس خرقے کے مالک کے طفیل میں مجھے ان ہندوؤں کے مقابلہ میں فتح دے۔ میں نیت کرتا ہوں کہ جو مال غنیمت یہاں سے حاصل کروں گا اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دوں گا۔" مورخین کا بیان ہے کہ اس دعا کے مانگتے ہی آسمان کے ایک حصے سے سیاہ بادل اٹھے اور سارے آسمان پر محیط ہو گئے۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کڑک سے ہندوؤں کا لشکر ہراساں ہو گیا اور (ایسی تاریکی چھا گئی کہ) ہندو اس پریشانی کے عالم میں آپس ہی میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ ہندوؤں کے اس باہمی جنگ کی وجہ سے پرم دیو کی فوج میدان جنگ سے بھاگ نکلی اور یوں مسلمانوں نے ہندوؤں پر فتح پائی۔

میں نے ایک معتبر تاریخ میں یہ روایت دیکھی ہے کہ جس روز سلطان محمود نے شیخ ابو الحسن خرقانیؒ کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر خداوند تعالیٰ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کی اسی رات کو محمود نے خواب میں شیخ ابو الحسنؒ کو دیکھا انہوں نے محمود سے فرمایا "اے محمود تو نے میرے خرقے کی آبرو ریزی کی ہے اگر تو فتح کی دعا کی جگہ تمام غیر مسلموں کے اسلام لے آنے کی دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔"

"جامع الحکایات" میں یہ لکھا ہے کہ جب سلطان محمود شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو اس نے شیخ صاحب سے کہا۔ "اگرچہ خراسان میں مجھے بہت سے ضروری کام تھے لیکن میں ان تمام کاموں کو نظرانداز کر کے غزنی سے یہاں خاص طور پر آپ کی زیارت کے مقصد سے آیا ہوں۔" شیخ صاحبؒ نے جواب دیا اے محمود اگر تو نے غزنی سے میری زیارت کا احرام باندھا ہے تو کیا تعجب کہ اس کی برکت سے لوگ خانہ کعبہ سے تیری زیارت کا احرام باندھ کر غزنی میں آئیں" سبحان اللہ! سلطان محمود کی برتری کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ابو الحسن خرقانیؒ نے اس کی بابت یہ الفاظ کہے۔

ایک جواری کا دلچسپ واقعہ

"تاریخ روضۃ الصفا" میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن سلطان محمود اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا میدان کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک عجیب و غریب بازاری آدمی پر پڑی۔ سلطان نے دیکھا کہ یہ آوارہ گرد اپنے ہاتھ میں تین (۳) پرندے لیے کھڑا ہے جب اس شخص سے محمود کی آنکھیں چار ہوئیں تو اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے کچھ اشارہ کیا محمود نے فوراً اپنا منہ دوسری طرف کر لیا، مگر اپنے دل میں یہ سوچنے لگا کہ اس اشارے سے اس شخص کا مطلب کیا ہے؟ تھوڑی دیر بعد محمود نے پھر اس کوچہ گرد کی طرف دیکھا اس نے پھر حسب سابق ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس مرتبہ محمود سے نہ رہا گیا اور اس نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کہ "تیرے ہاتھ میں یہ پرندے کیوں ہیں اور تیرے ان اشاروں کا مطلب کیا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ میں ایک جواری ہوں اور میں نے بادشاہ کو غائبانہ طور پر اپنا شریک تصور کر کے پانسہ پھینکا اور اس وجہ سے یہ تینوں پرندے جیتے ہیں۔" محمود نے حکم دیا کہ اس جواری سے یہ پرندے لے لیے جائیں۔"

دوسرے روز وہ جواری اپنے ہاتھوں میں دو (۲) پرندے لیے ہوئے اسی طرح محمود کے سامنے آیا محمود نے دوسرے روز بھی وہ پرندے اس سے لیے اور یہ سوچتا رہا کہ آخر اس شخص کا مقصد کیا ہے؟ تیسرے دن وہ جواری پھر تین پرندے لے کر آیا اور انہیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے چلا گیا، چوتھے روز وہ جواری پھر سلطان کو نظر آیا، لیکن اس روز وہ خالی ہاتھ تھا اور محمود نے دیکھا کہ وہ شخص بڑا غمگین اور ملول و حزین محل کے نیچے کھڑا ہوا ہے محمود نے (دل ہی دل میں) کہا معلوم نہیں آج ہمارے شریک پر کیا بیتی ہے۔ جو اس طرح غمگین اور ملول کھڑا ہوا ہے محمود نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کا حال پوچھا۔ جواری نے جواب دیا "آج میں نے بادشاہ کی شراکت میں ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار کی بازی لگائی، لیکن بدقسمتی سے پانسہ میرے خلاف پڑا (اور میں یہ رقم ہار گیا) محمود یہ سن کر مسکرایا اور اپنے دربان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس جواری کو پانچ سو (۵۰۰) دینار دے کر رخصت کر دے اور جواری سے کہا۔ "جب تک میں خود موجود نہ ہوں، تب تم میری غائبانہ شراکت میں کبھی جوا نہ کھیلنا۔"

محمود کا پہلا وزیر ------ ابو العباس

"تاریخ حبیب السیر" میں لکھا ہے سلطان محمود کا پہلا وزیر ابو العباس فضیل بن احمد تھا۔ یہ وزیر اپنے ابتدائی زمانے میں فائق کے دربار میں کاتب کے عہدے پر مامور تھا۔ جب فائق کا ستارہ گردش میں آیا تو ابو العباس نے سبکتگین کے دربار میں پناہ لی اس دربار میں اس نے بڑا [illegible] حاصل کیا یہاں تک کہ وزارت کے درجے تک پہنچا۔ سبکتگین کے بعد سلطان محمود نے بھی اسے عہدۂ وزارت پر بحال رکھا۔

[illegible]

لکھے جانے لگے۔ ابو العباس کے بعد خواجہ احمد میمندی نے دوبارہ عربی زبان میں فرمان لکھنے کی طرح ڈالی۔ ابو العباس حکومت کے امور کو خوش اسلوبی سے طے کرنے اور جنگ کے انتظامات وغیرہ کے سلسلے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ محمود کے عہد حکومت میں دس سال تک عہدہ وزارت پر سرفراز رہنے کے بعد اس کے برے دن آئے اور اسے وزارت سے ہٹا دیا گیا۔

ابو العباس کی معزولی

بعض مورخین ابو العباس کی معزولی کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سلطان محمود کو خوبصورت اور دل نشین غلام جمع کرنے کا بہت شوق تھا "الناس علیٰ دین ملو کہم" کے مصداق رعایا بھی اپنے بادشاہ کی پیروی کرتی تھی۔ ابو العباس کو بھی (بادشاہ کی دیکھا دیکھی) غلام جمع کرنے کا چسکا پڑ گیا۔ ایک دن ابو العباس کو معلوم ہوا کہ ترکستان میں ایک بہت ہی خوبرو غلام بکنے کے لیے موجود ہے۔ ابو العباس نے فوراً اپنے ایک قابل اعتماد ملازم کو ترکستان روانہ کیا تاکہ وہ اس خوبرو غلام کو خرید کر اور عورتوں کا لباس پہنا کر غزنی میں لے آئے کسی چغل خور نے یہ بات سلطان محمود کے کانوں تک پہنچا دی۔ لہٰذا محمود نے ابو العباس سے اس غلام کو طلب کر لیا۔ ابو العباس نے حیل و حجت سے کام لے کر غلام کے دینے سے انکار کیا۔ ایک دن سلطان محمود کسی کام کے بہانے سے بغیر اطلاع دیئے ابو العباس کے گھر جا پہنچا۔ ابو العباس نے جونہی بادشاہ کو دیکھا وہ اس کی خدمت میں بڑی نیاز مندی سے حاضر ہوا اور خاطر تواضع کرنے لگا۔ اسی دوران میں وہ حسین اور خوبرو غلام پر محمود کی نظر پڑی۔ محمود نے بجبر اس غلام کو ابو العباس سے چھین لیا اور اسے عہدۂ وزارت سے معزول کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ اسی زمانے میں محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا اس کے بعض دوں فطرت اور لالچی درباریوں نے اس دوران میں ابو العباس کو بہت زیادہ تنگ کیا یہاں تک کہ وہ بے چارہ وفات پا گیا۔

دوسرا وزیر ------ خواجہ احمد بن حسن میمندی

ابو العباس کے بعد خواجہ احمد بن حسن میمندی منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔ یہ وزیر سلطان محمود کا رضاعی بھائی اور ہم سبق بھی تھا۔ احمد کا باپ حسن میمندی سبکتگین کے عہد میں "بست نامی قصبے میں مقیم تھا اور اس کا کام بادشاہ کی طرف سے مال جمع کرنا تھا۔ حسن پر خیانت کا الزام لگایا گیا اس کی پاداش میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ جو عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر تھا بالکل غلط ہے۔

خواجہ احمد بن حسن بڑا پھرتیلا، عقل مند، سمجھ دار اور خوش خط آدمی تھا سب سے پہلے اسے عہدہ انشاء و رسالت تفویض کیا گیا۔ بادشاہ کی عنایات کی وجہ سے وہ صدر محاسبی، میر بخشی اور خراسان کی حکومت کے مختلف عہدوں پر مقرر ہوتا رہا۔ کچھ عرصے بعد جب محمود نے ابو العباس سے ناراض ہو کر وزارت سے اسے علیحدہ کر دیا اور احمد بن حسن کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ احمد نے اس عہدے پر اٹھارہ (۱۸) سال تک کام کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنے فرائض بڑی خوبی اور دیانت داری کے ساتھ انجام دیئے بالآخر "ہر کمالے را زوالے" کے مصداق اس کی کشتی بھی بھنور میں آئی اور دربار کے بڑے بڑے امیر اس کے جانی دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ التونتاش سپہ سالار اور امیر علی خویشاوند جیسے نامی گرامی امیروں نے بھی احمد بن حسن کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور اس اعلیٰ درجے کے انسان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ ان درباریوں کی باتوں نے محمود کے دل میں اثر کر ہی لیا اور اس نے احمد بن حسن کو عہدہ وزارت سے علیحدہ کر دیا۔ محمود نے احمد کو معزولی کے بعد بہرام نامی ملازم کے سپرد کر دیا وہ اسے اپنے ساتھ درۂ کشمیر میں لے جائے اور اسے وہاں کے قید خانے کے نگران کے حوالے کر دے۔ احمد بن حسن پورے تیرہ (۱۳) سال تک کالنجر کے قلعے میں اسیری کی زندگی گزارتا رہا اور آخر کار سلطان مسعود کے زمانے میں اس زندان مصیبت سے رہا ہوا اور دوبارہ وزارت کے عہدے پر فائز ہوا احمد بن حسن نے ۴۲۴ھ میں وفات پائی۔

تیسرا وزیر ----- احمد حسین بن میکال

خواجہ احمد بن حسن میمندی کے بعد سلطان محمود نے احمد حسین بن میکال کو جو عام طور پر "جنگ مکال" کے نام سے مشہور ہے' اپنا وزیر بنایا۔ احمد حسین اپنے زمانہ بچپن ہی سے سلطان محمود کی ملازمت میں تھا اور اپنی طبیعت کی تیزی' گفتگو کی خوبی اور عادات و اطوار کی اچھائی کی وجہ سے بڑا مشہور اور امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ اس نے احمد بن حسین میمندی کی معزولی کے زمانے سے لے کر سلطان محمود کی وفات تک وزارت کے کاموں کو سرانجام دیا۔

زاہد آہو پوش کا واقعہ

بعض مورخین احمد حسین کے توسط سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں سلطان محمود اپنے باپ سبکتگین کے ساتھ ابو علی سمجوری کی تباہی اور بربادی کے درپے تھا۔ ان دنوں اس نے ایک مقام پر یہ سنا کہ یہاں قریب ہی ایک فقیر مقیم ہے جو اپنی عبادت اور کرامت و پرہیز گاری کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بہت ہی مشہور ہے۔ عام طور پر لوگ اس فقیر کو "زاہد آہو پوش" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ محمود کو تو فقیروں اور درویشوں سے ہمیشہ ہی عقیدت رہی تھی۔ اس لیے اس نے زاہد آہو پوش سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا۔ احمد حسین کو اگرچہ صوفیوں اور درویشوں وغیرہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن سلطان محمود نے اس سے کہا مجھے معلوم ہے کہ تمہیں درویشوں وغیرہ سے عقیدت اور محبت نہیں ہے' لیکن میری یہ خواہش ہے کہ زاہد آہو پوش کی خدمت میں تم بھی میرے ساتھ چلو۔" احمد حسین نے محمود کی بات مان لی اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں زاہد آہو پوش کے پاس پہنچے۔ سلطان محمود اس مرد درویش سے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ ملا۔ اس زاہد نے بھی محمود کے سامنے تصوف کی چند عمدہ باتیں بیان کیں جنہیں سن کر محمود اور زیادہ اس کا معتقد ہو گیا۔ اور اس سے کہا "ملازمین خانقاہ کے لیے آپ کو روپیہ پیسہ یا غلہ وغیرہ جس قدر بھی درکار ہو' فرمائیں میں ابھی مہیا کیے دیتا ہوں۔" زاہد آہو پوش نے یہ بات سن کو فوراً اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور دوسرے ہی لمحے مٹھی بھر اشرفیاں سلطان محمود کے ہاتھ میں دے دیں اور اس سے کہا۔ "جس شخص کو خزانہ غیب سے ہر وقت دولت مل سکتی ہو اسے دوسرے کے مال کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

سلطان محمود نے زاہد آہو پوش کی اس حرکت کو بہت بڑی کرامت سمجھا اور ان اشرفیوں کو احمد حسین کے حوالے کر کے کہا "تم نے دیکھا---- فقیروں کو ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے۔" احمد حسین نے ان اشرفیوں کو غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ تمام اشرفیاں ابو علی سمجوری کا سکہ ہیں۔ جب زاہد آہو پوش سے ملاقات کرنے کے بعد محمود اور احمد حسین باہر آئے تو محمود نے کہا۔ "بھلا اس قسم کی چشم دید کراماتوں سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟" احمد حسین نے جواب میں کہا "میں اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں' اس سلسلے میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ آپ کو کسی ایسے شخص سے جنگ نہیں کرنی چاہیے کہ جس کے نام کا سکہ آسمان پر بھی جاری ہو۔" محمود نے جب ان اشرفیوں کو دیکھا' اور ان پر اسے ابو علی سمجوری کا نام نظر آیا تو وہ ندامت سے خاموش ہو گیا۔

مورخ فرشتہ یہ بیان کرتا ہے کہ احمد حسین کی بات صحیح نہیں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت خضر اور دوسرے رجال الغیب خدائے تعالیٰ کے حکم سے روحانی اور مادی دونوں دنیاؤں کی چیزیں بوقت ضرورت اولیاء اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان اشیاء کا اس طرح پہنچانا شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ جب سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو اس نے احمد حسین پر الزام لگایا کہ جب وہ مکہ معظمہ سے واپس آ رہا تھا تو وہ مصر کے مشہور کافر بادشاہ کا خلعت پہن کر قرملی ہو گیا تھا۔ اس الزام کی سزا احمد حسین کو موت کی صورت میں دی گئی۔

سلطان محمود کے زمانے کے مشہور شاعر

عصائری

محمود کے زمانے میں عصائری رازی رے سے غزنی آیا تھا اور ہمیشہ یہاں کے شاعروں کا مد مقابل رہا اس نے محمود کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ جس کے معاوضے میں محمود نے اسے چودہ (۱۴) ہزار درہم دیئے تھے۔

اسدی طوسی

اسدی طوسی محمود کے زمانے کا مشہور استاد اور خراسان کے شعراء میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ محمود نے اس سے بارہا شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی، لیکن اسدی ہمیشہ بڑھاپے اور کمزوری کا بہانہ کر کے اس فرمائش کو ٹالتا رہا۔ اسدی کا کلام آج کل نایاب ہے اور کلام شعراء کے مجموعوں (بیاضوں یا تذکروں وغیرہ) میں بھی اس کے اشعار نظر نہیں آتے۔ اسدی نے ہمیشہ اپنے مشہور شاگرد فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کی ترغیب دی اور آخر کار ایسا ہی ہوا اور فردوسی نے شاہنامہ لکھا۔

فردوسی غزنی سے فرار ہو کر طوس پہنچا یہاں سے رستم دار اور طالقان کے علاقوں میں گیا۔ یہاں پھر دوبارہ طوس پہنچا اس دوران میں فردوسی بیمار ہو گیا مرنے سے پہلے اس نے اسدی کو بلایا اور اس سے کہا "اب میرا آخری وقت قریب ہے۔ شاہنامے کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے مجھے افسوس ہے کہ اب یہ کتاب نامکمل رہی جاتی ہے۔ مجھے اپنے بعد کسی میں ایسی قابلیت نظر نہیں آتی کہ وہ شاہنامے کو مکمل کر سکے۔ اسدی نے یہ سن کر جواب دیا۔ "اے برخوردار! تو رنج نہ کر اگر میں زندہ رہا تو میں شاہنامے کو مکمل کر دوں گا۔" فردوسی نے کہا "استاد! تم بڑھاپے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تو یہ بہت مشکل ہے کہ تم اس محنت طلب کام کو انجام دے سکو۔

منوچہر بلخی

یہ شاعر بلخ کا باشندہ تھا، لیکن سلطان محمود کے زمانے میں غزنی ہی میں قیام پذیر تھا۔ دیگر شاعروں کے برعکس منوچہر ایک دولت مند اور مال دار شخص تھا۔ شاعری میں اسے کمال حاصل تھا اس کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے ~

اے نہادہ درمیان فرق جان خویشتین
چشم مازندہ بجان و جان تو زندہ بہ تن

حکیم عنصری

حکیم عنصری محمود کے عہد میں ملک الشعراء کا درجہ رکھتا تھا۔ شاعری کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے کمالات اور فضائل کا مجموعہ تھا۔
مورخین بیان کرتے ہیں محمود کے دربار سے تقریباً چار (۴) سو شاعر متعلق تھے اور یہ سب کے سب عنصری کی شاگردی پر نازاں تھے۔
عنصری کو محمودی دربار میں ایک خاص مقام حاصل تھا آخری زمانے میں محمود نے اسے ملک الشعراء کا خطاب دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر شاعر اپنی نظم عنصری کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ عنصری اگر اسے مناسب سمجھے تو بادشاہ تک پہنچائے (ورنہ واپس کر دے)
عنصری کا ایک طویل قصیدہ بہت مشہور ہے۔ جس میں اس نے سلطان محمود کی تمام معرکہ آرائیوں کو نظم کیا ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ ایک رات عشق مجازی کے جذبے کے تحت سلطان محمود نے ایاز پر نظر ڈالی چونکہ محمود پر خداوند تعالیٰ کی رحمت سایہ کیے ہوئے تھی۔ اس لیے فوراً ہی شرعی احکام نے اسے ٹوکا اور اس پاک عشق کو فسق و فجور کی آلودگی سے پاک رکھنے کی ہدایت کی۔ محمود فوراً خواب غفلت سے بیدار ہو گیا اور اس نے ایاز کو ایک چاقو دیا اور کہا کہ اس سے فوراً اپنی راہزن زلفوں کو تراش ڈال (کہ جنہوں نے مجھے عشق مجازی کی آلودگی میں پہنچا دیا) ایاز نے پوچھا "ان زلفوں کو کس حد تک تراشوں؟" محمود نے کہا "بالکل کاٹ

دے۔" اس پر ایاز نے بادشاہی حکم کے تحت اپنی زلفوں کو اسی وقت کاٹ دیا۔ اس فرمانبرداری کی وجہ سے محمود کے دل میں ایاز کی محبت پہلے سے دوگنی ہو گئی اور اس نے ایاز کی اس فرمانبرداری کے عوض بہت سے قیمتی جواہرات بطور تحفہ دیئے اور خود اسی عالم مستی میں جا کر سو گیا۔

محمود جب صبح کو سو کر اٹھا تو اسے رات کا واقعہ یاد آیا اور اس نے ایاز کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس پر اسے سخت شرمندگی ہوئی۔ اس وجہ سے وہ بڑا بے چین رہا درباریوں میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ وہ محمود سے حقیقت حال پوچھتا۔ حاجب علی نے اس وقت عنصری کو بادشاہ کے سامنے جانے کے لیے کہا۔ عنصری محمود کی خدمت میں حاضر ہوا محمود نے عنصری کو کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت میری حالت کیا ہے؟ اس وقت تم میرے حال کے مناسب کچھ نظم کرو۔" عنصری نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی۔

امروز کہ زلف یار در کاستن است چہ جائے بغم نشستن خاستن است

روز طرب و نشاط و مے خاستن است کار استن سروز پیراستن است

یہ رباعی سن کر سلطان محمود بہت خوش ہوا اور عنصری کا منہ جواہرات سے تین مرتبہ بھرا اور اس کے بعد مطربوں کو بلا کر عیش و نشاط میں مشغول ہو گیا عنصری کا انتقال ۴۳۱ھ میں ہوا۔

عسجدی

عسجدی مرو کا رہنے والا تھا۔ اس کے قصاید بہت مشہور ہیں۔ وہ عنصری کا شاگرد اور محمود کا مداح تھا۔ اس کا وہ قصیدہ بہت مشہور جس کا مطلع یہ ہے

تا شاہ خوردہ بیں سفر سومنات کرد

کردار خویش را علم معجزات کرد

عسجدی کا دیوان کہیں نہیں ملتا، لیکن اس کی یہ رباعی مشہور خاص و عام ہے۔

از شرب مدام و لاف مشرب توبہ وز عشق بتان وسیم غب غب توبہ

در حال ہوس گناہ و برلب توبہ زین توبہ نادرست یارب توبہ

فرخی

فرخی بھی عنصری کا شاگرد تھا مورخین کا بیان ہے کہ فرخی کا باپ امیر خلف والی سیستان کا غلام تھا۔ فرخی سیستان کے کسانوں میں سے ایک کا ملازم تھا اور اس کی خدمات کے عوض اسے دو سو پنج منی کیل غلہ اور سو درم ملتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد فرخی نے بنی خلف کی ایک لڑکی سے شادی کر لی جس کی وجہ سے اس کے اخراجات بہت بڑھ گئے۔ اس نے اپنے آقا سے اپنی تنخواہ اور غلے کی مقدار میں اضافے کی درخواست کی آقا نے جواب میں کہا۔ "تم اپنی تنخواہ اور غلے میں جس قدر اضافہ چاہتے ہو میں جانتا ہوں کہ تم اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہو لیکن مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ تمہارا مطالبہ پورا کر سکوں۔" فرخی اس سے مایوس ہو کر سلطان محمود کے بھتیجے ابو المظفر کے پاس پہنچا اور اس کی مدح میں ایک بہترین قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس کے صلے میں ابو المظفر نے ایک بیش قیمت خلعت اور بہت سے جواہرات اس کو دیئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد فرخی سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا محمود کے دربار میں اس نے بڑا امتیاز حاصل کیا اور یہاں تک ترقی کی کہ بیس (۲۰) غلام زریں کمر اس کے آگے آگے چلتے تھے۔

قیقی

لکھے بھی تھے بعض مورخین نے یوں لکھا ہے کہ فردوسی نے دقیقی ہی کے شاہنامے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امیر محمد بن محمود غزنوی

جب سلطان محمود کا انتقال ہوا تو اس وقت اس کا ایک بیٹا امیر محمد تو گورگان میں تھا اور دوسرا امیر مسعود صفاہان میں مقیم تھا۔ محمود کے انتقال کے بعد اس کے داماد امیر علی بن ارسلان نے اپنے خسر کی وصیت کے مطابق امیر محمد کو غزنی میں بلایا اور اسے باپ کا جانشین بنایا۔ امیر محمد نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے چچا امیر یوسف کو سپہ سالار اور خوجہ ابو سہل احمد بن حسن ہمدانی کو وزارت سلطنت کے عہدے پر مقرر کیا۔ امیر محمد نے رعایا کو اپنا فرمانبردار بنانے کی بہت کوشش کی اور شاہی خزانے کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھول دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ہر شخص خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگا اور رعایا اور فوج کا ہر طبقہ مطمئن نظر آنے لگا۔ لیکن امیر محمد کے یہ انعام و اکرام اس کے لیے لوگوں کے دل میں جگہ پیدا نہ کر سکے اور ایک بہت بڑا طبقہ امیر محمد کی نسبت امیر مسعود کو ترجیح دیتا رہا۔

امیر ایاز کی شورش

سلطان محمود کی وفات کے پچاس روز بعد ابو النجم امیر ایاز بن اسحاق نے غلاموں اور ابو علی دایہ کو اپنے ساتھ ملایا اور دن دہاڑے شاہی اصطبل میں داخل ہو کر خاصے کے گھوڑوں کو قبضے میں کر لیا اور یہ سب لوگ ان گھوڑوں پر سوار ہو کر "بست" کی طرف روانہ ہو گئے۔ امیر محمد کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک قابل اعتبار ہندو امیر سوبند رائے کو ہندوؤں کا ایک لشکر جرار دے کر امیر ایاز کے پیچھے روانہ کیا۔ اس لشکر نے امیر ایاز کو تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر جا لیا۔ طرفین میں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں سوبند رائے ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ مارا گیا۔ امیر ایاز کے ساتھی بھی اس معرکے میں کام آئے ہندوؤں کے لشکر میں جو سپاہی بچ رہے تھے امیر ایاز نے انہیں گرفتار کر لیا اور ان کے سر تن سے جدا کر کے امیر محمد کے پاس بھجوا دیئے اور خود آگے بڑھا۔

امیر مسعود کی خواہش

امیر ایاز جب نیشاپور پہنچا تو وہاں وہ امیر مسعود سے ملا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ امیر مسعود نے جب ہمدان میں اپنے باپ سلطان محمود کے انتقال کی خبر سنی تھی تو اس نے عراق اور عجم میں اپنے قابل اور تجربہ کار نائب اور عامل مقرر کر دیئے تھے اور خود جلد از جلد خراسان پہنچ گیا تھا۔ یہاں سے اس نے اپنے بھائی امیر محمد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "سلطان محمود مرحوم نے جو ملک تمہیں عطا کیے ہیں میں ان کو اپنے قبضے میں لانا نہیں چاہتا میرے لیے خود اپنے مفتوحہ ممالک یعنی جبال' طبرستان' اور عراق کافی ہیں۔ میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ تم اپنے ممالک میں بھی یہ ہدایت کر دو کہ خطبے میں میرا نام تمہارے نام سے پہلے پڑھا جائے۔"

کتب تواریخ میں یہ مذکور ہے کہ امیر مسعود اور امیر محمد دونوں بھائی ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے۔ مسعود اپنے بھائی سے چند لمحے پیشتر اس دنیا میں آیا تھا اس لیے امیر محمد کو مسعود کے مقابلے میں بڑے چھوٹے کا کوئی خیال نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو چھوٹا بھائی نہ سمجھتا تھا اس لیے اس کے نزدیک مسعود کی اطاعت ضروری نہ تھی جب مسعود کا (متذکرہ بالا) خط امیر محمد کے پاس پہنچا تو وہ بہت پیچ و تاب میں آیا اور اس نے مسعود کو جواب میں بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ جواب میں خط ارسال کرنے کے بعد امیر محمد نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اگرچہ دربار کے امیروں وزیروں نے بہت کوشش کی کہ دونوں بھائیوں میں لڑائی نہ ہو اور تمام معاملات پر امن فضا میں طے پائیں' لیکن امیر محمد نے کسی کی نہ سنی اور اپنے ارادے پر قائم رہا۔

امراء کی غداری اور امیر محمد کا زوال

امیر محمد ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے غزنی سے روانہ ہوا یکم رمضان ۴۲۱ھ کو وہ "تکیاباد" نامی مقام میں پہنچا جسے حقیقت میں "تکیہ آباد" کہنا زیادہ موزوں ہو گا- یہاں وہ اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہوا- رمضان کا پورا مہینہ امیر محمد نے تکیاباد ہی میں گزارا- اس کے عید کے روز (اتفاق سے) امیر محمد کے سر سے تاج گر پڑا- لوگوں نے اس واقعے کو فال بد سمجھا اور اس سے علیحدہ ہو جانے کا پکا ارادہ کر شوال کی تیسری (۳) کو مشہور معروف امیروں' امیر علی خویشاوند' امیر یوسف سبکتگین اور امیر حسین وغیرہ نے امیر محمد کے خلاف بغاوت کی یہ امراء امیر مسعود کی حمایت کے نعرے لگاتے ہوئے امیر محمد کے خیمے کے گرد جمع ہو گئے- ان امیروں نے امیر محمد کو گرفتار کر کے ولج قلعے میں جسے اب اہل قندھار قلعہ خلج کہتے ہیں قید کر دیا اور خود امیر مسعود کے استقبال کے لیے ہرات روانہ ہو گئے- امیر مسعود نے ہرات سے بلخ پہنچ کر احمد حسین میمندی کو اس وجہ سے قتل کی سزا دی کہ اس نے مکہ معظمہ سے واپسی کے وقت مصر کے خلیفہ کا بیش قیمت خلعت قبول کیا تھا- یہ وجہ محض ایک بہانہ تھی اصل سبب یہ تھا کہ مسعود کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ایک بار سلطان محمود کی زندگی میں احمد حسین نے دربار میں یہ کہا تھا کہ جس روز امیر مسعود بادشاہ ہو جائے اس روز مجھ کو پھانسی چڑھا دینا- امیر مسعود نے بے وفائی کے جرم میں ابو علی خویشاوند کو قتل اور امیر یوسف کو قید کی سزا دی- یوسف نے اسی عالم اسیری میں وفات پائی مسعود کے حکم سے امیر محمد کو بھی عالم اسیری میں اندھا کیا گیا- امیر محمد نے پچاس روز تک بھی حکومت نہ کی- امیر محمد قلعے میں قید رہا اور مسعود کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا لیکن ایک سال بعد اسے مودود بن مسعود کے حکم سے قتل کر دیا گیا-

سلطان مسعود بن محمود غزنوی

امیر مسعود بہت ہی سخی اور بہادر تھا اس کی بہادری اور جرات مندی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسے "رستم ثانی" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس کے تیر میں ایسی تیزی تھی کہ وہ لوہے میں سوراخ کرنے کے بعد ہاتھی کے جسم میں گھس جاتا تھا۔ اس کا گرز اس قدر وزنی تھا کہ کوئی شخص بھی اسے ایک ہاتھ سے نہ اٹھا سکتا تھا۔ حق گوئی و بے باکی مسعود کا شعار تھا اس وجہ سے وہ اکثر گفتگو میں اپنے باپ سلطان محمود کے ساتھ درشت کلامی کر بیٹھتا تھا۔ اس لیے سلطان محمود اسے سخت ناپسند کرتا تھا اس کے برخلاف محمود امیر محمد کو بہت چاہتا تھا کیونکہ وہ موقع بے موقع باپ کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ مسعود سے محمود کی نفرت اور امیر محمد سے محبت نے یہاں تک طول کھینچا کہ محمود نے مسعود کی ہر طرح سے حق تلفی کی اور خلیفہ بغداد سے یہ سفارش کی کہ فرامین اور خطبات میں امیر محمد کا نام مسعود کے نام سے پہلے لکھا جائے۔

مسعود کے ساتھ حق تلفی

"طبقات ناصری" کے مولف نے ابو نصر مشکاتی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب سلطان محمود کے مندرجہ بالا خط کا مسودہ سر دربار پڑھا گیا تو اس کو سن کر تمام درباریوں کو افسوس ہوا۔ اور مسعود کی اس حق تلفی کو سبھی نے ناموزون خیال کیا۔ جب امیر مسعود دربار سے اٹھ کر باہر آیا تو ابو نصر بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا اور اس سے کہا۔ "تمہاری حق تلفی پر مجھے اور تمام اہل دربار کو بہت افسوس ہے۔" مسعود نے اس سے جواب میں کہا اس کی فکر نہ کرو کیا تم نے بزرگوں کا یہ قول نہیں سنا کہ تلوار خط سے زیادہ سچی اور مضبوط ہوتی ہے۔" "ابو نصر کا بیان ہے کہ جب میں مسعود کی گفتگو کرنے کے بعد واپس دربار میں آیا تو سلطان محمود نے مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تم مسعود کے ساتھ دربار سے باہر کیوں گئے اور تمہاری اس سے کیا بات چیت ہوئی؟ میں نے سلطان محمود سے سب کچھ صحیح صحیح بیان کر دیا۔ سلطان نے میری اور مسعود کی بات چیت سن کر کہا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مسعود ہر لحاظ سے امیر محمد سے بہتر ہے اور مجھے اس کا یقین ہے کہ میرے بعد سلطنت مسعود ہی کے قبضے میں آئے گی' لیکن میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ امیر محمد نے میری زندگی میں ہمیشہ میری بہت عزت کی ہے اور ہر طرح سے میرا خیال رکھا ہے۔ ابو نصر کا بیان ہے کہ اس سارے واقعے میں مجھے دو باتوں پر بہت تعجب ہوا ایک تو مسعود کے اس پر معنی جواب پر کہ میرے علم و فضل کے شایان شان تھا اور دوسرے سلطان محمود کے انتظام سلطنت پر کہ ادھر میں نے مسعود سے گفتگو کی اور ادھر محمود کو اطلاع ہو گئی۔

سلطان مسعود جب تخت نشین ہوا تو اس نے احمد بن حسن میمندی کو جو سلطان محمود کے حکم سے کالنجر کے قلعے میں اسیر تھا' رہا کیا اور اسے پھر وزارت سلطنت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ امیر احمد بن نیالتگین سے بجبر بہت سا مال و دولت حاصل کیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے امیر احمد کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کر دیا۔ نیز مجد الدولہ دیلمی کو جو سلطان محمود کے حکم سے ایک قلعے میں قید تھا رہا کیا اور اسے اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔

کیچ اور مکران کی فتح

۴۲۲ھ میں امیر مسعود بلخ سے غزنی آیا یہاں پہنچ کر اس نے کیچ اور مکران کو فتح کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا ان دونوں مقامات کی فتح کے بعد امیر مسعود نے یہاں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا ان دونوں شہروں کی فتح کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

سلطان مسعود کے زمانے میں کچ اور مکران کے حاکم نے وفات پائی۔ اس کے دو بیٹے تھے ان میں ایک جس کا نام عیسیٰ تھا اپنے باپ کی سلطنت پر قابض ہو گیا اس نے اپنے بھائی ابو العساکر کو ہر چیز سے محروم کر کے سلطنت سے باہر نکال دیا۔ ابو العساکر میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کا مقابلہ کرتا۔ لہٰذا اس نے امیر مسعود کی بارگاہ میں فریاد کی اور اس نے یہ درخواست کی کہ اگر امیر مسعود اپنے لشکر کی مدد سے اسے اپنے آبائی ملک پر قابض کروا دے گا تو ہمیشہ ہمیشہ حکومت غزنی کی اطاعت کا دم بھرتا رہے گا۔ نیز اپنے علاقے میں امیر مسعود کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دے گا۔ امیر مسعود نے ابوالعساکر کی درخواست قبول کی اور ایک زبردست لشکر اس کے ساتھ مکران کی طرف روانہ کیا۔ مسعود نے اپنے سپاہیوں کو یہ ہدایت کی کہ اگر عیسیٰ صلح پر آمادہ ہو اور سلطنت میں سے نصف علاقہ ابوالعساکر کو دینے پر تیار ہو تو اس سے جنگ نہ کی جائے، لیکن اگر وہ اس لشکر کو دیکھ کر صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس سے جنگ کی جائے اور ملک اس کے قبضے سے نکال کر ابوالعساکر کے حوالے کر دیا جائے۔

جب غزنوی فوج مکران کی حدود میں پہنچی تو اس کے افسر اعلیٰ نے سلطان مسعود کی ہدایت کے مطابق امیر عیسیٰ سے صلح کی بات چیت شروع کی اور اس بات کی پوری پوری کوشش کی کہ معاملہ امن کی فضا میں طے ہو جائے، لیکن بد قسمت عیسیٰ کے برے دن آ چکے تھے اس نے کوئی بات نہ سنی اور صلح سے انکار کر کے جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ امیر عیسیٰ کے چند عاقبت اندیش امراء نے اس سے اختلاف کیا اور اسے لڑائی سے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن عیسیٰ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ پہلے کی طرح لڑائی کے خیال میں مگن رہا اور اپنے خاص خاص لوگوں کو ساتھ لے کر غزنوی فوج کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی، عیسیٰ خاں اس قدر لڑا کہ اپنے لشکریوں کے ساتھ ساتھ خود بھی میدان جنگ میں کام آیا۔

امیر عیسیٰ کی وفات کے بعد ابوالعساکر ملک پر قابض ہو گیا اور اس نے حسب وعدہ اپنے ملک میں امیر مسعود کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔

رے اور ہمدان وغیرہ کا انتظام

اسی سال امیر مسعود نے رے، ہمدان اور دیگر کوہستانی شہروں کی حکومت اپنے ایک فراش کے سپرد کر دی جس کا نام تاش تھا۔ تاش نے تھوڑے عرصے کے اندر اندر محمود کے خراسانی امیروں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سلطان مسعود کے حسب الحکم تاش نے علاء الدولہ کو اس کی سرکشی کی سزا دی اور اس کے ملک کو اس کے عاملوں کے قبضے سے نکال لیا اور ان عاملوں کو تباہ کر دیا۔

ترکمانیوں سے معرکہ

۴۲۲ھ میں سلطان مسعود غزنی سے صفاہان اور رے کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ ہرات پہنچا تو سرخس اور باد آورد کے باشندے اس کے پاس آئے اور اس سے ترکمان سلجوقی کے ظلم و ستم کی شکایت کی۔ مسعود نے عبد الرئیس بن عبد العزیز کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ترکمانیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ عبد الرئیس نے بارہا ترکمانیوں کے ساتھ جنگ کی، لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کار سلطان مسعود ناکام و نامراد واپس غزنی آیا۔

علی تگین سے جنگ

علی تگین نے بخارا اور سمرقند پر قبضہ کر کے بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے تھے۔ سلطان مسعود نے التونتاش کو علی تگین کی سرکوبی کے لیے مامور کیا۔ التونتاش خوارزم سے ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوا۔ مسعود نے بھی غزنی سے پندرہ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج التونتاش کی [illegible]

کیا اور اس کو فتح کر کے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ علی تگین کو جب غزنوی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ شہر سے نکل کر ایک میدان میں آ گیا۔ اس میدان کے ایک طرف تو ایک بہت بڑی نہر بہہ رہی تھی اور دوسری طرف ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو التونتاش کے لشکر پر علی تگین کی فوج کے ایک دستے نے پیچھے سے حملہ کیا یہ دستہ کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا اس حملے میں غزنوی فوج کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ یہاں تک کہ التونتاش کے جسم پر بھی ایک کاری زخم لگا اتفاق سے یہ زخم جسم کے ایک ایسے حصے میں لگا جہاں پہلے بھی (جب کہ التونتاش سلطان محمود کے ساتھ ہندوستان میں معرکہ آرا ہوا تھا) منجنیق کے ایک بھاری پتھر سے زخم لگ چکا تھا۔

التونتاش کا زخمی ہونا

التونتاش نے اپنے اس زخم کا حال اپنے ساتھیوں سے چھپائے رکھا اور میدان جنگ میں بڑی ثابت قدمی سے ڈٹا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے حملے کے باوجود غزنوی فوج میں بددلی اور پریشانی نہ پھیلنے پائی اور غزنوی سپاہیوں نے دشمن کے بھی بے شمار افراد کو تہہ تیغ کیا باقی لوگوں کو میدان جنگ سے بھگا دیا۔ جب علی تگین کا کوئی سپاہی بھی باقی نہ رہا تو التونتاش نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا غزنوی لشکر اپنے خیموں میں واپس آ گیا۔ رات کے وقت التونتاش نے فوجی سرداروں کو اپنے پاس بلایا ان کو اپنے زخمی ہونے کی کیفیت بتائی اور کہا کہ "اس زخم سے میرا بچنا ناممکن نظر آتا ہے اب تم لوگ اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے لڑائی کے بارے میں جو چاہو کرو۔" فوجی سرداروں نے جب دیکھا کہ التونتاش کی حالت نازک ہے اور صبح دشمن سے پھر مقابلہ کرنا ہے تو انہوں نے باہمی مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ مناسب اور معقول شرائط پر صلح کر کے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔

علی تگین سے صلح اور التونتاش کی وفات

ان فوجی سرداروں نے علی تگین کے پاس ایک قاصد روانہ کیا اور اس سے صلح کی درخواست کی۔ صلح کے لیے یہ شرط رکھی کہ بخارا تو غزنوی سلطنت میں شامل کیا جائے اور سمرقند اور اس کے آس پاس کا علاقہ علی تگین کے قبضے میں رہے۔ علی تگین نے اس شرط کو قبول کر لیا اور صلح کر کے دوسرے دن سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا۔ غزنوی لشکر بھی واپس روانہ ہوا' روانگی کے دوسرے ہی دن التونتاش نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ فوج کے سرداروں نے اس کی موت کی خبر کو راستے میں لشکریوں سے چھپائے رکھا اور خوارزم پہنچ کر اس کا اعلان کیا گیا۔ سلطان مسعود کو التونتاشؒ کے مرنے کی اطلاع خراسان میں ملی اس نے التونتاش کی خدمات کے صلے میں اس کے بیٹے ہارون کو خوارزم کا حاکم مقرر کر دیا۔

اسی سال وزیر سلطنت خواجہ احمد بن حسن میمندی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ ابو نصر احمد بن محمد بن عبد الصمد کو خوارزم سے بلا کر وزیر مقرر کیا گیا۔ ابو نصر' ہارون بن التونتاش کا دیوان زادہ تھا۔

ہندوستان پر لشکر کشی

۴۲۴ھ میں سلطان مسعود نے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور "درہ کشمیر" میں سرستی کے قلعے پر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اسلامی لشکر کی آمد سے اہل قلعہ کانپ اٹھے۔ انہوں نے سلطان مسعود کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہیں کہ بادشاہ ہم کو قتل نہ کرے اس کے صلے میں ہم اسی وقت ایک بہت بڑی رقم بطور نذرانہ پیش کریں گے اور آئندہ بھی اسی طرح ہر سال ایک معقول رقم شاہی خزانے میں بطور خراج کے داخل کرتے رہیں گے مسعود کو صلح کی یہ شرائط معقول معلوم ہوئیں۔ اس نے اہل قلعہ سے صلح کر کے غزنی کو واپسی کا ارادہ کر لیا اس سے قبل کہ وہ حاکم قلعہ کو کوئی جواب دیتا اسے ان مسلمان سوداگروں کی ایک درخواست موصول ہوئی جو اہل قلعہ کی سختیوں کا شکار ہو رہے تھے اس درخواست میں یہ لکھا گیا تھا۔ "ہم چند مسلمان تاجر اپنے وطن سے نکلے اور بدقسمتی سے ان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان ہندوؤں نے تعصب کی بنا پر ہم پر طرح طرح سے تشدد کیا

ہے اور ہم سے ہمارا تمام مال اور دولت چھین کر ہمیں کوڑی کو محتاج کر دیا ہے۔ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر آپ نے ہندوؤں سے ان کی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی تو آپ کے جاتے ہی یہ ہندو ہم پر مصیبت ڈھائیں گے اور زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ہم اپنے احوال گوش گزار کرنے کے بعد آپ کو یہ بتا دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان محصور ہندوؤں کے پاس سامان رسد بالکل ختم ہو چکا ہے اور اب ان میں قلعہ بند ہو کر رہنے کی ہمت نہیں۔ اگر آپ دو تین روز تک محاصرہ قائم رکھیں گے تو یہ قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہو جائے گا۔"

مسعود نے یہ درخواست پڑھ کر صلح کا ارادہ فوراً ترک کر دیا اور محاصرے کی شدت میں معقول اضافہ کر دیا۔

قلعے کے ارد گرد ایک بہت گہری خندق کھدی ہوئی تھی۔ مسعود کے حکم سے اس خندق کو گنوں سے پاٹ دیا گیا اس علاقے کے گرد و نواح میں گنا بکثرت پیدا ہوتا ہے خندق کو پاٹ کر اس کی سطح اتنی بلند کی گئی کہ لشکر اس پر چڑھ کر باسانی قلعے تک پہنچ سکتا تھا مسلمان اسی ذریعے سے قلعے کے اندر گھس گئے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو قتل کیا۔ ان کے بیوی بچوں کو قید کیا اور ان کا مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا۔ سلطان مسعود نے مسلمان تاجروں کو ان کی دولت واپس کر دی اور یوں دنیا میں اپنا نیک نام چھوڑا۔

قحط اور مرض

اسی سال دنیا کے اکثر حصوں میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایک زبردست قحط پڑا۔ قحط گیا تو ایک عالمگیری وبا نے اپنا رنگ جمایا اس وبا سے صرف اصفہان ہی میں چالیس ہزار آدمی لقمہ اجل ہو گئے۔ ہندوستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں وغیرہ میں مرنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ کھیتی باڑی اور دیگر پیشوں کے لیے مزدوروں کا ملنا مشکل ہو گیا۔ بغداد کے نواحی علاقوں موصل اور جرجستھان میں "جدری" (چیچک) کے مرض کی وبا پھیلی۔ ان شہروں کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں دو تین افراد اس مرض جان کاہ کا شکار نہ ہوئے ہوں۔

والی طبرستان پر حملہ

سلطان مسعود نے ۴۲۵ھ میں آمل اور ساری (طبرستان کے دو مقامات) فتح کرنے کا ارادہ کیا ان علاقوں کے باشندوں نے آپس میں مل کر مسعود کا مقابلہ کیا۔ لیکن غزنوی فوج کے سامنے ان کا زور نہ چل سکا اور فتح سلطان مسعود ہی کو نصیب ہوئی۔ ابا کالنجار امیر طبرستان نے اپنا ایک پیغامبر سلطان مسعود کی خدمت میں بھیجا اور اس کا مطیع رہنے کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے ملک میں مسعود کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرے گا۔ (مسعود نے صلح کی یہ شرط مان لی) امیر طبرستان نے اپنے فرزند بہمن اور برادر زادے شیردیہ کو گورگان روانہ کیا اور سلطان مسعود واپس غزنی روانہ ہوا۔

ترکمانیوں سے معرکہ آرائی

جب مسعود نیشاپور پہنچا تو وہاں کے باشندے ترکمان سلجوقی کے ظلم و ستم کی شکایت لے کر مسعود کے پاس آئے اور اس سے امان طلب کی۔ مسعود نے بک تغذی اور حسین بن علی میکال کو ایک زبردست فوج کے ساتھ ترکمانیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا جب غزنوی فوج شقید القاق (نامی مقام پر) پہنچی تو ترکمانیوں کا ایک پیغامبر بک تغذی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ "ترکمانی یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہماری ساری قوم غزنویوں کی تابع اور امیر مسعود کی طرف دار ہے اگر ہمیں تباہ و برباد کیا گیا تو اس سے آس پاس کے علاقوں کے باشندوں کو تکلیف ہو گی۔ لہٰذا اگر امیر مسعود ہماری معاش کے لیے زمین کی حد بندی کر دے تو ہم اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ ہم کسی کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔" بک تغذی ترکمانی قاصد کے ساتھ ذرا سختی سے پیش آیا اور اسے جواب دیا "ترکمانیوں سے جا کر کہہ دو کہ اطاعت کا اقرار کریں اور آئندہ کسی قسم کی بد اعمالی کے مرتکب نہ ہوں۔ نیز اپنا ایک قابل اعتبار آدمی سلطان مسعود کی خدمت میں بھیج کر میرے نام ایک شاہی فرمان منگوائیں تاکہ میں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کروں اگر یہ شرائط منظور نہ ہوں تو پھر ہمارے اور ان

سے لڑے لیکن بک تغذی کے سامنے ان کا زور نہ چلا اور شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔

بک تغذی نے ترکمانیوں کا تعاقب کیا اور ان کے بیوی بچوں کو اپنا قیدی بنا کر ان کے تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد غزنوی فوج لوٹ مار کے لیے ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ ترکمانیوں کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا تو انہوں نے درۂ کوہ سے نکل کر بک تغذی پر حملہ کر دیا طرفین میں دو دن اور دو رات تک زبردست لڑائی ہوتی رہی۔ غزنوی سپاہیوں کی تعداد کم تھی اس لیے میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑنے لگے یہ عالم دیکھ کر بک تغذی نے حسین میکال سے کہا۔ "اب یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں۔" حسین میکال نے بک تغذی کے مشورے پر عمل نہ کیا۔ بک تغذی خود میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ میکال نے بڑی ہمت و جرات سے کام لیا اور خوب جان توڑ کر لڑتا رہا آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ بک تغذی جان چھپا کر بھاگتا ہوا نیشاپور پہنچا اور امیر مسعود سے سارا ماجرا بیان کیا۔ مسعود کو اس واقعے سے بڑا رنج ہوا اور وہ ۴۲۶ھ میں ناکام و نامراد واپس غزنی روانہ ہوا۔

احمد نیالتگین کی سرکشی

اسی زمانے میں ہندوستان سے احمد نیالتگین کی بغاوت کی خبریں آئیں۔ سلطان مسعود نے ناتھ نام کے ایک ہندو سردار کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ناتھ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا اور احمد سے معرکہ آرا ہوا دونوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ احمد نے بڑی دلیری اور جوانمردی کے ساتھ ناتھ کا مقابلہ کیا اس لڑائی میں ناتھ مارا گیا۔ اور غزنوی فوج کو شکست ہوئی جب سلطان مسعود تک اس واقعے کی اطلاع پہنچی تو اس نے تولک بن حسین کو' جو ہندوؤں کا بہت بڑا امیر تھا نیالتگین کے مقابلے پر روانہ کیا۔ تولک نے نیالتگین سے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ نیالتگین پریشانی کے عالم میں منصورہ' ٹھٹھہ اور سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ تولک نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے جس ساتھی کو دیکھا اس کے کان اور ناک کاٹ کر اسے چھوڑ دیا۔ احمد ہانپتا کانپتا دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچا' وہ دریا کو پار کر کے دوسری طرف اترنا ہی چاہتا تھا کہ دفعتاً دریا میں سیلاب آ گیا اور نیالتگین اس سیلاب کے سامنے بے دست و پا ہو کر رہ گیا اور یوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ پانی کے بہاؤ نے نیالتگین کی لاش جب کنارے پر پھینک دی تو غزنوی سپاہیوں نے اپنے قبضے میں کر لیا اس کا سر کاٹ کر تولک کے سامنے پیش کیا۔ تولک نے وہ سر سلطان مسعود کے پاس غزنی بھیج دیا۔

۴۲۷ھ میں مسعود نے غزنی میں ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ اس میں ایک بڑا خوبصورت جڑاؤ تخت بچھایا گیا اور اس تخت پر ایک عالی شان تاج جس کا وزن ستر من تھا۔ (من کا وزن فارس میں آدھ سیر کے قریب ہے) سونے کی زنجیروں سے باندھ کر لٹکایا گیا۔ مسعود نے اس جڑاؤ تخت پر قدم رنجہ فرمایا اور یہ تاج اپنے سر پر رکھا (اس سلسلے میں) اس نے دربار عام منعقد کیا اور ہر شخص کو اپنی ملاقات سے نوازا۔

قلعہ ہانسی کی فتح

اسی سال مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو صاحب طبل و علم کیا اور خود قلعہ ہانسی کو فتح کرنے کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ "طبقات ناصری" کے مولف کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ہانسی سوالک کا دارالسلطنت تھا ہانسی کا قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اس کی بابت ہندو عقیدہ رکھتے تھے کہ اسے کبھی کوئی مسلمان فرمانروا تسخیر نہیں کر سکتا۔ امیر مسعود نے ہانسی پہنچ کر اس قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چھ روز کی محنت کے بعد اسے فتح کر لیا۔ اس قلعے سے بہت سامال غنیمت مسعود کے ہاتھ لگا اس نے یہ قلعہ اور تمام مال غنیمت اپنے قابل اعتماد سرداروں کے حوالے کیا اور خود سون پت کا قلعہ فتح کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

سون پت کی فتح

سون پت کے راجہ دیپال ہری کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان مسعود اس کی سرزنش کے لیے آ رہا ہے تو وہ پریشان و بدحواس ہو کر

جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ غزنوی لشکر نے سون پت پہنچ کر وہاں کے قلعے کو تسخیر کر لیا اور اسکے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے تمام مال و دولت پر اپنا قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ دیپال ہری' راجہ سون پت یہاں سے فرار ہو چکا ہے تو انہوں نے اس کا تعاقب کیا۔ دیپال کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنا ساز و سامان اور لشکر جنگل ہی میں چھوڑ دیا اور خود کسی گوشے میں روپوش ہو گیا۔ مسلمانوں نے دیپال ہری کے ساز و سامان پر قبضہ کیا اور اس کے لشکر کو قتل و گرفتار کر کے یہاں سے درہ رام دیو کی طرف بڑھے۔

راجہ رام دیو اپنی آنکھوں سے دیپال ہری کا حشر دیکھ چکا تھا۔ اسے جب مسعود کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ اس نے بہت سامال و دولت مسعود کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ درخواست کی۔ "میں بہت ضعیف اور کمزور ہوں اس لیے مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ بذات خود خدمت اقدس میں حاضر ہو سکوں' میرے حال پر رحم کیا جائے اور جو کچھ ارسال خدمت ہے اسے قبول کیا جائے اور مجھے اپنے اطاعت شعاروں میں شمار کیا جائے۔" مسعود نے اس کی درخواست قبول کر لی اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا یہاں سے وہ سون پت واپس آ گیا۔

امیر مسعود نے سون پت کی حفاظت اور انتظام کے لیے اپنے ایک معتمد امیر کو وہاں چھوڑا اور خود سون پت کے آس پاس کے علاقوں کی تسخیر میں مصروف ہو گیا ان علاقوں کو اس نے بہت جلد فتح کر لیا۔ ان پر قبضہ کرنے کے بعد وہ غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب مسعود لاہور پہنچا تو اس نے کچھ دن وہاں قیام کیا اس نے اپنے دوسرے بیٹے ابو المجدود کو وہاں کا حاکم بنایا اور اسے طبل و علم عطا کیا اور ایاز خاں کو اس کا اتابک (یعنی اتالیق) مقرر کر کے خود واپس غزنی روانہ ہوا۔

طغرل بیگ کی سرزنش کا ارادہ

ترکمانیوں کی شورشوں کو ختم کرنے کے لیے مسعود ۴۲۸ھ میں بلخ پہنچا ترکمانیوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بلخ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ بلخ کے باشندوں نے مسعود کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ مسعود کی غیر موجودگی میں طغرل بیگ نے دریا کو پار کر کے کئی بار مسلمانوں کو مارا اور لوٹا ہے۔ مسعود نے یہ سن کر موسم سرما میں ہی طغرل کی سرکوبی کا ارادہ کیا اور ترکمانیوں کی سرزنش کو موسم بہار کے ابتدائی زمانے تک کے لیے ملتوی کیا۔ سلطنت کے امراء اور فوجی افسروں وغیرہ کو بادشاہ کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے گزارش کی کہ دو سال سے ترکمانی خراسان میں لوٹ مار مچائے ہوئے ہیں اور اہل خراسان ان کی اس روش سے اس حد تک عاجز آ چکے ہیں کہ خراسانیوں کا ایک بڑا حصہ ان کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اس وقت یہی مناسب ہے کہ سب سے پہلے ترکمانیوں کا قلع قمع کیا جائے اور پھر اس کے بعد کسی اور طرف توجہ کی جائے۔" (سبھی لوگ بادشاہ کے اس ارادے کے مخالف تھے اور اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگے) ایک شاعر نے اس مضمون کی ایک نظم بھی لکھی کہ بادشاہ کو پہلے طغرل بیگ پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے یہ نظم مسعود کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن مسعود پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے ارادے پر قائم رہا۔ اس کو یہ خیال تھا کہ طغرل بیگ کا ملک باسانی اس کے قبضے میں آ جائے گا۔ لہٰذا اس نے دریائے جیحون پر پل بندھوایا اور دریا کو پار کر کے ماوراء النہر پہنچا۔

ماوراء النہر میں کسی نے مسعود کا مقابلہ نہ کیا اس لیے اس صوبے کے بہت سے علاقوں پر مسعود نے بغیر کسی روک ٹوک کے قبضہ کر لیا۔ ان دنوں اس علاقے میں بڑی شدید برف باری اور بارش ہوئی' ایک تو سردیوں کا موسم اور دوسرے یہ مصیبت' اس وجہ سے غزنوی شاہی فوج کو بہت سی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی زمانے میں داؤد سلجوقی نے سر اٹھایا اور وہ سرخس سے بلخ کی طرف بڑھا۔ خواجہ احمد وزیر نے بلخ سے مسعود کو اطلاع دی کہ داؤد

ہو سکوں۔" یہ خبر ملتے ہی مسعود بلخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جونہی مسعود ہٹا' طغرل نے غزنی پر حملہ کر دیا اور بہت سے شاہی اونٹ اور گھوڑے لوٹ کر لے گیا۔ اس لوٹ مار کے دوران میں طغرل نے اہل غزنی کو خوب جی بھر کے بے عزتی کی۔

علی تقندری----ڈاکو کا حشر

مسعود جب بلخ کے قرب و جوار میں پہنچا تو داؤد بلخ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے مرو کی طرف چلا گیا۔ مسعود نے بلخ پہنچ کر اپنے بیٹے مودود کو ساتھ لیا اور داؤد کے تعاقب میں گورگان کی طرف روانہ ہو گیا۔ گورگان میں کچھ لوگ علی تقندری کے ظلم و ستم کا شکار تھے انہوں نے مسعود کی خدمت میں حاضر ہو کر علی تقندری کی شکایت کی اور اس کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی درخواست کی۔ علی تقندری ایک ظالم' عیار اور چالاک ڈاکو تھا' لوٹ مار اس کا پیشہ تھا اور اسی پر وہ گزر بسر کرتا تھا۔ مسعود نے اس سے اطاعت گزاری کے لیے کہا۔ اس نے انکار کی اور حسب معمولی اپنی روش پر چلتا رہا۔ علی تقندری نے جب دیکھا کہ مسعود جنگ کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ مسعود نے اس قلعے کی تسخیر کے لیے لشکر کا ایک دستہ روانہ کیا ان سپاہیوں نے باسانی قلعے کو فتح کر لیا۔ اور علی تقندری کو گرفتار کر کے مسعود کے سامنے لائے' مسعود نے اس بدمعاش شخص کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی اور پھانسی پر چڑھا دیا۔

ترکمانیوں سے معاہدہ

جب ترکمانیوں کو یہ معلوم ہوا کہ مسعود ایک زبردست لشکر لے کر مرو کی طرف آ رہا ہے تو انہوں نے ایک قاصد کے ذریعہ مسعود کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہماری قوم پوری طرح بادشاہ کی فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے' ہم نے اب تک جو بدعنوانیاں کی ہیں' ان کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ اگر بادشاہ ہماری معاش کے لیے مدد فرمائے اور ہمارے لیے اتنی جاگیر وقف کر دے کہ ہم اس کی آمدنی سے ہمارے اہل و عیال اور جانوروں کی کفالت ہو سکے تو ہم سب اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ بدکرداریوں کے لیے معافی مانگیں گے اور آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں سے توبہ کریں گے۔" سلطان مسعود نے ترکمانیوں کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور ان کے سردار مسمی بیغو کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا تاکہ ترکمانی اپنے وعدوں کی کوئی ضمانت دے کر مسعود کو اپنی نیک چلنی کا یقین دلا دیں۔ ترکمانیوں نے مسعود کی خواہش کے مطابق قول و قسم دے کر اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا یقین دلایا اور مسعود نے بھی ان کی خواہش کو پورا کیا اور ان کی گزر بسر کے لیے جاگیر وقف کر دی یہاں سے مسعود نے ہرات کی طرف کوچ کیا۔

راستے میں ترکمانیوں کے ایک گروہ نے مسعود کے لشکر پر چھاپہ مارا چند سپاہیوں کو قتل کر کے وہ لوگ تھوڑا بہت مال بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ مسعود نے اپنے لشکر کا ایک دستہ ان کے پیچھے روانہ کیا۔ اس دستے نے ترکمانیوں کے اس گروہ کو جا لیا اور انہیں تہ تیغ کر دیا۔ ان مقتولوں کے سر اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر یہ دستہ سلطان مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسعود نے ان مردہ اور زندہ ترکمانیوں کو گدھوں پر سوار کر کے بیغو کے پاس بھجوا دیا۔ اور اس سے کہلا بھیجا "یہ دیکھو اور آئندہ کے لیے ہوشیار ہو جاؤ۔ جو کوئی وعدہ خلافی کرتا ہے اور اپنے عہد کو توڑتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ بیغو نے اس جماعت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور جواب میں سلطان مسعود کو کہلا بھیجا۔ "میں خود بھی ان لوگوں سے بیزار تھا اور میں خود ان کو سزا دینا چاہتا تھا جو انہیں خود بخود مل گئی۔"

مسعود ہرات سے نیشاپور آیا اور وہاں سے طوس کی طرف روانہ ہوا۔ طوس کے قرب و جوار میں بھی ترکمانیوں کے ایک چھوٹے سے لشکر نے مسعود کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ مسعود نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور طوس کے شہر میں داخل ہوا۔ یہاں مسعود کو معلوم ہوا کہ باد آورد کے باشندوں نے قلعہ ترکمانیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ مسعود نے طوس کے قلعہ کو ختم کر کے اہالیان قلعہ کو قتل کیا اور پھر نیشاپور کی طرف واپس ہوا۔

مسعود نے سردیوں کا زمانہ نیشاپور ہی میں بسر کیا۔ اور ۴۳۰ھ کے موسم بہار میں طغرل بیگ کو کچلنے کے ارادے سے باد آورد کی طرف

روانہ ہوا۔ طغرل نے جب مسعود کی آمد کی خبر سنی تو وہ ڈر کے مارے ترن کی طرف فرار ہو گیا۔ طغرل کے فرار کی خبر سن کر مسعود نے راستے ہی سے اپنی باگ موڑی اور مہنہ ہوتا ہوا سرخس کی طرف چل نکلا۔ مہنہ میں مسعود کو معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے بھی بغاوت پر آمادہ ہیں اور خراج ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مسعود نے یہاں کے باشندوں کو اس نافرمانی کا مزا چکھایا۔ بعض کو قتل کیا بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں معذور اور لاچار بنایا اور ان کے قلعے کو فتح کر کے آگے بڑھا اور دندانقان میں پہنچا۔

ترکمانیوں سے جنگ

۸ رمضان ۴۳۰ھ کو سلطان مسعود کو ایک بار پھر ترکمانیوں سے واسطہ پڑا۔ ان کے ایک زبردست لشکر نے مسعود کو چاروں طرف سے گھیر لیا بادل ناخواستہ مسعود نے بھی اپنی فوج کو مرتب کیا اور فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی کے دوران میں مسعود کے لشکر کے کئی سردار دشمن سے جا ملے (اور اس کی طرف سے لڑنے لگے) مسعود نے جب اپنے ساتھی سرداروں کی یہ نمک حرامی دیکھی تو وہ بذات خود میدان جنگ میں اترا، ترکمانیوں کے بیشتر سپاہیوں کو اس نے تلوار کے گھاٹ اتار کر سب پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ وہ ایسی جوان مردی سے لڑا کہ شاید ہی کسی بادشاہ نے میدان جنگ میں ایسی بہادری کا مظاہرہ کیا ہو مگر اس کا کیا علاج کہ مسعود کے برے دن آ چکے تھے۔ فوج کا کچھ حصہ تو دشمنوں سے جا ملا اور جو باقی بچا تھا اس نے میدان جنگ سے فرار ہو کر غزنی کی راہ لی۔

مسعود کا میدان جنگ سے فرار

جب مسعود نے یہ دیکھا کہ اس کے آس پاس کوئی ساتھی باقی نہیں رہا ہے تو اس نے مجبور ہو کر لڑائی سے ہاتھ اٹھایا اور دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ دشمنوں نے اسے تنہا بھاگتے ہوئے دیکھا لیکن کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ اس کا تعاقب کرتا۔ مسعود اسی طرح بھاگتا ہوا مرو پہنچا وہاں اس کے مفرور لشکر کا کچھ حصہ اس سے آملا۔ راستے میں مسعود نے ان مفرور سپاہیوں سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی اور انہیں ساتھ لے کر غزنی پہنچا۔ یہاں اس نے مفرور سپاہیوں کے مشہور سرداروں علی دایہ، بک تغدی اور حاجب شیبانی وغیرہ کو گرفتار کر کے انہیں سخت ذلیل و رسوا کیا اور آخر کار انہیں ہندوستان بھجوا کر وہاں کے مختلف قلعوں میں قید کروا دیا۔ ان قیدیوں میں سے اکثر نے قید کی حالت ہی میں بہت جلد وفات پائی۔

حفاظتی انتظامات

ان مفرور سپاہیوں کو سزا دینے کے بعد مسعود ترکمانیوں کو کچلنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ آخر کار اس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں اپنے لشکر میں نئے سپاہیوں کو داخل کر کے اپنی قوت میں اضافہ کرے اور پھر ترکمانیوں سے معرکہ آراء ہو کر انہیں ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا دے۔ اس کے بعد مسعود نے اپنے بیٹے مودود کو دوبارہ بلخ کا امیر مقرر کیا اور خواجہ محمد بن عبد الصمد وزیر کو اس کے ہمراہ روانہ کیا۔ ارتگین کو بھی مودود کا مصاحب بنایا اور چار ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ اسے بھی بلخ روانہ کر دیا۔ مسعود کا دوسرا لڑکا شہزادہ امیر مجدود لاہور سے آیا ہوا تھا اسے مسعود نے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ ملتان روانہ کیا۔ تاکہ وہ وہاں کے نظام حکومت کو بہتر بنائے اور ابتری و انتشار پیدا نہ ہونے دے۔ تیسرے بیٹے امیر ایزدیار کو مسعود نے کوہ پایہ غزنی کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں کے سرکش افغانیوں کو قابو میں رکھا جائے اور اس طرح غزنوی سلطنت کی سرحدیں انتشار سے محفوظ رہیں۔

لاہور کو روانگی

ان حفاظتی انتظامات کے بعد مسعود نے اپنے باپ (محمود غزنوی) کی جمع کی ہوئی تمام دولت اونٹوں پر لادی اور اس خزانے کو اپنے ساتھ لے کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ مسعود [illegible]

ہے۔) یا دریائے جہلم کے قریب پہنچا تو مسعود کے قابل اعتبار غلاموں نے لالچ میں آکر اونٹوں پر لدے ہوئے خزانے کو جی کھول کر لوٹا اسی دوران میں امیر محمد بھی وہاں پہنچ گیا۔ ان نمک حرام غلاموں نے، جنہوں نے خزانہ شاہی کو لوٹا تھا، یہ خیال کیا کہ مسعود کو معزول کر دینا مناسب ہے، ورنہ وہ ان کی ناشائستہ حرکت کو معاف نہ کرے گا۔ (اور کڑی سزا دے گا) یہ سوچنے کے بعد ان غلاموں نے امیر مسعود پر حملہ کر دیا۔ مسعود مجبورا رباط مارکلہ میں قلعہ بند ہو گیا۔

مسعود کی گرفتاری

غزنوی فوج کا ہر چھوٹا بڑا فرد آئے دن کی جنگوں سے تنگ آ چکا تھا نیز وطن کی جدائی کی وجہ سے بھی یہ سب لوگ پریشان تھے۔ اس بنا پر سارے لشکر نے مسعود کی مخالفت کی۔ یہ لوگ رباط کے اندر داخل ہو گئے۔ اور مسعود کو گرفتار کر کے امیر محمد کے پاس لے آئے۔ امیر محمد نے اپنے بھائی سے کہا "میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کر دوں ہاں نظربند ضرور کروں گا، تم جو جگہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے منتخب کرو میں وہیں تمہیں قید کر دوں گا۔ تاکہ تم اپنی زندگی کے باقی دن اطمینان اور آرام سے بسر کر سکو۔" مسعود نے قلعہ گیری (یہ قلعہ دریائے سندھ کے قریب واقع تھا) میں رہنا پسند کیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت مسعود روانہ ہوا اس وقت اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی لہٰذا اس نے اپنے بھائی امیر محمد کے پاس ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ اخراجات کے لیے رقم لائے۔ امیر محمد نے پانچ سو درہم بھجوائے جب یہ رقم مسعود کے سامنے آئی تو اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اسی عالم میں اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ سبحان اللہ! کل اسی وقت میرے قبضے میں زر و جواہر سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ تھے اور آج میری بدقسمتی کا یہ عالم ہے۔" مسعود نے اسی وقت اپنے چند ساتھیوں سے ایک ہزار دینار بطور قرض لیے اور وہ پانچ سو درہم جو امیر محمد نے بھجوائے تھے اسی شخص کو بطور انعام دے دیئے جو لے کر آیا تھا۔

سلطان مسعود کا قتل

امیر محمد چونکہ اندھا تھا اس لیے اس نے زندگی کے سادہ طریقے سے بسر کرنے پر اکتفا کی اور سلطنت کا تمام کاروبار اپنے مخبوط الحواس بیٹے احمد کے سپرد کر دیا۔ احمد عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سلیمان بن یوسف سبکتگین اور علی خویشاوند کے بیٹے کو ساتھ لے کر ایک روز قلعہ گیری میں داخل ہو گیا اور اس نے بغیر اپنے باپ کی اجازت سے سلطان مسعود کو قتل کر دیا یہ واقعہ ۴۳۳ھ کا ہے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ احمد نے مسعود کو زندہ کنوئیں میں پھنکوا کر کنوئیں کو پتھر اور مٹی سے پر کر دیا یا یہ کہا جاتا ہے کہ احمد نے والیہ محمد کو مجبور کر کے مسعود کو قتل کروایا۔ "تاریخ گزیدہ" کے بیان کے مطابق مسعود نے نو سال نو ماہ حکومت کی لیکن بعضوں کے خیال میں اس کی مدت حکومت بارہ سال ہے۔

سلطان مسعود بڑا بہادر، رحم دل اور ہنس مکھ انسان تھا اسے علماء و فضلاء سے بے حد عقیدت تھی۔ اور وہ ہمیشہ ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ اس کے زمانہ کے بہت سے علماء و فضلاء نے اپنی کتابیں اس کے نام سے معنون کی ہیں۔ استاد خوارزمی، ابو ریحان منجم اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور فن ریاضی کے ماہر تھے۔ ان کی کتب "قانون مسعودی" ایک اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جو فن ریاضی سے متعلق ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سلطان مسعود ہی کے نام پر لکھی گئی۔ اس گراں بہا تصنیف کے سلسلے میں سلطان مسعود نے ابو ریحان کو ایک ہاتھی کے (وزن کے) برابر چاندی دی۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے اپنی عظیم الشان کتاب کو جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ امیر مسعود ہی کے نام سے منسوب کیا اور اس کا نام کتاب مسعودی رکھا۔

"تاریخ "روضتہ الصفا" میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود محتاجوں اور غریبوں وغیرہ کا بہت خیال رکھتا تھا اور ہمیشہ انہیں صدقہ اور خیرات دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں مسعود نے صرف ایک دن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم خیرات کیے۔ مسعود کی حکومت کے زمانے میں ممالک غزنویہ میں بے شمار مسجدیں اور مدرسے تعمیر ہوئے۔"

امیر مودود بن امیر مسعود

جب امیر محمد مکحول تک اس کے بھائی امیر مسعود کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ بہت رویا جن لوگوں نے مسعود کو قتل کیا ان پر امیر محمد نے خوب لعنت ملامت بھیجی۔ اس نے مسعود کے لڑکے مودود کو بلخ میں اس مضمون کا خط بھیجا کہ فلاں فلاں افراد نے اپنے باپ کے قصاص میں تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور اس اقدام میں شریک نہیں ہے۔ مودود نے اس خط کے جواب میں لکھا۔ "خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کے فرزند و دلبند احمد مخبوط الحواس کو اتنی عقل دے کہ وہ دنیا کے نشیب و فراز کو سمجھ سکے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کے آپ کے دیوانے بیٹے نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے اور ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے کہ جسے امیر المومنین نے "سید الملوک و السلاطین" کا لقب دیا تھا۔ میں آپ پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن یہ خون رنگ لائے گا اور آپ کے بیٹے کو اس کے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔"

یہ خط روانہ کرنے کے بعد مودود نے فورا مارگلہ پہنچنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے سکے' لیکن ابو نصر احمد بن محمد بن عبد اللہ نے مودود کو اس ارادے سے باز رکھا اور اسے سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ مودود کے آنے کی خبر سن کر غزنی کے تمام بڑے بڑے سردار اور امراء اس کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے' ان سب نے مودود کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا۔

امیر محمد سے جنگ

۴۳۲ھ میں امیر مودود اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے غزنی سے روانہ ہوا- امیر محمد مکحول نے اپنے چھوٹے بیٹے نامی کو ایک زبردست فوج کا افسر اعلیٰ اور ملتان و پشاور کا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے مودود کے مقابلے پر روانہ کیا۔ امیر محمد اور امیر مودود یعنی چچا بھتیجوں کے لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوئے۔ فریقین نے اپنی اپنی کامیابی کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ امیر محمد کی کوششیں بے کار گئیں اور امیر مودود کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ اندھا (امیر محمد) اپنے بیٹوں اور فساد کے بانی امیروں (یعنی توشتگین بلخی' ابو علی خویشاوند اور سلیمان بن یوسف وغیرہ) کے ہمراہ گرفتار ہوا- مودود کے کار پردازوں نے امیر محمد مکحول کے بیٹے عبد الرحیم کے علاوہ اور باقی سب کو قتل کر دیا۔
عبد الرحیم کو قتل نہ کرنے کی وجہ مورخین نے یہ بیان کی ہے کہ امیر مسعود نے عہد اسیری میں ایک روز عبد الرحیم اپنے بھائی عبد الرحمن کے ساتھ امیر مسعود کو دیکھنے کے لیے قید خانے میں گیا۔ عبد الرحمٰن نے امیر مسعود کو دیکھتے ہی یہ جملہ کسا کہ "اب یہ سر تاج شاہی کے قابل نہیں رہا۔" اور پھر مسعود کے سر سے ٹوپی اتار لی عبد الرحیم نے اپنے بھائی کو اس حرکت ناشائستہ پر بہت ڈانٹا اور اس کے ہاتھ سے ٹوپی چھین کر پھر اپنے چچا کے سر پر رکھ دی اسی وجہ سے عبد الرحیم نے موت سے نجات پائی تھی۔

بنائے فتح آباد

جب مودود اپنے باپ کے قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تو اس نے اس مقام پر جہاں اسے کامیابی نصیب ہوئی تھی' ایک شہر آباد کیا۔ اور ایک سرائے تعمیر کی اور اس شہر کا نام "فتح آباد" رکھا۔ مودود نے اپنے بھائیوں اور باپ کی لاش کی بابت حکم دیا کہ گیری سے غزنی لائی جائے اور وہ خود بھی جلد از جلد غزنی پہنچ گیا۔

غزنی پہنچ کر مودود نے ابو نصر احمد کو اپنا وزیر مقرر کیا اور پھر ۴۳۳ھ میں طاہر بن محمد کو اپنا وزیر بنایا۔ مودود نے اپنے ایک قابل اعتماد

محمد کا یہ بیٹا بھی نذر اجل ہو گیا۔ نامی کے انتقال کے بعد مودود کے چھوٹے بھائی مجدود بن مسعود کے سوا سلطنت کا کوئی اور مدعی باقی نہ رہا۔

جنگ مودود و مجدود کی تیاری

جب سے امیر مسعود کا قتل ہوا تھا مجدود نے ملتان کی سکونت ترک کر دی تھی اس نے لاہور پہنچ کر ایاز کے خاص مشورے اور مدد سے دریائے سندھ سے لے کر تھانیسر اور ہانسی تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور بڑی قوت حاصل کر لی تھی۔ مودود کو مجدود کی اس روز افزوں قوت سے خطرہ تھا لہٰذا اس نے مجدود کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی سال مودود نے ایک عظیم الشان لشکر مجدود پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ مجدود ان دنوں ہانسی میں اس غرض سے مقیم تھا کہ دہلی کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے تاکہ اس کی حکومت پائیدار اور مستقل ہو جائے۔ اسے جب مودود کی فوج کی آمد کی خبر ملی تو اس نے بھی ایک زبردست لشکر تیار کیا اور مقابلے کے لیے ہانسی سے روانہ ہوا اور اس سے پہلے کہ مودود کا لشکر لاہور کے قلعے پر قابض ہوتا مجدود ذوالحجہ کی چھ (۶) تاریخ کو لاہور پہنچ گیا۔

مجدود کے لشکر کی کثرت دیکھ کر مودود کی فوج میں بڑی گھبراہٹ پھیل گئی عین ممکن تھا کہ یہ گھبراہٹ اس حد تک بڑھ جاتی کہ مودود کی فوج میں انتشار پیدا ہو جاتا اور اس کے افسر اور امراء مجدود کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لیتے کہ دفعتاً قسمت نے پانسہ ہی پلٹ دیا اور عید الاضحیٰ کی صبح کو مجدود اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ مجدود کی اس ناگہانی موت کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہ ہو سکا اور سوائے دست قضا کے کوئی دنیاوی ہاتھ اس فعل کا مرتکب نظر نہ آیا۔ مجدود کے انتقال کے تھوڑے دنوں بعد ایاز نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح مجدود کے تمام مقبوضات بغیر کسی روک ٹوک کے مودود کے قبضے میں آ گئے۔ مودود کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی کہ اس سے خوفزدہ ہو کر ماوراء النہر کے حکمرانوں نے بھی مودود کی اطاعت قبول کر لی۔ باوجود اس کے کہ مودود کی قوت اور حکومت نے بہت ترقی کی' لیکن سلجوقیوں نے اپنی روش سے سرمو انحراف نہ کیا۔ مودود نے اس قوم سے بھائی چارہ پیدا کرنے کی بہت کوشش کی یہاں تک کہ ان کے سردار جعفر بیگ کی لڑکی سے شادی بھی کی' لیکن یہ ہنگامہ پرور طبقہ ہمیشہ مودود کی مخالفت کرتا رہا۔

ہانسی' تھانیسر اور نگرکوٹ پر ہندوؤں کا قبضہ

۴۳۵ھ میں دہلی اور ہندوستان کے دوسرے مقامات کے ہندو راجاؤں نے آپس میں مل کر ہانسی اور تھانیسر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور ان مقامات سے غزنوی سرداروں کو نکال کر ہندوؤں کا لشکر نگرکوٹ کی طرف روانہ ہوا۔ نگرکوٹ پہنچ کر ہندوؤں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ چار ماہ تک مسلسل جاری رہا۔ اس دوران میں مسلمانوں نے بارہا لاہور سے مدد طلب کی' لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے اور کچھ ایسی مجبوریاں سد راہ ہوئیں کہ انہیں لاہور سے کوئی مدد نہ مل سکی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ محاصرے کی شدت اور سامان خورد ونوش کی کمی کی وجہ سے مسلمانوں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں اور یوں نگرکوٹ پر بھی تھانیسر اور ہانسی کی طرح ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا۔ ہندوؤں نے نگرکوٹ کو دوبارہ بت پرستوں کا مقدس مقام بنایا اور شہر میں جگہ جگہ نئے بت لگا کر بت پرستی کو نئے سرے سے رواج دیا۔

نگرکوٹ میں بت پرستی کے مروج ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ جب دلی کے راجہ نے یہ دیکھا کہ غزنوی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں اور حکومت میں تنزل اور پستی کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں تو اس نے ایک متعصب برہمن کے مشورے سے یہ چال چلی کہ ایک روز صبح کے وقت اپنے تمام امیروں وزیروں کو جمع کر کے ان سے کہا۔ "کل خواب میں نگرکوٹ کے بت نے مجھے ایک ہدایت دی ہے' میں چاہتا ہوں کہ وہ میں تمہیں بھی بتا دوں۔ ہمارے معبود نے یہ فرمایا ہے کہ اب تک تو میں غزنی میں رہتا تھا' وہاں رہنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کروں اور غزنوی سلطنت کو کمزور کر دوں' میں اپنا مقصد پورا کر چکا ہوں اور اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے

مرکز پر واپس آ جاؤں اور اپنے پرستاروں کو پرستان خدا پر غالب کر دوں میرے بندوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس سمجھیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں جان کی بازی لگا دیں۔ میری مدد پر بھروسا کریں اور تمام ملکوں کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیں۔"

راجہ کی اس تقریر نے حاضرین کے دل پر بہت اثر کیا اور سبھوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا پکا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے عیش و طرب کا جشن بھی منعقد کیا اور ہندوؤں نے اس دن کو ایک بہت بڑے تیوہار کی طرح ہنسی خوشی بسر کیا۔ راجہ دہلی نے جب اپنی رعیت کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو اس نے ایک نئی چال چلی۔ اس نے فوراً چند قابل اعتبار سنگتراشوں کو بلایا اور انہیں ایک ایسا بت بنانے کی ہدایت کی جو ہو بہو نگرکوٹ کے بت سے ملتا ہو۔ سنگتراشوں نے اپنا کام شروع کر دیا اور جلد ہی ایک بت تیار کر لیا جو شکل و صورت کے لحاظ سے نگرکوٹ کے بت سے ملتا جلتا تھا۔ دہلی کا راجہ اس بت کو ساتھ لے کر دوسرے ہندو راجاؤں کے ساتھ ہانسی اور تھانیسر کی فتح کے بعد نگرکوٹ پہنچا اور قلعے کے ایک طرف مقیم ہو گیا اسی دن رات کے وقت راجہ نے اپنے مشیر اور چالاک برہمن کے حوالہ وہ بت کیا اور اس سے کہا کہ اسے باغ میں کسی مناسب جگہ پر نصب کر دو۔ اس برہمن نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور اس نوتراشیدہ بت کو باغ میں ایک ایسی جگہ نصب کر دیا کہ جہاں ہر آنے والے کی نظر پڑتی تھی اور خود لوگوں کی نظریں بچا کر واپس آ گیا صبح ہی صبح جب مالی اس باغ میں اپنا کام کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے بت کو دیکھا۔ چونکہ یہ مالی نگرکوٹ کے بت سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے "کہ بت واپس آ گیا ہے"۔ ان سبھوں کو اس کی بے انتہا خوشی ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے گلے مل مل کر اور نعرے لگا لگا کر اس خوشی کا اظہار کیا۔ مالیوں نے اس واقعے کی خبر ہندوؤں کی فوج تک پہنچائی۔ سپاہیوں کو اس خبر سے بے انتہا خوشی ہوئی اور انہوں نے خوشی کے نعرے لگا لگا کر آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔

جب راجہ دہلی نے دیکھا کہ اس کے سیدھے سادھے سپاہی اس کے دھوکے میں آ گئے ہیں تو (ان کے یقین کو اور بھی مستحکم کرنے کے لیے) وہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور معزز امراء کو ساتھ لے کر ننگے پاؤں باغ کی طرف دوڑتا ہوا آیا۔ باغ میں پہنچ کر راجہ نے بڑے والہانہ انداز سے اپنا سر بت کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اور اپنے عقیدے اور بساط کے مطابق نذر چڑھا کر باغ سے باہر آیا۔ اس نے باہر آ کر اپنی رعیت سے کہا۔ "چونکہ ہمارا معبود غزنی سے ہندوستان تک کا سفر ایک ہی رات میں طے کر کے آیا ہے اس لیے سفر کی تکان کی وجہ سے وہ چور چور ہے لہٰذا آج تو وہ تمام دن آرام کرے گا اور کل اپنے تمام پرستاروں کو شرف باریابی عطا کرے گا۔" سارے لوگوں نے راجہ کی اس بات کا یقین کیا اور حسب استطاعت نذر چڑھا کر اور منتیں مانگ کر اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف لوٹے، دوسرے دن تمام ہندو سپاہی اور عام لوگ اپنے معبود کی سرکار میں پہنچے اور انہوں نے اس بت پر اس قدر سونا چاندی اور جواہرات چڑھائے کہ غالباً محمود کی روح بے چین ہو کر غزنی سے ہندوستان کی طرف آ گئی ہو گی۔ راجہ دہلی کا وہ چالاک برہمن مشیر بت کے پاس کھڑا رہا جو شخص بھی نذر چڑھانے کے لیے بت کے پاس آتا یہ برہمن اس کے کان میں کہتا۔ تمہارے معبود کا یہ حکم ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے قلعے سے مسلمانوں کو باہر نکال دو کیونکہ یہ تمہارے دیوتا کی قیام گاہ ہے اور اسے دوبارہ اپنے معبود کی قیام گاہ بنا دو۔" ہندوؤں میں سے ہر شخص نے اس حکم کو سن کر یہ اقرار کیا کہ وہ قلعے کو خدا پرستوں کے قبضے سے نکالنے کی پوری پوری کوشش کرے گا اور مسلمانوں سے جی توڑ کر لڑے گا۔ اس کے بعد تمام ہندو سپاہیوں نے آپس میں مل کر پوری شدت کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اور جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں نے محاصرے کی سختیاں جھیل کر اور فاقہ کشی کر کر کے بالآخر لاہور کی مدد سے مایوس ہو کر قلعے کو ہندوؤں کے حوالے کر دیا اور خود لاہور روانہ ہو گئے۔

مسلمانوں کی روانگی کے بعد راجہ دہلی نے سلطان محمود کے ڈھائے ہوئے مندر کو مرمت کروایا اور اس بت کو اس اصل جگہ پر نصب

مسرور اور فرحاں ہو ہو کر نگرکوٹ کی طرف زیارت کے لیے آنے لگے۔ اس بار نگرکوٹ میں ہندوؤں کا بہت بڑا اجتماع ہوا اور اس نئے بت کی اتنی پوجا ہوئی کہ پہلے اصل بت کی بھی کبھی نہ ہوئی تھی۔ ہندوؤں کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی بڑا اور اہم کام شروع کرتے ہیں تو اس بت سے ضرور مشورہ لیتے ہیں۔ اگر بت اجازت دیتا ہے تو اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتے ہیں ورنہ چپ ہو رہتے ہیں۔ اس زمانے میں نگرکوٹ کے قرب و جوار کے بعض جاہل مسلمان بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اس بت کو نذریں چڑھاتے ہیں اور یہ جھوٹے خدا پرست بھی اس بے حس و حرکت پتھر کو آرزوئیں اور مرادیں بر آنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

لاہور پر ہندوؤں کا حملہ

متذکرہ بالا واقعات کے ساتھ ساتھ پنجاب کے ان ہندو راجاؤں نے بھی جو مسلمانوں کے خوف سے جنگل میں جا چھپے تھے' فائدہ اٹھایا۔ تین بہت بڑے اور زبردست راجہ اتفاق باہمی سے دس ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں کو ہمراہ لے کر لاہور کی طرف بڑھے۔ لاہور پہنچ کر ان راجاؤں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں اور مسلمان جاگیردار اور امراء مودود کی اطاعت سے منہ موڑ کر آپس میں لڑ رہے تھے جب ہندوؤں نے لاہور کا محاصرہ کیا تو پھر ان سوئے ہوئے مسلمان امراء کی آنکھیں کھلیں۔ ان مسلمانوں نے مصلحت وقت کا خیال کرتے ہوئے آپس میں مل کر ایک متحدہ لشکر تیار کیا اور امیر مودود کی اطاعت کا اقرار کر کے ہندوؤں سے معرکہ آراء ہونے کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کا باہمی اتفاق دیکھا اور ان کے لشکر کی کثرت کا اندازہ کیا تو وہ بدحواس ہو کر بغیر جنگ کرنے کے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔

ترکمانیوں سے معرکے

۴۳۴ھ میں امیر مودود نے ارتگین حاجب کو طخارستان (شمال مشرق خراسان کا ایک علاقہ) کی طرف روانہ کیا۔ جب ارتگین وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ داؤد ترکمانی کا بیٹا ارمن تک آ چکا ہے یہ سنتے ہی ارتگین نے ترکمانیوں پر حملہ کر دیا۔ ترکمانی فوج کے سردار کو جب یہ معلوم ہوا کہ غزنی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے آ رہا ہے تو اس نے ڈر کے مارے اپنی فوج کو تو میدان ہی میں چھوڑا اور خود ایک جنگل کی راہ لی۔ ارتگین ارمن پہنچا اور وہاں اس نے ترکمانیوں کی فوج پر حملہ کر کے انہیں شکست دی اور جی بھر کر قتل کیا یہاں سے ارتگین بلخ پہنچا بلخ کو بھی اس نے فتح کر لیا اور وہ امیر مودود کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر کے آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ ترکمانیوں کا لشکر اچانک طور پر اس کے مقابلے کے لیے بلخ کے قریب پہنچ گیا۔ ارتگین نے یہ محسوس کیا اس میں ترکمانیوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے امیر مودود سے مدد کی درخواست کی۔ مودود نے ارتگین کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی لہٰذا مجبور ہو کر ارتگین بلخ سے نکل پڑا اور پنجہر کابل ہوتا ہوا غزنی واپس آ گیا۔

چند مفسدوں اور چغل خوروں سے متاثر ہو کر ۴۳۵ء میں امیر مودود نے غزنی کے کوتوال ابو علی کو قید کر دیا' لیکن بعد میں جب اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو مودود نے اسے رہا کر کے دوبارہ دیوان مملکت اور کوتوال غزنی مقرر کیا۔ مودود نے امام علی رضاؒ کے مزار کے خادم سوری بن المعتز کو بھی قید میں ڈال دیا وہ اس زمانے میں دیوان بھی تھا' سوری نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔ چغل خوروں نے مودود کو ارتگین حاجب کی طرف سے بھی بدگمان کر دیا تھا لہٰذا مودود نے اپنے سامنے ارتگین کو قتل کروا دیا۔ اسی سال ترکمانیوں نے غزنی کو فتح کرنے کا خیال کیا۔ اس سلسلے میں ان کی ایک فوج بست کے قریب مقیم ہو گئی۔ مودود نے اس فوج کو شکست دینے کے لیے اپنا ایک لشکر روانہ کیا۔ ترکمانیوں کو شکست ہوئی اور وہ ادھر ادھر بھاگ نکلے۔

خواجہ طاہر وزیر کا انتقال ۴۳۶ھ میں ہوا اور اس جگہ خواجہ ابو الفتح عبدالرزاق بن احمد بن حسن میمندی کا تقرر عمل میں آیا۔ اسی سال مودود نے طغرل حاجب کو بست کی طرف روانہ کیا۔ طغرل نے سیستان پہنچ کر ابوالفضل کے بھائی اور ابوالمنصور زنگی کو قید کر لیا اور

ان دونوں قیدیوں کو اپنے ہمراہ لے کر غزنی واپس آیا۔

سلجوقیوں نے پھر ۴۳۷ھ میں غزنی کی طرف پیش قدمی کی اور بست سے گزر کر رباط امیر تک آ پہنچے اور اس علاقے کو تباہ و برباد کر دیا۔ غزنی سے طغرل ایک عظیم الشان فوج لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور بہت جلد ان تک جا پہنچا۔ فریقین ایک دوسرے سے معرکہ آراء ہوئے زبردست جنگ ہوئی۔ غزنوی فوج کو فتح ہوئی اور ترکمانی شکست کھا کر فرار ہو گئے اس کے بعد طغرل نے گرم سیر قندھار (جنوب مغربی افغانستان کا ایک ضلع) کا رخ کیا اور اس علاقے کے ترکمانیوں کو جو "سرخ کلاہ" کے نام سے مشہور تھے قتل اور گرفتار کر کے کامیاب و کامران غزنی واپس آیا۔

طغرل کی سرکشی

امیر مودود نے ۴۳۸ھ میں طغرل کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ تکیاباد روانہ کیا' وہاں پہنچ کر طغرل کے سر میں خود مختاری کا سودا سمایا اور وہ مودود کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ مودود کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے چند قابل اعتبار آدمیوں کو طغرل کے پاس بھیجا اور اس کی تالیف قلب کی کوشش کی اسے اپنے روبرو طلب کیا۔ طغرل نے جواب دیا۔ "امیر مودود کے درباری چونکہ اس وقت میرے دشمن ہو رہے ہیں اور میرے خون کے پیاسے ہیں اس لیے میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔" یہ جواب پا کر امیر مودود نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر علی بن خادم ربیع کی نگرانی میں روانہ کیا۔ علی بن ربیع فوراً طغرل کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے آنے سے طغرل بہت پریشان ہوا اور اپنے لشکر کو وہیں چھوڑ کر چند مصاحبوں کے ہمراہ فرار ہو گیا۔ علی بن ربیع نے طغرل کی فوج پر حملہ کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لایا۔

غور پر حملہ

اسی سال امیر مودود نے امیر باسگین حاجب بزرگ کو غور روانہ کیا۔ جب باسگین غور کے قریب پہنچا تو وہ ولدیچی غوری کو اپنے ساتھ لیتا ہوا قلعہ ابو علی کی طرف بڑھا۔ باسگین نے اس قلعے کو فتح کیا اور والیے قلعہ یعنی غوریوں کے سردار ابو علی کو گرفتار کر لیا۔ یہ قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ باسگین سے سات سو سال پہلے کے زمانے سے اس کو کوئی تسخیر نہ کر سکا تھا۔ باسگین نے ولدیچی اور ابو علی کی گردنوں میں گرفتاری کا طوق ڈالا اور ان دونوں کو اپنے ساتھ غزنی لے آیا۔ مودود نے ان دونوں باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قزدار بہرام کی سرزنش

غور پر لشکر کشی کے بعد امیر مودود نے اسی سال باسگین کو ترکمانیوں کے سردار بہرام نیال کے مقابلے پر روانہ کیا۔ بست کے پاس دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا باسگین کو فتح نصیب ہوئی اور ترکمانی شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

امیر قزدار نے ۴۳۹ھ میں علم سرکشی بلند کیا۔ باسگین فوراً اس کے پاس جا پہنچا اور جنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں باغیوں کو شکست فاش ہوئی۔ قزدار نے کچھ دنوں بعد امیر مودود کی اطاعت کا اقرار اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس پر باسگین نے قزدار سے صلح کر لی اور غزنی واپس آ گیا۔

امیر مودود نے ۴۴۰ھ میں اپنے دونوں بڑے بیٹوں ابوالقاسم محمود اور منصور کو ایک ہی دن خلعت سے سرفراز کر کے طبل و علم عطا کیا۔ محمود کو لاہور اور منصور کو برشور (دریائے سندھ اور قندھار کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا گیا۔ مودود نے کوتوال غزنی ابو علی کو بھی فوج کا سالار بنایا اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہندوستان روانہ کیا۔ ابو علی نے پشاور پہنچ کر ماہ تیلہ کے قلعے کا رخ کیا تو اس قلعے کا باغی حاکم خوفزدہ ہو کر تنہا فرار ہو گیا۔ ابو علی نے قلعے پر قبضہ کر لیا بعد ازاں بیجی رائے کو اس نے بلا بھیجا بیجی رائے ہندوؤں کا سردار تھا۔ اور محمود

کشمیر میں زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ ابو علی نے بھیجی رائے سے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اسے امیر مودود کے پاس روانہ کر دیا۔ مودود نے اس بوڑھے سپہ سالار کی سابقہ خدمات کا پاس کرتے ہوئے اس پر بڑی عنایت کی اور موت کے خوف کو اس کے دل سے نکال کر اسے بالکل مطمئن کر دیا۔

ابو علی کا قتل

جس زمانے میں ابو علی سندھ میں کوتوال تھا' اس وقت اس کے دشمنوں نے موقع پا کر مودود کو اس کے خلاف اکسایا۔ مودود نے ابو علی کا خود مختار اور آزاد رہنا مناسب نہ سمجھا اور جب ابو علی بہت سا مال و اسباب اور دولت لے کر غزنی واپس آیا تو مودود اس سے بے حد ناراض تھا۔ اس وجہ سے اس نے ابو علی کو گرفتار کر کے میرک بن حسین وکیل کے حوالے کر دیا۔ قید کے چوتھے روز ابو علی کو اس کے دشمنوں نے تہہ تیغ کر دیا۔ جن لوگوں نے ابو علی کو قتل کیا تھا انہوں نے اپنے اس فعل کو مودود سے چھپانے کی بہت کوشش کی کیونکہ انہوں نے مودود کے حکم کے بغیر ایسا کیا تھا۔ یہ قاتل مودود کو سفر کی ترغیب دیتے رہے اس ترغیب سے ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ مودود سفر کی مشغولیات میں مصروف ہو کر ابو علی کو بھول جائے۔ آخرکار یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور امیر مودود کابل کی طرف روانہ ہوا۔

مودود کی وفات

کابل پہنچنے کے بعد مودود نے خراسان جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں ترکمانیوں کا قلع قمع کرے اور اس ملک کو ان کے قبضے سے نکالے۔ اس ارادے کے پیش نظر مودود آگے بڑھا جب وہ سجاوند اور لہوکردہ کے قرب و جوار میں پہنچا تو اس نے سانکوت کے قلعے کا رخ کیا کہ اسے بھی فتح کرتا چلے۔ وہاں پہنچ کر مودود مرض قولنج کا شکار ہوا' بیماری روز بروز بڑھتی چلی گئی' اس وجہ سے اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کیا اور امیر عبد الرزاق کو سلجوقیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے سیستان روانہ کر کے خود عماری میں بیٹھ کر غزنی واپس ہوا۔ غزنی پہنچ کر اس نے میرک وکیل کو حکم دیا کہ ابو علی کو قید خانے سے رہا کر کے اس کے سامنے پیش کرے۔ میرک وکیل نے عیاری سے کام لیتے ہوئے ایک ہفتے کی مہلت طلب کی لیکن یہ ہفتہ گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ ۲۴ رجب ۴۴۱ھ کو مودود کا انتقال ہو گیا۔ مودود نے نو سال تک حکمرانی کی بعض مورخین کا بیان ہے کہ جس سال مودود کا انتقال ہوا اسی سال ماوراء النہر اور بامیہ کے تمام سرداروں نے آپس میں طے کیا تھا کہ اپنی دولت اور لشکر سے مودود کی مدد کر کے خراسان کو سلجوقیوں کی شورشوں سے پاک کر دیں گے' لیکن چونکہ سلجوقیوں کا ستارہ قسمت بلندی پر تھا اس لیے یہ سردار اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابو جعفر مسعود بن مودود

علی بن ربیع ایک مدت سے حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا جب مودود نے وفات پائی تو اس نے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود کو تخت پر بٹھا دیا۔ باتگین حاجب نے جو سلطان محمود کے امراء میں سے تھا اس جانشینی کو ناپسند کیا اور علی بن ربیع سے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ باتگین اور علی بن ربیع میں جنگ ٹھن گئی۔ غزنی کے قریب سبھی لوگ مسلح ہو کر باتگین کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اس زمانے میں سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے بیٹوں میں صرف ابو الحسن ہی غزنی میں تھا۔ علی بن ربیع نے یہ سوچ کر کہ ابوالحسن ہی اس کے نو عمر آقا (ابو جعفر مسعود بن مودود) کا دشمن بن کر اس کی (علی بن ربیع) کی بنائی ہوئی حکومت کو تہہ و بالا کر سکتا ہے۔ ابوالحسن کو تباہ و برباد کرنے کا پروگرام بنایا' ابوالحسن کو فوراً علی بن ربیع کے اس ارادے کی خبر ہو گئی اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے باتگین کے پاس پناہ لی۔ ابوالحسن کے پہنچتے ہی باتگین نے تمام اراکین سلطنت کے مشورے سے مسعود بن مودود کو پانچ یا چھ دن کی حکمرانی کے بعد تخت سے اتار دیا۔ اور اس کے چچا یعنی ابو الحسن بن مسعود کو سلطنت غزنی کا حکمران تسلیم کر لیا۔

ابوالحسن علی بن مسعود

یکم شعبان بروز جمعہ ۴۴۱ھ میں ابوالحسن بن مسعود نے غزنی کی عنان حکومت سنبھالی اور دختر جعفر بیگ سے جو مودود کے نکاح میں تھی' شادی کر لی۔ علی بن ربیع نے جب دیکھا کہ مسعود بن مودود کو تخت سے اتار دیا گیا ہے تو اس نے اپنی جان کو محفوظ نہ پا کر' میرک و لیل کے مشورے سے' جس قدر زر و جواہر سمیٹ سکا سمیٹ کر اپنے غلاموں کے ساتھ پشاور کی طرف فرار ہو گیا۔ پشاور پہنچ کر اس نے ملتان اور سندھ کے علاقے تک اپنا قبضہ کر لیا اور باغی افغانوں کو شکست دے کر خود مختار حکومت قائم کر لی۔ ابوالحسن نے اپنے دونوں بھائیوں مردان شاہ اور ایزد شاہ کو جو نائی کے قلعے میں قید تھے' بڑی عزت و حرمت سے رہا کیا اور انہیں اپنے پاس غزنی میں رکھا۔ اس وقت عبد الرشید بن محمود غزنوی کے خروج کی خبریں برابر غزنی میں آ رہی تھیں۔ اور ابوالحسن کو ہر وقت اپنی جان اور حکومت کا خطرہ تھا اس لیے اس نے اپنے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور رعایا اور سپاہیوں پر لطف و کرم کی بارش کر دی' لیکن قسمت نے ابوالحسن کا ساتھ نہ دیا اور باوجود اس کی سخاوت کے سال کے خاتمے پر عبدالرشید غزنی میں آ گیا اور ابوالحسن کو شکست دے کر وہ خود حکمران بن بیٹھا۔ کچھ عرصے تک عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا رہا' ابوالحسن نے دو سال تک حکومت کرنے کے بعد فقیری اختیار کر لی۔

سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی

عبدالرشید کا باپ کون تھا؟ اس سلسلے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا صلبی بیٹا تھا۔ امیر مودود کے حسب الحکم عبد الرشید اس قلعے میں قید تھا جو بست اور اسفرائن کے درمیان واقع ہے۔ عبدالرزاق بن احمد حسن میمندی نے اثنائے راہ میں امیر مودود کی وفات کی خبر سنی۔ میمندی نے اسی وقت سیستان کی مہم کو ملتوی کیا اور تکیاباد کی راہ لی۔ وہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد ۴۴۳ھ کے آخر میں میمندی نے خواجہ ابوالفضل' رشید بن التونتاش اور توشگین وغیرہ کے مشورے سے اور امیر مودود کی وصیت کے مطابق عبد الرشید کو قید خانے سے نکال کر سلطنت غزنی کا وارث تسلیم کر لیا۔ یہاں سے میمندی نے عبد الرشید اور دوسرے امراء وغیرہ کو ساتھ لے کر غزنی کا سفر اختیار کیا۔

ابوالحسن نے جب عبدالرشید کی آمد کی خبر سنی تو وہ اس قدر بدحواس اور خوف زدہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی کے تاج و تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ عبد الرشید نے میدان خالی پایا اور کسی روک ٹوک کے بغیر تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور حکمرانی کرنے لگا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عبد الرشید نے ابوالحسن کو گرفتار کیا اور اسے "وندی رو" کے قلعے میں قید کر دیا۔ اس کے بعد اس نے علی بن ربیع کو (جس نے ہندوستان پر پوری طرح قبضہ کر لیا تھا اور کسی وجہ سے غزنوی بادشاہوں کے سامنے آنا پسند نہ کرتا تھا) اپنے پاس بلا کر اپنی طرف سے اطمینان دلایا۔ ابن ربیع کے معاملے کو اس خوش اسلوبی سے نباہ کر رشید نے ہندوستان کی طرف توجہ کی اور توشگین کو سپہ سالار بنا کر ایک زبردست لشکر کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔

عبدالرشید کا قتل

توشگین نے لاہور پہنچ کر نگرکوٹ کے قلعے کی طرف رخ کیا۔ پانچ چھ روز کے محاصرے کے بعد اسے فتح کر کے پھر سے اسلامی سلطنت کا جزو بنا لیا۔ توشگین کو لاہور بھیجنے کے بعد مودود نے اپنے برادر نسبتی طغرل حاجب کو بھی ایک بہت بڑی فوج کا سردار بنا کر سیستان روانہ کیا۔ اس نے سیستان پہنچ کر اس علاقے کو پوری طرح فتح کر لیا اور یہاں ایسے قدم جمائے کہ حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نمک حرام کی اس حد تک ہمت بڑھی کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ کر دیا۔ عبدالرشید کو جب طغرل کی آمد کی خبر ملی تو وہ مجبوراً قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ طغرل نے اس قلعے کو تسخیر کر لیا اور عبدالرشید کے علاوہ غزنوی خاندان کے دوسرے نو (۹) افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔

طغرل حاجب کی بادشاہت

طغرل غزنوی تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا اور اس نے امیر مسعود کی لڑکی سے شادی کر لی۔ ان تمام نمک حرامیوں کی وجہ سے اسے تاریخ میں "طغرل کافر نعمت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ طغرل نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد توشگین کرخی کو (جو عبد الرشید کے حکم سے پشاور میں مقیم تھا۔) ایک محبت آمیز خط لکھ کر اسے اپنے بہی خواہوں میں شریک کرنے کی چال چلی' لیکن توشگین نے وفاداری کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور طغرل کو اس کے خط کے جواب میں سخت سست کہا اور اس کی نمک حرامی پر اسے بہت لعنت ملامت کی۔ طغرل کو اس کے خط کا جواب دینے کے بعد توشگین نے ایک خفیہ خط مسعود کی بیٹی کے نام لکھا اور اسے طغرل کو قتل کرنے پر اکسایا۔ دختر مسعود کے علاوہ توشگین نے غزنوی خاندان کے پروردہ و پرداختہ امراء کو بھی خطوط بھیجے اور ان کی خاموشی پر لعنت ملامت کر

کے ان کے ضمیر کو بیدار کیا۔ توشتگین کے خطوط ملتے ہی تمام امراء کی رگوں میں شرافت کا لہو کھولنے لگا۔ اور سبھوں نے آپس میں مل کر طغرل کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

طغرل کا قتل

نو روز کے دن طغرل دربار عام منعقد کر کے سلطان محمود کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ ان امراء نے (جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے) موقع پا کر ایک دم اسے قتل کر دیا طغرل کے قتل کے بعد توشتگین بھی غزنی آگیا اور اس نے تمام امراء اور دوسرے معزز لوگوں سے مل کر فیصلہ کیا کہ امیر سبکتگین کی اولاد کا سراغ لگانا چاہیے اور ان میں سے جو قابل اور بہترین شخص ہو اسے بادشاہ تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس فیصلے کے مطابق سبکتگین کی اولاد کے باقی ماندہ افراد کی تلاش شروع ہوئی۔ بڑی دقتوں اور مشکلوں کے بعد تین شہزادے ملے شاہزادہ فرخ زاد' شہزادہ ابراہیم شاہ اور شاہ شجاع یہ تینوں مختلف ممالک میں اسیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے ان میں سے بادشاہت کے لیے شاہزادہ فرخ زاد کو منتخب کیا گیا۔ تمام اراکین سلطنت نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس کی اطاعت گزاری کا عہد کیا۔

''طبقات ناصری'' میں تحریر ہے کہ کسی نے طغرل سے سوال کیا ''امارت کو چھوڑ کر تجھے بادشاہت کا خبط کیوں کر ہوا۔'' طغرل نے جواب دیا۔ ''جب عبدالرشید نے مجھے سیستان کی مہم پر روانہ کیا اس وقت اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مجھ سے وفاداری کا عہد لیا اس وقت میں نے دیکھا کہ بادشاہ کا سارا بدن خوف کی وجہ سے کانپ رہا ہے۔ اسے اس عالم میں دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا ڈرپوک شخص بادشاہت کے قابل نہیں ہے اور اسی وجہ سے میں نے بادشاہت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے ارادے میں کامیاب و کامران ہوا۔ عبدالرشید نے ایک سال سے کچھ کم عرصے تک بادشاہت کی۔

فرخ زاد بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی

سلطان فرخ زاد نے جب سلطنت غزنی کے تخت پر قدم رکھا تو حکومت کی باگ ڈور تو شگین کرخی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ داؤد سلجوقی نے جب غزنی کے اس زبردست انقلاب کی خبر سنی تو اس نے غزنی پر حملہ کر دیا۔ تو شگین نے غزنی کے بہادر سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کیا اور داؤد سلجوقی کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ فریقین ایک دوسرے کے سامنے آئے اور لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کے لیے جی توڑ کر کوششیں کیں۔ صبح سویرے سے لے کر شام کے وقت تک دونوں طرف سے لشکری بڑی بری طرح لڑتے رہے۔ سبھی کے ذہنوں پر اپنے حریف کو ختم کرنے کا خیال مسلط تھا۔ اس کے علاوہ انہیں کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ متواتر لڑائی کے باوجود طرفین میں سے کسی نے کسی قسم کی کوئی کمی ظاہر نہ کی' لیکن بارہ گھنٹے کی جان سوز معرکہ آرائی کے بعد سلجوقیوں کی ہمت جواب دیتی ہوئی نظر آئی اور میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑنے لگے۔

اپنے لشکریوں کو بدحواس و پریشان دیکھ کر سلجوقیوں کا سردار داؤد بھی ہمت ہار بیٹھا اور آخر کار مجبور ہو کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ تو شگین کرخی نے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر تھوڑی دور تک مفرور سلجوقیوں کا پیچھا کیا اور ان کے مال و اسباب اور باربرداری کے جانوروں کو قبضے میں کر کے وہ کامیاب و کامران شہر میں داخل ہوا۔ اس فتح سے حکومت غزنی کو بہت استقامت ملی اور اس کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوئیں۔ اس کے بعد غزنوی فوج بڑی شان و شوکت کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہوئی۔

اس زمانے میں خراسان پر کلیسارق نامی شخص حکومت کر رہا تھا۔ وہ سلجوقیوں کا مطیع و فرمانبردار اور ان ہی کا آدمی تھا۔ کلیسارق نے جب غزنوی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھی ایک زبردست فوج تیار کر کے اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ غزنوی لشکر سے اس کا سامنا ہو گیا۔ دونوں اطراف کے سپاہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور لڑائی کا بازار گرم ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ فریقین نے بڑی ہمت و جوان مردی کا ثبوت دیا اور ایک دوسرے کے خلاف بڑی جان بازی اور دلیری کے ساتھ لڑے۔ دونوں نے اس خوبی کے ساتھ معرکہ آرائی کی کہ اس کا ذکر حد بیان سے باہر ہے۔

اس معرکہ آرائی کا نتیجہ بھی غزنویوں کے حق میں رہا اور انہیں فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ کلیسارق مع اپنے نامی گرامی ساتھیوں کے غزنویوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ داؤد سلجوقی نے جب اپنے سپہ سالار کلیسارق کی گرفتاری اور سلجوقی لشکر کی شکست کی خبر سنی تو اس نے اپنے بیٹے الپ ارسلان کو فرخ زاد سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

تو شگین کرخی نے اپنا لشکر تیار کیا اور الپ ارسلان کے مقابلے پر آیا۔ (اس مرتبہ بھی فریقین میں زبردست جنگ ہوئی لیکن اس جنگ کا نتیجہ پہلے سے مختلف تھا یعنی) سلجوقیوں کو فتح نصیب ہوئی اور غزنویوں کو شکست غزنی فوج کے چند نامی گرامی امیر سلجوقیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ الپ ارسلان بڑی شان و شوکت اور کروفر کے ساتھ اپنے ملک میں واپس آیا۔ فرخ زاد نے جب اس معرکہ آرائی کے انجام کی خبر سنی تو اس نے کلیسارق اور دوسرے سلجوقی سرداروں کو (جنہیں پہلی جنگ میں غزنویوں نے گرفتار کیا تھا) گراں قدر اور اعلیٰ درجے کے خلعت پہنا کر آزاد کر دیا۔ سلجوقیوں کو جب فرخ زاد کی اس مہربانی اور انسانی ہمدردی کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس کے جواب میں غزنوی قیدیوں کو رہا کر دیا۔

فرخ زاد کا باپ کون تھا؟ اس بارے میں (ٹھیک ٹھیک کسی نے کچھ نہیں لکھا) "روضتہ الصفا" (مشہور تاریخی کتاب) میں بیان کیا گیا ہے

کہ فرخ زاد سلطان مسعود کا بیٹا تھا۔ احمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ سلطان عبدالرشید کا بیٹا تھا۔ فرخ زاد نے چھ سال تک غزنی کی باگ ڈور سنبھالی آخر عمر میں اسے قولنج کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اسی مرض کے سبب اس نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

فرخ زاد کی وفات سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے کہ اس کے غلاموں کی ایک باغی جماعت نے فرخ زاد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ایک دن فرخ حمام میں نہا رہا تھا کہ یہ باغی وہاں گھس گئے اور اس پر حملہ کر دیا۔ فرخ زاد نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور ان نمک حراموں کے مقابلے پر آ گیا۔ ان تمام غلاموں کے ساتھ فرخ زاد تن تنہا لڑتا رہا۔ اس نے اسی عالم میں کافی دیر تک حملہ آور گروہ کا مقابلہ کیا اور اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھائے اس دوران میں حمام کے باہر کھڑے ہوئے شاہی ملازموں کو اس سانحہ کی خبر ہو گئی یہ لوگ بھی شاہی حمام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے فوراً ان غلاموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بادشاہ کی جان بچائی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس واقعے کے بعد فرخ زاد ہمیشہ اپنی موت کو یاد کرتا رہتا تھا اور ہر وقت دنیا کی خواہش اور اس کی محبت سے بیزاری کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ فرخ زاد کے ابتدائی عہد حکومت میں وزارت کے منصب پر حسن بن مہران فائز رہا' لیکن آخری زمانے میں اس عہدے کے لیے ابوبکر بن صالح کا تقرر عمل میں آیا۔

ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی

سلطان فرخ زاد کے انتقال کے بعد اس کے بھائی ابراہیم بن مسعود نے عنان حکومت سنبھالی۔ سلطان ابراہیم بڑا متقی اور پرہیز گار انسان تھا اپنے عین شباب کے زمانے میں اس نے دنیاوی لذتوں کو ترک کر دیا تھا۔ رجب اور شعبان کے دونوں مہینوں میں رمضان کی طرح وہ روزے رکھتا تھا اور اس طرح تین ماہ اس کے لیے رمضان رہتا۔ یہ نوجوان صالح اپنے اس وقت کو جو امور سلطنت سے بچ رہتا خدا کی عبادت میں صرف کرتا۔ رعایا کی خبرگیری اور اس کی خوش حالی کی فکر اسے ہروقت رہتی تھی وہ ملک پر بڑے انصاف کے ساتھ حکومت کرتا اور غریبوں میں صدقے اور خیرات کی تقسیم کیا کرتا تھا۔

"جامع الحکایات" میں لکھا ہے کہ بادشاہی محل میں ہر سال ایک محفل وعظ و نصیحت ہوا کرتی تھی اور اس میں امام یوسف سجاوندیؒ اپنی تقریروں سے بادشاہ اور دیگر اہل محفل کے دل گرمایا کرتے تھے۔ سلطان امام یوسف سجاوندیؒ کے علم و فضل اور اتقا و پرہیز گاری کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ (اور ان کی ہربات کو خندہ پیشانی سے سنتا تھا یہی وجہ ہے کہ) امام ہر طرح کی بات سلطان سے بلاکسی جھجک اور خوف کے کہہ دیتے تھے۔ بلکہ اکثر اوقات تو سلطان کو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت الفاظ میں ٹوکا کرتے تھے۔ ان کے اس برتاؤ سے یہ حق پسند بادشاہ کبھی ملول یا آزردہ خاطر نہ ہوتا تھا۔

عادات و خصائل

سلطان ابراہیم خط نسخ میں بہت عمدہ لکھتا تھا۔ اپنے عہد حکومت کے تمام عرصے میں اس نے اپنا یہ شعار بنائے رکھا کہ ہر سال ایک قرآن اپنے قلم سے لکھ کر مکہ معظمہ ارسال کیا کرتا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ سلطان موصوف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے بعض نسخے اب بھی کتب خانہ نبوی میں محفوظ ہیں۔ چونکہ یہ فرمانروا بے حد نیک' پاک فطرت اور خدا کے بندوں پر مہربان تھا اس لیے اس نے سلجوقیوں سے اس شرط پر صلح کرلی تھی کہ کوئی دوسرے پر حملہ نہ کرے اور رعایا کو جو خداوند تعالیٰ کی ودیعت ہے ملک گیری کی ہوس میں تباہ و برباد نہ کرے۔ ابراہیم نے اپنے بیٹے مسعود کی شادی ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی سے کی اور اس باہمی معاہدے کو مستحکم و پائیدار بنایا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدے سے پہلے ایک بار سلجوقی نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ابراہیم نے جب یہ خبر سنی تو بڑا پریشان ہوا (اس جنگ کی مصیبت سے بچنے کے لیے اس نے ایک چال چلی) اور سلجوقی امیروں کے نام کچھ خطوط لکھے جن میں یہ مضمون درج کیا کہ "مجھے یہ جان کر بے انتہا مسرت ہوئی ہے کہ تم سب نے اپنے بادشاہ کو غزنی کے سفر پر آمادہ کرنے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا' جس طرح تم نے بادشاہ کو اس سفر پر آمادہ کرلیا ہے اسی طرح اب یہ کوشش بھی کرو کہ جلد سے جلد غزنی پہنچ جاؤ تاکہ ہم سب جلد از جلد ملک شاہ سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ اس کارگزاری کے صلے میں میں تمہیں مالا مال کردوں گا اور جو رقوم تم سے طے ہوئی ہیں ان کو دگنی تعداد میں ادا کروں گا۔" ابراہیم نے یہ خطوط اپنے ایک ملازم کو دیئے اور اس سے کہا "ملک شاہ کو شکار کا بہت شوق ہے تو اس موقع پر انتظار کر اور جب وہ شکار کھیلنے کے لیے روانہ ہو اس وقت اس کے پیچھے پیچھے شکار گاہ میں پہنچ جا جب سلجوقی سپاہی تجھے دیکھیں گے تو تجھے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے جائیں گے اور بادشاہ جب تجھ سے باز پرس کرے تو پہلے کچھ حیلہ و بہانہ کرنا اور بعد ازاں یہ خطوط اس کے حوالے کر دینا۔"

اس کاروائی سے سلطان ابراہیم کی غرض یہ تھی کہ ملک شاہ کے ہاتھ جب یہ خطوط لگیں تو سلجوقی امراء میں سے کوئی اس وقت اس کے

پاس نہ ہو۔

(یہ قاصد یا ملازم روانہ ہوا اور) قصبہ اسفرائن (خراسان کا ایک مشہور مقام) میں جا پہنچا۔ جہاں کہ ان دنوں ملک شاہ خیمہ زن تھا۔ اپنی عادت کے مطابق ایک دن ملک شاہ شکار کے لیے روانہ ہوا۔ سلطان ابراہیم کا قاصد بھی اپنے پروگرام کے تحت اس کے پیچھے چل دیا ملک شاہ کے سپاہیوں نے جب اس قاصد کو دیکھا تو اسے حراست میں لے لیا اور ملک شاہ کے سامنے پیش کیا جب ملک شاہ نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ قاصد کو کوڑے لگائے گئے اور اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی تو اس نے (پہلے سے طے شدہ طریق کار کے مطابق) یہ اقرار کیا کہ میں سلطان ابراہیم کا قاصد ہوں اور اس کے ایما پر یہاں آیا ہوں تاکہ اس کے دیئے ہوئے کچھ خطوط سلجوقی امیروں تک پہنچا دوں۔ ملک شاہ نے وہ خطوط اس سے لے کر پڑھے اور فوراً اس نے اپنے ملک کو واپسی کا ارادہ کر لیا۔ (اپنے دارالحکومت پہنچ کر اس نے اس بارے میں تحقیقات کی جس کے نتیجے میں اس پر ظاہر ہو گیا کہ اس کے امراء سلطان ابراہیم کے ارادہ سے بالکل بے خبر ہیں اور یہ محض ابراہیم کی ایک ترکیب تھی جس پر عمل کر کے اس نے جنگ کے مصائب سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ اس واقعے کے بعد ملک شاہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "اگرچہ ابراہیم نے یہ چال اس لیے چلی تھی کہ غزنوی اور سلجوقی لشکروں میں مقابلہ نہ ہو کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس کے نتیجے میں غزنوی فوج میدان جنگ سے بھاگ نکلے گی اور فتح سلجوقیوں کو ہو گی' لیکن یہ حیلہ کر کے اس نے میرے ارادے سے مجھے باز رکھا ہے اس لیے فتح دراصل اسی کو ہوئی ہے اور مجھے شکست۔"

اجودھن اور روپال کے قلعوں کی فتح

جب سلجوقیوں کی طرف سے ابراہیم شاہ کو اطمینان ہوا تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے ہندوستان کی طرف بھیجا۔ اس لشکر نے ہندوستان کے اکثر حصے فتح کیے جو اب تک اسلامی سلطنت سے علیحدہ رہے تھے ۴۷۲ھ میں ابراہیم شاہ خود ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مشہور معروف قلعے اجودھن کا (جو اب پاک پٹن کے نام سے شہرت یافتہ ہے اور لاہور سے سو (۱۰۰) کوس کے فاصلے پر واقع ہے) محاصرہ کر کے اسے فتح کیا اجودھن کو سر کرنے کے بعد ابراہیم نے پنجاب کے سب سے بڑے قلعے روپال کی طرف توجہ کی یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا۔ جس کے ایک طرف تو دریا بہتا تھا اور دوسری طرف ایک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل میں خود رو درختوں کی تعداد شمار سے باہر تھی اور یہ سب آپس میں اس طرح ملے ہوئے تھے کہ سورج کی کرنوں کے لیے زمین تک پہنچنا محال تھا۔ ان میں سے بیشتر درختوں پر ہر وقت زہریلے سانپ بھی لپٹے رہتے تھے (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے) قلعہ کے دونوں طرف ٹھہرنے کے لیے بالکل جگہ نہ تھی قلعے کی حالت اور اس کے آس پاس کا یہ عالم ہر حملہ آور کو خوف زدہ کرنے اور ان کی ہمتیں توڑنے کے لیے کافی تھا' لیکن ابراہیم شاہ نے دامن ہمت و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مشکلات کا جواں مردی سے مقابلہ کرتا ہوا وہاں تک جا پہنچا۔ کچھ عرصے تک قلعے کا محاصرہ کرنے کے بعد اس نے آخر کار اسے فتح کر لیا۔

درہ کی فتح

قلعہ روپال کو سر کرنے کے بعد ابراہیم نے اس کے قریب ہی کے ایک شہر درہ پر حملہ کیا۔ یہ شہر غیر مسلموں سے آباد تھا جو خراسانی نسل سے تعلق رکھتے تھے یہ باشندے ان خراسانیوں کی نسل سے تھے جنہیں افراسیاب نے خراسان سے جلا وطن کر کے ہندوستان کی سرحد پر آباد کیا تھا یہ لوگ بت پرستی اور اسی قسم کی دوسری خرافات میں مبتلا تھے۔ درہ میں ایک تالاب تھا جس کا قطر ایک میل تھا' اس تالاب کی گہرائی بے پناہ تھی لہٰذا اس کی تہہ کا پتہ چلانا بہت مشکل تھا۔ تالاب میں پانی بڑی کثرت سے رہتا تھا باوجود اس کے کہ اس شہر کے تمام باشندے اور جانور یہاں کے پانی کو استعمال کرتے تھے پھر بھی پانی کم نہ ہوتا تھا شہر کے آس پاس چاروں طرف انتہائی گھنے جنگل

باج گزار بنانا ہمیشہ مشکل سمجھا اور اس وجہ سے کبھی اس طرف توجہ نہ کی' لیکن محمود غزنوی کا باہمت اور بہادر جانشین کسی قسم کی مشکلوں سے نہ گھبرایا اور اس نے یہاں کے باشندوں تک نور اسلام کو پہنچانے کا پورا پورا ارادہ کر لیا۔ اس نے کئی ہزار پیادوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ لشکر کے آگے چلیں اور راستے کے درختوں کو کاٹ کر لشکر کے لیے راستہ ہموار کرتے جائیں اس طریق کار کا یہ نتیجہ ہوا کہ راستہ صاف ہو گیا اور غزنوی لشکر کو آگے بڑھنے میں بڑی آسانی ہو گئی۔ جب یہ لشکر جاں بازدرہ کے قریب پہنچا تو برسات کا موسم شروع ہو گیا اور بڑی موسلا دھار بارش ہونے لگی اس وجہ سے لشکر کو کچھ عرصے کے لیے شہر کی سرحد پر ہی قیام کرنا پڑا۔ اگرچہ برسات اہل لشکر کے لیے باعث زحمت ثابت ہوئی' لیکن الوالعزم بادشاہ ابراہیم کی پیشانی پر بل نہ آیا اور وہ قلعے کو فتح کرنے کے ارادے پر پہلے کی طرح ثابت قدم رہا۔ تین ماہ کے عرصے کے بعد بارش نے دم لیا اور لشکر کو شہر کے قریب پہنچنے کا موقع ملا۔

ابراہیم شاہ خود تو اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے کنارے پر مقیم رہا اور اپنے چند آدمیوں کو اہل شہر کے پاس اسلام کی دعوت دے کر بھیجا لیکن اس دعوت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور درہ کے باشندے اپنے قدیم آبائی مذہب پر قائم رہے (یہ عالم دیکھ کر ابراہیم شاہ کے لیے شہر پر حملہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا) لہٰذا اس نے مایوس ہو کر شہر پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی۔ ابراہیم اس شہر سے ایک لاکھ ونڈیاں اور غلام مع بہت سے بیش قیمت مال و اسباب اپنے ہمراہ لے کر واپس ہوا۔

ابراہیم کی مستقل مزاجی---- ایک واقعہ

بعض تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز ابراہیم شاہ غزنی کی شاہراہ پر چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک مزدور کو دیکھا جو کسی شاہی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں ایک بھاری پتھر اپنے سر پر اٹھا کر چلا جا رہا تھا۔ یہ مزدور بڑا کمزور تھا اور پتھر کے بوجھ سے بالکل دبا جا رہا تھا مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ابراہیم شاہ کو بڑا ترس آیا اور اس مزدور کو حکم دیا کہ وہ پتھر کو پھینک دے۔ مزدور نے حکم کی تعمیل کی اور اس طرح پتھر کے جان لیوا بوجھ سے نجات حاصل کی۔ وہ پتھر وہیں شاہراہ پر پڑا رہا اور ابراہیم شاہ اپنے محل کی طرف چلا گیا۔ پتھر راستے کے بیچوں بیچ کچھ اس طرح پڑا تھا کہ تمام راہ گیر---- پیادے ہوں یا سوار---- اس پتھر سے ٹھوکر کھاتے راستے چلنے والوں کو یہ تکلیف دیکھ کر ایک شخص نے ابراہیم شاہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو یہ پتھر یہاں سے اٹھوا کر ایک طرف کر دیا جائے (تاکہ راستہ صاف ہو جائے) اور لوگوں کو اس روزانہ کی تکلیف سے رہائی ملے۔ ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا "میں ایک شخص سے کہہ چکا ہوں کہ اس پتھر کو پھینک دے۔ اب اگر میں کسی دوسرے شخص کو اس پتھر کے اٹھانے کا حکم دوں گا تو پھر میری بات کا اعتبار اٹھ جائے گا اور لوگ مجھے متلون مزاج سمجھنے لگیں گے۔ ظاہر ہے کہ رعایا کا اپنے بادشاہ کے متعلق ایسا خیال رکھنا کسی طرح مناسب نہیں۔" مورخین بیان کرتے ہیں کہ یہ پتھر بہرام شاہ کے دور کے آخر تک اسی جگہ پڑا رہا اور ابراہیم شاہ کے حکم کی اس کے بعد بھی اس قدر وقعت تھی کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی کسی نے مرحوم بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی۔

سلطان ابراہیم کثیر الاولاد تھا۔ بیٹوں کی تعداد چھتیس (۳۶) اور بیٹیوں کی تعداد چالیس (۴۰) تھی اس نے اپنی بیٹیوں کی ملک کے مشاہیر سادات اور علماء کے ساتھ شادیاں کیں۔

ابراہیم کے سنہ وفات اور مدت فرمانروائی میں اختلاف پایا جاتا ہے بعضوں کا بیان ہے کہ اس نے اکتیس (۳۱) سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۱ھ میں وفات پائی' لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اس نے بیالیس (۴۲) سال حکومت کی ۴۹۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابراہیم کے دور حکومت کے ابتدائی دنوں میں ابو سہیل نجندی اور خواجہ مسعود رنجی وزیر تھے مگر آخری زمانے میں یہ خدمت عبدالحمید احمد بن عبد الصمد کے سپرد کی گئی۔ اس وزیر کی مدح میں ابوالفرج کا وہ قصیدہ بہت مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

ترتیب فضل قاعدۂ جود و رسم داد
عبد المجید احمد عبد الصمد نہاد

ابوالفرج

ابوالفرج سلطان کا ہم عصر تھا اسے بعض مورخین سیستانی اور بعض غزنوی بیان کرتے ہیں (مشہور شاعر) عنصری اسی شہرہ آفاق استاد کا شاگرد ہے- ابوالفرج نے مشہور سامانی امیر ابوعلی سمجوری کے زمانے میں اپنے استادانہ کمالات کا مظاہرہ کیا اور ہمیشہ اسی خاندان کا مداح رہا وہ ایک بلند مرتبہ شاعر اور صاحب جاہ و حشم تھا- آل سامان ہمیشہ اسے اپنے عطیوں سے مالا مال کرتے رہے ابو الفرج کو فن شاعری پر کمال دسترس تھی- فن شاعری و عروض کے بارے میں اس کی ایک کتاب بھی موجود ہے اس کے اشعار کی بلند معیاری کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے مصنفین اپنی کتابوں میں اس کے اشعار بطور سند درج کرتے ہیں- ابو الفرج کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے-

عنقائے مغرب ست دریں دور خرمی خاص از برائے محنت و غم زاد آدمی
ہر چند گرد عالم صورت برآمدم! غم خوار آدم آمدہ بیچارہ آدمی
ہر کس بقدر خویش گرفتار محنت است کس رانہ دادہ اند براست مسلمی

علاؤ الدولہ مسعود بن ابراہیم بن مسعود غزنوی

سلطان مسعود بہت ہی سخی اور نیک طبیعت انسان تھا۔ اس نے بڑے ہی انصاف سے حکومت اور ان تمام برائیوں کا قلع قمع کیا جو سلطنت کی تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتی تھیں۔ اس نے اپنے باپ ابراہیم کے عہد کے امراء کو ان کے منصبوں پر برقرار رکھا۔ اور ان کی جاگیروں کی بحالی روا رکھی۔ اس نے سلطان سنجر کی بہن "مہو عراق" کے ساتھ شادی کی اور یوں سلجوقیوں کے ساتھ اخوت اور محبت کے مراسم پیدا کیے۔

سلطان مسعود نے جاگیردار لاہور "حاجب طغا" کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے ہندوستان پر حملے کرنے کا حکم دیا۔ طغا نے دریائے گنگا کو عبور کر کے ہندوستان کے ان علاقوں میں ہنگامہ غارت گری گرم کیا جہاں سلطان محمود غزنوی کے علاوہ کسی مسلمان بادشاہ کا گزر نہ ہوا تھا۔ طغا بہت سا مال غنیمت لے کر واپس آیا۔

سلطان محمود نے سولہ (۱۶) سال تک فرمانروائی کی ۵۰۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں بغیر کسی فتنہ و فساد کے بڑی عمدگی سے حکومت کے فرائض انجام دیئے۔

"تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ سلطان مسعود کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا کمال الدولہ شیر زاد تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے ایک سال بعد وہ اپنے بھائی ارسلان شاہ کے ہاتھوں مارا گیا' لیکن باقی تمام مورخین ارسلان شاہ کو سلطان مسعود کے بعد بے واسطہ بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔

سلطان الدولہ ارسلان شاہ بن سلطان مسعود

ارسلان شاہ نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے بھائیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان مصیبت زدہ بھائیوں میں سے صرف ایک اپنی جان بچا کر نکل سکا وہ بہرام تھا جو سلطان سنجر کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اس میں سلطان سنجر اپنے بھائی محمد سلطان بن ملک شاہ کی طرف سے خراسان کا حاکم تھا۔ ارسلان شاہ نے بہرام کی طلبی کے لیے سلطان سنجر کو کئی خطوط روانہ کیے اور ہر طرح سے عاجزانہ درخواست کی لیکن سنجر اس کے کہنے میں نہ آیا اور اس نے ارسلان کی خواہش کے برعکس بہرام کی ہر ممکن امداد کرنے کا پکا ارادہ کر لیا وہ ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے بہرام کے ساتھ خود بھی غزنی پر حملہ آور ہوا۔

ارسلان شاہ نے سنجر کے اس اقدام کی سلطان محمد سے شکایت کی اور یہ درخواست کی کہ سلطان محمد اپنے بھائی کو جنگ کرنے سے باز رکھے۔ سلطان محمد نے (ارسلان کی درخواست کے پیش نظر) بہرام اور ارسلان میں صلح کی بہت کوشش کی لیکن اس کی کوشش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جب ارسلان شاہ سلطان محمد کی کوشش سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنی ماں مہو عراق کو' جو سلطان سنجر کی سگی بہن تھی دو لاکھ دینار اور دوسرے بہت سے گراں قدر تحفے تحائف دے کر سلطان سنجر کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اس کی معرفت سلطان سنجر سے صلح کی بات چیت کرے' مہو عراق (ارسلان سے خوش نہ تھی) اس کے مظالم سے بہت تنگ آ چکی تھی نیز اسے اپنے دوسرے بیٹوں کی تباہی کا بھی از حد ملال تھا اس لیے اس نے سلطان سنجر سے صلح کی بات چیت کرنے کی بجائے اپنے بھائی کے پاس پہنچ کر ارسلان کے مظالم کی داستان بیان کی اور اس سے غزنی پر حملہ کرنے کے لیے بہت اصرار کیا۔

ارسلان شاہ کو جب اپنی ماں کی طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو اس نے مجبوراً جنگ کی تیاریاں شروع کیں [illegible]

شمار پیادوں اور ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوہ پیکر ہاتھیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر کے غزنی سے ایک کوس کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا تاکہ سنجر سے معرکہ آرائی کرے۔ سنجر اور بہرام کا (مشترکہ) لشکر بھی فوراً سامنے آیا اور فریقین میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ ابتدا میں دونوں لشکر پوری جوانمردی سے لڑتے رہے۔ اور میدان جنگ میں جمے رہے لیکن کچھ دیر بعد سیستان کے بادشاہ ابوالفضل کی ہمت و جوان مردی کے طفیل سنجر و بہرام کا لشکر ارسلان کے لشکر پر غالب آنے لگا اور حریف کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑنے لگے۔ ارسلان شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اور سلطان سنجر فاتح کی حیثیت سے غزنی میں داخل ہوا۔ سنجر نے چالیس (۴۰) روز تک غزنی میں قیام کیا' وہاں کی حکومت اس نے بہرام کے سپرد کی اور خود واپس خراسان آ گیا۔

ارسلان نے جب سنجر کی واپسی کی خبر سنی تو اس نے ہندوستانیوں کی ایک فوج تیار کی اور غزنی پر حملہ کر دیا بہرام ارسلان کا مقابلہ نہ کر سکا اور بامیان (مقام "بامیان" شہر کابل کے شمال مغرب میں اس سے تقریباً سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔) کے قلعے پر پناہ گزین ہو گیا۔ ارسلان چاہتا تھا کہ بہرام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے اور خود غزنی پر پھر قابض ہو جائے کہ اچانک سلطان سنجر کا زبردست لشکر اس کے سر پر آ پہنچا۔ اس لشکر کو دیکھ کر ارسلان کے ہوش اڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر افغانوں کی طرف بھاگ نکلا۔ سنجر کے لشکر نے اس کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کیا اور بہرام کے حوالے کر دیا۔ بہرام نے فوراً اس بدکردار کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا' ارسلان نے تین (۳) سال حکومت کرنے کے بعد ستائیس (۲۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔

"طبقات ناصری" میں لکھا ہے کہ ارسلان کا سہ سالہ عہد حکومت آسمانی مصیبتوں اور تباہیوں کا دور تھا غزنی کی حالت تباہ ہو گئی۔ اس کے عہد میں بجلی گرنے اور آگ کی بارش ہونے سے غزنی کے بہت سے گھر اور بازار تباہ و برباد ہو گئے۔

معزالدولہ بہرام شاہ بن مسعود

بہرام شاہ بڑے رعب داب اور شان و شوکت کا بادشاہ تھا وہ عالموں' فاضلوں اور فقیروں کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتا تھا تاکہ ان سے اچھی عادتیں سیکھ سکے' وہ ہر پڑھے لکھے اور ماہر فن شخص کی قدر کرتا تھا۔ بہرام شاہ کی علم دوستی اور انسان شناسی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے عہد کے بڑے بڑے مصنفوں نے اپنی تصانیف اسی کے نام پر معنون کی ہیں۔ حضرت شیخ نظامی کی شہرہ آفاق مثنوی "مخزن الاسرار" اسی بادشاہ کے نام پر منسوب ہے۔ اس عہد کے ایک مشہور شاعر سید حسن غزنوی نے بہرام کے جلوس کی تہنیت میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

منادی برآمد زہفت آسمان
کہ بہرام شاہ است شاہ زماں

یہ قصیدہ سید حسن غزنوی نے سلطان سنجر کی خدمت میں پیش کیا۔

کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ

(مشہور ہندی کتاب) کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ فارسی میں پہلی بار بہرام ہی کے زمانے میں ہوا اور اسی کے نام سے منسوب کیا گیا۔ کلیلہ و دمنہ کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ نے یہ کتاب اور بساط شطرنج اور اس کے مہرے نوشیرواں عادل کی خدمت میں بطور تحفے کے ارسال کیے۔ حکیم بزرجمہر نے بڑی محنت اور کاوش سے اس کتاب کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ نیز بساط شطرنج پر مہروں کو جمانے اور ان کی چال پر بہت غور و فکر کر کے شطرنج کھیلنے کا طریقہ معلوم کیا۔ شطرنج کی حقیقت سے واقف ہو کر بزرجمہر نے ہندوستان کے قاصد سے یہ کھیل کھیلا۔ پہلی مرتبہ تو بازی قائم رہی البتہ دوسری بار بزرجمہر نے ہندوستان کے قاصد کو مات دے دی۔ بزرجمہر نے اس کھیل کے مقابلے پر "چوسر" ایجاد کی اور نوشیرواں کی طرف سے اسے ہندوستان کے راجہ کی خدمت میں بطور تحفہ ارسال کیا۔ ہندوستان کے باشندے اس کھیل کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے اور آخر کار مجبور ہو کر ہندوستانی عالموں نے عجمی قاصد سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ شطرنج اور چوسر کی نوعیت و حقیقت پر غور کرنے سے ہندوستانیوں اور عجمیوں کے عقیدوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ شطرنج کی ایجاد سے ہندوستانیوں کا منشا یہ ہے کہ دنیا کی تمام نیکیوں اور برائیوں کا انحصار انسان پر ہی ہے اور یہاں کے سب کام اسی کی کوششوں کے مرہون منت ہیں دنیاوی کاموں کے سلسلے میں تقدیر یا قضا و قدر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مختلف امور مثلاً تحصیل علم' ترقی درجات وغیرہ کے سلسلے میں انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا انسان کی دنیاوی زندگی کا آسمانی تاثیرات اور ستاروں کی گردش وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ہندوستانیوں کا یہ عقیدہ عجمیوں کے عقیدے کے خلاف ہے اس لیے بزرجمہر نے چوسر ایجاد کر کے ہندوستانی عالموں کے پاس بھیجا۔ چوسر کھیلنے کے طریقے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ انسان کی ذاتی کوشش کو دنیاوی امور کے سلسلے میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ دنیا کا ہر کام دست قضا و قدر کا محتاج ہے۔ ہر کام میں اگر تدبیر' تقدیر کے موافق ہوتی ہے تو کام بنتا ہے ورنہ انسان کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوتی ہے نرد کے تختے کی ہیئت آسمان سے مشابہ ہے اور پانسوں اور نقطوں سے مراد سیارے ہیں۔ آسمان اور سیاروں کی طرف یہ اشارہ اس مفہوم کا حامل ہے کہ قلم قدرت نے انسان کی پیشانی پر جس

طرح کا نقش کھینچا ہے اسی کے مطابق انسان کو دنیا میں اپنی کوشش کے پانسے پھینکنے پڑتے ہیں۔

بزرجمہر کی ترجمہ کردہ کتاب (یعنی کلیلہ و دمنہ) ایک عرصے تک صرف عجمیوں ہی میں مقبول رہی لیکن رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ابن المقفع نے فارسی سے عربی میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد بہرام شاہ کے عہد میں اس عربی ترجمے کو پھر علمی فارسی کا لباس پہنایا گیا سلطان حسین مرزا کے زمانے میں ملا حسین واعظ نے بہرامی دور کے نسخے کی مشکل اور دقیق عبارتوں کو سلیس اور شگفتہ فارسی میں لکھا اور جابجا درج کیے ہوئے اشعار کو حذف کر کے موجودہ نسخے کو مرتب کیا جو آج کل "انوار سہیلی" کے نام سے مشہور ہے۔

محمد باہیلم سے معرکہ آرائی

بہرام شاہ نے اپنے عہد حکومت میں کئی بار ہندوستان پر حملہ کیا اور ہربار ہندوستان کے باغیوں اور سرکشوں کو شکست فاش دے کر ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دی۔ بہرام نے پہلی بار ۵۱۲ھ میں ہندوستان پر لشکر کشی کی اور اس نے محمد باہیلم کو ستائیس (۲۷) رمضان کے دن حراست میں لے لیا۔ محمد باہیلم سلطان ارسلان شاہ کا مقرر کردہ ہندی لشکر کا سپہ سالار تھا اور ارسلان کے انتقال کے بعد غزنوی حکومت کی اطاعت سے منحرف ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا کچھ دنوں بعد بہرام نے محمد باہیلم کا قصور معاف کر دیا اور اسے دوبارہ ہندی لشکر کا سپہ سالار بنا دیا اور خود واپس غزنی چلا آیا۔ باہیلم نے بہرام شاہ کی اس شفقت اور مہربانی کا ذرا خیال نہ کیا اور اس کے واپس ہوتے ہی ناگور (یہ مقام ریاست جودھپور میں واقع ہے) کا قلعہ تعمیر کر کے اپنے بیوی بچوں کو اس قلعے میں بحفاظت چھوڑ کر خود عربی، عجمی، افغانی اور خلجی سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر کے ہندوستان کے سرکشوں کو زیر کرنے میں باہیلم کو پوری پوری کامیابی ہوئی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ باہیلم کا غرور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اس غرور کے نشے میں سرشار ہو کر اس نے کھلے بندوں ملک گیری اور مستقل حکمرانی کی تیاریاں شروع کر دیں بہرام شاہ نے جب اس نمک حرام کا حال سنا تو وہ فوراً غزنی سے ہندوستان آیا، باہیلم نے بھی جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا اپنے دس بیٹوں کو جو ملک کے مختلف حصوں کے امیر تھے، ساتھ لے کر، اپنے محسن آقا (بہرام شاہ) کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ ملتان کے قریب دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا (اور لڑائی شروع ہو گئی) طرفین میں زبردست معرکہ کار زار گرم ہوا۔ یہ ایسی گھمسان کی جنگ تھی کہ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ باہیلم کے لشکری اگرچہ پوری جواں مردی و جواں ہمتی سے لڑ رہے تھے مگر چونکہ ان کے سردار کے سر پر کفران نعمت کا وبال تھا اور اسے اس کے برے اعمال کی سزا ملنا ضروری تھی۔ اس لیے غزنوی فوج کا پلہ بھاری ہونے لگا اور باہیلم کے لشکری میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ باہیلم نے جب اپنے لشکریوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ اپنے دو بیٹوں اور چند مصاحبوں کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اسی بھاگنے کے دوران میں اتفاقاً ایک گہرے دلدل میں جا گرا اور مع اپنے متعلقین کے اس انداز سے ہلاک ہوا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

بہرام شاہ نے باہیلم کی سرکشی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حسین بن ابراہیم علوی کو لشکر ہند کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود واپس غزنی آیا۔

سیف الدین سوری کی یورش

بہرام شاہ نے اپنے آخری زمانے میں اپنے داماد قطب الدین سوری کو قتل کروا دیا تھا۔ مقتول کا حقیقی بھائی سیف الدین سوری اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لیے غزنی پر حملہ آور ہوا۔ بہرام شاہ سیف الدین سوری کا مقابلہ نہ کر سکا اور غزنی سے فرار ہو کر کرمان چلا گیا۔ یہ کرمان ایران کا مقام کرمان نامی نہیں ہے جس کا تاریخوں میں اکثر ذکر آتا ہے۔ بلکہ یہ ہندوستان اور غزنی کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ

اسے اہل غزنی پر اس قدر بھروسا ہو گیا تھا کہ وہ غزنی ہی میں مقیم ہو گیا لیکن اپنے بھائی علاؤالدین کو تمام غوری امیروں اور لشکر کے سرداروں کے ہمراہ اپنے ملک واپس بھیج دیا۔ سیف الدین نے غزنی میں اپنے قیام کے دوران میں اہل غزنی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ چونکہ غوری بالکل بے دست و پا تھے اس لیے انہوں نے غزنویوں پر کسی قسم کا ظلم کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اہل غزنی اس مروت اور حسن سلوک کی اصل وجہ سے واقف تھے اس لیے وہ بظاہر تو سیف الدین کی اطاعت کا دم بھرتے رہے' لیکن بباطن بہرام شاہ کے فرمانبردار تھے اور اس سے خفیہ طور پر خط و کتابت رکھتے تھے۔ اہل غزنی نے اپنی اس سیاسی چال کو اس قدر طول دیا کہ سردیوں کا موسم آ گیا اور غورستان کے تمام راستے برف سے بھر گئے۔ بہرام شاہ اسی موقعے کے انتظار میں تھا۔ اس نے فوراً افغانی' خلجی اور دوسرے صحرائی فرقوں کا ایک زبردست لشکر تیار کیا اور غزنی پر حملہ کر دیا۔ سیف الدین پر چونکہ اہل غزنی کے اعتماد کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس لیے اس نے بہرام شاہ کے حملے کی خبر سن کر اہل غزنی سے مشورہ کیا۔ غزنویوں نے اپنے مطلب کی رائے دی اور اس سے بجائے یہ کہنے کے کہ وہ اپنے ملک واپس چلا جائے اسے بہرام شاہ سے مقابلہ کرنے پر اکسایا۔ سیف الدین ان کے فریب میں آ گیا اور غزنویوں کا ایک لشکر اپنے ہمراہ لے کر شہر سے باہر نکلا اور بہرام شاہ کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا۔ ابھی لڑائی شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ غزنویوں نے سیف الدین کو گرفتار کر کے بہرام شاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ سیف الدین کا منہ کالا کر کے اسے ایک گائے پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا جائے اور اس کی ذلت و رسوائی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جائے۔ حسب الحکم سیف الدین کو ایک کمزور گائے پر سوار کیا گیا اور سارے شہر میں اس کی تشہیر کی گئی شہر کے لڑکے بلکہ معمر لوگ بھی اس کے پیچھے تالیاں بجاتے اور فقرے کستے ہوئے گھومتے رہے اس کے بعد بہرام نے سیف الدین کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر تن سے جدا کر کے سلطان سنجر کی خدمت میں بھیج دیا۔ سیف الدین کے وزیر مجد الدین کا بھی یہی حشر ہوا۔

علاؤالدین سے معرکہ آرائی

جب سیف الدین کے بھائی علاؤالدین نے اپنے بھائی کا یہ حشر سنا تو اس کی حالت سخت متغیر ہوئی اسی عالم پریشانی میں اس نے ایک زبردست اور جنگجو لشکر تیار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا۔ بہرام شاہ اور علاؤالدین کے درمیان جنگ ہوئی یا نہیں؟ اس بارے میں دو روایتیں مشہور ہیں۔ صحیح روایت تو یہ ہے کہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ علاؤ الدین کے غزنی پہنچنے سے پہلے ہی بہرام شاہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا اور اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔۔۔ لیکن عام طور پر مورخین یہی بیان کرتے ہیں کہ بہرام شاہ اور علاؤالدین کے درمیان باقاعدہ جنگ ہوئی اور بہرام شاہ شکست کھا کر ہندوستان کی طرف فرار ہو گیا۔ اس سارے قصے کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ بہرام شاہ نے علاؤالدین کی آمد کی خبر سنی تو ایک قاصد کے ذریعے اسے پیغام بھجوایا کہ "تیری خیریت اسی میں ہے کہ تو واپس غورستان لوٹ جا اور اپنے ارادے سے باز آ' تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ غزنوی حکومت کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ غزنی کے بادشاہوں کے پاس لاکھوں جنگجو جوان اور ہزاروں کوہ پیکر ہاتھی دشمنوں اور باغیوں کی پامالی و بربادی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تجھے چاہیے کہ تو اپنے انجام پر غور کرے اور میرے مقابلے کے لیے نہ آئے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری عاقبت نااندیشی کے ہاتھوں دنیا میں خاندان غور کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ رہے۔"

علاؤالدین نے بہرام شاہ کا یہ پیغام سن کر اس کے قاصد سے کہا' بہرام سے جا کر یہ کہہ دے کہ جو سلوک اس نے ایک شہزادے (سیف الدین) کے ساتھ کیا ہے وہ بذات خود غزنی کی بربادی اور تباہی کی ایک دلیل ہے۔ دنیا میں یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو مغلوب کرتا ہے' اپنے دشمن کو گرفتار کرتا ہے اسے قتل بھی کرتا ہے لیکن بہرام نے اپنے ایک تاجدار حریف (سیف الدین) کے ساتھ جو ناشائستہ حرکت کی ہے وہ ایسی ہے کہ شاہی [illegible]

پورا پورا یقین ہے کہ بہرام کو اس کی بدکرداری کا بدلہ زمانہ ضرور دے گا اور اسے میرے ہاتھوں سے سزا ملے گی۔ اپنے دون فطرت بادشاہ (بہرام) سے کہہ دے کہ وہ اپنے کوہ پیکر ہاتھیوں پر ناز نہ کرے اگر وہ ہاتھیوں کا مالک ہے تو میں "خرمیلوں" کا مالک ہوں (غوریوں کے لشکر میں دو انتہائی قوی اور طاقت ور سپاہی تھے جن کو "خرمیل" کہا جاتا تھا۔ یہ سپاہی انتہائی نڈر اور بے خوف تھے اور کسی بھی چیز سے نہ ڈرتے تھے۔ اور طاقت و قوت سے ہاتھیوں کو بھی مغلوب کر لیتے تھے۔ ان میں سے بڑے کو "خرمیل بزرگ" کہا جاتا تھا اور چھوٹے کو "خرمیل کوچک" کہتے تھے۔)

بہرام کا قاصد جب علاؤالدین کا یہ جواب لے کر واپس بہرام کے پاس پہنچا تو یہ دندان شکن جواب سننے کے بعد بہرام پر بظاہر تو کوئی اثر نہ ہوا لیکن دل ہی دل میں وہ بڑا پریشان ہوا اس گفتگو کے بعد معرکہ آرائی کی نوبت آئی۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ سپاہیوں کی تلواروں اور تیروں نے میدان جنگ کو سر پر اٹھا لیا دونوں خرمیل بھی میدان جنگ میں آئے اور لڑائی میں حصہ لینے لگے خرمیل بزرگ نے ایک بہت مشہور ہاتھی پر حملہ کیا اور اپنے خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا مگر اسے خود بچنے کا موقع نہ ملا اور وہ زخمی ہاتھی کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔ خرمیل کوچک نے ایک دوسرے ہاتھی کو پچھاڑا اور ہلاک کیا اور خود بڑی دقتوں سے اس کے نیچے سے صحیح سلامت بچ کر نکل آیا۔ جب غوریوں نے یہ جان لیا کہ غزنوی ہاتھیوں کی حیثیت ان کے لیے گائے بھینسوں سے زیادہ نہیں ہے تو ان کے حوصلے اور بڑھے اور علاؤالدین نے اپنی فوج کو ساتھ لے کر بہرام شاہ پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ غزنوی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ بہرام شاہ کا جوان اور بہادر بیٹا دوست شاہ جو لشکر کا سردار اعلیٰ تھا، غوریوں کے ہاتھوں مارا گیا اپنے جوان بیٹے کا یہ حشر دیکھ کر بہرام انتہائی بددل ہو گیا اور اس عظیم حادثے نے اس کی ہمتوں کو پست کر دیا۔ غزنوی لشکریوں نے ایک ایک کر کے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ بہرام شاہ لشکر کی اس ابتری اور بیٹے کی موت کی وجہ سے پریشان ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ نکلا اور اس طرح غوری کامیاب و کامران ہوئے۔

اس واقعے کے چند روز بہرام شاہ متعدد صدمات کی تاب نہ لا کر چل بسا اس کا عہد حکومت پینتیس (۳۵) سال ہے۔ اس کی وفات کا صحیح ترین سال ۵۴۷ھ ہے۔

مشہور شاعر حکیم سنائی کا ذکر

حکیم سنائی بہرام کے دور کے بڑے مشہور شاعر تھے۔ وہ کسی زمانے میں امیروں وزیروں وغیرہ کی مدح کر کے روزگار مہیا کرتے تھے۔ ان کے دنیا سے کنارہ کش ہو کر صرف ذات خداوندی پر توکل کرنے کا قصہ "نفحات الانس" میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار جاڑوں کے زمانے میں سلطان محمود غزنوی اپنی فتوحات کے سلسلے میں غزنی سے باہر کسی مقام پر خیمہ زن تھا، حکیم سنائی نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اپنے وطن سے شاہی لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر میں وہ ایک شراب خانے کے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک مجذوب سا شرابی شراب نوشی میں مشغول ہے اور اپنے ساقی سے کہہ رہا ہے کہ "اے محبوب مجھے سلطان محمود کی نابینائی اور عاقبت نااندیشی کا جام پلا۔" ساقی نے یہ سن کر مجذوب شرابی سے کہا۔ محمود ایک نیک سلطان بادشاہ ہے اور خدا کے حکم کے مطابق غیر مسلموں سے جہاد کر رہا ہے تم اس کے لیے اس قسم کے الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہو" اس بدمست شرابی نے جواب دیا۔ "محمود کی عاقبت نااندیشی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جس قدر ملک اس کے پاس ہے اس کا انتظام تو کر نہیں سکتا لیکن مزید ممالک کو فتح کرنے کے لالچ میں جان کھپا رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ساقی کے ہاتھ سے شراب کا جام لے لیا اور پی گیا اس کے بعد اس نے دوبارہ ساقی سے کہا "حکیم سنائی" کی نابینائی کا ایک جام مجھے پلا۔" ساقی نے اس بار بھی

نے جواب دیا' اے نادان! سنائی کو لطافت طبع اور قلب کی بصارت سے کیا تعلق؟ اگر اس میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسے کام کرتا کہ جس سے دین و دنیا دونوں میں اس کا بھلا ہوتا۔ اس کا تو یہ عالم ہے کہ اپنے واہیات خیالات کو نظم کا جامہ پہنا کر امیروں اور بادشاہوں کی چوکھٹوں پر سجدہ ریزی کرتا پھرتا ہے اسے اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ خدا نے اسے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے۔" جونہی حکیم سنائی نے مجذوب کے یہ الفاظ سنے ان کی آنکھیں کھل گئیں اسی وقت وہ دنیا کو ترک کر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگے۔

مورخ فرشتہ یہ عرض کرتا ہے کہ اسے اس واقعہ کی سچائی میں کوئی شک نہیں ہے لیکن حکیم سنائی کا سلطان محمود کے عہد میں دنیا سے کنارہ کش ہونا کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے کہ ان امور سے سبھی کو اتفاق ہے کہ سلطان محمود کی وفات ۴۲۱ھ میں ہوئی۔ اور حکیم سنائی بہرامی دور کے شعراء میں سے ہیں بلکہ یہاں تک معلوم ہے کہ حکیم سنائی نے اپنی مشہور مثنوی "حدیقہ" کو ۵۲۵ھ میں مکمل کر کے اسے بہرام کے نام سے منسوب کیا۔ ان دونوں ستون پر اگر غور کیا جائے تو حکیم سنائی کا سلطان محمود کے زمانے میں ترک دنیا کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے عہد کا ہے کتابت کی غلطی سے مسعود کی جگہ محمود کا نام درج ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حکیم سنائی کے سال وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ "تاریخ گزیدہ" کے مولف کے نزدیک سنائی نے بہرام کے عہد حکومت کے آخری دور میں وفات پائی اور بعضوں کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۲۵ھ ہے جو کہ "حدیقہ" کی تکمیل کا سال بھی ہے۔

ظہیرالدولہ خسرو شاہ بن بہرام شاہ

حسب روایت صحیح جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے بہرام شاہ نے غزنی ہی میں وفات پائی اور عنان حکومت اس کے بیٹے خسرو شاہ کے ہاتھ میں آئی- خسرو شاہ نے جب حکومت ہاتھ میں لی اس زمانے میں علاؤالدین غوری کے حملے کا غلغلہ مچا ایسے پر آشوب زمانے میں خسرو شاہ نے غزنی میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور ہندوستان کی راہ لی- یہاں لاہور میں آ کر وہ مع اپنے اہل و عیال کے مقیم ہوا-

علاؤالدین کی جہاں سوزی

علاؤالدین نے جب دیکھا کہ خسرو شاہ موجود نہیں ہے تو اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا' غزنی اور اہل غزنی سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے لگا- علاؤالدین نے اپنی آتش غضب کو اس طرح بجھایا کہ غزنی پہنچتے ہی اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ غزنی اور وہاں کے باشندوں کی تباہی و بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے- لڑاکے لشکریوں کے لیے بادشاہ کا اتنا حکم کافی تھا لہٰذا انہوں نے خوب جی کھول کر تباہی مچائی شہر کے مکانات جلا دیئے- اہل شہر کو قتل کر دیا سات روز تک وہ اسی شغل قتل و غارت گری میں مصروف رہے اسی دوران میں کسی نے علاؤالدین سے کہا کہ جب سیف الدین کو گائے پر بٹھا کر منہ کالا کر کے شہر میں گھمایا گیا تھا تو غزنی کی عورتیں بھی دف اور باجے بجاتی ہوئی اس جلوس میں شامل تھیں اور انہوں نے سیف الدین کا خوب مذاق اڑایا اور اس کی توہین کی- یہ سن کر علاؤالدین نے حکم دیا کہ غزنی کی عورتوں کو بھی قتل کیا جائے- لشکریوں نے اس بے کس و مجبور صنف کو بھی بری طرح قتل کیا اور مردوں کی طرح لاکھوں بے دست و پا عورتیں بھی غوریوں کی تلواریوں کا لقمہ بن گئیں-

غزنی اور اہل غزنی پر یہ قیامت ڈھا کر علاؤالدین غور کی طرف روانہ ہوا- راستے میں جہاں جہاں اسے اولاد سبکتگین کی کوئی عمارت یا یادگار نظر آئی اسے فوراً مسمار کروا دیا- علاؤالدین نے (سیف الدین کے وزیر) سید امجد الدین کے قتل کا انتقام اس طور پر لیا کہ غزنی کے سیدوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو زیر حراست کیا تو بوروں کو مٹی سے بھر کر ان لوگوں کی گردنوں میں لٹکایا گیا اور اسی عالم میں انہیں فیروز پہاڑ پر لے جا کر قتل کیا گیا- ان بے گناہوں کے خون سے تو بوروں کی مٹی کو گوندھا گیا اور فیروز کوہ کے برجوں کی تعمیر کی گئی- علاؤالدین کے ان مظالم نے اسے "جہاں سوز" کے نام سے مشہور کر دیا- اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ اس کے نام کا جزو بن کر رہ گیا-

علاؤالدین کی واپسی کے بعد خسرو شاہ نے اپنے آبائی ملک کو اپنے قبضے میں کرنے کا ارادہ کیا اور سلطان سنجر سے مدد ملنے کی توقع پر وہ لاہور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا- بدقسمتی سے اس زمانے میں ترکوں نے سلطان سنجر کو گرفتار کر کے غزنی پر حملہ کر دیا تھا اس لیے خسرو شاہ اپنی خواہش پوری کیے بغیر واپس لاہور آ گیا-

بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ غوریوں نے دس سال بعد غزنی کو ترکوں کے قبضے سے نکال لیا اور اس کے بعد خسرو کے امیروں نے غزنی پر قبضہ کیا- بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خسرو شاہ نے علاؤالدین جہاں سوز کے حملے کے خوف سے ہندوستان میں پناہ لی تو علاؤالدین نے تکیاباد اور قندھار کے شہروں کو فتح کر کے یہاں کی حکومت غیاث الدین محمود کو سونپی اور خود واپس غور چلا گیا علاؤالدین کی واپسی کے بعد خسرو شاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر غزنی کی طرف [illegible]

شرط پر صلح ہو جائے کہ خسرو شاہ تکیاباد کے شہر اور قلعے سے دستبردار ہو جائے۔ اور صرف غزنی کی حکومت پر قناعت کرے لیکن خسرو شاہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اس انکار کے جواب میں علاؤالدین نے خسرو کو ذیل کی رباعی لکھ کر بھیجی۔

اول پدرت نہاد کیں رابنیاد تاخلق جہاں جملہ بہ بیدا دافتاد
ہاں تانذہی بہریک تکیاباذ سرتاسر ملک آل محمود بباد

خسرو شاہ کو چونکہ سلطان سنجر کی مدد کی پوری پوری توقع تھی اس لیے اس نے علاؤالدین کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے سے قطعاً انکار کر دیا' لیکن بدقسمتی سے سلطان سنجر پر ترک غالب آ گئے اور علاؤالدین کے خوف سے خسرو شاہ کو لاہور واپس آنا پڑا۔ اس واقعے کے بعد علاؤالدین نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور واپس غورستان آ گیا۔

خسرو شاہ نے سات سال تک حکومت کرنے کے بعد ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔

خسرو ملک بن خسرو شاہ

لاہور میں جب خسرو شاہ کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا خسرو ملک اس کا جانشین ہوا۔ خسرو ملک نے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور عدل و انصاف سے حکومت کی اس نے اپنی حکومت کو بہت طاقتور اور پائیدار بنایا۔ اور ابراہیم و بہرام کے فتح کیے ہوئے ایسے ہندوستانی علاقے جو غزنوی مملکت کے اقتدار سے نکل چکے تھے' دوبارہ اپنے قبضے میں کیے۔

شہاب الدین غوری کا پہلا حملہ

شہاب الدین غوری نے صرف غزنی پر قبضہ کرنے کو کافی نہ سمجھا اور اس کی چشم طمع یہاں کی دولت سے پر نہ ہوئی لہٰذا اس نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں کے غزنوی علاقوں پر قابض ہو جانے کا ارادہ کیا۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ۵۷۶ھ میں اس نے افغانستان' پشاور' سندھ اور ملتان کو فتح کر کے لاہور کا رخ کیا۔ خسرو ملک' شہاب الدین کا مقابلہ نہ کر سکا اور لاہور کے ایک قلعے میں پناہ گزین ہو گیا۔ شہاب الدین غوری نے خسرو ملک کے ایک نو عمر لڑکے اور لاہور کے ہاتھی کو گرفتار کیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر واپس غورستان آ گیا۔

شہاب الدین غوری کا دوسرا حملہ

۵۸۰ھ میں شہاب الدین غوری نے لاہور پر دوسرا حملہ کیا' خسرو ملک اس بار بھی قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ غوری نے لاہور اس کے اطراف و جوانب کو خوب جی کھول کر لوٹا' سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کر کے وہاں کی حکومت اپنے ایک امیر کے سپرد کی اور پھر غورستان میں واپس آ گیا۔

سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ

غوری کے واپس ہوتے ہی خسرو ملک نے گکھروں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان کی مدد سے سیالکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس محاصرے سے قلعہ فتح نہ ہو سکا اور خسرو ملک ناکام واپس آ گیا۔

شہاب الدین غوری کا تیسرا حملہ

خسرو ملک کی اس حرکت پر شہاب الدین سخت برہم ہوا اور اس نے لاہور کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس مرتبہ شہاب الدین غوری نے ایک خاص شاطرانہ چال چلی اور خسرو ملک سے دشمنی کی بجائے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا۔ شہاب الدین کی چال یہ تھی کہ اس نے خسرو ملک کے گرفتار شدہ بیٹے ملک شاہ کو ۵۸۲ھ میں آزاد کر دیا اور اسے اپنے چند امیروں اور تمام شاہی اعزازات کے ساتھ باپ سے ملنے کے لیے روانہ کیا۔ شہاب الدین نے اپنے امیروں کو خاص طور پر یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ ملک شاہ کو راستے بھر شراب پلاتے رہیں' اور نشے میں اس قدر مست رکھیں کہ راستہ طے کرنے میں معمول سے زیادہ دیر لگے۔

خسرو شاہ اپنے بیٹے ملک شاہ کی آزادی اور آمد کی خبر سن کر بے انتہا خوش ہوا اور وہ دشمن سے بے خوف و خطر ہو کر شہاب الدین کی دوستی پر بھروسا کر بیٹھا اور بڑے آرام اور راحت کے ساتھ دن گزارنے لگا۔ شہاب الدین غوری کے بھیجے ہوئے امیر اپنے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق نہایت کم رفتاری سے سفر طے کر رہے تھے اور اس سے قبل کہ وہ ملک شاہ کو لے کر لاہور پہنچتے' شہاب الدین غوری ایک دوسرے راستے سے بڑی سرعت کے ساتھ [illegible]

لاہور کے دریا کے کنارے پر خیمہ زن ہو گیا- دوسرے دن جب خسرو ملک کی آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ دریا کا کنارہ دشمنوں کے لشکر کی قیام گاہ بنا ہوا ہے- یہ عالم دیکھ کر خسرو ملک نے مجبورا غوری سے امان طلب کر لی اور لاہور پر غوری کا قبضہ بغیر کسی جنگ کے ہو گیا-

خسرو ملک نے اٹھائیس (۲۸) سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی- اس کے مرتے ہی غزنی کی عظیم الشان حکومت محمود غزنوی کے خاندان سے نکل کر خاندان غوری کے ہاتھ میں آ گئی-

مقالہ دوم

سلاطین دہلی کے حالات میں

سلاطین دہلی کے حالات میں

تمہید

سلاطین دہلی کے حالات لکھنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم بادشاہوں کا مختصر احوال' دارالسلطنت دہلی کی بنا کی کیفیت اور سلاطین غور کے حالات مختصر طور پر بیان کر دیئے جائیں اور اس کے بعد اصل مقصد یعنی سلاطین دہلی کے تذکرے کو شروع کیا جائے۔

ہندوؤں کے عقائد

قارئین کو یاد ہو گا کہ اس کتاب کے مقدمے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے حکماء نے زمانے کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) ست جگ (۲) ترتیا جگ (۳) دواپر جگ (۴) کل جگ اہل ہندوستان کے عقائد کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے تک کل جگ کے تین ہزار سات سو اور کچھ اوپر سال گزر چکے ہیں۔ ہندوؤں نے ہر دور کی مختلف خصوصیات اور تاثیرات متعین کی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کل جگ کی متعینہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر از سر نو ست جگ کا آغاز ہوتا ہے اور اسی طرح یکے بعد دیگرے یہ چاروں دور آتے رہتے ہیں۔ ہر دور کے اختتام سے مراد قیامت ہے ورنہ حقیقت میں یہ دنیا بہت قدیم ہے۔ اور غیر فانی ہے لیکن اس اعتقاد کے خلاف بعض برہمنوں کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب کہ یہ بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس قلیل طبقے کے پاس حدوث عالم کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ برہمنوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہر جگ میں کسی نہ کسی پیغمبر یا رشی نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی کتاب ضرور تصنیف کی ہے اور باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے وہ تمام کتابیں اب تک محفوظ ہیں۔

اہل ہند چونکہ چین' خطا اور ختن کے غیر مسلموں کی طرح طوفان نوح سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو اس بات کا یقین ہے کہ گذشتہ زمانوں کی تمام اشیاء محفوظ ہیں۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ پہلے جگ یعنی ست جگ کی ابتدا سے لے کر اب تک دنیا میں انسان آباد رہا ہے۔ ہندوؤں کے بعض عالم دنیا کی پیدائش کا زمانہ ست جگ بتاتے ہیں۔ ہندوستانی حکیموں کا کہنا ہے کہ ہر جگ میں آدم و حوا مختلف اوصاف لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض زمانوں میں انسان دراز قد' طویل العمر اور عظیم الجثہ پیدا ہوتے ہیں اور بعض زمانوں میں اس کے بالکل برعکس یعنی قد چھوٹا ہوتا ہے عمر کم ہوتی ہے اور جسم پتلا و دبلا۔ انسانوں کی پیدائش کا یہ اختلاف درختوں اور نباتات میں بھی پایا جاتا ہے اور ہر دور کے درخت اور پودے وغیرہ دوسرے دور کے درخت اور پودوں سے قدو قامت اور رنگ و بو میں مختلف ہوتے ہیں۔ انہیں ہندوؤں کا اس پر بھی اعتقاد ہے کہ برہمن اور کھتری روز اول سے موجود ہیں ان کے علاوہ دوسری ذاتیں تیسرے دور یعنی دواپر جگ کے آخری اور چوتھے دور یعنی کل جگ کے ابتدائی زمانے میں بڑی کثرت سے پیدا ہوتی رہیں۔ راجپوتوں کا مشہور فرقہ دواپر جگ کے آخری زمانے میں پیدا ہوا اور کل جگ کے ابتدائی زمانے میں اس کی بہت کثرت ہوئی۔ ہندوؤں کی دوسری ذاتیں کل جگ کے ابتدائی زمانے میں بڑی کثرت سے ظہور میں آئیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر جگ میں ان گنت بڑے بڑے راجہ ہندوستان کے مختلف حصوں پر حکومت کرتے تھے جیسا کہ مہا بھارت (جو عہد اکبری میں فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی) میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان راجاؤں میں ایک کھتری راجہ دریودھن بھی تھا جو دواپر جگ کے آخری دور میں ہندوستان کے ایک بڑے حصے

پر حکمران تھا۔ اس راجہ کا پایہ تخت ہستناپور تھا جو دہلی کے قریب واقع تھا سری کرشن جسے ہندو اپنا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اسی راجہ (دریودھن) کے ہم عصر تھے۔ دریودھن کے پانچ حقیقی چچا زاد بھائی تھے جو پانڈووں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ چونکہ ان پانچوں بھائیوں کے چہروں سے اقبال مندی اور بہادری کے جوہر نمایاں تھے اس لیے ان کی آئندہ ترقی اور ہر دلعزیزی کے خیال سے پریشان ہو کر دریودھن اپنے ان چچا زاد بھائیوں کا دشمن ہو گیا وہ شب و روز اپنے ان بھائیوں کی بربادی اور تباہی کے بارے میں سوچا کرتا تھا' لیکن کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوتی۔ آخر کار اس نے پانڈووں کو جوئے کے جال میں پھنسایا اور ایک دن ان کے ساتھ جوا کھیلا۔ اس موقع پر پانڈووں کا ستارہ کچھ گردش میں تھا لہٰذا وہ بازی ہارتے چلے گئے۔ جب وہ اپنی تمام منقولہ جائیداد ہار چکے تو پانچوں بھائیوں نے اپنے اپنے علاقے (اندر پت' سون پت' پانی پت' تپت اور باک پت) بھی ایک ایک کر کے ہاتھوں سے کھو دیئے۔ دریودھن نے جب پانڈووں سے سب کچھ چھین لیا تو اس نے ان کو جلاوطن کرنے کی تدبیر سوچی۔ اور جوئے کی آخری بازی اس شرط پر لگائی کہ اس بار جو فریق شکست کھائے وہ اپنا تمام مال و اسباب اور ملک چھوڑ کر بارہ برس تک جلاوطنی کی زندگی بسر کرے کہ تمام لوگ اس کے حال سے واقف اور آگاہ رہیں اور (ان بارہ برسوں کے خاتمے کے بعد) ایک سال تک اس طور پر زندگی بسر کرے کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو۔ یہ آخری بازی بھی پانڈو ہار گئے اور انہیں مجبوراً جلاوطن ہونا پڑا۔ پانڈو اپنے وطن سے نکل کر دکن کی طرف آئے اور بارہ برس تک اسی علاقے کے نواح میں اجنبیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اس دوران میں دریودھن اپنے کارندوں کی معرفت پانڈووں کے حالات سے باخبر رہتا تھا جب بارہ (۱۲) سال پورے ہو گئے تو پانڈووں کو ایک سال حسب شرط گمنامی کی زندگی بسر کرنا تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنی وضع قطع تبدیل کر لی اور دکن کے موجودہ عادل شاہی علاقے پائین میں چلے آئے اور یہاں رہنے لگے۔ دریودھن نے ان کا سراغ لگانے کی بہت کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ جب ایک سال بھی جو اس سے پہلے کے بارہ سالوں سے کہیں زیادہ بھاری تھا ختم ہو گیا تو پانڈو اپنے بدن سے مسافرت اور غریب الوطنی کی گرد جھاڑ کر واپس آئے اور دریودھن سے اپنی سلطنت کی واپسی کی درخواست کی۔

دریودھن کو پانڈووں کے صحیح و سلامت واپس آنے پر بہت زیادہ افسوس ہوا۔ چونکہ اپنی گذشتہ کارروائیوں سے دریودھن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے ان دشمنوں کو تباہ و برباد کرے۔ لہٰذا اس نے پانڈووں سے کہلا بھیجا کہ اگر پانچوں بھائیوں کو اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ فوراً ملک سے باہر چلے جائیں ورنہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ دریودھن سے یہ جواب پانے کے بعد پانڈو مایوس ہو کر متھرا پہنچے اور وہاں انہوں نے ہندووں کے مشہور رشی سری کرشن کے سایہ عاطفت میں پناہ لی۔

سری کرشن نے دریودھن سے پانڈووں کی سفارش کی' لیکن دریودھن کی حرص و ہوس اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے ہندووں کے سب سے بڑے اوتار کا بھی کوئی خیال نہ کیا اور اس کی بات سنی اور ان سنی کر دی۔ جب دریودھن کسی صورت سے بھی اپنا وعدہ پورا کرنے پر راضی نہ ہوا تو آخر کار فیصلہ یہی ہوا کہ دونوں فریق باہم معرکہ آرائی کریں۔ ایک عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بے شمار سپاہی مارے گئے۔ چونکہ خدا تعالیٰ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے اس لیے اس جنگ میں دریودھن مارا گیا اور پانڈووں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ پانچوں بھائی ہندوستان کے حاکم ہوئے اور تقریباً تمام ہندوستان ان کے قبضے میں رہا جب یہ پانچوں بھائی ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بعد ان کی اولاد کئی نسلوں تک ہندوستان پر حکمرانی کرتی رہی۔

جب دواپر جگ کا زمانہ ختم ہوا تو کل جگ کے کسی عہد میں ہندوستان کی حکومت راجاؤں کے خاندان کے ہاتھوں سے نکل کر غلاموں اور ان کے متعلقین کے قبضے میں آ گئی سارے ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان غلاموں کی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی گئی اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومت اجین کے مشہور راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں میں چلی گئی بکرماجیت

اپنے قبضے میں لیا نیز دکن پر بھی قبضہ کر لیا۔ راجہ بکرماجیت کے آخری زمانے میں ایک ستائیس (۲۷) سالہ برہمن نے' جو پٹن کا رہنے والا تھا اور جس کا نام سالباہن تھا دکن میں سرکشی کی اور تمام دکن پر اپنا قبضہ کر لیا۔ بکرماجیت نے سالباہن کے مقابلے کے لیے لشکر تیار کیا اور دریائے نربدا کے پار جا پہنچا۔ سالباہن مقابلے پر آیا' جنگ ہوئی اور اس میں راجہ بکرماجیت مارا گیا اور سالباہن کو فتح نصیب ہوئی۔ بکرماجیت کی وفات کے بعد سالباہن نے دریائے نربدا کو پار کر کے راجہ بکرماجیت کے ہندوستانی مقبوضات کو اپنے تصرف میں لانے کا ارادہ کیا' لیکن دریا میں سخت طغیانی آ جانے کی وجہ سے اس کے سپاہی اور بار برادری کے جانور ہلاک ہو گئے۔ سالباہن کو اپنے ارادے پر سخت شرمندگی ہوئی اور اس نے یہ خیال دل سے نکال دیا۔ لہٰذا اس نے اجین کی حکومت راجہ بکرماجیت کے بیٹے کے سپرد کر دی۔

اہل ہندوستان اپنے سال کی ابتداء بکرماجیت کے جلوس سے کرتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت سنہ بکرمی کے چھ سو اکیس (۶۲۱) سال گزر چکے تھے۔ ہندوستان کے مورخین لکھتے ہیں کہ بکرماجیت کے بعد ایک عرصے تک ہندوستان کی حکومت راؤ خاندان کے قبضے میں رہی' لیکن رفتہ رفتہ ان کی قوت ختم ہوتی گئی اور کھتریوں کی اولاد' راجپوت اقتدار حاصل کرتے گئے یہاں تک کہ اس گروہ کے مختلف افراد نے ہندوستان کے حصوں میں خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔

راجپوتوں کی قوت رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی۔ بکرماجیت کے عہد ہی میں ان میں سے بعض بہت دولت مند اور صاحب حکومت ہو گئے تھے۔ بکرمی عہد کے ان صاحب اقتدار راجپوتوں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی تربیت اور نشوونما بڑے اچھے طریقے سے کی تھی اور اس میں بڑی دلچسپی لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فرقہ تھوڑے سے عرصے ہی میں کھتری راجاؤں کے لشکر اور دربار پر پوری طرح چھا گیا۔ اس تسلط اور اقتدار کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان لوگوں نے کھتری راجاؤں کی ماتحتی سے نکل کر اپنی آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کر لیں۔ دوسرے ماتحت راجپوت بھی اپنی کوششوں اور خود مختار راجپوت امراء کی مدد سے کھتری حکومت کی ماتحتی سے نکل کر آزاد ہوتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا یعنی سلطان محمود سے پہلے ہی ہندوستان کے تمام حصوں پر انہیں راجپوتوں کا قبضہ تھا۔

جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ان راجپوت امراؤں کی حالت ابتر ہونے لگی اور محمود اور اس کی اولاد کے پے در پے لشکر کشی نے تو ان کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیا۔ غزنوی فاتحین نے سرہند' تھانیسر اور ہانسی وغیرہ کے مشہور مقامات اور قلعوں کو فتح کیا۔ لاہور اور اس کے گرد و نواح کے دیگر راجاؤں کو شکستیں دیں۔ یہ غزنوی فرمانروا اجمیر اور دہلی کے راجاؤں کو ختم کرنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ دفعتاً" ان کی اپنی سلطنت زوال پذیر ہو گئی' لیکن ان کے اس ارادے کو سلطان شہاب الدین غوری نے عملی جامہ پہنایا۔ جو ہندو راجہ سلطان غوری کی دسترس سے بچ گئے انہیں دہلی' گجرات اور مندو کے اسلامی تاجداروں نے تباہ و برباد کیا۔ غوریوں کے بعد تیموری شاہوں نے راجپوت راجاؤں سے کسانوں اور مزدوروں کا کام لیا۔ غرض ان غیر مسلم فرماں رواؤں پر پے در پے ایسے حادثات گزرتے گئے کہ اس وقت یعنی جہانگیر بادشاہ غازی کے عہد میں سوائے راجپوت رانا کے کسی اور ہندو راجہ کی حکومت کا ہندوستان میں نشان تک باقی نہیں رہا سنا گیا ہے کہ بادشاہ غازی (جہانگیر) نے ان دنوں اس رانا پر بھی حملہ کر رکھا ہے۔

شہر دہلی کی بنا

۳۰۷ھ کے متبرک مہینوں میں سے کسی ایک مہینے کا واقعہ ہے کہ توران (توران سے مراد راجپوتوں کی "توار" قوم ہے) قوم کے راجپوت راجہ داوپتہ نے اندر پت کے شہر کے ساتھ ہی ایک نیا شہر آباد کیا۔ اس شہر کی مٹی بہت ہی نرم تھی اس وجہ سے لوہے کی سلاخیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ نصب نہیں کی جا سکتی تھیں اس بنا پر اس نئے شہر کا نام دہلی رکھا گیا۔ داوپتہ کے بعد دہلی پر آٹھ تورانی راجاؤں نے حکومت کی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) راجہ بھوج (۲) راجہ ادھرن (۳) راجہ سپہ صندل (۴) راجہ روبیک (۵) راجہ رودھنکر (۶) راجہ آہنکر

(۷) راجہ مدن پال اور (۸) راجہ سالباہن۔ اس خاندان کے زوال کے بعد دہلی کی حکومت راجپوتوں کے بہترین گروہ چوہانیوں کے ہاتھ میں آئی۔ جب متعدد چوہانی راجہ مانک دیو' دیو راج' راول دیو' جاہردیو' سہردیو کے بعد دیگرے حکومت کر چکے تو دہلی کا چھٹا اور آخری فرمانروا راجہ پتھورا تخت نشین ہوا۔ اس راجہ کو شہاب الدین غوری جیسے جواں ہمت اور مستقل مزاج بادشاہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ پتھورا مارا گیا۔ ۵۸۸ھ کے آخر میں دہلی کی حکومت چوہانیوں کے ہاتھوں سے نکل کر غور کے اسلامی بادشاہوں کے قبضے میں آ گئی۔

غوریوں کا احوال

سلاطین غور کے متعلق تمام مورخین کی تقریباً یہی رائے ہے کہ یہ فرقہ ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہے۔ غوریوں کے مختصر حالات یہ ہیں کہ جب ایران کے بادشاہ فریدون' ضحاک پر غالب آیا تو ضحاک کے خاندان کے تمام افراد کو یا تو قتل کر دیا یا جلاوطن کیا گیا لیکن دو بھائی سوری اور سام فریدوں کے دربار سے بسلسلہ ملازمت منسلک ہو گئے۔ کچھ دنوں تک تو ان دونوں بھائیوں نے فریدوں کے دربار میں زندگی بسر کی لیکن بعد ازاں اس خیال سے کہ فریدوں ان کا خاندانی دشمن ہے وہ اپنے ہمدردوں کی ایک جماعت کے ساتھ نہاوند کی طرف فرار ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے حالات کو بہتر بنانا شروع کیا۔ سوری تو اپنے قبیلہ کا سردار بنا اور سام نے لشکر کی سرداری کو اپنے ہاتھ میں لیا دونوں بھائیوں میں باہمی خلوص اور محبت بہت تھی۔ سوری کی بیٹی کا نکاح سام کے بیٹے شجاع کے ساتھ ہوا۔ اس کے کچھ عرصے بعد سام کا انتقال ہو گیا اور شجاع اپنے چچا کے زیر سایہ بڑے آرام سے زندگی بسر کرنے لگا' لیکن یہ آرام کا زمانہ کچھ زیادہ عرصے تک نہ رہا۔ اور دشمنوں نے لگا بجھا کر سوری کو شجاع سے متنفر کر دیا اور سوری اس نتیجے پر پہنچا کہ شجاع سے اپنی بیٹی کو علیحدہ کرا کے اسے جلاوطن کر دے۔ سوری کی بیٹی کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے اپنے خاوند (شجاع) کو حقائق سے آگاہ کیا (شجاع نے یہ سب کچھ سن کر یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا اور) ایک رات اس نے شاہی اصطبل سے دس اعلیٰ درجے کے گھوڑے اور اونٹوں کی چند قطاریں حاصل کیں اور اپنے بیوی بچوں کو ان پر سوار کرا کے اور مال " و دولت جو کچھ جلدی میں ہاتھ آ سکا لے کر غورستان کی طرف فرار ہو گیا۔ غورستان کے ایک محفوظ اور مضبوط مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا۔ اس مقام کی مضبوطی سے شجاع کو اس قدر اطمینان ہوا کہ عالم مسرت میں اس کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ "زومندیش" (یعنی اب اس شے سے مت ڈرو) اس بنا پر اس جگہ کا نام "زومندیش" پڑ گیا۔ شجاع نے اس مقام پر چند قلعے تعمیر کیے اور کچھ ہی عرصے بعد اس قدر قوت حاصل کر لی کہ ایک مدت تک ایرانی لشکر سے لڑتا رہا' لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب شجاع کو شکست اٹھانی پڑی اور اس نے ایرانیوں کی باج گزاری قبول کر لی۔

فریدوں کی اطاعت قبول کر لینے سے شجاع کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ اندرونی طور پر اس کو اپنی حکومت کے انتظامات کا موقع مل گیا۔ اس کے حسن سلوک کا بڑا شہرہ ہوا۔ اور ضحاک کی اولاد چاروں طرف سے آ آ کر اس کے دامن میں پناہ لیتی رہی۔ شجاع کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کو یکے بعد دیگرے اپنے قبیلے کی سرداری وراثت میں ملتی رہی یہاں تک کہ شنسب کی سرداری کا دور آیا۔ جب اس قبیلے نے مذہب اسلام قبول کیا یہ زمانہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کا تھا اور اس عہد میں غوریوں کا سردار شنسب بن حریق اپنے قبیلے کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضرت علی نے شنسب اور اس کے قبیلے کی فرمانبرداری سے خوش ہو کر شنسب کو غوریوں کی حکومت کا فرمان اپنے دست مبارک سے لکھ کر مرحمت فرمایا۔ مورخین نے شنسب کا نسب نامہ ضحاک سے اس طرح ملایا ہے شنسب بن حریق بن نہیق بن عیسیٰ بن زوزن بن حسین بن بہرام بن جمشی بن نہس بن ابراہیم بن سعد بن اسد بن شداد بن بطام بن مشاد بن نریمان بن فریدوں بن سام بن نفید اسب بن ضحاک بن شہران بن سند بن سام بن مرنتاش بن ضحاک الملک۔

چونکہ غوریوں میں شنسب پہلا شخص تھا جو مشرف ... [illegible]

عہد میں جب اولاد علیؓ پر تبرہ بازی کی جاتی تھی تو شسی اس بری حرکت میں پہلے ہی سے حصہ لیتے تھے لیکن غورستان کے شنسبلیوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اہل بیت کی بے انتہا تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ابو مسلم مروزی نے اہل بیت کے دشمنوں پر خروج کیا تو فولاد شسی نے ہر ممکن طریقے سے ابو مسلم کی مدد کی اور دشمنان اہل بیت کی بربادی و تاراجی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ہارون الرشید کا ہم عصر غوری حکمران یحییٰ بن نہاتان بھی شسی تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے یحییٰ بن نہاتان بن درمش بن درمنش بن پروزیر بن شسب، یحییٰ کا پوتا سوری بن محمد صفاریہ عہد حکومت میں ایک مشہور شخص تھا۔ اس سوری کا بیٹا محمد بن سوری سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا یہ سلطان محمود کی اطاعت نہیں کرتا تھا۔ اس پر محمود نے لشکر کشی کی اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ محمد کو قید کرنے کے بعد سلطان محمود نے غور کی حکومت محمد کے بیٹے ابو علی کو تفویض کی۔ ابو علی اگرچہ سلطان محمود کا مطیع و باج گزار تھا، لیکن اہل غور اسے پسند نہ کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کے بھتیجے عباس بن شسب بن محمد نے زبردستی سلطنت پر قبضہ کر لیا، عباس بہت ہی ظالم اور شقی حکمران تھا۔ اس کے ظلم اور برے اعمال کی سزا قدرت نے یہ دی کہ سات برس تک غورستان میں پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ اس خشک سالی کی وجہ سے ہزارہا انسان بھوکے پیاسے مر گئے۔ اس عاقبت نااندیش حکمران (عباس) نے سلطان ابراہیم غزنوی کا مقابلہ کرنے کی بھی ٹھانی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنی بد اعمالیوں کی سزا ملی اور غزنوی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

قطب الدین حسن اور اس کی اولاد کے حالات

عباس کی گرفتاری کے بعد سلطان ابراہیم غزنوی نے غور کی حکومت عباس کے فرزند محمد بن عباس کے سپرد کی۔ اسی کا بیٹا قطب الدین حسن ہندوستان کے غوری حکمرانوں کا جد اعلیٰ ہے۔ قطب الدین اور اس کی اولاد کے حالات بے حد دلچسپ ہیں جنہیں ذیل کی سطور میں بیان کیا جاتا ہے۔

قطب الدین نے اپنے عہد حکومت میں کسی دشمن پر حملہ کیا اور اس کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ چونکہ قطب الدین کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لیے محاصرے کے دوران میں دشمن کے کسی سپاہی کا تیر اس کی آنکھ میں آ کر لگا اس تیر کے زخم کی وہ تاب نہ لا سکا اور وہیں اس نے وفات پائی (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) غورستان کے مشہور قلعوں پر غزنوی قابض ہو گئے۔ اس ہنگامے کے دوران ہی میں قطب الدین کا بیٹا سام ہندوستان کی طرف فرار کرتا رہا۔ آخر کار ایک ایسا وقت بھی آ گیا جب اسے وطن کی محبت نے ستانا شروع کیا یہاں تک کہ اس نے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر وطن جانے کے لیے دریا کا سفر اختیار کیا۔ ان لوگوں کی کشتیاں ابھی تھوڑی ہی دور پہنچی ہوں گی کہ مخالف ہوا کہ تھپیڑے شروع ہو گئے ہوا کی تیزی لحہ بہ لحہ بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دریا میں تلاطم پیدا ہو گیا۔ اور ان وطن کے مشتاقوں کی کشتیاں ٹوٹ پھوٹ کر غرقاب ہو گئیں۔ سام اور اس کے تمام ہم سفر پانی کی موجوں کا لقمہ بن گئے، لیکن سام کا ایک بیٹا جس کا نام اعزالدین حسن تھا، ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کے سہارے "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مصداق دریا میں تیرنے لگا اتفاق سے ایک کشتی میں ایک شیر بھی تھا اور جب کشتی تباہ ہوئی تو اس نے بھی اپنے پنجے سے کشتی کے تختے کو پکڑ لیا اور تیرنے لگا۔ یہ تختہ وہی تھا جس کا اعزالدین نے سہارا لے رکھا تھا۔ الغرض شیر اور اعزالدین دونوں ہی اس خطرناک سفر میں ساتھ ساتھ تیرتے رہے۔ تین روز اور تین راتیں اسی عالم میں گزر گئیں۔ اور بے چارہ اعزالدین بھوکا پیاسا تختے کے ساتھ چمٹا ہوا بہتا چلا جا رہا تھا۔ تین روز کے بعد خدا نے اس مصیبت کو دور کیا اور وہ تختہ کنارے سے آ لگا۔ شیر نے فوراً جنگل کی راہ لی اور اعزالدین نے اپنے صحیح سلامت بچ نکلنے کا بارگاہ خداوندی میں شکر ادا کیا۔

اعزالدین نے دریا کے کنارے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے ایک شہر کے آثار نظر آئے یہ اجنبی مسافر اٹھا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ کڑی مصیبت اور فاقہ کشی کی وجہ سے اس میں چلنے کی سکت باقی نہ رہی تھی اس لیے وہ بڑی مشکلوں سے سورج ڈھلنے کے وقت شہر

میں پہنچا اور مسافروں کی طرح ایک دوکان میں پڑ کر سو رہا- وہاں کے چوکیداروں نے اسے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال شہر کے سامنے پیش کیا کوتوال نے بغیر کسی قسم کی تحقیقات کیے اسے جیل خانے میں بھجوا دیا- جہاں بے چارہ پورے سات سال تک پڑا رہا' سات سال بعد اس کے اچھے دن آئے-

اور حاکم شہر کسی مہلک مرض میں مبتلا ہوا اور اس مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے قیدیوں کو آزاد کیا اور یوں اعزالدین کو آزادی کی زندگی نصیب ہوئی-

قید خانے سے چھٹنے کے بعد اعزالدین غزنی کی طرف روانہ ہوا- راستے میں اسے ڈاکوؤں کا ایک گروہ ملا انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اعزالدین بلند و بالا اور خوب طاقت ور ہے اسے اپنے گروہ میں زبردستی شامل کر لیا- جس رات اعزالدین اس گروہ میں شامل کیا گیا- اسی صبح کو سلطان ابراہیم کے لشکر نے ان ڈاکوؤں گرفتار کر لیا- سلطان کا لشکر ایک مدت سے اس گروہ کے سراغ میں تھا- اعزالدین بے چارہ ابھی ایک قید ہی سے چھوٹا تھا کہ اسے دوسری قید بھگتنی پڑ گئی- ان ڈاکوؤں کو مع اعزالدین کے سلطان ابراہیم کے سامنے پیش کیا گیا- سلطان نے ان سب کو تہ تیغ کرنے کا حکم دے دیا- ان ڈاکوؤں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا اور جلاد باری باری ان کا سر تن سے جدا کرنے لگا- جب اعزالدین کی باری اور آئی جلاد نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی تو اعزالدین نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا- "اے خدا مجھے معلوم ہے کہ تو غلط راستے پر نہیں چلتا' مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تیری ذات ہر طرح کے ظلم اور جور سے بالکل پاک ہے- مجھے قطعاً یہ علم نہیں ہے کہ میں بے گناہ کس لیے مارا جا رہا ہوں-" اعزالدین کی یہ باتیں سن کر جلاد نے اس سے کہا "یوں مکار اب خدا کے سامنے بے گناہوں کی طرح فریاد کرتا ہے حالانکہ تجھ سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہے- ایک عرصے تک تو خدا کے بندوں پر ظلم اور بادشاہ کی اطاعت سے سرکشی کرتا رہا ہے کیا ایسی بدکرداریوں کے باوصف تو اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا ہے- اعزالدین نے اپنی تمام داستان جلاد کو سنائی اور اسے یقین دلایا کہ خدا کا یہ فریادی بالکل بے گناہ ہے- جلاد کو یہ داستان سن کر اس پر رحم آ گیا اور اس کے قتل سے باز رہا- دوسرے قیدیوں کو قتل کرنے کے بعد جلاد نے ایک امیر کی معرفت اعزالدین کے حالات سے سلطان ابراہیم کو آگاہ کیا- سلطان اعزالدین کو بلایا اور خود اس سے ساری داستان سنی یہ سن کر اسے اعزالدین پر بہت رحم آیا اور ازراہ غریب پروری اسے مقربان سلطنت کے گروہ میں شامل کر لیا-

تھوڑی سی مدت میں اعزالدین نے سلطان ابراہیم کے مزاج میں بڑا دخل پیدا کر لیا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان ابراہیم نے اسے امیر حاجب مقرر کر کے اپنے ایک عزیز کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی- اس شادی کے بعد اعزالدین کا وقار روز بروز بڑھتا ہی گیا اور وہ ترقی کے مراحل بڑی تیزی سے طے کرتا رہا- جب سلطان ابراہیم نے وفات پائی اور اس کا بیٹا مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا تو اس کا زمانہ اعزالدین کے لیے اور زیادہ مسعود و مبارک ثابت ہوا' مسعود نے اسے غور کا حاکم مقرر کر دیا-

اعزالدین کے نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین کے نزدیک وہ قطب الدین کا پوتا ہے اور اس کے بڑے بیٹے سام کی اولاد ہے لیکن بعض مورخ اسے قطب الدین ہی کا فرزند خیال کرتے ہیں- غزنوی خاندان کی بیوی کے بطن سے اعزالدین کے سات بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں (۱) ملک فخر الدین مسعود بامیان (۲) قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ غزنوی (۳) شجاع الدین علی (یہ عین عالم شباب میں راہی ملک عدم ہوا-) (۴) ناصر الدین محمد حاکم ولایت زمین داور (۵) سیف الدین سوری (۶) بہاؤ الدین سام (۷) علاؤ الدین حسین (یہ عام طور پر "جہاں سوز" کے نام سے مشہور ہے-)

اعزالدین عمر بھر سلطان سنجر اور غزنوی سلطانوں کا مطیع و فرمانبردار رہا اس کے انتقال کے بعد اس کے ساتوں بیٹے جو "ہفت اختر" کے لقب سے مشہور تھے

دوسرا گروہ ملوک غور و غزنی کہلاتا ہے۔ اس دوسرے گروہ کا پہلا حکمران قطب الدین محمد داماد بہرام شاہ ہے قطب الدین محمد تاریخ میں "ملک الجبال" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی غوری امیر نے فیروز کوہ کو بنایا اور اسے مستحکم کر کے اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور اس دارالسلطنت کے دونوں طرف دو دو کوس تک حصار کھینچ کر اس میدان کو اپنی شکار گاہ بنایا۔ اس شکار گاہ میں قطب الدین نے جابجا قلعے بنائے اور تمام شاہی ساز و سامان جمع کر کے غزنی پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ قطب الدین کے اس ارادے کی خبر بہرام شاہ کو ہوئی اور بہرام شاہ نے قطب الدین کو کسی بہانے سے غزنی میں بلا کر ایک قلعے میں قید کر دیا اور اسی قید کے زمانے ہی میں ابراہیم کے حکم سے قطب الدین کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ قطب الدین کی ہلاکت غزنوی اور غوری دونوں خاندانوں میں دشمنی کی وجہ بن گئی اور دونوں خاندان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

سیف الدین

غوری امیروں میں سیف الدین پہلا شخص ہے جس نے اپنے لیے "سلطان" کا لقب اختیار کیا۔ (جس زمانے میں بہانے سے قطب الدین کو غزنی بلایا گیا تھا اس وقت) سیف الدین بھی اپنے بھائی قطب الدین کے ساتھ غزنی گیا ہوا تھا' جب قطب الدین ہلاک ہو گیا تو سیف الدین بھاگ کر غور میں آ گیا۔ اور اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے لشکر جمع کر کے اس نے بہرام شاہ پر چڑھائی کی۔ بہرام شاہ سیف الدین کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور غزنی چھوڑ کر ہندوستان کی طرف فرار ہو گیا۔ سیف الدین نے جب میدان خالی دیکھا تو وہاں کی عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لی اور اہل غزنی پر بھروسا کر کے اپنے بھائی بہاؤالدین کو غوری امیروں اور فوجی سرداروں کے ساتھ واپس غورستان روانہ کر دیا۔

جب سردیوں کا زمانہ شروع ہوا اور برف باری سے غورستان کے تمام راستے اٹ گئے۔ تو اہل غزنی نے (جو بباطن بہرام شاہ کے فرماں بردار تھے) موقع دیکھ کر بہرام شاہ کو غزنی آنے کی دعوت دی۔ بہرام نے اس دعوت پر لبیک کہا اور جلد از جلد غزنی پہنچ گیا۔ جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ بہرام نے سیف الدین سوری اور اس کے وزیر مجد الدین کو بڑی بری طرح ذلیل و رسوا کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ جس دشمنی کا بیج قطب الدین نے بویا تھا اس کی نشوونما سیف الدین کے خون سے ہوئی۔ سلطان غیاث الدین کے باپ بہاؤ الدین نے جب اپنے بھائی سیف الدین کا یہ حشر سنا تو اس نے غزنی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس سے پیشتر کہ اس کے ارادے اور عمل میں مطابقت پیدا ہوتی اس کا ایک زہریلے پھوڑے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔

غیاث الدین اور شہاب الدین

بہاؤ الدین کے انتقال کے بعد اعزالدین کے مشہور زمانہ بیٹے علاؤ الدین نے اپنی جہاں سوزی سے غوری خاندان کا نام بہت مشہور کر دیا۔ اس نے غزنی پر قبضہ کیا اور سلطان محمود' مسعود اور ابراہیم کے سوا باقی تمام آل سبکتگین کی قبریں کھدوائیں اور ان کی ہڈیوں کو نذر آتش کیا۔ اس ظلم و بربریت کے بعد علاؤالدین غورستان میں واپس آیا اس نے اپنے دونوں بھتیجوں غیاث الدین اور شہاب الدین (جو بہاؤ الدین کے بیٹے تھے) کو سنجر کی حکومت عطا کی۔ یہ دونوں بھائی بڑے ہی باہمت اور سخی طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کے زیر حکومت علاقے کی آمدنی ان کے مصارف سے کہیں کم تھی' لیکن پھر بھی قرب و جوار کے سپاہی ان کی سخاوت کا غلغلہ سن سن کر ان کے شہر کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بھائی اپنی سخاوت اور ہردلعزیزی کی بنا پر چاروں طرف مشہور ہو گئے۔ حاسدوں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے غیاث اور شہاب کی شہرت سے جل کر علاؤ الدین کے کان بھرے اور اسے ان دونوں سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ علاؤ الدین نے ان دونوں بے گناہ بھائیوں کو جرجستھان کے قلعے میں قید کر دیا۔ بعد ازاں علاؤ الدین غرور کے نشے میں اس حد تک سرشار ہوا کہ سلطان سنجر کی اطاعت اور فرمانبرداری سے بھی انکار کر دیا۔ اعزالدین' سنجری خزانے کو جو سالانہ رقم ادا کیا کرتا

تھا' علاؤ الدین نے وہ بھی بند کر دی اور اسی بدعنوانی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بلخ اور ہرات جو سنجر کی حکومت میں شامل تھے' زبردستی ان پر قبضے کر لیے۔

سلطان سنجر نے جب علاؤ الدین کی یہ بدعنوانیاں اور زیادتیاں دیکھیں تو اس نے لشکر کشی کر دی۔ علاؤ الدین اس جنگ میں سنجر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ایک عرصے تک بے دست و پا پڑا رہا۔ آخر کار سنجر کو اس پر رحم آیا اور اس نے علاؤ الدین کو غورستان کا حاکم بنا دیا اس کے کچھ ہی عرصے بعد ۵۵۱ھ میں علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا۔

سیف الدین محمد ابن علاؤ الدین

علاؤ الدین کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین حکمران ہوا۔ اس نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی اپنے چچیرے بھائیوں غیاث الدین اور شہاب الدین کو قلعے سے نکال کر رہا کیا اور دوبارہ سنجر کا حاکم مقرر کر دیا۔ تخت نشینی کے ایک سال اور کچھ مہینوں بعد سیف الدین کی غزنویوں سے معرکہ آرائی ہوئی اور اس جنگ کے دوران میں وہ اپنے ہی ایک لشکری کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ سیف الدین کی وفات کے بعد غیاث الدین محمد فیروز کوہ پہنچا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور اپنے بھائی شہاب الدین کو جو غور کا فرمانروا تھا' اپنا سپہ سالار بنایا۔ غیاث الدین نے تھوڑی سی مدت ہی میں خراسان اور ہندوستان کو فتح کر لیا اور ان ممالک میں اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا غیاث الدین کا انتقال ۵۹۹ھ میں ہوا۔

شہاب الدین غوری

ملک سیف الدین کے بعد غور کی بادشاہت غیاث الدین کے ہاتھ میں آئی- غیاث الدین نے اپنے بھائی شہاب الدین کو بلاد گرم سیر کے مشہور مقام تکیاباد میں چھوڑا- اور خود مملکت کے دوسرے علاقوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا- شہاب الدین اپنے علاقے تکیاباد سے غزنی پر اکثر حملہ کیا کرتا تھا- ان حملوں کا مقصد یہ تھا کہ غزنی جو سبکتگین کی اولاد کے قبضے میں چلا گیا تھا اسے محمود کی اولاد کے قبضے سے چھین کر غور کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے- شہاب الدین نے غزنی کو اپنے قبضے میں کرنے کی بارہا کوشش کی لیکن ہر بار وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا- ۵۶۷ھ میں غیاث الدین نے خود غزنی پر لشکر کشی کی اور اسے خسرو ملک کے امیروں کے قبضے سے نکال کر غورستان کا ایک صوبہ بنالیا اور اس کی حکومت اپنے بھائی شہاب الدین کے سپرد کر دی-

ملتان اور اچھ کی فتح

۵۷۲ھ میں شہاب الدین نے اپنے بھائی غیاث الدین کے حکم سے ملتان پر حملہ کیا اس نے ملتان اور آس پاس کے علاقوں کو قرامطہ کے قبضے سے نکال لیا- اس کے بعد شہاب الدین نے اچھ پر لشکر کشی کی- جب اچھ کے راجہ کو شہاب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ قلعہ بند ہو گیا- شہاب الدین نے قلعے کے اردگرد اپنے خیمے لگا دیئے اور تسخیر قلعہ کی کوششیں کرنے لگا- کچھ عرصے بعد اسے احساس ہوا کہ جنگ اور محاصرے کے ذریعے قلعہ اور اہل قلعہ کو مغلوب کرنا مشکل ہے لہٰذا اس سلسلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کوئی اور چال چلنی چاہیے- اس خیال کے پیش نظر شہاب الدین نے راجہ اچھ کی رانی کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ "اگر تیری کوشش سے قلعہ فتح ہو گیا تو میں تجھے اپنی ملکہ بناؤں گا-" رانی پہلے ہی سے شہاب الدین سے بہت خائف تھی اور اسے یقین تھا کہ اس معرکے میں کامیابی اسی کو ہو گی- لہٰذا رانی فوراً ہی شہاب الدین کے دام میں آ گئی اور اس نے قاصد سے کہلوا بھیجا- "میری عمر تو اب ایسی نہیں رہی کہ بادشاہ کی ملکہ بنوں البتہ میری لڑکی اس قابل ہے کہ وہ شہاب الدین جیسے جاں باز اور سرفروش کے عقد میں آئے- میں بادشاہ کے حکم کی تعمیل کروں گی (جب بادشاہ کو فتح حاصل ہو تو) وہ میری لڑکی کو اپنی ملکہ بنالے اور قلعے پر قابض ہو کر میرے مال و متاع اور اسباب کو ہاتھ نہ لگائے-" شہاب الدین نے رانی کی یہ شرائط منظور کر لیں- اس کے بعد رانی نے دو دن ہی میں اپنے راجہ کا کام تمام کر دیا اور شہر شہاب الدین کے حوالے کر دیا- شہاب الدین نے حسب شرط راجہ کی بیٹی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی- اس کے بعد اس نے رانی اچھ اور اس کی بیٹی کو غزنی میں بھیج دیا تاکہ انہیں وہاں اسلامی تعلیمات اور قرآن سے بہرہ ور کیا جائے- شہاب الدین نے اگرچہ اس "مردمار" رانی کے توسط سے اپنا کام نکال لیا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں اس سے ناراض تھا کیونکہ اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی تھی لہٰذا وہ ان ماں بیٹیوں کو بالکل قابل اعتماد نہ سمجھتا تھا کچھ دنوں بعد رانی اچھ کا تو انتقال ہو گیا- بیٹی نے بھی شہاب الدین کی ملکہ بن کر کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور اپنی ماں کی وفات کے دو برس بعد رنج و غم کی زندگی بسر کر کے وفات پا گئی- شہاب الدین نے ملتان اور اچھ کی حکومت علی کرماج کو سونپی اور خود واپس غزنی آ گیا-

گجرات، پشاور، سندھ اور لاہور وغیرہ پر لشکر کشی

۵۷۴ھ میں شہاب الدین ملتان اور اچھ کی طرف آیا اور یہاں سے براہ ریگستان گجرات کی طرف روانہ ہوا- اس وقت گجرات کا حاکم رائے بھیم دیو تھا جو بھرامن دیو کا پرپوتا تھا- بھیم دیو نے خوب ڈٹ کر شہاب الدین کا مقابلہ کیا بڑے زوروں کی معرکہ آرائی رہی- اس

کے نتیجے میں مسلمانوں کو شکست ہوئی بہت سے مسلمان سپاہی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ شہاب الدین بڑی مشکلوں کے بعد میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر غزنی واپس پہنچا۔

۵۷۵ھ میں شہاب الدین نے پشاور کے ان مقامات کو بھی فتح کر لیا جو تاریخ میں بکرام، پرشور اور فرسور کے نام سے مشہور تھے۔ اس کے دوسرے سال اس نے لاہور پر لشکر کشی کی۔ لاہور کی حکومت اس وقت غزنوی خاندان کے آخری تاجدار خسرو ملک کے ہاتھ میں تھی۔ خسرو ملک کی حکومت کی بنیادیں، راجہ دہلی اور دوسرے مقامات ہند کے راجاؤں کی دشمنی نیز افغانوں کی یورشوں کے سبب سے بہت کمزور ہو چکی تھی لہٰذا خسرو شہاب الدین کے مقابلے پر تیار نہ ہوا اور مجبوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ تھوڑی بہت گفت و شنید کے بعد شہاب الدین نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔ خسرو ملک نے اپنا ایک نو عمر لڑکا مع ایک شاندار ہاتھی شہاب الدین کے پاس بطور ضمانت کے بھجوا دیا۔ شہاب الدین نے بھی الصلح خیر العمل (صلح سب سے اچھا عمل ہے) کے مصداق خسرو ملک سے کچھ تعرض نہ کیا اور واپس غزنی آ گیا۔

۵۷۶ھ میں شہاب الدین نے سندھ کے مشہور شہر دیول (دیول یا دیبل سندھ کا قدیم تاریخی مقام ہے موجودہ زمانے میں اس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ شہر کس جگہ آباد تھا البتہ یہ یقینی ہے کہ کراچی کے مضافات میں تھا۔ کچھ محقق اسے موجودہ ٹھٹھہ کے قرب و جوار میں بتاتے ہیں۔") پر حملہ کیا۔ اور دریائے سندھ کے کنارے کے تمام مقامات کو اپنے قبضے میں کر لیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر اپنے وطن کو واپس ہوا۔

۵۸۰ھ میں شہاب الدین نے لاہور پر پھر لشکر کشی کی اور اس شہر کے گرد و پیش کے علاقوں کو خوب جی بھر کر لوٹا۔ دریائے راوی اور چناب کے درمیان سیالکوٹ کا قلعہ تعمیر کروایا اور اس کی حکومت حسین خرمیل کے سپرد کی اس کے بعد وہ واپس غزنی آ گیا۔ شہاب الدین کی واپسی کے بعد خسرو ملک کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا۔ اس نے گکھروں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر سیالکوٹ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو نے اس قلعے کو فتح کرنے کی ہر چند کوششیں کیں لیکن ناکام رہا۔ لہٰذا بے نیل مرام واپس لوٹا۔ خسرو کی اس حرکت پر شہاب الدین بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے ۵۸۲ھ میں ایک زبردست لشکر تیار کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ خسرو ملک اس بار بھی قلعہ بند ہو گیا چند روز تک تو خسرو ملک شہاب الدین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا لیکن آخر کار یہ سوچ کر کہ اس شیر سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ خسرو ملک بڑی عاجزی کی حالت میں شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ اسے شہر میں لے آیا۔ شہاب الدین نے لاہور کو بھی ملتان کے حاکم علی کرماج کے سپرد کیا اور خسرو ملک اور اس کے بیٹے کو غیاث الدین کے پاس فیروز کوہ کی طرف روانہ کر دیا۔ سلطان غیاث الدین نے ان دونوں باپ بیٹوں کو جرجستھان کے ایک قلعے میں قید کر دیا۔ کچھ عرصے بعد خوارزم شاہ کا حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ غیاث الدین نے خسرو ملک کو بھی سازش میں شرکت کا مجرم گردان کر تمام غزنوی قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یوں سلطان محمود کے خاندان کا چراغ گل ہو کر رہ گیا۔

ترائن کی پہلی لڑائی

شہاب الدین نے ۵۸۷ھ میں ایک بار پھر ہندوستان پر حملہ کیا اس حملے میں اس نے تپھندہ (یہاں تپھندہ سے مراد مشہور شہر "بھٹنڈہ" ہے) کے قلعے پر قبضہ کر لیا جو اس زمانے میں ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کا مرکزی شہر بن گیا تھا اور راجہ اجمیر کے قبضے میں تھا۔ شہاب الدین نے تپھندہ کی حکومت ملک بہاؤ الدین تولکی کے سپرد کی اور اسے مع ایک ہزار چالیس (۱۰۴۰) سواروں کی جماعت کے یہیں چھوڑ کر غزنی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ شہاب الدین رخصت ہونے ہی والا تھا کہ اسے خبر ملی کہ رائے پتھورا اپنے بھائی راجہ دہلی کھانڈے راؤ کے ساتھ سازش کر کے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کو تپھندہ کے قلعے پر قبضہ کرنے کے لیے اپنا ہم خیال بنا لیا ہے اور یہ

ہیں۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک بڑا لشکر لے کر رائے پتھورا کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ موضع ترائن جو آج کل تراوڑی کے نام سے مشہور ہے اور دہلی سے چالیس (۴۰) کوس کے فاصلے پر واقع ہے وہاں دریائے سرستی کے کنارے دونوں افواج میں آمنا سامنا ہوا۔

جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو ہندوؤں نے خوب جی توڑ کر لڑائی کی اور اپنی جانبازی کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ مسلمان سپاہیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ شہاب الدین کے لشکر کا میمنہ اور میسرہ بالکل خالی ہو گیا۔ قلب لشکر میں البتہ کچھ لشکری باقی رہ گئے۔ لشکر کی یہ بے ترتیبی اور بدحالی دیکھ کر شہاب الدین کے ایک امیر نے اس کو بتایا۔ "ہماری فوج کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں امیر جو کہ غوری خاندان کے پروردہ و پرداختہ تھے خوفزدہ و بدحواس ہو کر میدان جنگ سے فرار کا راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ مقدمتہ الجیش کے افغانی اور خلجی سردار بھی جو ہمیشہ بڑھ بڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے اس وقت میدان جنگ سے غائب ہیں اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس وقت جنگ سے کنارہ کشی کریں اور لاہور کی طرف روانہ ہو جائیں۔ شہاب الدین کو اپنے اس امیر کا مشورہ پسند نہ آیا اور اس نے ہمت و جرات سے کام لیتے ہوئے قلب لشکر کے باقی ماندہ سپاہیوں کی رفاقت میں دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس معرکے میں شہاب الدین نے جانبازی و مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دوست دشمن بھی تعریفیں کرنے لگے۔ شہاب الدین لڑ رہا تھا کہ اچانک راجہ دہلی کھانڈے رائے کی نظر اس پر پڑی اس نے اپنا ہاتھی شہاب الدین کی طرف بڑھایا۔ شہاب الدین بھی اپنا نیزہ سنبھال کر اس کی طرف بڑھا اور ہاتھی کے پاس پہنچ کر اس نے پورے زور سے ہاتھی کے منہ پر نیزے کا وار کیا۔ نیزہ ہاتھی کے منہ کے اندر چلا گیا اور اس کی ضرب شدید سے اس کے دانت ٹوٹ گئے۔ کھانڈے رائے نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہاتھی کے اوپر ہی سے شہاب الدین کے بازو پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ شہاب الدین بری طرح زخمی ہو گیا عین ممکن تھا کہ شہاب الدین اس زخم کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو کر اپنے گھوڑے سے گر جائے کہ ایک خلجی سپاہی نے بڑی پھرتی سے بادشاہ کو اس مصیبت سے نجات دلائی۔ وہ شہاب الدین کے گھوڑے پر چڑھ گیا اور اس کو اپنی گود میں لے لیا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ یہ سپاہی شہاب الدین کو لے کر امیروں کے پاس پہنچا جو میدان جنگ چھوڑ کر بیس (۲۰) کوس کے فاصلے پر خیمہ زن تھے۔ لشکریوں نے جب بادشاہ کو دیکھا تو ان کو شکست اور بادشاہ کی غیر موجودگی سے جو پریشانی تھی وہ ختم ہو گئی۔ شہاب الدین ہندوستانی علاقوں کی حکومت اپنے قابل اعتماد امیروں کے سپرد کرنے کے بعد واپس غور چلا گیا۔

غورستان واپس پہنچ کر شہاب الدین نے میدان جنگ سے بھاگنے والے افغانی امیروں سے تو کچھ نہ کہا لیکن خلجی اور غوری امیروں کو سخت سزا دی۔ اس نے توبروں میں کچے جو بھروا کر ان امیروں کی گردن میں لٹکا دیئے اور اسی عالم میں ان کو سارے شہر میں پھرایا۔ شہاب الدین نے یہ حکم دیا کہ جو امیر اپنے توبرے کے کچے جو نہ کھائے اس قتل کر دیا جائے۔ امیروں نے اپنی جانوں کی سلامتی کو غنیمت سمجھا اور توبروں کے کچے جو کھا لیے اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا۔

شہاب الدین کے زندہ بچ نکلنے کا واقعہ

"زین المآثر" میں شہاب الدین کے زندہ بچ نکلنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کھانڈے رائے کے ہاتھوں زخمی ہو کر شہاب الدین زمین پر گر پڑا تو شام تک یہ شیر غورستان اسی عالم کس مپرسی میں میدان جنگ میں پڑا رہا کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ کیونکہ ہندو سپاہی اسے اچھی طرح پہچانتے نہ تھے۔ جب سورج غروب ہو گیا تو تھوڑی رات گزرنے کے بعد شہاب الدین کے غلاموں کا ایک گروہ اپنے بادشاہ کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس سے گزرا۔ اس وقت تک وہ کچھ کچھ ہوش میں آ چکا تھا اس نے اپنے غلاموں کی آواز پہچان کر ان کو بلایا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ وفادار غلام اپنے بادشاہ کو صحیح و سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے وہاں سے اٹھا کر اس جگہ لے چلے جہاں فراری امیر جمع تھے۔ غلاموں نے شہاب الدین کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا اور وہ کندھا بدلتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ تمام

رات اسی طرح سفر میں بسر ہوئی صبح سویرے بادشاہ اپنے فراری امیروں کے پاس جا پہنچا۔ امیروں سے شہاب الدین نے وہی سلوک کیا جو اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔

بہر حال جو روایت بھی صحیح ہو بیان سے اصل مقصد یہ ہے کہ شہاب الدین میدان جنگ سے شکست کھا کر بھاگ نکلا اور رائے پتھورا نے فوراً ہی تپہندہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پورے تیرہ (۱۳) مہینے تک قائم رہا۔ جب اس مصیبت نے اتنا طول کھینچا تو ضیاء الدین تولکی نے رائے پتھورا سے صلح کر لی اور اس طرح قلعے پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا۔

ترائن کی دوسری لڑائی

شہاب الدین غور پہنچنے کے بعد غزنی روانہ ہوا۔ وہاں اس نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کرنی شروع کی' مشغولیت میں اس نے دن کا چین اور رات کا آرام اپنے اوپر حرام کر لیا شکست کے دوسرے ہی سال وہ ایک لاکھ سات ہزار (۱۰۷۰۰۰) ترکی' خلجی اور افغانی سرداروں اور سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ اپنے سرداروں سے شہاب الدین کا دل صاف نہ تھا۔ اس لیے اس بار اس نے حملے کے بارے میں کسی سے کوئی مشورہ نہ کیا۔ شہاب الدین کی اس فوج کا یہ عالم تھا کہ بہت سے فوجی سردار اپنی مرصع ٹوپیوں اور جنگی سامان کی وجہ سے شکل و صورت سے بادشاہ نظر آتے تھے۔

معتوب امیروں کی معافی

جب یہ عظیم الشان لشکر پشاور کے قریب پہنچا تو ایک بوڑھے امیر نے جسے بادشاہ کی خدمت میں اثر و رسوخ حاصل تھا۔ یہ درخواست کی کہ "اب تک آپ کے جاں نثاروں کو یہ علم نہیں ہو سکا کہ جہاں پناہ کا ارادہ کیا ہے اور کس دشمن کی تباہی و بربادی کے لیے اتنا عظیم الشان لشکر ساتھ لے کر سفر کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔" شہاب الدین نے جواب دیا۔ "کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ جس دن سے میں نے ہندوؤں سے شکست کھائی ہے اس دن سے میں نے اپنی بیوی کا منہ نہیں دیکھا اور نہ ہی لباس تبدیل کیا ہے یہ سارا سال میں نے انتہائی رنج و غم میں بسر کیا ہے۔ جن خلجی اور غوری امیروں نے میرے حقوق خدمت کو نظرانداز کر کے مجھے تنہا میدان جنگ میں چھوڑ دیا تھا میں نے ان سے سلام دعا تک کو روا نہیں رکھا۔ ان نمک حرام امیروں سے مجھے کوئی امید نہیں ہے لیکن خداوند تعالیٰ کے بھروسے پر میں اس لشکر کو لے کر ہندوستان پر حملہ کرنے جا رہا ہوں۔" بوڑھے امیر نے بادشاہ کی بات سن کر بڑے ادب سے کہا۔ "خداوند تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران اور دشمنوں کو ناکام و نامراد کرے مجھے امید ہے امیر اپنی پچھلی غفلت کی تلافی اس بار خوب اچھی طرح کریں گے اور لشکر کے سردار اپنے دامنوں سے بزدلی کے دھبے کو اپنے خون سے دھو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا نیک نام دنیا میں یادگار چھوڑ جائیں گے۔ اس قدیم نمک خوار کی یہ درخواست ہے کہ آپ اپنے امیروں کا قصور معاف کریں اور انہیں شرف باریابی عطا کریں۔" آپ کا یہ سلوک امیروں کو خود بخود راہ راست پر لے آئے گا اور وہ دل و جان سے اس امیر کی کوشش کریں گے کہ گذشتہ بدنامی کو نیک نامی سے بدل کر اپنے آقا کا حق ادا کریں۔" شہاب الدین کو بوڑھے امیر کی یہ بات چیت پسند آئی اور اس نے اسی وقت دربار عام منعقد کیا' معتوب امیروں کو بیش قیمت خلعت اور مرصع خنجر عنایت کیے اور ان کی گذشتہ غفلت کو معاف کر کے آئندہ احتیاط سے کام لینے کی تلقین کی۔

معرکہ آرائی

دوسرے روز شہاب الدین نے اس مقام کو خیرباد کہا اور آگے بڑھا لشکر شاہی منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا یہاں پہنچ کر شہاب الدین نے ان امیروں کے مرتبوں میں بہت اضافہ کیا۔ جنہوں نے اس کی غیر موجودگی میں خیر خواہی اور نمک حلالی کا دامن نہ چھوڑا تھا اور ان کاموں نیز زمانے میں بھی لاہور کے مسلمان سپہ سالار کی مدد کرتے رہے تھے تاکہ وہ گرد و پیش کے ہندو راجاؤں کا مقابلہ کر سکے۔ شاہی

کے توسط سے اجمیر کے راجہ اور باشندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ رائے پتھورا نے یہ دعوت پا کر اسلام اور اسلامی بادشاہ کو ناشائستہ الفاظ میں یاد کیا اور قوام الملک کو اپنے دربار سے واپس کر دیا۔

رائے پتھورا نے ہندوستان کے تمام راجاؤں کو اپنی مدد کے لیے خطوط لکھے' سبھی راجاؤں نے رائے پتھورا کا ساتھ دینے کا ارادہ کیا اور خط ملتے ہی اپنے اپنے لشکر لے کر اس کی مدد کے لیے چل پڑے اور کچھ دنوں میں تمام ہندوستان کے راجہ رائے پتھورا کے پاس جمع ہو گئے۔ راجہ تین لاکھ راجپوتوں اور افغانوں کا عظیم الشان لشکر لے کر شہاب الدین کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ ۵۸۸ھ میں دریائے سرستی کے کنارے بمقام ترائن خیمہ زن ہوئے۔ جونہی شہاب الدین کا مقابلہ ہوا ڈیڑھ سو (۱۵۰) راجپوت راجاؤں نے بہادری کا بیڑہ اپنے ماتھوں پر لگایا اور انتہائی دلیری و جرات سے کام لینے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی قسمیں کھائیں۔ ان ہندو راجاؤں نے آپس میں یہ عہد کیا کہ جب تک مسلمانوں کو بالکل ختم نہ کر لیں گے اس وقت تک اپنی تلواریں میان میں نہ رکھیں گے اور اس میدان جنگ میں اپنے اپنے کمالات کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نام باقی رہے۔ یہ راجہ چونکہ شہاب الدین کو ایک مرتبہ شکست دے چکے تھے اس لیے ان کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے۔

ان راجاؤں نے آپس میں طے کیا کہ ابتدائے جنگ سے پہلے شہاب الدین کو ایک ہدایت نامہ بھیجا جائے۔ لہٰذا انہوں نے شہاب الدین کو ایک خط لکھا جس میں یہ بیان کیا گیا تھا۔۔ "ہم ہندو راجاؤں کے لشکر کی کیفیت تو تمہیں معلوم ہو ہی گئی ہو گی۔ ہمارے ساتھ جس قدر لشکر ہے وہ تمہیں اور تمہاری فوج کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کافی ہے' لیکن ابھی مختلف افواج کی آمد جاری ہے کہ جن کے قدموں سے زمین کا سینہ کانپ رہا ہے۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں کی غربت پر رحم کھاؤ۔ ہم نے اپنے معبودوں کے سامنے قسم کھائی ہے اگر تم اپنے ارادے سے باز آ کر واپسی کا رادہ کر لو گے تو ہم تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے اور تمہارا راستہ نہ روکیں گے۔ ہم تم پر رحم کھا کر تمہیں واپس لوٹ جانے کا نیک مشورہ دیتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھو کہ کل صبح ہم اپنے تین (۳) ہزار ہاتھیوں کو بے شمار توپچی سپاہیوں کی فوج سے میدان جنگ کو میدان حشر بنا دیں گے اور اس کے نتیجے میں تمہیں شکست کھا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔"

شہاب الدین نے ہندو راجاؤں کا یہ خط پڑھا اور اس کے جواب میں انہیں لکھا۔ "مجھے اس امر کا پورا پورا اندازہ ہے کہ آپ کا خط محبت اور ہمدردی کے جذبات سے بھرپور ہے۔ میں آپ کی ہدایات پر ضرور عمل کرتا لیکن کیا کروں' مجبور ہوں میں اپنے بھائی کا محکوم ہوں اور اسی کے حکم کے مطابق یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر مجھے اتنی فرصت ملے کہ میں کسی قابل اعتبار قاصد کو اپنے بھائی کے پاس بھیج کر آپ کے لشکر کی کثرت و قوت کا حال بیان کر سکوں اور اپنی کمزوری کی روداد بتا سکوں تو مجھے یقین ہے کہ اس شرط پر صلح ہو سکتی ہے کہ سرحد' پنجاب اور ملتان پر تو غوریوں کا قبضہ رہے اور باقی تمام ہندوستانی علاقے آپ کی حکومت میں چھوڑ دیئے جائیں۔

ہندو راجاؤں نے شہاب الدین کے جواب سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلمانوں کا لشکر واقعی بہت کمزور اور پریشانی کی حالت میں ہے۔ لہٰذا وہ اپنی قوت و کثرت کے نشے میں سرشار ہو کر مسلمانوں کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے جب شہاب الدین نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ ہندو راجہ غفلت میں پوری طرح مبتلا ہیں اور مشغول عیش و عشرت ہیں تو اس نے راتوں رات اپنا لشکر مرتب کیا اور صبح سویرے جب کہ راجپوت سپاہی قضائے حاجت اور غسل وغیرہ کے لیے باہر نکلے شہاب الدین نے فوراً میدان جنگ کی راہ لی اور ان سے جنگ شروع کر دی۔ ہندوؤں کے لشکر کے سردار اگرچہ اس بلائے ناگہانی سے سخت پریشان ہوئے لیکن انہوں نے جس طرح بھی ہو سکا جلد از جلد تیاری کی اور مسلح ہو کر مسلمانوں کے مقابلے پر آ ڈٹے۔

شہاب الدین کو ہندوؤں کی فوج کی بہادری اور سرگرمی کا پورا پورا علم تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی فوج کو چار حصوں میں منقسم کیا اور ہر حصے

کو یہ ہدایت کی کہ باری باری ہندوؤں سے لڑائی کرے۔ شہاب الدین نے اپنی فوج کے ان حصوں کے سرداروں اور لشکریوں کو یہ ہدایت بھی کی کہ جب ہندوستانی ہاتھیوں کی قطاریں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اپنے آپ کو جھوٹ موٹ کے فراری ثابت کریں اور جنگ کے میدان سے منہ موڑ کر ہندوؤں کا مقابلہ کرنے سے بھاگیں۔ جب ہندوستانی لشکر کے سپاہی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اپنی حدود سے تھوڑا بہت باہر نکل آئیں تو (مسلمان لشکری) پلٹ کر ان پر حملہ کر دیں اور اپنے نیزوں اور تلواروں کی جان گزار ضربوں سے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

اسلامی لشکر اپنے سردار اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق صبح سے لے کر عصر کے وقت تک دشمنوں سے لڑتا رہا لیکن باوجود ہر طرح کی کوشش کے بھی ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے نہ اکھڑ سکے۔ جب شہاب الدین نے یہ دیکھا کہ یہ تمام دن یونہی بے کار گزرتا جا رہا ہے تو اس نے بارہ (۱۲) ہزار بہادر سواروں کے ساتھ ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا زبردست تھا کہ شہاب الدین اور خرمیل سرداروں کی فراست و ہمت سے ہندوؤں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا' ان کے سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑنے لگے۔ ہندوستانی افسروں کو اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں اور کچھ نہ سوجھا تو انہوں نے "جنگ مغلوبہ" شروع کر دی اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کھانڈے رائے اور دوسرے بہت سے ہندوستانی راجہ ہلاک ہو گئے۔ رائے پتھورا تھوڑی بہت بچی ہوئی فوج کو اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلا' لیکن وہ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ دریائے سرستی کے کنارے مسلمان لشکریوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ شہاب الدین نے رائے پتھورا کو قتل کر دیا اور سرستی ("سرستی" اکبر اعظم کے عہد تک اسی علاقے کا ایک مشہور قصبہ تھا۔) سمانہ ہانسی اور کہرام (سمانہ اور کہرام دہلی سے تقریباً سوا سو (۱۲۵) میل کے فاصلے پر واقع ہیں اور آج کل ریاست پٹیالہ میں شامل ہیں۔) وغیرہ کے مشہور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

واپسی

ہندو سرداروں کو قتل کرنے اور شکست دینے کے بعد شہاب الدین اجمیر میں داخل ہوا اور اجمیر اور اس کے نواح پر قبضہ کر کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا۔ نیز رائے پتھورا کے لڑکے راجہ کولا کو اپنا باج گزار بنایا یہاں سے اس نے دہلی کا عزم کیا دہلی کے راجہ نے شہاب الدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اور طرح طرح کے قیمتی تحائف بطور نذرانہ پیش کیے۔ دہلی سے کوچ کرنے کے بعد شہاب الدین نے ملک قطب الدین ایبک کو جو اس کا غلام تھا کہرام کا حاکم مقرر کیا اور خود شمالی ہندوستان کے کوہستانی علاقوں کی غارت گری میں مشغول ہوا ان علاقوں کو برباد و تباہ کر کے غزنی واپس آ گیا۔

قطب الدین ایبک کی سرگرمیاں

شہاب الدین جب غزنی واپس چلا گیا تو قطب الدین ایبک نے اسی سال دہلی اور میرٹھ کے قلعوں پر حملہ کر کے ان دونوں علاقوں کو رائے پتھورا اور کھانڈے رائے کے رشتہ داروں کی حکومت سے نکال کر اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ ۵۸۹ھ میں اس نے قلعہ کول کو فتح کیا اور اسی سال دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنا کر اس کے آس پاس کے علاقوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا اور ان تمام مقبوضہ علاقوں میں اسلامی قانون رائج کر دیا۔

شہاب الدین کی آمد

چند دنوں بعد شہاب الدین غزنی سے پھر ہندوستان آیا اس بار اس نے قنوج کا راستہ لیا۔ راجہ جے چند والی بنارس و قنوج تین ہزار (۳۰۰۰) سے زیادہ ہاتھیوں کو ساتھ لے کر شہاب الدین کے مقابلے پر صف آرا ہوا۔ چندوار اور اٹاوہ کے قریب دونوں فوجوں کا

میدان جنگ ہی میں چھوڑ کر بھاگ گیا- جے چند کے فرار کے بعد شہاب الدین حصار اسنی میں داخل ہوا یہ حصار جے چند کی قیام گاہ تھا اور یہاں بے شمار دولت تھی- یہاں کے تمام مال و متاع پر قبضہ کرنے کے بعد شہاب الدین نے بنارس کی طرف کوچ کیا- یہاں پہنچ کر اس نے ایک ہزار مندروں کو اس غرض سے مسمار کیا کہ مسلمانوں کے رہنے کے لیے مکان بنائے جا سکیں- کول کے قلعے کو سر کرنے کے بعد شہاب الدین نے ہندوستانی علاقوں کی حکومت قطب الدین ایبک کے سپرد کی اور خود دارالخلافہ میں واپس آ گیا-

اجمیر اور گجرات پر حملہ

اسی زمانے میں رائے پتھورا کے ایک رشتہ دار جس کا نام بھیم راج تھا- رائے پتھورا کے بیٹے پر حملہ کیا اور اجمیر کو اس کے قبضے سے نکال لیا- اس کے بعد بھیم راج نے قطب الدین سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی- اس بنا پر ۵۹۱ھ میں قطب الدین نے بھیم راج پر لشکر کشی کی اس کے جواب میں بھیم راج بھی ایک زبردست فوج لے کر قطب الدین کے مقابلے پر آیا دونوں میں زبردست جنگ ہوئی- بھیم راج اس جنگ میں مارا گیا اور اس کے نتیجے میں اجمیر پر مسلمانوں کا براہ راست قبضہ ہو گیا-

اس ہنگامے سے فرصت پانے کے بعد قطب الدین نے نہروالہ پر حملہ کیا اور بھیم دیو والی گجرات کو شکست فاش دی- گویا اس طرح قطب الدین نے بھیم دیو سے شہاب الدین کا انتقام لیا- اور اسے رائے پتھورا کو مدد دینے کی سزا دی' نہروالا کی فتح کے بعد قطب الدین بہت سامال غنیمت لے کر غزنی گیا اور شاہی عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس دہلی آیا-

دیگر فتوحات

۵۹۲ھ میں شہاب الدین نے پھر جنگ کرنے کی ٹھانی اور وہ ہندوستان کی طرف چلا یہاں آ کر اس نے تھنکر جو آج کل بیانہ کے نام سے مشہور ہے' فتح کیا اور اس کی حکومت بہاؤ الدین طغرل کے سپرد کی- بعد ازاں شہاب الدین نے طغرل کو قلعہ گوالیار کو سر کرنے کی ہدایت دی اور خود واپس غزنی روانہ ہوا- جب گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا تو اجمیر کے گرد و پیش کے راجپوت ایک بار پھر قطب الدین کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے ۵۹۳ھ میں ہندوؤں کو شکست فاش ہوئی اور نہروالہ پر بھی مسلمان قابض ہو گئے- ۵۹۹ھ میں مسلمانوں نے کالنجر اور بدایوں کے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا-

غیاث الدین کی وفات

ابھی شہاب الدین طوس اور سرخس کے مسائل کو سلجھا رہا تھا کہ اچانک اس کو خبر ملی کہ غور کا حقیقی حکمران یعنی اس کا بھائی غیاث الدین وفات پا گیا ہے' یہ خبر سنتے ہی شہاب الدین بادغیس پہنچا اور اپنے بھائی کا پوری طرح سوگ منایا- بعد ازاں اس نے خراسان کو آل سامان (یہاں فرشتہ نے سہوا "آل سامان" لکھ دیا ہے- دوسری تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے خراسان کی حکومت اپنے عزیزوں میں تقسیم کی نہ کہ آل سامان میں-) میں تقسیم کر دیا- اس نے اپنے چچا زاد بھائی ملک ضیاء الدین کو جو غیاث الدین کا داماد بھی تھا فیروز کوہ اور غورستان کا حاکم مقرر کیا- غیاث الدین کے بیٹے سلطان محمود کے حوالے بست' فرح اور اسفرائن کی حکومت کی- اپنے بھانجے ناصر الدین کو ہرات اور اس کے مضافات کا حاکم بنایا- اور خود بادغیس سے غزنی پہنچ کر شاہی تخت پر قدم رکھا-

خوارزم پر حملہ

اسی زمانے میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ مرو کے حاکم محمد خیر بیگ کو اس کے دشمنوں نے قتل کر دیا ہے- خبر سن کر شہاب الدین نے ۶۰۰ھ میں خوارزم پر حملہ کر دیا خوارزم شاہ شہاب الدین کا مقابلے کرنے کی جرات نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا- شہاب الدین اس نہر کے کنارے مقیم ہوا جو دریائے جیحون کے پانی سے سیراب ہو کر خوارزم اور خلیج کی مشرقی جانب بہتی تھی' کچھ دنوں تک شہاب الدین بڑی جرات اور مردانگی کے ساتھ دشمنوں سے لڑتا رہا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ خطا کا سپہ سالار قرا بیگ خاں اور بادشاہ

سمرقند سلطان عثمان خاں (اپنے ساتھ لشکر لے کر) خوارزم شاہ کی مدد کے لیے آ رہے ہیں تو شہاب الدین بڑا پریشان ہوا- ان دونوں سے خوف زدہ ہو کر اس نے اپنی ضرورت سے زیادہ سامان و اسباب کو آگ لگا دی اور خراسان کی طرف بھاگ نکلا- خوارزم شاہ نے شہاب الدین کا پیچھا کیا اور اس بری طرح پیچھے پڑا کہ شہاب الدین کو مجبوراً پلٹ کر اس سے معرکہ آرائی کرنی پڑی اس معرکہ آرائی میں شہاب الدین کو شکست ہوئی- اور یہ شیر غورستان اپنے ہاتھی گھوڑے اور خزانہ وغیرہ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گیا- شہاب الدین ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے قرابیگ خاں اور سلطان عثمان نے آ گھیرا- اند خود (اند خود شمالی افغانستان کا ایک مشہور مقام ہے جو ان دنوں خراسان میں شامل تھا) کے مقام پر دونوں فریق میں زبردست جنگ ہوئی- شہاب الدین نے اس جنگ میں بڑی ہمت و مردانگی سے کام لیا- اگرچہ اس کا لشکر دشمن کے مقابلے پر کہیں کم تھا' لیکن وہ اس "کثرت و قلت" کا خیال نہ کرتے ہوئے برابر لڑتا رہا' لیکن جب دشمن کی کثیر فوج نے اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ تباہ کر دیا اور اس کے ساتھ صرف ایک سو (۱۰۰) سپاہی رہ گئے تو وہ پریشان ہوا اور اسی پریشانی کے عالم میں اند خود کے قلعے میں پناہ گزین ہو گیا- دو دن کے بعد سلطان عثمان کے توسط سے صلح ہو گئی اور شہاب الدین اند خود کا قلعہ قرابیگ خاں کے حوالے کر کے غزنی کی طرف لوٹ گیا-

ایبک (غلام شہاب الدین) کی سرگرمیاں

جس وقت شہاب الدین خوارزم سے مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہوا' ایک نمک حرام کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا- اس احسان فراموش غلام نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اب شہاب الدین کا زندہ بچنا ناممکن ہے لہٰذا وہ ملتان پہنچا- ایبک کا ارادہ یہ تھا کہ وہ سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر کے خود مختار حکومت قائم کرے- ملتان پہنچ کر ایبک نے وہاں کے کوتوال امیر داد حسن کو مکر اور عیاری کے جال میں پھنسایا اور اس سے کہا- "مجھے شہاب الدین نے حکم دیا ہے کہ سلطنت کے سیاسی رازوں سے تمہیں آگاہ کروں-" امیر داد حسن بے چارہ اس مکار کی بات میں آ گیا اور اس نے اپنی محفل کو دوسرے لوگوں سے خالی کر دیا- جب تنہائی میسر آئی تو ایبک نے امیر داد حسن سے ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع کر دیں اور جب ایبک نے یہ دیکھا کہ امیر داد حسن گفتگو میں پوری طرح منہمک ہے تو اس نے اپنے ایک ترکی غلام کو جو پہلے ہی سے اس کام پر مقرر تھا' اشارہ کیا غلام نے اشارہ پاتے ہی تلوار نکال کر امیر داد حسن کو قتل کر ڈالا اس کے بعد ایبک نے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ امیر داد حسن کو شہاب الدین کے حکم سے قتل کیا گیا ہے-

ایبک نے اپنی امارت کا ایک جعلی فرمان تیار کیا اور لوگوں کو دکھا کر قبتہ الاسلام یعنی ملتان پر پوری طرح قبضہ کر لیا اس کے بعد شہاب الدین کے قتل کی جھوٹی خبر نے بھی بڑی شہرت پائی- س اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ جود وغیرہ کے علاقوں کے کھکروں کے سردار سرکہ نامی نے اپنی حکومت قائم کرنے کے خیال سے لاہور پر حملہ کر دیا- اس حملے کی وجہ سے دریائے جہلم اور سودرہ کے تمام درمیانی علاقوں میں لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے-

ایلدگز (غلام شہاب الدین) کی سرگرمیاں

(بیان فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے اس غلام کا نام دوسری تاریخوں میں "یالبور" آیا ہے-)

جب شہاب الدین اند خود کے قلعے کو قرابیگ خاں کے حوالے کر کے غزنی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے غلام ایلدگز نے غزنی پر قبضہ کر لیا ہے- شہاب الدین نے ہر چند چاہا کہ قلعے میں داخل ہو لیکن ایلدگز نے اجازت نہ دی اور اپنے آقا سے جنگ کرنے پر کمر باندھ لی- شہاب الدین نے اس وقت ایلدگز سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ملتان کی طرف روانہ ہو گیا- ملتان پہنچ کر اسے اپنے دوسرے غلام ایبک کی نمک حرامی کا علم ہوا اور اسے یہ معلوم ہوا کہ ایبک نے امیر داد حسن کو دھوکے سے قتل کر کے ملتان پر اپنا قبضہ جما لیا ہے- جب

ایک کو شہاب الدین نے گرفتار کر لیا۔

اس کے بعد شہاب الدین نے ایک زبردست فوج تیار کر کے غزنی کا رخ کیا۔ اس دوران میں ایلدگز نمک حرامی سے باز آ کر خود مختار حکومت کرنے کے لیے خیال سے تائب ہو گیا تھا لہٰذا اس نے اپنے آقا کے مقابلے پر صف آرائی نہ کی بلکہ غلاموں کی طرح شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی عاجزی سے اس سے اپنی غلطی کی معافی چاہی۔ شہاب الدین نے دوسرے امیروں کی سفارش پر ایلدگز کو معاف کر دیا اور غزنی میں داخل ہو کر سلطنت کے اہم کاموں میں مشغول ہو گیا۔

ککھروں کا مشرف بہ اسلام ہونا

اسی زمانے میں خوارزم شاہ نے اپنا قاصد شہاب الدین کے دربار میں بھیجا اور اس کے توسط سے دونوں میں صلح ہو گئی۔ ایک اور ایلدگز کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد شہاب الدین نے ککھروں پر حملہ کیا اس کی مدد کے لیے دہلی سے قطب الدین بھی آیا۔ شہاب الدین ککھروں کو ان کی بدعنوانیوں کی پوری پوری سزا دے کر لاہور آیا اور یہاں سے اس نے قطب الدین کو دہلی کی جانب رخصت کیا اور خود یہیں قیام کیا تاکہ سلطنت کے انتظامات کی طرف توجہ کرے۔

لاہور میں قیام کے زمانے میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ ان غیر مسلم ککھروں نے جو دریائے سندھ سے لے کر کوہ سوالک کے دامن تک کے علاقے میں آباد ہیں' بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے ہیں وہ اس حد تک متعصب ہیں کہ ان کے آس پاس کی آبادی ان کے ظلم و ستم سے عاجز آ چکی ہے خاص طور پر پشاور اس کے گردو پیش کے مسلمانوں کا تو جینا مشکل ہو گیا ہے۔ ان لامذہب ککھروں نے خدا پرست مسلمانوں کے لیے پنجاب کا سفر کرنا بھی مشکل کر دیا ہے۔ یہ لوگ کسی مذہب (یا اصول) کے پابند نہیں ہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی برا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں یہ رواج ہے کہ جب ان کی لڑکی جوان ہوتی ہے تو لڑکی کا باپ یا بھائی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان کے دروازے پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ راستہ چلنے والوں کو لڑکی کی خریداری کے لیے بلایا جاتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی شخص اس لڑکی کو پسند کر کے خرید لیتا ہے تو وہ لڑکی اس کے حوالے کر دی جاتی ہے ورنہ اس بے زبان کو وہیں موت کے گھاٹ اتار کر اس کے بوجھ سے نجات حاصل کی جاتی ہے ان لوگوں میں یہ دستور بھی رائج تھا کہ ایک عورت کئی کئی شوہروں کی زوجہ ہوتی تھی۔ جو شوہر اس عورت کے گھر جاتا وہ باہر دروازے پر اپنا نشان لگا جاتا کہ دوسرے شوہروں کو اس کی موجودگی کا علم رہے۔ ایسے عالم میں کوئی دوسرا شوہر عورت کے مکان پر آتا تو وہ نشان کو دیکھ کر اندازہ کر لیتا کہ اس وقت عورت تنہا نہیں ہے لہٰذا وہ فوراً واپس چلا جاتا۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانے میں یہ قوم بڑی ماہر تھی۔ خاص طور پر مسلمانوں کی دل آزاری سے تو وہ بہت ہی خوش ہوتے تھے الغرض یہ قوم ایک زمانہ تک اسی وحشیانہ انداز سے زندگی بسر کرتی رہی۔

سلطان شہاب الدین کے آخری زمانے میں ایک متقی و پرہیز گار مسلمان ان ککھروں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اس نیک نفس خدا پرست نے ان بے دینوں کو مذہب اسلام کی خصوصیات اور عبادت اسلامی کے طریقے بتائے۔ چونکہ اس قوم کی ہدایت کا وقت آ چکا تھا اس لیے ککھروں کے امیر کو یہ باتیں بہت پسند آئیں اس نے اس پاک باز مسلمان سے پوچھا۔ "اگر میں مذہب اسلام قبول کرنے کے لیے سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ میرے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔" اس مسلمان نے جواب دیا "میں اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ بادشاہ تجھے اس عالم میں دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔ اور اس کوہستان کی حکومت تیرے ہی سپرد کر دے گا اور تجھے یہاں کا خود مختار حاکم مان لے گا۔" (اس گفتگو کے بعد) ککھروں کے امیر نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس مرد مومن نے تمام کیفیت ایک خط میں درج کر کے سلطان شہاب الدین کو حالات سے باخبر کیا۔ یہ خط ملتے ہی سلطان شہاب الدین نے ایک مرصع کمربند اور گراں بہا خلعت امیر کے لیے بھجوائی اور اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ ککھروں کا امیر شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

شہاب الدین نے اس کے نام کوہستانی علاقوں کی فرمانروائی کا فرمان جاری کر دیا- اپنے واطن واپس آکر اس امیر نے اپنی قوم کے بڑے حصے کو مسلمان کر لیا لیکن وہ تھوڑے سے کھکر جو دور دراز علاقوں میں آباد تھے اپنے آبائی مشرب کے پابند رہے-

تراہیہ کی طرف توجہ

تراہیہ غزنی اور پنجاب کے درمیان کوہستانی علاقے میں واقع ہے اسی سال سلطان شہاب الدین نے اس علاقے پر حملہ کیا- اس نے جہاں قہر کی ضرورت تھی وہاں تلوار سے کام لیا اور جس جگہ نرمی سے کام نکلا وہاں لطف و محبت سے پیش آکر اس ملک کی آبادی کو حلقہ بگوش اسلام بنایا- یہاں کے لوگوں اور کھکروں کو ملا کر کل تقریباً چار لاکھ غیر مسلموں نے مذہب اسلام قبول کیا اور یہ لوگ اب تک کہ اس وقت ۱۰۱۸ھ ہے اسلام پر قائم ہیں- ان کے ایمان پختہ ہیں اور یہ بڑے پکے مسلمان ہیں-

الغرض ہندوستان کے تمام ہنگاموں کو فرو کرنے کے بعد ۱۶ رجب ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین نے لاہور سے غزنی کی طرف کوچ کیا- رخصت کے وقت سلطان نے بامیان کے فرمان روا ملک بہاؤالدین کے نام اس مضمون کا ایک فرمان جاری کیا- "اس بار میں نے ارادہ کیا ہے کہ لشکر اسلام ترکستان کی غیر مسلم آبادی پر حملہ کرے- لہٰذا تم کو اس امر کی شدید تاکید کی جاتی ہے کہ تم بامیان کی تمام افواج کو جمع کر کے فوراً کوچ کرو اور دریائے جیحون کے کنارے پر خیمہ زن ہو کر دریا پر پل باندھ دو تاکہ اسلامی لشکر کو دریا پار کرتے وقت کسی قسم کی تکلیف نہ ہو-

شہاب الدین کا قتل

۲ شعبان ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین دریائے سندھ کے کنارے پر پہنچا اور وہاں برمیک نامی ایک مقام پر مقیم ہوا- یہاں کے قیام کے دوسرے روز سلطان شہاب الدین کے قتل کا المناک حادثہ وقوع پذیر ہوا- جس کی تفصیل یہ ہے کہ کھکروں کی قوم میں سے بیس (۲۰) افراد سلطان شہاب الدین سے بے حد نالاں تھے کیوں کہ اس نے ان کے عزیزوں کو قتل اور خود ان کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا- ان بیس (۲۰) کھکروں نے آپس میں مل کر شہاب الدین کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے اپنی جانیں وقف کر دیں- جس دن سلطان برمیک کے مقام پر خیمہ زن ہوا اس کے دوسرے روز یہ کھکر کسی نہ کسی طرح شاہی خیمے تک پہنچ گئے- اس وقت شاہی لشکر کوچ کی تیاریاں کر رہا تھا اور فراش سراپردہ اتار رہے تھے یہ قاتل شاہی خیمے کے اندر داخل ہو گئے وہ شعبان کی تیسری رات تھی- ایک کھکر نے بڑھ کر دربان پر چاقو سے حملہ کیا اور بھاگ نکلا- اس دربان کے زخمی ہوتے ہی چاروں طرف ایک غلغلہ مچ گیا- شاہی خدمت گار بھی سراپردہ کو چھوڑ کر اس زخمی دربان کے پاس پہنچ گئے- جب کھکروں نے یہ دیکھا کہ اس وقت شاہی خیمہ خالی ہے اور تمام محافظ اپنے بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر زخمی دربان کے گرد جمع ہیں تو وہ لوگ سراپردہ کو پھاڑ کر ہاتھوں میں چھرے اور خنجر لیے ہوئے بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئے- اس وقت دو تین ترکی غلام بادشاہ کے پاس کھڑے تھے لیکن وہ ان کھکروں کو دیکھ کر سخت بدحواس ہوئے- اور خوف کی وجہ سے بے حس و حرکت کھڑے رہے- شہاب الدین ابھی اٹھنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ان سفاکوں نے اس پر حملہ کر دیا- اور چھروں سے بائیس (۲۲) گہرے زخم اس کے جسم پر لگائے- اور ایسے عظیم الشان فرمانروا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا- سلطان شہاب الدین کا قطعہ تاریخ شہادت یہ ہے-

شہادت ملک بحروبر معز الدین	کز ابتدائے جہاں مثل او نیامد یک	سوم زغرہ شعبان بسال ششصدو دو	فتاد در رہ غزنی بمنزل رہتک

سلطان شہاب الدین نے غزنی کی حکومت کی ابتدا سے لے کر سال شہادت تک پینتیس (۳۵) سال سے کچھ اوپر عرصے تک فرمانروائی کی اس کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی...

شہاب الدین کی شہادت کے بعد

سلطان شہاب الدین کی شہادت کے بعد اس کے وزیر موید الملک بن خواجہ محمد بجستانی نے چند سرکش گکھڑوں کو گرفتار کیا اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا۔ سلطانی خزانہ چار ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اہل لشکر اس کو لوٹنے پر آمادہ ہوئے۔ تو موید الملک نے غوری امراء اور فوجی سرداروں سے بات چیت کی اور ان سے شاہی خزانے کی حفاظت کی قسمیں لیں اس کے بعد لشکریوں کو ذرا دھمکا کر ان کو ان کے ارادے سے باز رکھا۔ خزانے کی حفاظت سے مطمئن ہو کر موید الملک نے بادشاہ کی لاش کو بڑے تزک و احتشام سے اٹھایا اور غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ شہاب الدین کے امراء اور فوجی سرداروں میں اس وقت دو مختلف الخیال گروہ تھے۔ ایک ترکی امیروں کا گروہ تھا جس کا سردار خود موید الملک تھا اور دوسرا گروہ تمام غوری امراء پر مشتمل تھا۔ ترکیوں کے گروہ کی یہ خواہش تھی کہ شہاب الدین کا جانشین غیاث الدین محمد کو ہونا چاہیے۔ غوری امراء بہاء الدین کی تخت نشینی کے حق میں تھے ان دونوں گروہوں میں راستے میں اختلاف رائے کا اظہار ہوا اور جب یہ "لشکر بے حاکم اعلیٰ فرساور (فرساور سے مشہور شہر پشاور مراد ہے۔ اس کی وضاحت خود فرشتہ نے بھی کی ہے) کے قرب و جوار میں پہنچا تو ان امراء کی باہمی مخالفت شدید رنگ اختیار کر گئی۔ موید الملک اور اس کے ترکی گروہ کا یہ خیال تھا کہ کرمان کے راستے سے سفر طے کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرمان کے حکمران تاج الدین ایلدگز ("ایلدگز" صحیح نہیں ہے "یلدوز" ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آگے چل کر خود فرشتہ نے صحیح نام لکھا ہے۔) کو اپنا ہم خیال بنایا مقصود تھا۔ غوری امراء اس کے خلاف تھے' وہ بامیان کے قریبی راستے سے سفر کرنے کے حق میں تھے تاکہ بامیان پہنچ کر شاہی خزانہ بہاؤالدین کے سپرد کر کے اسے سلطنت کا وارث تسلیم کر لیں۔ اس بحث و تکرار میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ فریقین تلواریں نکالنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس موقع پر موید الملک نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا وہ معاملہ فہم امیر غوری امراء کے پاس گیا۔ اور ان سے بہت ملائم مگر بااثر الفاظ میں گفتگو کر کے انہیں یقین دلایا کہ اس وقت شیوران اور کرمان کے راستے سے سفر کرنا ہر طرح مناسب ہے۔ غوری امراء نے موید الملک کی بات مان لی اور یوں سلطانی لشکر شہاب الدین کا جنازہ اٹھائے ہوئے کرمان کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب یہ لشکر کرمان کے قریب پہنچا تو تاج الدین ایلدگز (یعنی یلدوز) سلطان سواری کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ سواری پر نظر پڑتے ہی تاج الدین نے اپنے آقا کے آداب اور سلام کے لیے گردن جھکائی۔ اپنے آقا کے دیدار سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے اس غلام نے جب بصد اشتیاق سواری کا پردہ اٹھایا تو اسے اپنے آقا کی جیتی جاگتی تصویر کی بجائے خون میں لتھڑی ہوئی لاش نظر آئی۔ بادشاہ کی لاش کو دیکھ کر تاج الدین نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور اس غم سے رونے لگا اس مجلس "فریاد و فغاں" کو ختم کرنے کے بعد سلطانی لشکر آگے بڑھا۔ اور ۲۲ شعبان کو اپنے آقا کا جنازہ لیے ہوئے یہ لوگ غزنی میں داخل ہوئے۔

سلطان شہاب الدین کی لاش اس عمارت میں دفن کی گئی جو اس نے اپنی بیٹی کے لیے بنوائی تھی۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ غزنی کا خزانہ بے شمار روپے اور اشرفیوں سے معمور تھا۔ بہت سے دوسرے جواہرات کے علاوہ خزانے میں پانچ سو من الماس بھی تھے۔ شہاب الدین نے ہندوستان پر تین بار لشکر کشی کی دو بار تو اسے شکست ہوئی' لیکن تیسرے حملے میں اس نے اپنے دشمنوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا۔

سلطان شہاب الدین ایک خدا ترس' رحم دل اور انصاف پسند بادشاہ تھا اگرچہ وہ ایک خود مختار حکمران تھا' لیکن عالموں اور اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے کو وہ اپنے لیے باعث فخر سمجھتا تھا اور ان کی عزت اور خدمت کرنے کو وہ اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔

سلطان قطب الدین ایبک

قطب الدین کی ذات میں بہت سی خصوصیات اور پسندیدہ باتیں تھیں۔ اس کی طبیعت شروع ہی سے حکمرانی اور بادشاہت کے لیے موزوں تھی۔ اس بادشاہ کو سیاست کے قاعدے اور حکمرانی کے قانون اچھی طرح معلوم تھے۔ حملہ کرنے اور دشمن کا سر کچلنے میں اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ قطب الدین کی سرگذشت یوں بیان کی جاتی ہے۔

قطب الدین کے ابتدائی حالات

قطب الدین ایبک کو اس کے بچپن کے زمانے میں ایک سوداگر ترکستان سے نیشاپور لایا اور یہاں اسے اسی زمانے میں قاضی فخرالدین ابن عبد العزیز کوفی (جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے) کے پاس بیچ دیا چونکہ خداوند تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ قطب الدین ایک دن بڑا آدمی ہو گا اس لیے بچپن ہی سے اس کے چہرے سے عظمت اور برتری کے آثار نمایاں تھے۔ قاضی فخرالدین' قطب الدین کو بہت عزیز رکھتے تھے انہوں نے زندگی بھر اسے جدا نہ کیا اور اپنے بیٹوں کی طرح اس کی پرورش کرتے رہے۔

قاضی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے کسی بیٹے نے قطب الدین کو ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا اس سوداگر نے قطب الدین کو تحفے کے طور پر سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے سوداگر کو قطب الدین کے معاوضے میں ایک بیش قرار رقم دی۔ چونکہ قطب الدین کے (ایک) ہاتھ کی چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی اس لیے بادشاہ اور درباریوں نے اسے ایبک کہنا شروع کر دیا رفتہ رفتہ یہ لفظ اس کے نام کا جزو ہو کر رہ گیا۔ قطب الدین نے بڑے سلیقے اور محبت کے ساتھ سلطان شہاب الدین غوری کی خدمت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مختصر سی مدت میں قطب الدین نے بادشاہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

قطب الدین کی فیاضی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک رات جشن کی ایک محفل منعقد کی اس محفل میں سلطان کے قریب ترین اور مخصوص درباری شریک تھے جنہیں اس نے خلعت اور انعام سے سرفراز کیا۔ سب سے زیادہ قیمتی اور بہترین انعام قطب الدین کو ملا جب مجلس ختم ہوئی تو قطب الدین نے اپنے حصے کا شاہی انعام فراشوں اور خدمت گاروں کو بخش دیا۔ اس جودو سخاوت کی خبر شہاب الدین تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے قطب الدین کو اپنے درباری امیروں میں شامل کر کے اس کی جگہ شاہی تخت کے عین سامنے مقرر کی۔

قطب الدین کی قسمت کا ستارہ روز بروز زیادہ بلند ہوتا گیا اور کچھ ہی دنوں میں اسے "امیرا خوری" کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ جس زمانے میں غور' غزنی اور بامیان کے حکمرانوں نے باہمی اتحاد سے خوارزم پر لشکر کشی کی تھی اس زمانے میں قطب الدین بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ (معرکہ کار زار میں) شریک تھا۔

قطب الدین کی عارضی اسیری

قطب الدین کا معمول تھا کہ وہ ہر روز چارہ تلاش کرنے کے لیے جنگل کی طرف جایا کرتا تھا۔ ایک دن جنگل میں دریائے مرو کے کنارے اس کا سامنا سلطان شاہ کی فوج سے ہو گیا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی قطب الدین نے اس لڑائی میں بڑی جرات اور دلیری سے کام

شاہ کے سامنے لے گئے۔ سلطان شاہ کے حکم سے قطب الدین کو ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا گیا۔ جب غوری اور خوارزمی لشکروں میں باقاعدہ جنگ ہوئی اور سلطان شاہ شکست کھا کر فرار ہو گیا تو غزنی فوج کے سپاہی قطب الدین کو اسی عالم اسیری میں مع پنجرے کے اونٹ پر لاد کر شہاب الدین کے سامنے لائے۔ سلطان نے اسی وقت قطب الدین کو اس "بلبلوں جیسی قید" سے آزاد کر کے اس کے گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے۔

قطب الدین کا ہندوستان میں سپہ سالار مقرر ہونا

۵۸۸ھ میں سلطان شہاب الدین نے دہلی اور اجمیر کے راجوں کو شکست دے کر کہرام اور سمانہ کو قطب الدین کی جاگیر قرار دے دیا اور اسے ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ قطب الدین نے اس عظیم الشان عہدے کی ذمہ داریوں کو پوری توجہ اور سلیقے سے نبھایا۔ کہرام اور سمانہ کے آس پاس کے تمام علاقوں اور میرٹھ کے قلعے کو قبضے میں کرنے کے بعد قطب الدین نے دہلی پر حملہ کیا اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب لڑائی کی ابتداء ہوئی تو ہندو راجپوتوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں ہندوؤں کو شکست ہوئی اور وہ قلعہ بند ہو گئے۔ قطب الدین نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا وہ محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا جاتا تھا۔ ہندوؤں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے طرح طرح کی تکلیفوں سے تنگ آ کر قطب الدین سے امان طلب کی اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔

راجہ جیتواں کی شکست

۵۸۹ھ میں نہروالہ کے حاکم کا ایک قریبی عزیز جو ایک راجپوت سردار تھا اور جس کا نام جیتواں تھا اس نے ہانسی پر حملہ کیا اور قلعے کے نیچے پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ ہانسی کا مسلمان صوبہ دار نصرت الدین جیتواں کا مقابلہ نہ کر سکا اور مجبوراً قلعہ بند ہو گیا۔ قطب الدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ فوراً ہانسی روانہ ہو گیا۔ اور قلعے کے نیچے پہنچ کر اس نے راجہ جیتواں کو شکست دی۔ یہ راجہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا اور نہروالہ میں پناہ گزین ہوا۔

۵۹۰ھ میں قطب الدین نے دریا کو عبور کر کے کول پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے وہ بہت سا مال غنیمت اور ایک ہزار گھوڑے لے کر واپسی کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ سلطان شہاب الدین غزنی سے ہندوستان کی طرف آ رہا ہے تاکہ بنارس اور قنوج پر قبضہ کرے۔ قطب الدین نے اپنے آقا کے استقبال کے لیے آگے بڑھا اور کچھ دور چل کر سلطان سے جا ملا۔ سلطان کی خدمت میں قطب الدین نے ایک سو (۱۰۰) عربی گھوڑے، ہاتھیوں کی ایک طلائی اور ایک نقرئی زنجیر اور پچاس ہزار سوار اس مہم میں مدد کے لیے پیش کیے۔ سلطان شہاب الدین ان تحفوں سے بہت خوش ہوا اور اس نے قطب الدین کو خلعت سے سرفراز کیا نیز لشکر کا پیشرو مقرر کیا۔ قطب الدین بادشاہی لشکر کے آگے آگے روانہ ہوا۔ شہاب الدین بھی اپنے لشکر کے ساتھ ساتھ اس کے پیچھے چلنے لگا۔

راجہ بنارس سے مقابلہ

قطب الدین ابھی تھوڑی دور ہی چلا ہو گا کہ بنارس کے راجہ جے چند کے لشکر سے اس کا مقابلہ ہوا قطب الدین نے جے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔ جے چند نے جب یہ خبر سنی تو وہ خود میدان جنگ میں آیا اور قطب الدین سے لڑائی شروع کر دی۔ مسلمان سپاہیوں نے دشمن کی فوج پر تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر جے چند کی آنکھ میں لگا یہ تیر ایسا کاری تھا کہ جے چند اپنے ہاتھی سے نیچے گر گیا اور وہیں ختم ہو گیا اپنے راجہ کا یہ حشر دیکھ کر دشمن کے سپاہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور یوں قطب الدین کو فتح نصیب ہوئی۔ جے چند کے احوال کی کسی کو خبر نہ تھی اور نہ ہی اس کی لاش کا کوئی سراغ ملا بڑی مشکلوں سے اس کی لاش ملی اور اس کو اس "نشانی" سے پہچانا گیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دانت سونے کی کیلوں اور تاروں سے بندھے ہوئے تھے۔ قطب الدین کی اس فتح کے بعد ہی

شہاب الدین بھی اس جگہ پہنچ گیا اور اس نے دشمن کی تباہی و بربادی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے لشکر کو ساتھ لے کر بنارس میں داخل ہوا۔

قطب الدین نے بنارس سے لے کر بنگال کی سرحد تک کے تمام شہروں کو برباد کیا اور ایک ہزار (۱۰۰۰) مندروں کو مسمار کیا۔ شہاب الدین نے بنارس کی حکومت حسام الدین اوغلبک کے سپرد کی۔ اور خود انتہائی قیمتی اور اعلیٰ درجے کے جواہرات اپنے ساتھ لے کر (جو چار ہزار اونٹوں پر لادے گئے) غزنی واپس روانہ ہوا۔

سفید ہاتھی

مورخین کا بیان ہے کہ جس دن شہاب الدین نے بنارس میں دربار عام منعقد کیا اس دن اس کی خدمت میں ہاتھیوں کی ایک قطار پیش کی گئی تھی جو ہاتھی بھی بادشاہ کے سامنے سے گزرتا وہ فیل بان کے اشارہ پر بادشاہ کو سلام کرتا ان ہاتھیوں میں ایک سفید ہاتھی بھی تھا۔ جب یہ بادشاہ کے سامنے سے گزرا تو فیل بان نے اسے اشارہ کیا تاکہ وہ بادشاہ کو سلام کرے لیکن اس ہاتھی نے اشارے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ فیل بان نے ہاتھی کو طرح طرح سے سلام کرنے پر مجبور کیا لیکن یہ شریر جانور اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ غضب ناک ہو گیا اور فیل بان کو جان سے مارنے پر تیار ہو گیا۔ یہ عالم دیکھ کر شہاب الدین نے اس ہاتھی کو اپنے سامنے سے رخصت کر دیا۔ جب بادشاہ وہاں سے غزنی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے یہ سفید ہاتھی خود رکھ لیا اور باقی تمام ہاتھی قطب الدین کو دے دیئے۔ شہاب الدین نے ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ اس نے قطب الدین کا خیال کرتے ہوئے اس سفید ہاتھی کو مع فرمان فرزندی کے قطب الدین کے حوالے کر دیا۔ یہ ہاتھی قطب الدین کے ساتھ زندگی بھر رہا اور جس روز قطب الدین کا انتقال ہوا تھا اس کے تیسرے روز اس ہاتھی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ قطب الدین کے بعد سے لے کر اس زمانے تک پھر کسی بادشاہ دہلی کے دروازے پر سفید ہاتھی نہیں بندھا۔ دہلی کے آس پاس کے علاقوں کے فرمانرواؤں کے بارے میں بھی ایسا نہیں سنا گیا کہ کسی کے پاس یہ نادر الوجود جانور رہا ہو۔ جس زمانے میں مورخ (فرشتہ) اپنی خوش قسمتی سے بادشاہ جم جاہ سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نمک خواروں میں داخل ہو کر سلطنت بیجاپور میں ملازم ہوا۔ اس زمانے میں البتہ میں نے معتبر سوداگروں سے یہ سنا تھا کہ جزیرہ پیکو کے فرمانروا کے دروازے پر ہمیشہ دو سفید ہاتھی بندھے رہتے ہیں۔ ان ہاتھیوں کے متعلق مشہور ہے کہ جب تک یہ دونوں زندہ رہتے ہیں اس وقت تک پیکو کے "کچلی" نامی جنگل میں سفید ہاتھیوں کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن جب متذکرہ دو ہاتھیوں میں ایک مرجاتا ہے تو اس کی جگہ پر کرنے کے لیے جنگل سے فوراً ایک سفید ہاتھی نمودار ہو جاتا ہے اور شکاری اسے قید کر کے شہر کے اندر لے آتے ہیں۔

دہلی و اجمیر میں شورش

سلطان شہاب الدین جب غزنی واپس چلا گیا تو اس کے بعد قطب الدین نے چند روز کے لیے حصار اسنی میں قیام کیا اور اس کے آس پاس حفاظت کا معقول انتظام کر کے واپس ہوا۔ اس نے واپسی کا ابھی تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ دہلی اور اجمیر دونوں مقامات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں ایک طرف تو ہیمراج راجپوت نے راجہ کولا پر حملہ کر کے اسے اجمیر سے نکال دیا ہے اور راجہ کولا میدان جنگ سے فرار ہو کر رتھنبور میں پناہ گزین ہو گیا ہے اور دوسری طرف چھترائے ایک لشکر جرار لے کر دہلی پر دوبارہ قبضہ [illegible] نے لیے اپنے شہر سے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ لشکر دہلی کے قریب پہنچ چکا ہے اور اس کے غیر مسلم سپاہی جی کھول کر آس پاس کے علاقوں میں تباہی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رہے ہیں یہ خبریں سن کر قطب الدین بالکل پریشان نہ ہوا۔ اس نے اپنے لشکر میں سے بیس (۲۰) ہزار جانبازوں کا انتخاب کیا اور انہیں ساتھ لے کر چھترائے کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ چھترائے کو جب قطب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ [illegible]

ہیمراج نے شہر سے نکل کر قطب الدین کا مقابلہ کیا لیکن قطب الدین سے شکست کھا کر وہیں میدان جنگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور یوں اجمیر پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور ہندوؤں کا یہ مرکزی شہر ہمیشہ کے لیے مسلمان فرمانرواؤں کا صدر مقام قرار پایا۔

۵۹۱ھ میں قطب الدین نے نہروالہ پر حملہ کیا۔ راجہ نہروالہ بھیم دیو کا سپہ سالار جیتوان جو نہروالہ کے قلعے کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ قطب الدین نے جیتوان کا تعاقب کیا اور تھوڑے سے فاصلے پر ہی اسے جا پکڑا۔ عالم بدحواسی میں جیتوان نے لڑائی شروع کر دی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ میدان جنگ میں قطب الدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ جیتوان کی موت کی خبر سن کر نہروالہ کا راجہ بھیم دیو نہروالہ سے بھاگ نکلا اور اپنی سلطنت کے کسی سرحدی مقام پر پناہ گزین ہو گیا۔ قطب الدین نے نہروالہ سے بہت سا مال غنیمت سمیٹا اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہانسی پہنچا یہاں پہنچ کر اس نے قلعہ تعمیر کروایا۔ اور کہرام کو فتح کرتا ہوا دہلی آیا۔ اسی دوران میں رنتھنبور کے قرب و جوار کے حاکم قوام الملک رکن الدین حمزہ نے قطب الدین کو یہ اطلاع دی کہ اجمیر کے راجہ کا بھائی جو شکست کھا کر جنگل میں پناہ گزین ہو گیا تھا وہ اب کچھ لشکر جمع کر کے ہانسی پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے راجہ کولو کو گھیر رکھا ہے راجہ کولو مسلمانوں کا باج گزار تھا اس لیے قطب الدین اس کی مدد کے لیے فوراً تیار ہوا اور اپنا لشکر ساتھ لے کر ہانسی کی طرف روانہ ہوا۔ اجمیر کے راجہ کو جب قطب الدین کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا۔ راجہ کولہ نے قلعے سے نکل کر قطب الدین کی خدمت میں بیش بہا تحفے پیش کیے۔ قطب الدین یہ تحفے تحائف اپنے ہمراہ لے کر دہلی واپس آ گیا۔

قطب الدین ایبک کا غزنی جانا

"تاج المآثر" نامی کتاب جو قطب الدین ہی کے نام منسوب کی گئی ہے اور جس میں اسی کے حالات ہیں اس میں لکھا ہے کہ اجمیر پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد قطب الدین نے نہروالہ اور تھنبور کو فتح کیا اس کے بعد وہ دہلی واپس آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے آقا سلطان شہاب الدین کی خدمت میں ایک خط بھیجا اور اس میں اپنی مختلف فتوحات کی تفصیل درج کی (یہ خط پڑھ کر) سلطان شہاب الدین اپنے "بادشاہ سطوت" غلام کے کارہائے نمایاں سے بہت خوش ہوا اور اس سے ملاقات کا خواہاں ہو کر اسے غزنی میں طلب کیا۔ جونہی فرمان شاہی ملا قطب الدین غزنی کی طرف روانہ ہو گیا اور کچھ ہی دنوں میں اپنے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ شہاب الدین نے اسے شاہی انعام و اعزاز سے مالا مال کیا۔ (کچھ عرصہ غزنی میں قیام کرنے کے بعد) قطب الدین نے واپسی کا ارادہ کیا شہاب الدین نے بخوشی اجازت دے دی۔ قطب الدین وہاں سے روانہ ہونے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ایسا بیمار ہوا کہ جانبر ہونے کی توقع بھی باقی نہ رہی۔ لیکن خداوند تعالیٰ کے کرم اور شاہی طبیب کے علاج نے اسے پھر سے تندرست و توانا کر دیا اور صحت یاب ہو کر وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں کچھ دن اس نے کرمان میں ٹھہر کر آرام کیا اور سلطان شہاب الدین کے حکم کے مطابق تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد دہلی کی طرف چل پڑا۔

جامع مسجد کی تعمیر کی تکمیل

قطب الدین نے دہلی پہنچ کر پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا اور جشن عشرت منعقد کیا۔ درباریوں اور دوسرے بہت سے لوگوں کو انعام و اعزاز سے مالا مال کیا۔ ۵۹۲ھ میں اس جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی جسے قطب الدین کے حکم کے مطابق تعمیر کرنا شروع کیا گیا تھا۔ اس خانہ خدا کی تکمیل کے بعد قطب الدین نے بیانہ کے قلعہ کو تسخیر کرنے کی تیاریاں شروع کیں، لیکن ابھی اس نے دہلی سے اپنا قدم بھی باہر نہ نکالا تھا کہ اسے سلطان شہاب الدین کی آمد کی خبر ملی۔ اس بنا پر اس نے قلعہ بیانہ کی تسخیر کا ارادہ کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا اور شہاب الدین کے استقبال کے لیے ہانسی کی طرف روانہ ہوا۔ شہاب الدین جب اپنے بہادر سپہ سالار سے ملا تو اس نے بڑی محبت سے اس سے ملاقات کی اور اسے گھوڑے اور خلعت سے سرفراز کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ شہاب الدین نے جس مقصد کے لیے ہندوستان

کا سفر اختیار کیا تھا وہ وہی تھا جو قطب الدین کے پیش نظر تھا یعنی دونوں کو قلعہ بیانہ کی تسخیر کا خیال تھا- لہٰذا آقا اور غلام دونوں ایک ساتھ ہی بیانہ کے قلعے کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے- اپنے اس مقصد میں دونوں کامیاب ہوئے اور شہاب الدین نے وہاں کی حکومت اپنے ایک ترکی غلام بہاء الدین طغرل کے سپرد کی-

سلطان شہاب الدین کو بیانہ ہی میں چھوڑ کر قطب الدین نے گوالیار کی طرف کوچ کیا- وہاں کے راجہ نے جس کا نام سلکمن تھا' قطب الدین کے مقابلے میں آنے کی جرات نہ کی اس نے بہت سے قیمتی اور اعلیٰ تحفے قطب الدین کی خدمت میں روانہ کیے اور سالانہ خراج کی ادائیگی کا وعدہ کیا-

نتران کے راجپوتوں سے جنگ

بیانہ اور گوالیار کے معاملات کو سلجھانے کے بعد شہاب الدین تو غزنی کی طرف چلا گیا اور قطب الدین واپس دہلی آ گیا وہ ابھی دہلی میں پہنچا ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ نتران کے راجپوت راجہ نہروالہ کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہندوؤں کا ایک مشترکہ لشکر تیار کیا ہے جس کا ارادہ یہ ہے کہ اجمیر کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال کر ہندوؤں کی حکومت میں لایا جائے ان معلومات کے حاصل ہوتے ہی قطب الدین نے نتران کا راستہ لیا اور وہاں راجہ نہروالہ کے پہنچنے سے پیشتر ہی راجپوتوں سے جنگ شروع کر دی- اس جنگ میں قطب الدین کا گھوڑا زخمی ہو کر گر گیا- اپنے امیر کو گرتے دیکھ کر مسلمان سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے- ان سپاہیوں نے بڑی مشکلوں سے قطب الدین کو ایک دوسرے گھوڑے پر سوار کیا اور اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے- نتران کے ہندو اپنی فتح کی خوشیاں منا ہی رہے تھے کہ راجہ نہروالہ کی فوج بھی ان کی مدد کو پہنچ گئی- ان دونوں لشکروں نے مل کر اجمیر کا راستہ لیا اور اجمیر سے تین کوس کے فاصلے پر مقیم ہو گئے-

غزنی سے امدادی فوج کی آمد

ہندوؤں کی افواج نے لڑائی کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رکھا اسی دوران میں شہاب الدین غوری کو قطب الدین کی مجبوری اور ہندوؤں کی سرکشی کا علم ہوا- اس نے اپنے مشہور امیروں اسلام خاں' اسد الدین' ارسلان خلج' نصیر الدین حسین' اعزالدین موید اور شرف الدین وغیرہ کی نگرانی میں ایک زبردست لشکر قطب الدین کی مدد کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ کیا- ایک طرف یہ لشکر جانباز غزنی سے ہندوؤں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور دوسری طرف سردی کے موسم نے راجپوتوں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دیے- یہ عالم دیکھ کر ان لوگوں نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ان کے لشکر کا ہر گروہ ایک ایک کر کے اپنے اصلی مقام کو روانہ ہو گیا- قطب الدین کو ہندوؤں کی فوج کی واپسی اور غزنی سے امدادی فوج کی آمد سے بڑی تقویت پہنچی اور اس نے ہندو دشمنوں کو ختم کرنے کا پورا پورا تہیہ کیا-

گجرات پر قبضہ

قطب الدین کا سب سے بڑا دشمن گجرات کا راجہ تھا اس لیے اس نے سب سے پہلے اسی پر حملہ کیا- ماہ صفر ۵۹۳ھ میں قطب الدین نے اجمیر سے نہروالہ کی طرف کوچ کیا راستے میں اس نے ہوتلی اور بزدل کے قلعوں کو سر کیا- ابھی وہ اپنی منزل پر نہ پہنچا تھا کہ اس نے سنا کہ نہروالہ کے راجہ والن وار کی راجپوت نے آپس میں مل کر مسلمانوں کا راستہ روکنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ دونوں اپنی فوجیں لے کر ... نے آبو پہاڑ کے علاقوں میں ابو گڑھ کے قلعے کے نیچے مسلمانوں سے معرکہ آرا ہونے کے لیے تیار کھڑے ہیں- قطب الدین نے ... اس لشکر کی طرف کوچ کیا اور دروں اور پیچیدہ راستوں سے ہوتا ہوا دشمن پر حملہ آور ہوا- قطب الدین کے لشکر نے ... بہادری سے دشمن سے جنگ کی اور تھوڑے سے وقت ... (۵۰) ہزار [illegible]

ساتھ لے کر گجرات کی طرف بڑھا۔ گجرات میں پہنچ کر قطب الدین بغیر کسی خوف و خطر کے شہر میں داخل ہو گیا اور اس نے جی کھول کر شہر کو برباد کیا۔ اس کے بعد اس نے نہروالہ کی حکومت اپنے ایک نامی گرامی امیر کے سپرد کر دی اور خود اجمیر کی راہ سے دہلی واپس آ گیا۔

کالنجر پر حملہ

دہلی پہنچ کر قطب الدین نے چند خوبصورت لونڈیاں اور غلام اور بہت سے قیمتی اور اعلیٰ درجے کے تحفے سلطان شہاب الدین کی خدمت میں غزنی روانہ کیے اور دہلی میں فتح کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا۔ اسی عالی حوصلہ صوبہ دار نے نوابوں اور درباریوں وغیرہ کو انعام و اعزاز سے نوازا اور فقیروں اور مسکینوں کو صدقے اور خیرات سے مالا مال کیا۔

۵۹۹ھ میں قطب الدین نے کالنجر پر حملہ کیا۔ وہاں کا راجہ مقابلے پر آیا، لیکن شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا اس راجہ نے اپنے انجام پر غور کیا تو اسے اپنی حرکت ناشائستہ پر بہت افسوس ہوا۔ لہٰذا نادم ہو کر اس نے اپنے بزرگوں کے طریقے کی پیروی کی اور جس طرح اس کے اسلاف سلطان محمود کے وفادار اور باج گزار تھے اسی طرح وہ بھی قطب الدین کا مطیع اور باج گزار ہو گیا۔ اس راجہ نے (صلح کے لیے) بہت سے تحفے تحائف اور ہدیے لے کر قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن جس روز اسے قطب الدین کے پاس جانا تھا اس سے ایک رات پہلے اس کا انتقال ہو گیا اور یوں ایک سلجھا ہوا معاملہ کچھ عرصے کے لیے پھر الجھ گیا۔ اس راجہ کی وفات کے بعد اس کے وکیل نے جس کا نام جدھ دیو تھا اپنے راجہ کی تقلید کو ضروری نہ سمجھا۔ اور قطب الدین کے خلاف جارحانہ اور مدافعانہ فتنہ انگیزیاں شروع کر دیں۔ جدھ دیو کی یہ ساری ہنگامہ خیزی محض اس وجہ سے تھی کہ قلعے کا چشمہ لبریز تھا اور اہل قلعہ کو پانی حاصل کرنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ (لیکن یہ عالم زیادہ دیر نہ رہ سکا) چونکہ قطب الدین کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اور اس کے دشمن کے برے دن قریب آ چکے تھے اس لیے اچانک قلعے کا چشمہ خشک ہو گیا۔ اہل قلعہ پانی کی نایابی کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے اور آخر جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح زندہ رہنا مشکل ہے تو انہوں نے قطب الدین سے امان طلب کی اور یوں قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قطب الدین نے کالنجر کے خزانے پر قبضہ کر لیا وہاں سے پچاس (۵۰) ہزار افراد گرفتار کیے اور ان کو مشرف بہ اسلام کیا۔

مہوہ اور بدایوں کی فتح

کالنجر کو فتح کرنے کے بعد قطب الدین نے علاقہ کالپی کے دارالسلطنت مہوہ پر حملہ کیا۔ مہوہ کے قلعے کی تسخیر کے بعد مسلمانوں کا لشکر بدایوں کی طرف روانہ ہوا اور اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بہار سے محمد بختیار خلجی اس کی خدمت میں پہنچا اس نے بہت سے اعلیٰ اور بیش قیمت جواہرات اور تحفے قطب الدین کی خدمت میں پیش کیے قطب الدین نے اب اور آگے بڑھنا مناسب خیال نہ کیا اور واپس دہلی آ گیا۔

قطب الدین کی خود مختاری

خوارزم کے حادثے کے بعد گکھڑوں کی سرزنش کے خیال سے شہاب الدین غوری ایک بار پھر ہندوستان آیا۔ قطب الدین اور شمس الدین التمش دونوں ہی اس کے ساتھ تھے۔ شہاب الدین کے ان دونوں محبوب غلاموں نے جس بہادری اور دلیری سے گکھڑوں کو شکست دی اس کا احوال تفصیل کے ساتھ شہاب الدین کے تذکرے میں بیان کیا جا چکا ہے گکھڑوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے بعد قطب الدین تو واپس دہلی آ گیا اور شہاب الدین غزنی روانہ ہوا۔ راستے میں شہاب الدین کو شہید کر دیا گیا اور اس کا بھتیجا سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین غورستان کا حکمران ہوا۔ اس نئے حکمران نے اپنے چچا شہاب الدین سے بھی زیادہ قطب الدین سے محبت و خلوص کا اظہار کیا اور اس کی عزت افزائی کی۔ سلطان محمود بن غیاث الدین نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قطب الدین کو "ملک" سے "سلطان" بنا دیا اور آزادی و خود مختاری کے فرمان کے ساتھ چتر اور بادشاہی کے دیگر لوازمات بھی اس کے لیے ہندوستان بھجوا دیے۔ قطب الدین اس

سلطان تاج الدین یلدوز

مورخین بیان کرتے ہیں کہ سلطان شہاب الدین غوری کو خداوند تعالیٰ نے صرف ایک بیٹی دی تھی (اور اس کے گھر میں کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا تھا) اس لیے اس کو ترکی غلام خریدنے اور انہیں بیٹوں کی طرح پالنے کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ سلطان شہاب الدین کے ایک منہ چڑھے امیر نے، جو کسی حد تک سلطان کی خدمت میں گستاخ بھی تھا، سلطان سے کہا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ خداوند تعالیٰ بادشاہ کو کوئی بیٹا بھی عطا کرتا تاکہ کسی ناگزیر واقعے کے پیش آنے کے بعد اس کو تخت سلطنت کا وارث بنایا جاتا۔" یہ بات سن کر سلطان نے امیر کو جواب دیا۔ "عام طور پر بادشاہوں کے چند بیٹے ہوتے ہیں جو اپنے باپ کی وفات کے بعد حکومت کے وارث قرار پاتے ہیں لیکن میرے کئی ہزار ایسے سعادت مند بیٹے موجود ہیں جو میرے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ایک مدت تک میرا نام زندہ رکھیں گے۔"
ناظرین اگر غور کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ درحقیقت وہی کچھ ہوا جو اس نیک دل بادشاہ کی زبان سے نکلا۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ شہاب الدین غوری کے نازوں سے پالے ہوئے غلاموں نے جس رعب داب کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے اس کی وجہ سے نہ صرف ان فرمانرواؤں کا بلکہ ان کے آقا شہاب الدین کا نام بھی حیات دوام حاصل کر چکا ہے۔

ابتدائی حالات

سلطان شہاب الدین کے مذکورہ بالا "بیٹوں" میں سے ایک سلطان تاج الدین یلدوز بھی ہے۔ یلدوز جب بچہ تھا تو اسے شہاب الدین نے ایک سوداگر سے خریدا تھا۔ یلدوز کی صورت و سیرت کی پاکیزگی اور حسن نے شہاب الدین کو اس کا دلدادہ بنا دیا۔ اس کے بہت سے پالکوں میں یلدوز کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ جب یلدوز جوان ہوا تو سلطان نے اس کے چہرے پر برتری اور حوصلہ مندی کے آثار نمایاں دیکھ کر اسے اپنے گرامی قدر امیروں کی جماعت میں داخل کر لیا اور شیوران اور کرمان کے علاقے اس کی جاگیر مقرر کر دیئے۔
تاج الدین یلدوز کا قیام اپنی جاگیر ہی میں رہتا تھا جب کبھی شہاب الدین ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے شیوران اور کرمان کے راستے سے گزرتا تو یلدوز ہمیشہ شاہی فوج کی مدارات اور خاطر تواضع کی خدمت سے سرفراز ہوتا۔ وہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ لشکر کے امیروں کو ایک ہزار قبا و کلاہ بطور انعام کے عطا کیا کرتا تھا۔ یلدوز کی دو بیٹیاں تھیں۔ سلطان شہاب الدین کے حکم سے اس نے ایک بیٹی کی شادی تو قطب الدین ایبک سے کر دی اور دوسری کی ناصر الدین قباچہ سے۔ ان بیٹیوں کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے اسے دو بیٹے بھی عطا کیے تھے۔ ان بیٹوں میں سے ایک نے بچپن ہی میں وفات پائی اس کی وفات کا قصہ عجیب و غریب ہے اور اس کو بیان کرنے سے خود تاج الدین یلدوز کی سیرت کی خوبی نمایاں ہوتی ہے۔

بیٹے کی وفات کا عجیب و غریب قصہ

مورخین بیان کرتے ہیں کہ تاج الدین نے اپنے اس عزیز از جان بیٹے کو تعلیم کے لیے ایک استاد کے سپرد کیا۔ ایک روز یہ استاد اپنے اس شاگرد، شہزادے سے ناراض ہوا اور غصے میں کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا چونکہ شہزادے کا آخری وقت آ چکا تھا اس لیے اس کی روح اسی وقت قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یلدوز کو اس واقع کی اطلاع ملی تو فوراً مکتب میں گیا اس نے دیکھا کہ شہزادے کے استاد کی حالت بہت بری ہو رہی ہے اور وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہے یہ عالم دیکھ کر یلدوز نے استاد سے کہا۔ "اس سے پہلے کہ شہزادے کی موت کی خبر [illegible]

پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" استاد نے یلدوز کی اس رحم دلی پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی ہدایت پر عمل کر کے کسی گوشے میں چھپ کر اپنی جان بچائی۔

یلدوز کی تخت نشینی

اپنے آخری زمانے میں جب شہاب الدین کرمان آیا تو اس نے تاج الدین یلدوز کو ملبوس شاہی سے سرفراز کیا اور لشکر کا علم مرحمت کیا۔ شہاب الدین کی خواہش تھی کہ اس کے بعد یلدوز ہی اس کا جانشین ہو۔ حسن اتفاق سے وہی کچھ ہوا جو اس نیک دل فرماں روا کے دل میں تھا۔ جب شہاب الدین کا انتقال ہوا تو ترکی اور غزنوی امراء نے چاہا کہ سلطان غیاث الدین کے بیٹے سلطان محمود کو بلاد گرم سیر سے بلا کر شہاب الدین کا جانشین بنایا جائے۔ ان امراء نے اس مضمون کا ایک خط بھی سلطان محمود کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس خط کے جواب میں سلطان محمود نے کہا۔ "مجھے اپنا آبائی وطن فیروز کوہ ساری دنیا سے زیادہ پیارا ہے اور میرے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں میں اس کو چھوڑ کر غزنی آنا پسند نہیں کرتا۔" ان امراء کو ان کے خط کا جواب دینے کے بعد سلطان محمود نے تاج الدین یلدوز کے نام خط آزادی اور حکومت غزنی کا فرمان روانہ کیا اور اس طرح اپنے مرحوم چچا (شہاب الدین) کی خواہش کو پورا کیا۔ سلطان محمود کا فرمان پاتے ہی یلدوز نے غزنی کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور غزنی کے آس پاس کے شہروں پر قبضہ کر کے سلطنت کے مختلف کاموں میں مشغول ہو گیا۔

یلدوز کی معرکہ آرائیاں

تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد تاج الدین یلدوز کو ہندوستان فتح کرنے کا جنون ہوا اور اس مقصد کے پیش نظر اس نے لاہور پر حملہ کیا' قطب الدین ایبک نے یلدوز کا مقابلہ کیا پنجاب کی حدود میں دونوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں یلدوز شکست کھا کر فرار ہو گیا اور غزنی پر بھی قطب الدین کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد تاج الدین نے دوبارہ غزنی کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ (جس کی تفصیل قطب الدین کے حالات میں آ چکی ہے)

اپنی حکومت کے دوران میں ایک مرتبہ تاج الدین نے سلطان محمود بن غیاث الدین کی مدد سے ہرات پر بھی لشکر کشی کی اور اعزالدین غزمیل کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی۔ اس نے ایک بار سیستان پر بھی حملہ کیا۔ لیکن ابھی محاصرے ہی کی نوبت آئی تھی کہ سیستان کے حکمران نے یلدوز سے صلح کر لی۔ (اسی زمانے میں جب) تاج الدین سیستان سے غزنی واپس آ رہا تھا راستے میں نصیر الدین میر شکار اس کے مقابلے پر لشکر لے کر آیا' دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ نصیر الدین کو شکست ہوئی اور یلدوز کامیاب و کامران اپنے دار السلطنت میں واپس آیا۔

کچھ عرصے کے بعد غزنی پر خوارزم شاہ کا قبضہ ہو گیا اور یلدوز شیوران و کرمان میں پناہ گزین ہوا۔ اور کچھ عرصے تک اپنی قدیمی جاگیر پر قناعت کرتا رہا' لیکن ہندوستان کی شاداب اور زرخیز زمین نے اسے زیادہ عرصے تک اس جاگیر پر قانع نہ رہنے دیا اور اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کے ارادے سے التمش پر حملہ کیا۔ یلدوز کی آمد کی اطلاع پا کر التمش بھی آگے بڑھا' مقام تراولی ("تراولی" سے فرشتہ کی مراد جیسا کہ خود اس نے ایک جگہ لکھا ہے تراوڑی یا ترائن ہے) کے قریب دونوں میں جنگ ہوئی اس جنگ میں التمش کو فتح ہوئی اور یلدوز کو شکست۔ یلدوز التمش کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اسی گرفتاری کے عالم میں اس نے وفات پائی یلدوز کی مدت حکومت نو سال ہے۔

ناصر الدین قباچہ

اس حکمران کے حالات "سلاطین سندھ" کے تذکرے کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔

اختیار الدین محمد خلجی

اس بادشاہ کا تذکرہ "سلاطین بنگالہ" کے حالات میں بیان کیا جائے گا۔

بہاؤالدین طغرل

بہاء الدین طغرل فرمانروائے غورستان شہاب الدین غوری کا ایک نامی گرامی امیر اور غلام تھا۔ وہ شہاب الدین کی زندگی ہی میں غلام کے درجے سے رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے امیر کے منصب پر پہنچ گیا تھا وہ بڑی خوبیوں اور بہترین اخلاق کا حامل تھا۔ اسی بنا پر سلطان شہاب الدین کے پروردہ غلاموں میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ۵۹۱ھ میں سلطان شہاب الدین نے قلعہ بھکر (جو اب بیانہ کے نام سے مشہور ہے) فتح کیا۔ اور اس کی حکومت طغرل کے سپرد کی اور خود گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ جنگ کر کے قلعے کو سر کرنا بہت دشوار ہے اس لیے اس نے جنگ تو نہ کی البتہ قلعے کا محاصرہ کر لیا اور کچھ دنوں تک محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ گوالیار کا راجہ اس شدت کی تاب نہ لا سکا اور اس نے تنگ آ کر بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا اور شہاب الدین کی خدمت میں قیمتی تحفے تحائف پیش کیے اور اس طرح شہاب الدین کو اپنی سلطنت کی حدود سے واپس کر دیا۔ شہاب الدین تو نذرانے کی ایک بہت بڑی رقم لے کر واپس غزنی چلا گیا' لیکن طغرل نے بیانہ میں ایک مضبوط قلعہ بنا کر وہیں رہنا شروع کر دیا۔

شہر گوالیار کے محاصرے سے دستبردار ہونے کے بعد طغرل نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ وہ اکثر گوالیار کے آس پاس کے علاقوں پر حملہ کر کے تباہی و بربادی مچایا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہاب الدین غزنی کو واپس جاتے وقت طغرل سے کہہ گیا تھا کہ اگر گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا تو وہاں کی حکومت بھی بیانہ کی طرح طغرل ہی کے سپرد کی جائے گی۔ طغرل نے ایک عرصے تک لوٹ مار کا یہ سلسلہ جاری رکھا لیکن اس سے قلعے کو تسخیر کرنے میں کوئی مدد نہ ملی اور ہندو پہلے کی طرح حسب دستور قلعے میں پناہ گزین رہے۔ طغرل کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس طرح لوٹ مار سے اصل مقصد پورا نہ ہو گا اس لیے اس نے گوالیار سے دو کوس کے فاصلے پر ایک نیا اور بہت ہی مضبوط قلعہ تعمیر کروایا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس قلعے میں سکونت اختیار کی۔ طغرل نے شہر گوالیار کے آس پاس پورے ایک سال تک بہت سے حملے کیے اور اس طرح قلعے والوں کو بالکل عاجز اور مجبور کر دیا۔ قلعے والوں نے طغرل کے ان سخت اقدامات سے تنگ آ کر اپنے قاصد مع بیش قیمت تحفوں کے قطب الدین ایبک کے پاس بھیجے اور قلعہ اسی کے سپرد کر دیا۔ طغرل کو جب یہ معلوم ہوا کہ قلعہ گوالیار اس کے دشمن قطب الدین ایبک کے پاس چلا گیا ہے تو اس کے حسد و رقابت کی آگ تیز تر ہو گئی۔ اس وجہ سے طغرل اور قطب الدین کی باہمی دشمنی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان شہاب الدین کے دونوں تربیت یافتہ اور پروردہ غلام ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن طغرل کی اچانک موت کی وجہ سے یہ زبردست جنگ نہ ہوئی۔ سلطان کوٹ کا مشہور قلعہ جو طغرل کی یادگار ہے اب تک موجود ہے

آرام شاہ بن قطب الدین ایبک

قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد سلطنت کے امیروں کی اتفاق رائے سے اسکا بیٹا آرام شاہ اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ آرام شاہ میں حکومت کرنے کی اہلیت بالکل نہ تھی اس وجہ سے ایک ہی سال کے اندر اندر تمام سلطنت انتشار کی نذر ہو گئی اور ملک میں سخت طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ناصر الدین قباچہ نے سندھ میں پہنچ کر ملتان' اوچھ' بکھر اور شیوران نامی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بنگال میں خلجی امراء نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی مسلمان امراء کی خود سری کو دیکھتے ہوئے بعض ہندو راجاؤں میں بھی خود مختاری کا شوق پیدا ہوا۔ سلطنت کے تمام سرحدی علاقوں میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے' بادشاہ کی نااہلیت اور سلطنت کی بری حالت دیکھ کر امیر علی اسماعیل اور امیر داؤد دیلمی نامی امراء بہت پریشان ہوئے انہیں اس بات پر ندامت بھی تھی کہ انہیں کے ایماء پر آرام شاہ کو قطب الدین ایبک کا جانشین مقرر کیا گیا تھا ان امراء نے آرام کو بادشاہت سے ہٹا کر شمس الدین التمش کو جو قطب الدین کا لے پالک بیٹا اور داماد تھا بادشاہ بنانے کا پکا ارادہ کر لیا۔ التمش ان دونوں بدایوں میں تھا' امراء نے اسے خط لکھ کر بلایا وہ اس خط کے ملتے ہی فوراً دہلی پہنچا اور سلطنت پر قابض ہو گیا۔

آرام شاہ کو جب امراء کے ارادے اور التمش کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ شہر سے نکل کر دہلی کے ایک قریبی علاقے میں قیام پذیر ہو گیا اور جس وقت اسے یہ اطلاع ملی کہ التمش اس کی سلطنت پر قابض ہو گیا تو اس نے اپنے باپ کے بہی خواہ افسروں اور لشکریوں کو بلایا اور ان سے مدد مانگی۔ قطب الدین ایبک کے چند امراء آرام شاہ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آرام شاہ ایک زبردست لشکر لے کر دہلی پر حملہ آور ہوا التمش نے اس کا مقابلہ کیا۔ التمش کو اس معرکے میں فتح ہوئی اور آرام شاہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس فتح کے بعد التمش ہندوستان کا مستقل بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ آرام شاہ نے ایک سال سے کچھ کم عرصے تک حکومت کی۔

شمس الدین التمش

ابتدائی حالات

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ شمس الدین التمش قراختائی ترکوں کے ایک بہت بڑے گھرانے کا بیٹا ہے' التمش کے باپ کا نام ایلم خاں تھا وہ البری قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے اپنی دولت مندی اور خدمت گاروں اور مصاحبوں کی کثرت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ التمش اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھا اس وجہ سے ایلم خاں اسے اپنے بیٹوں میں سب زیادہ چاہتا تھا۔ التمش کے بھائی اس سے خوش نہ تھے' التمش کے ساتھ اس کے دشمنوں نے وہی سلوک کیا جو حضرت یوسف کے ساتھ ان کے بھائیوں نے کیا تھا۔ التمش کے بھائیوں یا بھتیجوں نے ترکستان کے اس یوسف (التمش) کو گلہ بانی کے بہانے سے قبیلہ البری کے یعقوب (ایلم خاں) سے جدا کر کے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کچھ عرصے تک اس "آقا" کے گھر میں التمش بڑے آرام سے پرورش پاتا رہا' لیکن قسمت نے اسے یہاں بھی نہ رہنے دیا اور اسے ایک سوداگر حاجی بخاری نامی نے خرید لیا۔ حاجی بخاری نے التمش کو حاجی جمال الدین چست قبا کے حوالے کیا' حاجی جمال اسے اپنے ساتھ لے کر غزنی آیا۔ اہل غزنی نے اس وقت تک التمش جیسا خوبصورت ترکی غلام نہ دیکھا تھا اس لیے التمش کے غزنی پہنچتے ہی اس کے حسن و جمال کا بڑا شہرہ ہوا۔ بادشاہ کے درباریوں نے التمش کا تذکرہ شہاب الدین غوری سے کیا۔ شہاب الدین نے التمش کی قیمت کے تعین کا حکم دیا۔ حاجی جمال کے پاس التمش کے علاوہ ایک غلام اور بھی تھا دونوں غلاموں کی قیمت دو ہزار دینار بتائی گئی۔ شہاب الدین نے ایک ہزار دینار کے عوض دونوں غلاموں کو خریدنے کا خیال ظاہر کیا۔ حاجی جمال نے اس قیمت پر ان غلاموں کو بیچنے سے انکار کر دیا۔ شہاب الدین نے سوداگر کے اس گستاخانہ جواب پر ناراض ہو کر یہ حکم دے دیا کہ کوئی شخص ان غلاموں کو نہ خریدے حاجی جمال ایک سال تک غزنی میں رہا لیکن کسی نے ان غلاموں کو نہ خریدا آخر وہ ناکام و نامراد واپس بخارا آ گیا۔

کچھ دنوں تک بخارا میں قیام کرنے کے بعد حاجی جمال دوبارہ غزنی گیا جونہی التمش شہر میں داخل ہوا اہل شہر اس کے گرد گھومنے لگے۔ ہر دولت مند آدمی کی یہی تمنا تھی کہ وہ اسے خرید کر پرورش کرے۔ لیکن بادشاہ کے خوف کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی تھی کہ وہ حاجی جمال سے معاملے کی بات چیت کرے۔ حاجی جمال بھی اسی خوف سے خاموش تھا کہ (اسی اثنا میں) التمش کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا' ہوا یہ کہ قطب الدین ایبک راجہ نہروالہ کو شکست دے کر نصیرالدین خرمیل کے ساتھ غزنی آیا۔ قطب الدین نے جب التمش کے حسن کا شہرہ سنا تو اس نے شہاب الدین سے التمش کو خریدنے کے لیے اجازت مانگی۔ شہاب الدین نے جواب دیا "چونکہ میں ایک بار لوگوں کو اس غلام کے خریدنے سے منع کر چکا ہوں اس لیے اب یہ مناسب نہیں ہے کہ میں اسے غزنی کے بازار میں بکنے کی پھر اجازت دوں۔ سوداگر دہلی میں تمہارے پاس پہنچ کر اس گراں قدر غلام کو بیچ سکتا ہے۔"

سلطان قطب الدین نے کچھ دنوں تک غزنی میں قیام کیا اور پھر اپنے وزیر نظام الدین کو وہاں چند اہم کاموں کو سرانجام دینے کے لیے چھوڑ کر خود واپس دہلی آیا۔ غزنی سے روانگی کے وقت قطب الدین نے نظام الدین کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ جب دہلی آئے۔ تو اپنے ساتھ حاجی جمال کو بھی لیتا آئے۔ نظام الدین سلطنت کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر دہلی آیا اور اپنے ساتھ حاجی جمال کو بھی لیتا آیا۔

قطب الدین نے حاجی جمال کے دونوں غلاموں [illegible]

موسوم کیا اور دوسرے کا نام التمش رکھا۔ ایبک کو تو قطب الدین نے بٹھنڈہ کا امیر بنا دیا اور التمش کو بیٹا بنا کر اپنے درباریوں میں داخل کر لیا۔ قطب الدین اور یلدوز کی جنگ میں قطب الدین کی طرف سے لڑتے ہوئے ایبک کا انتقال ہو گیا اور التمش اپنے آقا کے دامن کرم میں پرورش پاتا رہا اور ترقی کرتے کرتے میر شکار کے عہدے تک پہنچا۔

قطب الدین التمش پر بڑا اعتماد کرتا تھا یہاں تک کہ گوالیار کا قلعہ فتح کر کے التمش کو اس کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد التمش کو برن اور اس کے گرد و پیش کے علاقوں کی جاگیرداری دی گئی اور بدایوں کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جب شہاب الدین کھکروں کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان آیا تو قطب الدین بھی شاہی حکم کے مطابق ایک زبردست لشکر لے کر شہاب الدین کی مدد کے لیے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ التمش کو جب یہ بات معلوم ہوائی تو وہ بھی بدایوں سے ایک عظیم الشان لشکر تیار کر کے قطب الدین کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ التمش نے پنجاب کے اس معرکے میں اپنی فطری بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی فوج میں اس جیسا بہادر اور جیالا سپاہی اور کوئی نہیں ہے۔

التمش امیر الامرائی کے عہدے پر

کھکروں کی فوج دریا کی دوسری طرف تھی اور ہندو سپاہیوں پر مسلمان سپاہیوں کا کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ التمش نے ہمت و جرات سے کام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور دریا کو عبور کر کے دشمن پر حملہ آور ہوا۔ التمش نے تلوار کے کمالات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دس بارہ ہزار ہندو موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ کھکروں کی فوج شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گئی۔ شہاب الدین نے التمش کی جان بازی و بہادری دیکھ کر اسے شاہی انعامات سے سرفراز کیا۔ اور قطب الدین سے سفارش کی کہ التمش کا فرمان آزادی لکھ کر اس کی آزادی کا اعلان کیا جائے اور بہترین طریقے پر اس کی پرورش کی جائے۔ قطب الدین نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی اور التمش کی گردن سے غلامی کا جوا ہمیشہ کے لیے اتار لیا۔ التمش نے رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے امیر الامراء کا منصب حاصل کر لیا۔

تخت نشینی

قطب الدین ایبک کو خداوند تعالیٰ نے تین بیٹیاں عطا کی تھیں ان میں سے ایک تو التمش کے نکاح میں آئی اور باقی دو باری باری ناصر الدین قباچہ سے بیاہی گئیں۔ قطب الدین کی وفات کے بعد دہلی کے امیروں اور ارکان سلطنت نے التمش کو تخت نشینی کے لیے دہلی آنے کی دعوت دی۔ التمش بدایوں کے امراء اور اپنے لشکر کے ساتھ دہلی آیا اور تخت سلطنت پر جلوہ گر ہو کے شمس الدین کا لقب اختیار کیا۔ التمش نے ۶۰۷ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور بہت جلد قطب الدین کے عہد کے امیروں اور درباریوں کو اپنے لطف و کرم سے گرویدہ بنا لیا۔ اور یوں گذشتہ عہد کے تمام معززین التمش کے نام کا کلمہ پڑھنے لگے، لیکن جانداروں کا سردار اس راہ پر نہ آیا اور وہ غرور کے نشے میں سرشار ہو کر سرکشی کے خواب دیکھتا رہا۔ اس نے شہاب الدین اور قطب الدین کے زمانے کے کچھ امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی سیاسی چالوں میں پھنسا لیا اور دہلی کے گرد و نواح سے اچھی خاصی فوج جمع کر لی اور دہلی کے قریب کے ایک میدان میں التمش کے مقابلے پر آ ڈٹا۔ چونکہ التمش کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اس لیے جاندار کو شکست ہوئی۔ جانداروں کے دو (نامی گرامی) سردار اقسنقر اور فرخ شاہ میدان جنگ میں کام آئے۔ ترکی جانداروں کا افسر اعلیٰ اپنے مخصوص مصاحبوں کو ساتھ لے کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ شمس الدین التمش کے فوجیوں نے ان باغیوں کا بری طرح پیچھا کیا۔ کچھ عرصے ہی میں ان سب باغیوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا اس کامیابی کے بعد التمش کا کوئی حریف باقی نہ رہا اور ملک ہمیشہ کے لیے باغیوں اور سرکشوں کے ہنگاموں سے پاک ہو گیا۔

جالور پر لشکر کشی

اسی زمانے میں جالور (یہ مقام اجمیر سے تقریباً ڈیڑھ سو میل جنوب مغرب میں واقع ہے) کے حاکم راجہ اڈیسہ نے خراج کی مقررہ رقم کی ادائیگی

میں پس و پیش کیا اور اس کے انداز سے معلوم ہوتا کہ اس کے سر پر بغاوت کا جنوں چڑھا ہے اس راجہ نے التمش سے معرکہ آرائی کرنے کا ارادہ کیا۔ (یہ دیکھ کر) التمش نے جالور پر حملہ کر دیا اور اڈیسہ کو شکست دے کر اسے اپنا مطیع و باج گزار بنایا۔ اڈیسہ سے خراج کی رقم لے کر التمش واپس دہلی آیا۔ اس فتح کے بعد تاج الدین یلدوز نے جو محمود غوری کے فرمان پر غزنی کا فرمارو مقرر ہوا تھا التمش کے لیے ہندوستان میں چتر و علم روانہ کیے۔ التمش نے حکومت غزنی کے احترام کے پیش نظر ان تحفوں کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔

تاج الدین یلدوز سے جنگ

اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد یلدوز نے خوارزمی فوج کے مقابلے پر شکست کھائی اور شیوران و کرمان میں پناہ گزین ہوا۔ یہاں بیٹھ کر وہ ہندوستان کی سرسبز و شاداب زمین کو لالچ کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یلدوز نے ۶۱۳ھ میں پنجاب اور تھانیسر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان کے ان سرحدی خطوں پر قابض ہونے کے بعد یلدوز نے التمش کے پاس اپنے چند قاصد بھیجے اور ان کی معرفت کوئی ایسی بات کہلوائی جس سے التمش کی عزت اور نام و نمود پر حرف آنے کا احتمال تھا۔ التمش کو یلدوز کے اس پیغام پر بے حد غصہ آیا اور اس نے فوراً پنجاب پر لشکر کشی کر دی۔ ترائن کے علاقے میں یلدوز اور التمش کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے' بڑی زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں یلدوز کو شکست ہوئی اور اس کے چند نامی گرامی سردار شمس الدین التمش کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ التمش یلدوز کو اپنے ساتھ لے کر واپس دہلی آیا اور یلدوز کو بدایوں کے قلعے میں قید کر دیا گیا اس نے عالم اسیری ہی میں کسی مرض سے یا زہر سے موت پائی۔

ناصر الدین قباچہ سے معرکے

۶۱۴ھ میں التمش اور اس کے ہم زلف یعنی قطب الدین ایبک کے دوسرے داماد ناصر الدین قباچہ کے درمیان لاہور کے کسی علاقے کے بارے میں کشیدگی پیدا ہوئی۔ اس جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ دونوں میں معرکہ آرائی کی نوبت آ گئی۔ منصوریہ کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے پر دونوں حریف بالمقابل ہوئے ایک زبردست لڑائی کے بعد ناصر الدین قباچہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور التمش کو فتح نصیب ہوئی۔ ۶۱۵ھ میں قباچہ نے غزنی کے قرب و جوار کے ان خلجی امیروں کو شکست دی جو سندھ کے علاقوں کو اپنی لشکر کشی سے تباہ و برباد کیا کرتے تھے ان خلجی سرداروں نے قباچہ سے شکست کھانے کے بعد التمش کے دامن میں پناہ لی۔ التمش نے ان کی مدد کی اور ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ قباچہ پر حملہ کیا' قباچہ التمش کا مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے ملک کے کسی سرحدی مقام پر روپوش ہو گیا۔ التمش نے اس کا پیچھا زیادہ کرنا مناسب نہ سمجھا (اور اتنی ہی سرزنش پر اکتفا کر کے) واپس دہلی آ گیا۔

خوارزم شاہ سے معرکہ

۶۱۸ھ میں چنگیز خاں کے قہر و غضب سے خوف زدہ ہو کر جلال الدین خوارزم شاہ اپنے ملک سے بھاگ نکلا اور لاہور کے علاقے میں آ کر پناہ گزین ہوا۔ سرحدی علاقے میں خوارزم شاہ کا موجود رہنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ اس لیے التمش نے اس کی خبر سنتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ خوارزم شاہ التمش کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور سندھ اور سیوستان کے علاقے کی طرف بھاگ گیا۔ سندھ پہنچنے کے بعد خوارزم اور قباچہ میں جھگڑا ہو گیا اور یوں خوارزم کو جب کہیں جائے پناہ نہ ملی تو وہ کچھ اور مکران کے راستے ہندوستان کی حدود سے نکل گیا۔ نظام الدین بخشی اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ جلال الدین خوارزم شاہ اس وقت ہندوستان میں آیا جب کہ دریائے سندھ کے سیلاب کی وجہ سے قباچہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا تھا ہم آگے چل کر ثابت کریں گے کہ مورخین کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

لکھنوتی اور بہار پر لشکر کشی

۶۲۲ھ میں التمش [illegible]

شکست دے کر اپنے اطاعت گزاروں میں داخل کیا۔ التمش نے بہار اور لکھنوتی میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور خلجی سردار سے اڑتیس زنجیر ہاتھی اور اسی ہزار روپیہ نقد لے کر اسے آزاد کر دیا۔ التمش نے اپنے بڑے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب عطا کر کے لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور اسے چتر اور دور باش عنایت کر کے لکھنوتی ہی میں چھوڑا اور خود دہلی واپس ہوا۔
ناصر الدین نے غیاث الدین خلجی سے جنگ کر کے اسے شکست دی اور قتل کیا۔ اس نے خلجیوں سے بے شمار روپے اور بے حساب مال و دولت حاصل کیا اور اپنے ساتھیوں اور رفیقوں کو مالا مال کر دیا۔

قباچہ کی غرقابی کی صحیح روایت

قلعہ اوچہ کی تسخیر اور قباچہ کے دریا میں ڈوب مرنے کی صحیح روایت یہ ہے کہ التمش نے اپنے دشمن قباچہ کی روز افزوں قوت کو دیکھ کر اسے اپنا مطیع و اطاعت گزار بنانا چاہا۔ التمش نے اس پر ایک زبردست حملہ کر کے اسے قلعہ بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ قباچہ نے اوچہ کا قلعہ مستحکم کر کے بھکر میں پناہ لی۔ التمش نے قباچہ کے تعاقب میں نظام الدین جنیدی کو روانہ کیا اور خود اوچہ کے قلعے کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کرنے میں مصروف ہوا۔ التمش نے دو (۲) مہینے اور بیس (۲۰) روز کی سخت محنت کے بعد قلعہ اوچہ کو تسخیر کر لیا۔ ناصر الدین قباچہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے اپنے بیٹے علاؤ الدین کو التمش کے پاس بھیجا اور اس سے صلح کی درخواست کی، لیکن ابھی اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا کہ قباچہ کا آخری وقت آ پہنچا۔ جب قباچہ بھکر سے بھاگ رہا تھا تو اس وقت دریا میں بہت شدید سیلاب آیا اور قباچہ اس سیلاب کی نذر ہو گیا۔

رنتھنبور کی فتح

قباچہ کی غرقابی کی خبر التمش تک فوراً پہنچ گئی اور اس نے قباچہ کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔ ۶۲۳ھ میں التمش نے رنتھبور کے قلعے پر حملہ کیا اور اسے فتح کیا اس کے ایک سال بعد التمش نے سندھ کے قلعے پر لشکر کشی کی اس قلعے کو بھی التمش نے حدود سوالک کے ساتھ جلد از جلد فتح کر لیا۔ التمش کے دور کے مشہور عالم و فاضل امیر روحانی نے (جو چنگیز کے دور کی ہنگامہ خیزیوں سے تنگ آ کر بخارا سے بھاگ کر دہلی آ گیا) قلعہ رنتھنبور کی فتح کی خوشی میں تہنیت کے اشعار لکھ کر التمش کی خدمت میں پیش کیے وہ اشعار یہ ہیں۔

خبر بہ اہل سما برد جبرئیل امین زفتح نامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسماں ہارا بدیں بشارت بندید حلہ و آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام کشاد بارد گر قلعہ پہر آئین
شہ مجاہد و غازی کہ دست و بازورا روان حیدر کرارے کند تحسین

عمامہ خلافت التمش کے لیے

۶۲۶ھ میں خلافت عباسیہ کے قاصد دہلی میں آئے اور انہوں نے التمش کو بارگاہ عباسی کی طرف سے بھیجا ہوا عمامہ خلافت پیش کیا۔ التمش نے اس مذہبی خلعت کی پوری پوری تعظیم و تکریم کی اور اس خلعت فاخرہ کو زیب تن کر کے بے انتہا خوش ہوا۔ اس خوشی میں اس نے اپنے امیروں اور درباریوں کو خلعتوں اور عطیوں سے نوازا اور تمام شہر کو دلہن کی طرح سجا کر جشن مسرت منایا۔ ابھی التمش ان خوشیوں کے ہجوم میں کھویا ہوا ہی تھا کہ اسے اپنے بڑے بیٹے ناصر الدین حاکم لکھنوتی کے انتقال کی خبر ملی۔ التمش کو اس حادثہ جانکاہ کا بڑا رنج ہوا جب ماتم و تعزیت سے اسے فرصت ملی تو وہ اپنے چھوٹے بیٹے جس کا نام بھی ناصر الدین رکھا تھا بے انتہا محبت کرنے لگا۔
۶۲۷ھ میں التمش دہلی سے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر ان تمام ہنگاموں کو ختم کیا جو ناصر الدین کی وفات سے اس علاقے

کے گوشے گوشے میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا کرنے کے بعد التمش نے عزت الملک ملک علاؤ الدین کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور خود واپس دہلی آ گیا۔

فتح گوالیار

۶۲۹ھ میں التمش نے گوالیار پر جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا حملے کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال تک اس نے اس محاصرے کو قائم رکھا۔ یہاں تک کہ قلعے کے باشندے محاصرے کی سختیوں سے بہت تنگ آ گئے۔ ہندو راجہ دیوبل پر جب یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ التمش قلعے کو تسخیر کیے بغیر نہ ہٹے گا تو اس نے ایک رات لوگوں کی نگاہوں سے بچ بچا کر راہ فرار اختیار کی۔ صبح کو جب اہل قلعہ نے راجہ کو غائب پایا تو انہوں نے مجبوراً قلعے کے دروازے کھول دیئے اور یوں مسلمانوں کی فوج قلعے پر قابض ہو گئی۔ مسلمانوں نے بہت سے ہندوؤں کو قید کر کے ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ ان ہندو قیدیوں میں سے تین سو نافرمانوں کو مسلمانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقیوں کو رہا کر دیا۔ یوں گوالیار میں دوبارہ مسلمان فرمانرواؤں کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہو گیا۔ التمش کے شاہی میر منشی (دبیر مملکت) تاج الدین ریزہ نے گوالیار کی فتح کی خوشی میں ایک رباعی لکھی جو قلعے کے دروازے پر کندہ کروائی گئی وہ رباعی یہ ہے۔

هر قلعه که سلطان سلاطین بگرفت از عون خدا و نصرت دیں بگرفت
آں قلعه گوالیار و آں حصن حصین در ستہ مایۃ(۶۰۰) ستہ ثلثین(۳۰۰) بگرفت

۶۳۱ھ میں التمش نے مالوہ پر حملہ کیا اور وہاں کے قلعہ کو ختم کرنے کے بعد اجین پر بھی مکمل قبضہ کر لیا اس نے مہاکال کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یہ مندر بہت ہی مضبوط و پائیدار تھا۔ اس کی تعمیر میں تین سو برس صرف ہوئے تھے۔ اور اس کی دیوار ایک سو گز بلند تھی۔ اس مندر سے التمش کو اجین کے راجہ بکرماجیت کی ایک نادر الوجود تصویر ملی نیز سنگ مہاکال اور پیتل کی چند دوسری تصویریں بھی ہاتھ لگیں۔ التمش ان تمام نوادرات کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا اور انہیں جامع مسجد کے دروازے پر ڈال دیا تاکہ وہ آتے جاتے لوگوں کے پاؤں کے نیچے آ کر پامال ہوں۔

وفات

اجین کے سفر کی تکان دور کرنے کے لیے التمش نے کچھ روز دہلی میں آرام کیا پھر ملتان کی طرف چل پڑا۔ یہ سفر التمش کو موافق نہ آیا اور اس کی صحت پر برا اثر پڑا اور وہ بیمار ہو گیا بیماری نے اس حد تک طول کھینچا کہ التمش بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ امراء و سردار التمش کو اسی حالت میں عماری پر بٹھا کر دہلی لائے۔ دہلی پہنچ کر اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو اس کا انتقال ہو گیا۔ (خدا کی رحمت اس کی لحد پر سایہ فگن رہے)۔

حوض شمسی

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین شکر گنج" اپنے پیرو مرشد حضرت قطب الدین بختیار اوشی" کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار التمش کو حوض شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں وہ روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حوض کی جگہ اور اس کے رقبے وغیرہ کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا۔ اس حوض کی تعمیر کے لیے التمش کے ذہن میں جو مقام آتا وہ فوراً اسے جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا۔ اتفاق سے ایک دن التمش کا گزر اسی جگہ ہوا کہ جہاں اب حوض شمسی واقع ہے التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ پر حوض کی تعمیر کا ارادہ کر لیا۔ جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی

رات کو التمش نے خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی- التمش نے دیکھا کہ سرور انبیاء ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے- آنحضرت ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا اور ان کے گھوڑے نے زمین پر لات ماری جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور شور سے بہنے لگا- التمش نے ابھی اسی قدر خواب میں دیکھا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت قدرے رات باقی تھی اور التمش اسی وقت حضرت قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کے ساتھ ان سے اپنے خواب کی تمام روداد بیان کر دی- حضرت فرید شکر گنج اپنے پیرو مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطبؒ صاحب کو اپنے ساتھ اس جگہ لے گیا- قطب صاحب نے شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار طرف بہہ رہا ہے- یہ واقعہ تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ ہندوستان کے دیگر مشائخ کے ملفوظات میں بھی درج ہے- واللہ اعلم بالصواب-

غیبی امداد

بعض لوگ خود التمش کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں التمش بخارا میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا اس زمانے میں ایک روز اس کے آقا نے اسے ایک رائج الوقت سکہ دیا اور بازار سے انگور لانے کے لیے کہا- التمش انگور لانے کے لیے روانہ ہوا بازار میں جاتے جاتے اچانک وہ سکہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اس نے بہت تلاش کی مگر سکہ نہ ملا لہٰذا وہ مجبور ہو کر (آقا کے خوف سے) ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگا- اس وقت ادھر سے ایک فقیر گزرا اس فقیر نے اپنے کشف باطن کے ذریعے التمش کا حال معلوم کر لیا اور انگور خرید کر اسے دیئے- انگور دیتے ہوئے فقیر نے التمش سے کہا اگر خدا تجھے کبھی بادشاہ بنا دے تو تو فقیروں اور حاجت مندوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت تیرے ساتھ کیا ہے-

خدمت فقراء

بعض کتب تاریخ میں یہ واقعہ بھی التمش ہی کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ جب التمش بغداد میں اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا تو ایک روز اس کے مالک نے کچھ صاحب باطن درویشوں کو اپنے گھر مدعو کیا- محفل سماع شباب پر تھی اور یہ فنافی اللہ لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ نعرے ہائے مستانہ بلند کر رہے تھے- یہ محفل رات بھر جاری رہی اور التمش رات بھر ہاتھ میں شمع لے کر کھڑا رہا- قاضی حمید الدین ناگوریؒ اس محفل کے صدر تھے- فقرائے پاک طینت التمش کی اس خدمت سے بے انتہا خوش ہوئے- اور اس گروہ کی کیمیا اثر نگاہوں کے طفیل اس خوش عقیدہ غلام (التمش) کے دن پھر گئے وہ پہلے خاک تھا اور اب کندن بن گیا- پہلے غلام تھا اور اب بے شمار علاقوں کا آقا-

ذوق سماع

التمش کے عہد حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین ناگوریؒ ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں ایک مقام پر قیام فرما کر خلق خدا کی راہنمائی اور ہدایت اور مقدس فریضہ انجام دیتے رہے قاضی صاحب فقراء کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو سماع کو پسند فرماتے تھے اس وجہ سے ان کی خانقاہ میں روزانہ محفل سماع منعقد ہوتی تھی- چونکہ اس طرح محفل سماع کا منعقد ہونا شرع کے خلاف ہے اس لیے دو مشہور علماء ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین نے قاضی صاحبؒ کی روش پر شرعی اعتراض وارد کیا- یہ علماء قاضی صاحبؒ کے بہت خلاف ہو گئے اور ان کی مخالفت نے یہاں تک طول کھینچا کہ انہوں نے التمش پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اسے مجبور کیا کہ وہ

قاضی صاحب کی محافل سماع کو شاہی حکم کے ذریعے ممنوع قرار دے۔ التمش نے ان علماء کے کہنے سے مجبور ہو کر قاضی صاحب کو اپنے پاس بلوایا ان سے بحث کرنے کے لیے ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین بھی تشریف لائے ان دونوں علماء نے قاضی صاحب سے سوال کیا۔ "ازروئے شرع سماع حرام ہے یا حلال؟" قاضی صاحبؒ نے جواب دیا یہ فعل اہل حال کے لیے حلال ہے اور اہل قال کے لیے حرام۔" علماء کو یہ جواب دینے کے بعد قاضی صاحبؒ فوراً التمش سے مخاطب ہوئے اور اس سے کہا آپ جناب کو اپنے بچپن کا وہ واقعہ تو یاد ہو گا جب (آپ غلام تھے اور) آپ کے آقا کے گھر میں محفل سماع منعقد ہوئی تھی۔ آپ اس محفل میں رات بھر شمع ہاتھ میں لے کر کھڑے رہے تھے ان اہل حال فقیروں کو آپ کی یہ خدمت پسند آئی تھی اور اسی وجہ سے انہیں فقیروں کی دعاؤں کے طفیل خداوند تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کے مرتبے تک پہنچایا۔" قاضی صاحب کی زبان سے یہ واقعہ سن کر التمش کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام واقعہ پھر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ التمش قاضی صاحبؒ سے بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آیا اور انہیں بے حد تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ قاضی صاحب سے ملاقات کرنے کا یہ اثر ہوا کہ التمش نے محافل سماع کو ممنوع قرار نہ دیا بلکہ خود بھی قاضی صاحب کی خانقاہ میں حاضری دیتا اور سماع اور فقراء کی محبت سے مستفید و لطف اندوز ہوتا۔

قاتلانہ حملہ

التمش عبادات مذہبی و فرائض دین کا بڑی سختی سے پابند تھا وہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ بادشاہ کی یہ مذہب دوستی اور خدا پرستی دہلی کے ملحدین کو پسند نہ آئی۔ ایک ایسے ہی گروہ کے سردار نے جس کا نام "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے مصداق نور تھا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے التمش کو عین حالت نماز میں شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ (ایک دن) یہ لوگ خنجر اور تلواروں سے لیس ہو کر مسجد میں گھس آئے اور چند نمازیوں کو شہید کرتے ہوئے التمش کے قریب پہنچ گئے لیکن خداوند تعالیٰ نے ان کافروں کی شر سے التمش کو بچالیا اور یہ لوگ خوفزدہ ہو کر مسجد سے بھاگ نکلے۔ لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور دیواروں اور کوٹھوں پر چڑھ کر ان پر پتھراؤ کیا اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس گروہ کا ایک ایک فرد ہلاک ہو گیا اور دہلی اس شریر گروہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔

التمش کی حکومت کے آخری زمانے میں بغداد کا مشہور و معروف عالم و فاضل فخرالملک عصائی جو پورے تیس سال تک خلافت عباسیہ کی وزارت کے منصب پر سرفراز رہ چکا تھا' کسی بنا پر ناراض ہو کر بغداد سے جلاوطن ہوا اور دہلی آکر قیام پذیر ہوا۔ التمش نے اس بزرگ کا شایان شان کے مطابق استقبال کیا اور اسے انعامات و اعزازات سے سرفراز کر کے اپنا وزیر مقرر کیا۔ التمش کے عہد حکومت میں علماء اور انشاء پردازوں کی ایک بہت بڑی جماعت بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی تصنیف و تالیف سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتی تھی اس جماعت میں نور الدین عوفی کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عالم و فاضل شخص نے "جامع الحکایات" تصنیف کی اس کتاب کو التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابو سعید جنیدی کے نام نامی سے منسوب کیا۔

التمش نے چھتیس (۳۶) سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت دہلی پر جلوہ فگن ہوا۔

رکن الدین فیروز شاہ

ہندوستان کی معتبر کتب تواریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۶۲۵ھ میں التمش نے فیروز شاہ کو چتر و دورباش عطا کر کے بدایوں کے پرگنے کا حاکم مقرر کیا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے اسے لاہور کی حکومت بھی عطا کر دی اور یوں اس کی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

جب سیوستان کے سفر کے بعد دہلی میں التمش کا انتقال ہوا تو رکن الدین فیروز شاہ اتفاق سے اس زمانے میں دہلی میں ہی مقیم تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ۶۳۳ھ میں منگل کے روز فیروز شاہ کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ وزیروں امیروں نے نذریں پیش کیں اور شاعروں نے مبارک بادی کے قصیدے لکھے اور انعام سے سرفراز ہوئے۔ ان تمام قصیدوں میں تاج الدین ریزہ (میر منشی) کا قصیدہ بہت مشہور ہے اس کے دو شعر یہ ہیں۔

مبارک باد ملک جاودانی راخاصہ در عہد جوانی
امین الدولہ رکن الدین کہ آمد درش از یمن چوں رکن یمانی

رکن الدین کی عیش کوشی

رکن الدین نے جب عنان حکومت سنبھالی تو اس نے انتظامی امور کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کی اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے جمع کیے ہوئے خزانے کو اس نے بڑی بے دردی سے گویوں اور بھانڈوں وغیرہ پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ رکن الدین (کی عیش کوشی اس حد تک بڑھی کہ اس) نے حکومت کے تمام انتظامات اپنی ماں ترکان شاہ کے سپرد کر دیئے اور خود دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر سارا وقت پینے پلانے اور عیاشی کی نذر کرنے لگا۔ شاہ ترکان ایک ترکی لونڈی تھی جس نے شمس الدین التمش کے حرم میں داخل ہو کر التمش پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ یہ عورت بہت ہی کینہ ور تھی اس نے اپنے بیٹے رکن الدین کی عیش کوشی اور امور سلطنت سے بے تعلقی کا بڑا فائدہ اٹھایا اور التمش کی بہت سی نکاحی بیاہی بیویوں کو بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کروا ڈالا۔ شمس الدین التمش کے حرم کی ترکی خواتین بھی اس دوں فطرت عورت کی آتش حسد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ ترکان شاہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر یہ معزز خواتین مفلسی اور غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئیں۔

شاہ ترکان کا اقتدار

شاہ ترکان کا نشانہ ستم صرف وہی مظلوم عورتیں نہ تھیں جو التمش کے حرم میں داخل تھیں' بلکہ اس حسد پیشہ عورت نے التمش کی اولاد پر بھی بڑے ظلم ڈھائے۔ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا قطب الدین شاہ ترکاں ہی کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ شاہ ترکان کے ان مظالم کی وجہ سے دہلی کا ہر چھوٹا بڑا شخص رکن الدین کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

ملک میں بغاوت و سرکشی کا دور دورہ

(ان تمام حالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ملک میں ایک بے اطمینانی اور ناآسودگی کی لہر دوڑ گئی) رکن الدین کے چھوٹے بھائی غیاث الدین محمد نے' جو اودھ کا حاکم تھا' رکن الدین کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور اس نے لکھنوتی کے محاصل کی رقم جو دہلی کے خزانے میں جمع ہونے کے لیے بھیجی گئی تھی راستے ہی سے واپس منگوا لی۔ بدایوں' لاہور' ملتان اور ہانسی کے حکمرانوں نے آپس میں خط و کتابت کے ذریعے مشورہ کر کے رکن الدین کی اطاعت سے انکار کر دیا اور علم سرکشی بلند کیا۔ رکن الدین نے ان سرکش امراء کی سرزنش کا ارادہ کیا اور

دہلی سے روانہ ہوا وہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کیلوکھری تک پہنچا۔ اس دوران میں نظام الملک وزیر بھی شاہی باغیوں کے ڈر سے کیلوکھری سے بھاگ گیا اور کول پہنچ کر بدایوں کے حاکم سے پناہ کا طالب ہوا۔

رضیہ کی تخت نشینی

نظام الملک اور اعزالدین دونوں آپس میں مل کر لاہور پہنچے۔ لاہور کے امیروں اور معزز لوگوں نے ان دونوں سے پورا پورا تعاون کیا۔ اور ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے رکن الدین سے معرکہ آرائی کرنے پر تیار ہو گئے۔ رکن الدین کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے پنجاب کا راستہ لیا جس وقت رکن الدین کی فوج منصوریہ کے قرب و جوار میں پہنچی تو التمش کے عہد کے مشہور امراء تاج الدین ملک محمد' بہاء الدین حسن' کریم الدین' ضیاء الملک' خواجہ رشید اور امیر فخرالدین وغیرہ شاہی فوج سے علیحدہ ہو کر فوراً دہلی پہنچ گئے۔ ان امراء نے باہمی مشورے سے سلطان التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا فرمانروا تسلیم کر کے تخت شاہی پر بٹھا دیا۔ رضیہ سلطانہ نے شاہ ترکان کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ رکن الدین کو جب رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کی خبر ملی تو وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ رکن الدین جب کیلوکھری پہنچا تو رضیہ نے ایک لشکر اپنے بھائی کے مقابلے پر روانہ کیا دونوں میں جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں رکن الدین کی شکست ہوئی اور اسے قید کر کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد رکن الدین نے اسی عالم اسیری میں وفات پائی۔ رکن الدین کی مدت حکومت صرف چھ مہینے اور آٹھ دن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رضیہ سلطانہ

ابتدائی حالات

رضیہ سلطانہ میں حکمرانی کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ عقل و فہم اور حسن تدبیر و سیاست کے لحاظ سے یہ خاتون اپنے زمانے کے بہترین مردوں کا جواب تھی۔ انسان کی صلاحیتوں کو جانچنے والوں کو رضیہ سلطانہ میں سوائے نسوانیت کے کوئی دوسرا عیب نہیں ملتا۔ جو بادشاہت کے جلیل القدر مرتبے تک پہنچنے میں حائل ہو سکے۔ رضیہ کا یہ شعار تھا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت بے حد ادب اور تعظیم کے ساتھ کرتی تھی۔ مذہبی معلومات کے علاوہ دوسرے علوم و فنون پر بھی اس کی بڑی گہری نظر تھی۔

التمش کی رائے رضیہ کے متعلق

شمس الدین التمش کے زمانے ہی سے رضیہ سلطنت کے انتظامی امور سے دلچسپی لیتی تھی اور اس زمانے میں حکومت کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اس کی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ التمش کو رضیہ کی فہم و فراست پر بے حد اعتماد تھا اور اسی وجہ سے وہ امور سلطنت میں اس کی مداخلت کو بہت پسند کرتا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے اپنے چند خاص امراء کی موجودگی میں رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ ان امراء نے اس موقع پر التمش سے سوال کیا کہ آخر بیٹوں کے ہوتے ہوئے ایک بیٹی کو وارث تاج و تخت قرار دینے میں کون سی حکمت ہے؟ التمش نے جواب دیا کہ میں بیٹوں کی عادات و اطوار اور چال چلن سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس وقت جب کہ وہ ہر لحاظ سے میرے دست نگر ہیں۔ بری طرح میخواری اور عیش و عشرت میں مشغول ہیں۔ اس وجہ سے میں انہیں حکمرانی کے قابل نہیں سمجھتا رضیہ سلطانہ کو میں اپنے بیٹوں پر اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ اگرچہ بظاہر وہ ایک عورت ہے لیکن عقل اور پختگی کے لحاظ سے حقیقت مرد ہے

۶۳۴ھ میں رضیہ سلطانہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئی۔ حکمرانی کے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لیے اس نے پردہ ترک کر دیا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربار عام منعقد کیا۔ التمش کے عہد کے وہ تمام قاعدے، ضابطے اصول اور قانون جو رکن الدین کے عہد میں "نقش و نگار طاق نسیاں" ہو گئے تھے، رضیہ نے انہیں دوبارہ نافذ کیا۔ رضیہ نے حکومت کے فرائض کو انجام دینے کے سلسلے میں اپنے باپ کی پوری پیروی کی اور انصاف اور جود و سخا کو اپنا شعار بنایا۔

چند امراء کی بغاوت

جب رضیہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو چند نامی گرامی امراء مثلاً نظام الملک محمد جنیدی وزیر سلطنت، علاؤ الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی وغیرہ نے علم بغاوت سربلند کیا۔ ان امراء نے باہمی مشورے سے ملک کے دوسرے امیروں اور جاگیرداروں کو بھی رضیہ سلطانہ کے خلاف اکسایا۔ اودھ کے جاگیردار ملک نصیر الدین کو جب ان امیروں نے بے وفائی کا حال معلوم ہوا تو اس نے رضیہ سلطانہ کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا اور دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ نصیر الدین دریائے گنگا کو پار کر کے ابھی آگے بڑھا ہی تھا کہ باغی امراء نے اس پر حملہ کر دیا۔ ان امیروں نے نصیر الدین کو گرفتار کر کے اس کی فوج کو منتشر کر دیا۔ ملک نصیر الدین کی صحت کچھ اچھی نہ تھی اس لیے اس نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

رضیہ سلطانہ کو جب امیروں کی سرکشی کا علم ہوا تو اس نے بڑے ہی دانش مندانہ طریقے سے ان ہنگامہ پرور امراء کی مجموعی قوت کو

منتشر کیا اور ایک ایک امیر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ملک سیف الدین اور اس کا بھائی میدان جنگ میں گرفتار ہوئے اور قتل کیے گئے۔ علاء الدین شیرخانی کو بابل کے علاقے میں ہلاک کیا گیا اور اس کا سر دہلی میں لایا گیا۔ ملک نظام الدین میدان جنگ سے بھاگ کر کوہ سرمور میں پناہ گزین ہوا اور وہیں راہی ملک عدم ہوا۔

حکومت کی تنظیم نو

ان امیروں کو مناسب اور موزوں طریقے سے ختم کرنے کے بعد رضیہ سلطانہ کے رعب داب کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا اور سارا ملک باغیوں اور سرکشوں کی ہنگامہ خیزیوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ رضیہ نے حکومت کی بنیادوں کو پوری طرح مضبوط اور مستحکم بنا کر حکومت کے بڑے بڑے عہدے اپنے مشہور اور قابل اعتماد امیروں کے سپرد کیے۔ رضیہ نے سابق وزیر مملکت نظام الملک کے نائب خواجہ مہدی غزنوی کو وزارت کے منصب پر سرفراز کیا۔ اور یہ نیا وزیر بھی نظام الملک ہی کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ لشکر کی نیابت سیف الدین ایبک کے حوالے کی گئی۔ اور اسے قتلغ خاں کا خطاب دیا گیا۔ اعزالدین کبیر خانی نے رضیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اسے لاہور کا حکمران مقرر کیا گیا اسی طرح لکھنوتی' دیول' سندھ اور دوسرے مقامات کی حکومتیں بھی ملک کے نامی گرامی اور قابل اعتماد امراء کے سپرد کی گئیں اور وہ سب دارالسلطنت دہلی سے اپنی اپنی تقرری کا فرمان لے کر اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصے بعد سیف الدین ایبک نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس کی جگہ قطب الدین کو نیابت لشکر سپرد کی گئی۔

قطب الدین کو لشکر کا نائب بنانے کے بعد رضیہ نے اسے رنتھنبور کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ قطب الدین رنتھنبور پہنچا اور اس نے وہاں سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کروایا جو التمش کی وفات کے زمانے سے ہندوؤں کی اسیری میں زندگی بسر کر رہے تھے قطب الدین نے قلعے کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی اور دہلی واپس آ گیا۔

یاقوت حبشی کا اقتدار

قطب الدین جب رنتھنبور کے لیے روانہ ہوا تو اس کے بعد دہلی کی حالت بالکل ہی بدل گئی۔ ملک اختیار الدین اپتگین امیر صاحب حاجب مقرر کیا گیا۔ جمال الدین یاقوت حبشی جو امیراخور تھا' دربار شاہی پر بالکل چھا گیا۔ یاقوت حبشی نے رضیہ سلطانہ کے دل میں کچھ ایسا گھر کیا کہ تھوڑے سے عرصے ہی میں "امیرالامراء" بن گیا۔ اس کا اثر و رسوخ یہاں تک بڑھا کہ جب رضیہ گھوڑے پر سوار ہونے لگتی تو وہ اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسے گھوڑے پر بٹھاتا۔ یاقوت کا یہ اقتدار و منصب دیکھ کر دربار کے تمام امراء اس کی جان کے دشمن ہو گئے اور رضیہ سلطانہ کے اقبال کا ستارہ تاریکی کے دامن میں آ گیا۔

رضیہ کا زوال اور گرفتاری

لاہور کے حاکم اعزالدین نے ۶۳۶ھ میں علم سرکشی بلند کیا۔ اعزالدین کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے رضیہ سلطانہ نے اس پر لشکر کشی کی۔ اعزالدین نے رضیہ سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی اطاعت گزاری کا اقرار کر کے خاموش ہو رہا۔ رضیہ کو اعزالدین کا یہ انداز اطاعت بہت پسند آیا اور اس نے خوش ہو کر لاہور کی حکومت کے ساتھ ملتان کی حکومت بھی اعزالدین کو سونپ دی۔ اس سال بھٹنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے جو "ترکان چہل گانی" ("ترکان چہل گانی" سے مراد التمش کے چالیس غلام ہیں جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے ... ان کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے) میں سے تھا۔ یاقوت حبشی کے اثر و اقتدار سے تنگ آکر رضیہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کے جواب میں رضیہ نے اپنی فوج کو تیار کیا اور بھٹنڈہ پر حملہ کر دیا۔ شاہی فوج ابھی راستے ہی میں تھی کہ ترکی امراء نے اس پر حملہ کیا۔ اس معرکے میں ترکوں کو فتح ہوئی۔ یاقوت حبشی موت کے گھاٹ اتارا گیا اور رضیہ سلطانہ کو قید کر کے بھٹنڈہ کے قلعے میں نظر

رضیہ اور ملک التونیہ کی شادی

ان باغی امراء نے دہلی کے دوسرے امیروں سے مشورہ کیا اور انہیں اپنا ہم خیال بنا کر سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ اس دوران میں رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ سے شادی کر لی۔ رضیہ اور التونیہ نے آپس کے صلاح و مشورے کے بعد گکھروں' جاٹوں اور آس پاس کے دیگر زمینداروں کے لڑاکے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک زبردست لشکر تیار کیا اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ معزالدین بہرام شاہ نے بھی اپنی فوج اعزالدین بلبن کی ماتحتی میں روانہ کی (اعزالدین بلبن التمش کا داماد تھا جو بعد میں الغ خاں کے لقب سے مشہور ہوا) راستے ہی میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ (ایک زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں) رضیہ سلطانہ کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر بٹھنڈے میں پناہ گزین ہوئی۔

رضیہ کا قتل

رضیہ اس شکست سے آزردہ خاطر نہ ہوئی اس کی بے چین اور اقتدار پسند طبیعت نے اسے آرام سے بیٹھنے نہ دیا اور اپنے منتشر لشکر کو از سر نو مرتب کر کے ایک بار پھر دہلی پر حملہ آور ہوئی اس بار بھی بہرام شاہ نے اعزالدین ہی کو رضیہ کے مقابلے پر روانہ کیا۔ ۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو کیتھل کے گرد و پیش کے علاقے میں دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس بار بھی رضیہ کو شکست ہوئی اور اعزالدین کامیاب و کامران رہا۔ رضیہ اور التونیہ دونوں میدان جنگ سے بھاگ نکلے' لیکن چند زمینداروں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ان دونوں میاں بیوی کو یا تو انہیں زمینداروں نے قتل کر دیا یا پھر ان کو گرفتار کر کے معزالدین بہرام شاہ کے سامنے لایا گیا اور اسی کے حکم سے ان دونوں کو قتل کیا گیا۔

رضیہ نے تین سال چھ دن تک حکومت کی۔ رضیہ کے زوال کے اسباب پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہر صاحب عقل شخص بڑی آسانی سے اس کا پتہ چلا سکتا ہے تھوڑے بہت غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یاقوت حبشی کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار اختیار ہی رضیہ کے زوال کا اصل سبب تھا۔ یہ پوری طرح واضح ہے کہ ایک حبشی دہلی کا امیرالامراء ہونے کا کیا حق رکھتا ہے؟ ایک ادنیٰ شخص کا ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت سے خاص تعلقات رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ رضیہ سلطانہ ۲۵ ربیع الاول ۶۳۷ھ کو قتل کی گئی۔

معزالدین بہرام شاہ

اپتگین کا اقتدار

جب رضیہ سلطانہ کو بٹھنڈہ کے قلعے میں نظربند کر دیا گیا تو اس کے فوراً بعد ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ منگل کے روز معزالدین بہرام شاہ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ معزالدین نے رضیہ سلطانہ کا خاتمہ' جیسا کہ اوپر کی سطور میں بیان کیا جا چکا ہے' جلد از جلد کر دیا۔ جب معزالدین نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ملک اختیار الدین اپتگین کی بن آئی اور وہ تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا۔ اپتگین اور نظام الملک کے ہاتھوں میں اصل اقتدار تھا وہ جو چاہتے کرتے' ان دونوں کے سامنے معزالدین کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ اپتگین نے اپنے عارضی اقتدار سے فائدہ اٹھا کر شاہی خاندان سے بھی رشتہ ناطہ جوڑا اور معزالدین کی بہن سے جو پہلے قاضی اختیار الدین کی بیوی تھی' شادی کر لی۔ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے بھی اپتگین کا آستانہ' شاہی دربار سے کم نہ تھا اور اس کی ڈیوڑھی پر بھی بادشاہ کے دروازے کی طرح ہاتھی جھومتا تھا۔ اپتگین کا یہ اقتدار دیکھ کر معزالدین کے دل میں بھی خوف پیدا ہوا۔

اپتگین کا خاتمہ

معزالدین نے یہ سوچ کر کہ اپتگین کا بڑھتا ہوا اقتدار کہیں اس کی بادشاہت کے لیے کسی مصیبت کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔ اپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس سلسلے میں معزالدین نے اپنے دو ترک ہمدردوں سے کام لیا اور انہیں یہ ہدایت کی کہ وہ اپتگین اور نظام الملک پر دیوانوں کی طرح حملہ کر کے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ ۸ محرم الحرام ۶۳۸ھ بروز دوشنبہ بادشاہی محل میں معزالدین نے دربار شاہی منعقد کیا۔ معزالدین کی ہدایت کے مطابق دونوں ترک سپاہی بڑے مستانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے اور دیوانوں کی طرح الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگے۔ اپتگین اس وقت امیروں کی صف میں کھڑا تھا اس نے ان سپاہیوں کو ناشائستہ حرکات پر ڈانٹا۔ ان خود ساختہ دیوانوں نے اس ڈانٹ ڈپٹ سے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر اپتگین پر خنجر سے ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو کر تڑپنے لگا۔ اپتگین کو ختم کرنے کے بعد یہ "دیوانے" نظام الملک کی طرف بڑھے اور اس پر بھی حملہ کیا۔ نظام الملک کے بازو پر تلوار کے دو زخم آئے یہ دیکھ کر تمام امراء اپنی صفوں سے اٹھ کر دوڑے اور انہوں نے نظام الملک کو ان "دیوانوں" سے نجات دلائی۔ معزالدین نے اپنے آپ کو اس سارے ہنگامے سے بے تعلق ثابت کرنے کے لیے امراء کو دھوکا دیا اور ان "دیوانوں" کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھجوا دیا۔ چونکہ یہ سارا کھیل (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) بادشاہ کے اشارے پر کھیلا گیا تھا اس لیے کچھ دنوں بعد ان دونوں ترک سپاہیوں کو رہا کر دیا گیا۔

امراء کی سازش

زخموں کی وجہ سے نظام الملک کچھ دنوں تک تو صاحب فراش رہا جب صحت یاب ہوا تو حسب معمول دربار میں حاضر ہو کر وزارت کے فرائض سر انجام دینے لگا۔ ان دنوں امیر حاجب کے منصب پر بدرالدین سنقر رومی کا تقرر ہوا تھا وہ (اقتدار کی دوڑ میں) ہمیشہ نظام الملک سے آگے نکلنے کی کوشش کر کے اس کے زخموں کو تازہ کرتا رہتا تھا۔ کچھ دنوں بعد بدرالدین مفسدوں اور فتنہ پروروں کے اکسانے سے بادشاہ کے خلاف ہو گیا۔ ۷ صفر دو شنبے کے دن بدرالدین صدر الملک تاج جو "مشرف ممالک" تھا' کے گھر گیا۔ اور وہاں تمام امراء اور اراکین سلطنت کو جمع کر کے ان سے معزالدین بہرام شاہ کی معزولی کی ...

طرف تو نظام الملک کو اس مجلس مشاورت میں شرکت کے لیے بلایا اور دوسری طرف اپنا ایک خاص آدمی بھیج کر معزالدین کو تمام حالات کی خبر کر دی۔ صدر الملک کا بھیجا ہوا آدمی اپنے ساتھ بادشاہ کے ایک قابل اعتماد شخص کو لے کر آیا اس شخص نے ایک اجنبی کی طرح اس مجلس مشاروت میں شرکت کی تاکہ وہ سب باتیں سن کر بادشاہ سے بیان کرے۔ صدر الملک نے اس شخص کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا اور خود نظام الملک سے باتیں کرنے لگا۔ تاج الدین نے گفتگو کا آغاز قاضی جلال الدین کاشانی' قاضی شمس الدین اور شیخ محمد ساوجی وغیرہ امراء و معززین کے مشورے کے مطابق کیا۔ نظام الملک نے قدرے احتیاط سے کام لیا اور ہر بات پر "ہاں ہاں" کر کے مشوروں میں شرکت کو کسی اور وقت کے لیے ٹال گیا۔ صدر الملک نے تمام باتوں سے معزالدین بادشاہ کو مطلع کر دیا۔ معزالدین اسی وقت مجلس مشاورت میں پہنچ گیا اور مفسدوں کی جماعت کو فوراً منتشر کر دیا۔

امراء پر عتاب

معزالدین بہرام شاہ نے یہ خیال کر کے کہ ملک بدرالدین کا دارالسلطنت دہلی میں رہنا مناسب نہیں ہے' اسے بدایوں کا جاگیردار مقرر کر کے دہلی سے روانہ کر دیا۔ قاضی جلال الدین کاشانی کو قضا کے عہدے سے معزول کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد جب بدرالدین بدایوں سے واپس آیا تو معزالدین نے اسے اور تاج الدین موسیٰ کو قتل کر دیا گیا۔ اور قاضی جلال الدین کاشانی اور قاضی مارہرہ کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا دیا۔ ان زبردست اقدامات کی وجہ سے عام لوگوں میں سخت ہراس پھیل گیا اور سارا لشکر بادشاہ سے ناراض ہو گیا۔ نظام الملک تو پہلے ہی سے معزالدین سے برگشتہ خاطر تھا ان حالات کو دیکھ کر اس نے عوام کو بادشاہ کے خلاف بھڑکایا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک بادشاہ کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بن گیا۔

لاہور پر چنگیزی مغلوں کا حملہ

اسی زمانے میں ۱۷ جمادی الاخر ۶۳۹ھ کو چنگیز خانی مغلوں نے حملہ کیا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ لاہور کا حاکم ملک قراقش تھا' اس نے اپنی فوج میں نااتفاقی دیکھ کر یہ ناشائستہ حرکت کی کہ آدھی رات کے وقت (آنکھ بچا کر) بھاگ نکلا اور سیدھا دہلی پہنچا۔ چنگیزی مغلوں نے جی بھر کے لاہور کو لوٹا اور برباد کیا نیز بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جب معزالدین بہرام شاہ کو ان حالات کی خبریں پہنچیں۔ تو اس نے شاہی محل میں تمام امراء کو جمع کیا اور ان سے اپنی اطاعت کا جدید اقرار لیا۔ معزالدین نے نظام الملک اور قطب الدین حسن غوری وکیل السلطنت کو مغلوں سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ دونوں لشکر کے ساتھ دریائے بیاہ (بیاس) کے کنارے قصبہ سلطان پور پہنچے تو نظام الملک نے جو پہلے ہی بادشاہ سے ناراض تھا' شاہی امیروں کو بادشاہ سے ناراض کرنے کے لیے ایک تدبیر سوچی اور اس مقام پر قیام کر کے بادشاہ کے نام ایک مکتوب اس مضمون کا روانہ کیا کہ آپ نے جن منافق سرداروں کو میرے ساتھ روانہ کیا ہے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا بہت دشوار ہے یا تو آپ خود یہاں آیئے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ قطب الدین کے مشورے سے جو مناسب سمجھوں ان امیروں کے ساتھ سلوک کروں۔ معزالدین بہرام شاہ نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے ساتھی سردار قتل کی سزا کے مستحق ہیں' لیکن اس وقت ان سے تعرض کرنا مناسب نہیں ہے تم ان کی خاطرداری کر کے اس مہم سے فراغت حاصل کر لو' اس کی بعد ان منافق سرداروں کو' ان کی بداعمالیوں کے مطابق سزا دی جائے گی۔ نظام الملک نے بادشاہ کا یہ فرمان امیروں کو پڑھ کر سنا دیا۔

امراء نے جب یہ پیغام سنا تو وہ اسی وقت بادشاہ کے خلاف ہو گئے اور نظام الملک کے مشورے کے مطابق معزالدین کو معزول کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی کو ان امراء کے پاس صفائی اور تسلی دینے کے لیے بھیجا۔ لیکن حضرت قطب الدین جیسے مقدس بزرگ بھی ان امیروں کو ان کے ارادے سے باز نہ رکھ سکے۔ حضرت قطب الدین ناکام ہو کر دہلی واپس ہو گئے۔ ان امیروں نے بھی دہلی کا رخ کیا اور معزالدین بہرام شاہ کا محاصرہ کر لیا۔ ساڑھے تین

مہینے تک بادشاہ اور امیروں میں سلسلہ جنگ جاری رہا۔ امیروں کی ساتھ عام لوگوں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی' جو بادشاہ کی مخالف تھی' (اس وجہ سے) آخرکار امیروں کو فتح ہوئی اور ۸ ذیقعدہ ۶۳۹ھ کو معزالدین کی گرفتاری عمل میں آئی۔ کچھ عرصے تک تو معزالدین نظر بند رہا لیکن بعد میں امیروں نے اسے اپنے ارادوں میں حارج سمجھ کر قتل کر دیا۔ معزالدین کی حکمرانی کی مدت دو سال ڈیڑھ ماہ ہے۔

علاؤ الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ

اعزالدین بلبن کی تخت نشینی

معزالدین بہرام شاہ کے قتل کے بعد اعزالدین بلبن بزرگ تخت شاہی پر براجمان ہوا اور سارے شہر میں اپنی بادشاہت کی منادی کرا دی۔ امرائے دربار اعز الدین بلبن کو پسند نہ کرتے تھے' اس لیے انہوں نے اس کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔ اس وقت تین شہزادے ناصرالدین جلال الدین (سلطان شمس الدین کے بیٹے) اور علاؤالدین مسعود (سلطان رکن الدین کا بیٹا) قید میں تھے' ان میں سے حکمران کے انتخاب کا فیصلہ کیا گیا اور انہیں قید سے نکالا گیا ان تینوں شہزادوں سے علاؤالدین مسعود کو حکمرانی کے لیے منتخب کیا گیا۔

علاو الدین مسعود کی تخت نشینی

ذی القعدہ ۶۳۹ھ میں علاؤالدین کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ ملک قطب الدین حسن کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ نظام الملک وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوا۔ اور ملک قراقش کو امیر حاجب بنایا گیا۔ جب نظام الملک اپنی مرضی کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دینے لگا تو دوسرے امیروں کو اس کی مطلق العنانی ایک آنکھ نہ بھائی' اور ان سب نے مل کر نظام الملک کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲ جمادی الاول ۶۴۰ھ کو چہار شنبہ کے دن نظام الملک کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ حیدرالملک نجم الدین ابو بکر وزیرالممالک مقرر ہوا اور غیاث الدین بلبن خورد امیر حاجب بنایا گیا' ناگور' سندھ اور اجمیر کے صوبوں کی حکمرانی بلبن بزرگ کو سونپی گئی۔ ملک تاج الدین کو بدایوں کی صوبہ داری دی گئی۔ اسی طرح باقی علاقوں کو بھی امراء نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اس تقسیم کا بڑا خوشگوار نتیجہ نکلا' حکومت کا انتظام بہتر طریقے پر ہونے لگا اور رعایا امن و اطمینان کی فضا میں سانس لینے لگی۔

التمش کے بیٹوں کی رہائی

انہیں ایام میں کڑہ سے اعزالدین طغا خان لکھنوتی آیا اور اس نے شرف الملک سنقری کو علاوالدین مسعود کی خدمت میں بھیجا' علاو الدین مسعود نے اودھ کے حاکم قاضی جلال الدین کاشانی کے توسط سے اعز الدین طغاخان کو چتر و لعل اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ علاو الدین نے اپنے دونوں چچاؤں ناصرالدین اور جلال الدین کو قید سے آزاد کیا اور ان کی بے حد عزت و تکریم کی ناصرالدین کو صوبہ بہرائچ کا اور جلال الدین کو قنوج کا حاکم مقرر کیا۔ التمش کے یہ دونوں بیٹے اپنے اخلاق اور نیک نیتی کی وجہ سے اپنے اپنے علاقوں میں ہردلعزیز اور بہت مقبول رہے

لکھنوتی پر مغلوں کا حملہ

۶۴۲ھ میں مغلوں کے لشکر نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ قیاس ہے کہ مغلوں نے اسی راستے سے سفر کیا ہو گا' کہ جس راہ سے محمد بختیار خلجی نے تبت اور ملک خطا کا سفر کیا تھا۔ علاو الدین مسعود نے ملک قرابیگ تیمور خانی کو جو ترکان خواجہ تاش میں سے تھا طغا کی امداد کے لیے لکھنوتی روانہ کیا۔ مغلوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی اس کے بعد طغا اور قرابیگ میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ بادشاہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے لکھنوتی کی حکومت قرابیگ کی سپرد کر دی اور طغاء کو دہلی واپس بلا لیا۔

علاو الدین کی بدکرداری

قندھار اور طالقان کی طرف سے مغلوں نے دوبارہ ۶۴۳ھ میں سندھ کے نواح پر حملہ کیا اور اوچہ کا محاصرہ کر لیا۔ علاوالدین نے اپنے

امیروں کو جمع کیا اور جلد از جلد اوچہ کی راہ لی- جب یہ لشکر دریائے بیاہ (بیاس) کی کنارے پر پہنچا تو مغل اوچھ کے قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گئے- علاؤالدین کامیاب و کامران واپس دہلی آیا- دہلی واپس آکر علاو الدین کے کردار میں بہت سی ناگوار تبدیلیاں پیدا ہو گیں' بادہ خواری اور عیش کوشی نے علاو الدین کو عدل و انصاف کے احساس سے محروم کر دیا اور اسے ظلم و ستم اور جائدادوں کی ضبطی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ رہا- ان حرکات کی بنا پر حکومت کا سارا انتظام درہم و برہم ہو گیا اور سارے ملک میں فساد و فتنہ کا دروازہ کھل گیا- امراء نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے علاوالدین کی مخالفت کرنی شروع کر دی اور اس کی معزولی کا تہیہ کر لیا-

ان سرکش امراء نے علاؤ الدین کے چچا ناصرالدین محمود کے پاس ایک خفیہ قاصد بھیجا اور اس سے دہلی آنے کی درخواست کی- ناصرالدین محمود کو جب علاوالدین کے حالات کی خبر ہوئی اور اس نے امراء کو اپنی موافقت میں دیکھا تو فوراً بہڑائچ سے روانہ ہو گیا اور دہلی جا پہنچا- ۲۶ محرم ۶۴۴ھ کو امراء نے علاوالدین کو قید کر کے زنداں میں ڈال دیا اور ناصرالدین کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا- کچھ دنوں بعد علاو الدین نے عالم اسیری ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا- اس بادشاہ کی مدت حکومت چار سال اور ایک مہینہ ہے-

ناصرالدین محمود

مورخین کا بیان ہے کہ حقیقت میں التمش کے بڑے لڑکے کا نام ناصرالدین تھا۔ اس بیٹے کا لکھنوتی میں انتقال ہوا' اور اس حادثے کے بعد التمش کے گھر میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا پیدا ہوا۔ التمش نے اپنے مرحوم فرزند اکبر کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے اس نومولود بیٹے کا نام بھی ناصرالدین رکھا۔ التمش کی آرزو پوری ہوئی اور ایک ایسا وقت آیا کہ اس کے بڑے بیٹے کی جگہ یہ چھوٹا بیٹا ناصرالدین محمود کے نام سے اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ التمش نے ناصرالدین کی تربیت اور تعلیم کی طرف بڑی توجہ کی۔ علاوالدین مسعود کے عہد حکومت میں ناصر بہرائچ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے غیر مسلموں سے بڑی جنگیں کیں اور اپنے صوبے کو خوب معمور اور آباد کیا۔ اس کے انصاف اور رعایا دوستی کی بڑی شہرت ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں اس نے بہت ہردلعزیزی حاصل کر لی۔

تخت نشینی

حکمرانی اور عدل و انصاف میں ناصرالدین کی قابلیت دہلی کے ہر امیر اور معزز شخص پر ظاہر ہو گئی۔ جب علاوالدین کی لاپرواہی اور ظلم و ستم کی وجہ سے امرائے سلطنت تنگ آ گئے تو انہوں نے ناصرالدین کو بہرائچ سے بلا کر تخت حکومت پر بٹھایا اور علاو الدین مسعود کو قید کر کے زنداں میں ڈال دیا۔ ناصرالدین نے اپنے باپ کی جگہ قصر سفید میں تخت حکومت پر جلوس کیا۔ یہ فرمانروا بہادری' عبادت و ریاضت اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے کبھی شاہی خزانے سے کوئی رقم نہیں لی۔ (وہ اپنے ذاتی محنت سے اخراجات کے لیے رقم پیدا کرتا تھا) وہ ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی دو نسخے لکھتا اور ان کے ہدیے سے جو کچھ حاصل ہوتا' وہ اسی میں گزر اوقات کرتا۔ ناصرالدین کو علماء اور صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی' وہ ان ہستیوں کی بڑی عزت و تعظیم کرتا تھا۔ اہل ہنر و فن کا وہ بہت قدر شناس تھا' اور ان کے مرتبے کے مطابق انہیں خلعت و انعام بخشا۔ بہت سے شعراء نے اس کے تخت نشینی کے وقت مدحیہ قصائد نظم کیے اور (مناسب و معقول) انعام حاصل کیے۔ قاضی منہاج السراج جوزجانی مصنف "طبقات ناصری" نے بھی اس موقع پر ایک قصیدہ لکھا۔ جس کا مطلع یہ ہے

آں خداوندے کہ حاتم وبذل ورستم کوشش است
ناصر دنیاودین محمود ابن التمش است

انتظامات سلطنت

ناصرالدین کے عہد حکومت میں وزارت کا عہدہ التمش کے محبوب غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے سپرد کیا گیا۔ ناصرالدین نے بلبن کو خان اعظم الغ خاں کا خطاب عطا کیا اور چتر و دورباش سے نوازا' ناصرالدین حکومت کے تمام امور بلبن کی رائے سے انجام دیتا تھا۔ بلبن کے چچیرے بھائی شیر خان کو خان معظم کا خطاب دیا گیا اور اسے پنجاب اور ملتان کی صوبیداری دی گئی اس تقرر کا مقصد یہ تھا کہ شیر خان مغلوں کی ہنگامہ خیزیوں کے طوفان کی روک تھام کرے جو اس وقت کابل' قندھار' غزنی اور ہرات سے ہندوستان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے امڈا چلا آ رہا تھا۔ خان معظم شیر خان نے اپنے فرائض کو بڑی خوبی سے سرانجام دیا اور بٹھنڈہ اور بٹھنڈہ کی مضبوط و مستحکم قلعے تعمیر کر کے مغلوں کی روک تھام کی۔

بلبن کی نیابت

مورخین کا بیان ہے کہ جب ناصرالدین نے بلبن کو اپنا وزیر مقرر کیا تو تنہائی میں لے جا کر اس سے کہا میں نے تمہیں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور خدا کی مخلوق پر حکمران بنایا ہے۔ تم کبھی کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ مجھے خداوند تعالیٰ کے سامنے جوابدہ اور شرمندہ ہونا پڑے۔ بلبن نے نیابت کی کچھ ایسے مضبوط، سخت اور مستحکم اصول و قوانین بنائے کہ اصل اقتدار اسی کے ہاتھ میں آگیا۔ امراء ارکان حکومت میں اتنی قدرت نہ رہی کہ وہ اس کے کاموں میں دخل دیتے۔

ملتان پر حملہ

ماہ رجب سنہ جلوس میں ناصرالدین نے بلبن کی مشورے سے ملتان پر حملہ کیا اور یکم ذیقعدہ کو دریائے لاہور (راوی) کو پار کر کے آب سودرہ کے کنارے جا پہنچا۔ ناصرالدین خود تو یہاں ٹھہر گیا اور بلبن کو لشکر کا افسر بنا کر سندھ اور کوہ جود کی طرف روانہ کیا۔ بلبن نے کوہ جود اور اس کے آس پاس کے علاقے کو خوب جی بھر کر تباہ و برباد کیا اور لوٹا، نیز ان باغیوں اور کھکروں کو قتل کیا جنھوں نے پچھلے سال مغلوں کی راہنمائی کی تھی۔ ان مقتولوں کی بیویوں اور بچوں کو قید کر کے بلبن نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ فوج میں سامان رسد کی کمی کی وجہ سے ناصرالدین نے ملتان میں زیادہ دیر تک قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ وہ قدیم امراء جو قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے عہد سے ملتان اور لاہور کے جاگیردار تھے، صدق دل سے بادشاہ دہلی کے مطیع و فرمانبردار نہ تھے اور مغل لٹیروں کا مقابلہ پوری طاقت کے ساتھ نہ کر کے خود اپنے آقا کے ساتھ منافقت سے کام لیتے تھے۔ ناصرالدین نے بلبن کی مشورے سے ان تمام امراء کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کا تقرر کر کے ان معزول امراء کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ اس اقدام کی وجہ سے پنجاب کی سیاسی اور مالی حالت میں استحکام پیدا ہو گیا اور ناصرالدین کی حکومت کچھ عرصے کے لیے مستحکم ہو گئی

سکندر اعظم کا واقعہ

بعض قدیم تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سکندر نے دنیا کے اکثر علاقوں کو فتح کر کے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے بعض امراء اور ارکان سلطنت نے سکندر کے اس حکم کی مخالفت کی اور ہر شخص اپنے آپ کو خود مختار سمجھنے لگا۔ سکندر نے ان امراء کو سمجھانے اور سیدھے راستے پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر کار تھک کر سکندر نے سارا ماجرا لکھ کر اپنے استاد ارسطاطالیس کی خدمت میں ایک قاصد کے ہاتھ روم روانہ کیا اور اس حکیم فرزانہ سے ان امراء کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ ارسطاطالیس اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے (حسب معمول) سکندر کے ساتھ نہ تھا اور ان دنوں روم ہی میں مقیم تھا۔ ارسطاطالیس نے سکندر کے قاصد کی تمام گفتگو سنی۔ اس نے قاصد کو تو کوئی جواب نہ دیا البتہ اسے اپنے ساتھ لے کر ایک باغ میں آیا۔ ارسطاطالیس نے باغ کے مالی کو حکم دیا کہ وہ تمام بڑے اور پرانے درختوں کو جڑ سے کھود کر پھینک دے اور ان کی جگہ نئے اور چھوٹے پودے نصب کرے۔ جب مالی اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو ارسطاطالیس اپنے گھر واپس آگیا اور سکندر کا قاصد اس سے رخصت ہو کر اپنے مالک کے پاس آیا۔ اس نے سکندر سے کہا میں نے آپ کا پیغام ارسطاطالیس تک پہنچا دیا تھا، لیکن اس نے بغیر کوئی جواب دیئے مجھے واپس کر دیا ہے۔ سکندر فوراً سمجھ گیا کہ ارسطاطالیس نے اس قاصد کو گفتگو کے قابل نہیں سمجھا اور خط کا جواب تحریری طور پر نہیں دیا۔ سکندر نے اس قاصد سے پوچھا، جب تو نے اس تک پیغام پہنچایا تو اس کے بعد ارسطاطالیس نے کوئی کام بھی کیا یا نہیں؟ قاصد نے جواب دیا، جب میں نے آپ کا پیغام ارسطاطالیس کو سنایا تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک باغ میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچ

ساتھ دیا۔ اس کے کچھ لمحوں بعد حکیم اپنے گھر واپس آگیا اور مجھے بغیر کوئی جواب دیئے ہوئے واپس کر دیا۔ سکندر نے اس قاصد سے کہا' اے بندہ خدا حکیم نے میرے سوال کا بڑا معقول جواب دیا ہے' یہ دوسری بات ہے کہ تو کچھ نہیں سمجھا۔ سکندر نے اپنے استاد کی متذکرہ فعل کے اصل راز کو سمجھ کر سرکش اور نافرمان امراء کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کا تقرر کر کے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہو گیا۔

راجہ دکمی ملکی پر حملہ

۲ شعبان ۶۴۵ھ کو ناصرالدین محمود نے دوآب کے علاقے کا سفر کیا۔ اور بڑی محنت و ہمت نبرتھ (قنوج) کا قلعہ فتح کر لیا۔ اسی سال ۱۰ ذیقعدہ کو ناصرالدین نے کڑہ کی طرف توجہ کی اور بلبن کو اپنے لشکر کا پیشرو بنا کر روانہ کیا۔ خان اعظم بلبن نے دکمی ملکی کے دیہاتوں کو خوب جی بھر کر لوٹا اس راجہ سے بلبن کی کئی جنگیں ہوئیں جن میں بلبن کو فتح ہوئی۔ بلبن اپنی حریف کے ملازموں اور اولاد کی ایک بڑی تعداد کو گرفتار کر کے واپس آگیا۔ بلبن اس علاقے سے بے شمار مال و دولت بھی لایا جو اس نے ناصرالدین محمود کی خدمت میں پیش کیا۔ دکمی ملکی ایک راجہ کا نام ہے جس کی حکومت دریائے جمنا کے کنارے کے علاقے میں تھی۔ اس راجہ نے پچھلے جھگڑوں اور لڑائیوں میں بادشاہی تھانوں کو تباہ کر کے کالنجر اور کڑے سے لے کر مالوہ تک کی تمام علاقے کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

۲۶ شعبان ۶۴۰ھ کو ناصرالدین محمود نے بلبن کو رنتھنبور اور کوہ پایہ میوات کے علاقوں کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ بلبن نے ان علاقوں کی سرکشوں کو شکست دی اور بہت سامال اور دولت لے کر واپس ہوا یہ سب مال اس نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس زمانے میں خان اعظم بلبن کے بھائی ایک کشیل خان کو امیر حاجب بنایا گیا۔ ایاز ریحانی وکیل السلطنت مقرر ہوا اسی سال ناصرالدین کا بھائی جلال الدین اپنی جاگیر سے دہلی آیا اور بادشاہ سے خوفزدہ ہو کر کوہ جیتور کی طرف بھاگ گیا۔ ناصرالدین نے اپنی بھائی کا تعاقب پہاڑ کے دامن تک کیا۔ ناصرالدین سات آٹھ مہینے اس علاقے میں رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ کامیاب ہونا مشکل ہے تو وہ مجبوراً دہلی واپس آ گیا۔ اسی سال ناصرالدین نے قاضی عمادالدین سنقور رخانی سے بدگمان ہو کر اسے قضا کے عہدے سے معزول کر دیا۔ اور پھر قاضی عمادالدین ریحانی کے اکسانے پر اسے قتل کروادیا۔

ملتان پر حملہ

ناصرالدین نے ۶۴۷ھ میں بلبن کی بیٹی سے شادی کی اور اس سے اگلے سال ۶۴۸ھ میں ملتان پر حملہ کیا۔ حاکم ملتان و لاہور شیر خان دریائے بیاس کی کنارے ناصرالدین کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ۶ ربیع الاول ۶۴۸ھ کو ناصرالدین ملتان پہنچا۔ کچھ دنوں بعد ناصرالدین نے ملک اعزالدین بلبن بزرگ صوبیدار ناگور اور اوچہ کو اس طرف روانہ کیا اور خود واپس آگیا۔ ۶۴۹ھ میں ملک اعز الدین نے بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بالائے طاق رکھا اور علم سرکشی بلند کیا اور خود واپس آگیا۔ ۶۴۹ھ میں ملک اعزالدین کی سرزنش کے لیے ناگور روانہ ہوا۔ اعزالدین بادشاہ کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور امان کا طالب ہوا۔ اعزالدین نے ناصرالدین سے اپنی بداعمالی کی معافی مانگی بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی حکومت بحال کر کے واپس دہلی کامران و کامیاب آیا۔

جاہر دیو سے مقابلہ

ناصرالدین نے ۵ شعبان ۶۴۹ھ کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ قلعہ نرور پر حملہ کیا۔ جاہر دیو نے اس زمانے میں پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ تعمیر کر رکھا تھا' وہ پانچ ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی فوج لے کر ناصرالدین کے مقابلے پر آیا۔ فریقین میں ایک زبردست جنگ ہوئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ ناصرالدین نے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور کچھ ہی دنوں میں اسے فتح کرلیا۔ یہاں سے بادشاہ نے چندیری اور مالوہ کے علاقے کا رخ کیا اور وہاں نامی گرامی امیروں کو مقرر کر کے واپس آیا۔ اس معرکے میں خان اعظم نے مردانگی و بہادری

کے بڑے جوہر دکھائے۔ اس واقعے کے بعد خان اعظم کے چچیرے بھائی شیر خاں نے جو اپنی سخاوت' بہادری اور عقلمندی کے لیے بہت مشہور تھا' غزنی کو مغلوں کے قبضے سے نکال لیا اور وہاں بھی ناصرالدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اس کے بعد شیر خان نے بادشاہ کے حسب الحکم ملتان اور اوچہ پر لشکر کشی کی۔ ملک اعزالدین بلبن میں بغاوت کے اور سرکشی کے آثار پائے جاتے تھے' لیکن وہ شیر خان کے رعب داب سے خائف ہو گیا' اور مجبوراً ناگور سے اوچہ آیا اور بغیر کسی حیل وحجت اور مزاحمت کے اس نے قلعہ شیر خان کے سپرد کر دیا اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا ناصرالدین نے اسے بدایوں کا حاکم مقرر کر دیا

خان اعظم کا ہانسی میں قیام

۲۲ شوال ۶۵۰ھ کو ناصرالدین لاہور کے راستے سے ملتان اور اوچہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تو سوان سے سنقر قتلغ خان اور بدایوں سے ملک اعز الدین بلبن بزرگ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بادشاہ سے آ ملے۔ ۶۵۱ھ کی ابتداء میں عماد الدین ریحانی نے خان اعظم کی غیر موجودگی میں بعض درباری امراء سے سازش کر کے خان اعظم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔ جب ریحانی اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہوا تو پھر اس نے خان اعظم کی غیر موجودگی کا یہ فائدہ اٹھایا کہ بادشاہ سے اس کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس نے ناصرالدین کے کان خوب بھرے اور خان اعظم کے خلاف اسے اکسایا اور یہ باور کروایا کہ خان اعظم کا اپنی جاگیر ہانسی میں قیام کرنا ہر لحاظ سے موزون اور مناسب ہے۔ ناصرالدین (عمادالدین ریحانی کے داو میں آ گیا اور اس) نے خان اعظم کو دہلی کی سکونت چھوڑ کر ہانسی میں قیام کرنے کا حکم دیا (خان اعظم کو مجبوراً حکم شاہی کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ ہانسی چلا گیا) اس کے جاتے ہی عمادالدین خوب کھیل کھیلا اس نے مختلف امراء اور منصب داروں کو دق کرنا شروع کیا۔ جنھیں خان اعظم سے تھوڑا بہت بھی تعلق تھا اور ان کے عہدوں میں تبدیلیاں بھی کیں

عمادالدین ریحانی نے ایک کشلی خان کو کڑا مانک پور کا صوبہ دار مقرر کر کے وہاں بھجوادیا' اور عین الملک جنیدی کو جو کچھ عرصے سے دہلی میں قیام پذیر تھا' وزیر الممالک مقرر کیا۔ امیر اعز الدین کشلو خان کو امیر حاجب کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ عماد الدین ریحانی نے دہلی پہنچ کر بادشاہ کی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ ماہ شوال کی ابتدا میں ناصرالدین نے دہلی سے دریائے بیاس کے کنارے کے علاقوں کا سفر کیا۔ (اس زمانے میں) چونکہ شیر خان ریحانی سندھی باغیوں سے شکست کھا چکا تھا اس لیے بادشاہ نے عماد الدین کی باتوں میں آ کر اس طرف فوج کو روانہ کیا اور بھٹنڈہ' اوچہ اور ملتان کے قلعوں کو شیر خان کے قبضے سے نکال کر ارسلان خان کے حوالے کیا۔ اس زمانے میں ملک اعز الدین کشلی اور کہرام کے باغی اور مجنون زمینداروں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اعز الدین کا انتقام لینے کے لیے ناصرالدین نے کہرام پر حملہ کر دیا اور اس کے قاتلوں کو سخت سزائیں دے کر بدایوں کی طرف روانہ ہوا کچھ روز بدایوں میں قیام کرنے کے بعد ناصرالدین واپس آ گیا۔

عماد الدین ریحانی کی برطرفی

ناصرالدین کے دہلی پہنچنے پر ہندوستان کے مشہور علاقوں بدایوں' لاہور کڑہ' سوالک' سرہند' سنام اور ناگور وغیرہ کے حاکموں نے باہمی اتفاق سے خان اعظم کو یہ لکھا کہ عماد الدین ریحانی کے حد سے بڑھے ہوئے ظلم و ستم کی وجہ سے حکومت کا سارا نظام بگڑ کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں یہی مناسب ہے کہ آپ دہلی آئیں اور پہلے کی طرح حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ خان اعظم نے امراء کی یہ درخواست قبول کر لی اور ہانسی سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور خان اعظم ہانسی سے نکلا اور ادھر یہ تمام امراء اس سے ملاقات کرنے کے لیے اپنی اپنی جاگیروں سے نکل کر کہرام کے نواح میں جمع ہوئے۔ عمادالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ناصرالدین کو باخبر کیا

نے یہ پیغام بھجوایا۔ "ہم تمام امراء آپ کے وفادار خادم اور غلام ہیں' اگر آپ کے ساتھ عمادالدین نہ ہو تو ہم سب بارگاہ سلطانی میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گے۔" ناصرالدین نے اسی وقت عمادالدین ریحانی کو وکالت کے عہدے سے معزول کر کے بدایوں کی صوبہ داری کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کے بعد تمام امراء ناصرالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہانہ نوازشات سے بہرہ اندوز ہوئے۔

ملک جلال الدین خانی جو بادشاہ کے ترکی مصاحبوں میں سے تھا' لاہور کا امیر مقرر کیا گیا اور شیر خاں کو حسب سابق دیبال پور' ملتان' بٹھنڈہ اور اس کے نواح کی امارت عطا کی گئی۔ ناصرالدین کامیاب و کامران دہلی واپس آیا (خان اعظم بھی اس کے ساتھ آیا) خان اعظم کے دہلی آ جانے کی وجہ سے دہلی کے باشندے بہت خوش ہوئے۔

باغی امراء کی سرکوبی

۶۵۳ ھ میں ناصرالدن اپنی ماں ملکہ جہاں سے جس نے قتلغ خان سے شادی کر لی تھی ناراض ہو گیا۔ اس نے قتلغ خاں کو اودھ کا جاگیردار بنا کر دہلی سے رخصت کر دیا۔ کچھ عرصے بعد قتلغ خاں کو بہرائچ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ منصب کی اس تبدیلی کی بنا پر قتلغ خاں نے علم بغاوت سربلند کیا۔ اس سلسلے میں چند دوسرے امراء عمادالدین ریحانی اور ملک اعزالدین کشلی خاں وغیرہ نے اس کا ساتھ دیا۔ ناصرالدین نے قتلغ خاں کی سرکوبی کے لیے خان اعظم کو اور عمادالدین ریحانی کی سرکوبی کے لیے ملک تاج الدین ترک کو روانہ کیا۔ عمادالدین جنگ میں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور بعد میں قتل کیا گیا اور قتلغ خاں' خان اعظم کے مقابلے کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا اور جیتپور میں پناہ گزین ہوا۔ خان اعظم اس کے علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس آ گیا۔

کشلی خاں اور قتلغ خاں کی سرگرمیاں

جیتپور کے حاکم راجہ دیپال نے ۶۵۵ ھ میں قتلغ خاں کی امداد کی اور قتلغ خاں ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے سندھ کے حاکم کشلی خاں کے پاس گیا۔ یہ دونوں امیر آپس میں مل کر کہرام اور سامنہ کے نواح میں پہنچے اور ملک کے امن و امان میں رخنہ اندازی شروع کر دی۔ ناصرالدین نے اعزالدین حاجب کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان امیروں کے مقابلے پر روانہ کیا۔ جب فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئے تو دہلی سے اکابرین شہر حضرت شیخ الاسلام قطب الدن اور قاضی شمس الدین بہرائچی وغیرہ نے قتلغ خاں کو خفیہ خطوط لکھے اور انہیں دہلی پہنچ کر شہر پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ الغ خاں کو ان امراء کی مکاری کا پتہ چل گیا اور اس نے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کر دیا۔ ناصرالدین نے فوراً ان امراء کو اپنی اپنی ریاستوں میں واپس چلے جانے کا حکم دے دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ناصرالدین نے ان سب لوگوں کو قید میں ڈال دیا۔ ان تمام حالات کی قتلغ خاں اور کشلی خاں کو کوئی خبر نہ ہوئی اور وہ ناواقفیت کے عالم میں دہلی روانہ ہو گئے اور زمانے کی رفتار سے بے نیاز ہو کر صرف دو دن میں سامنہ سے دہلی جا پہنچے۔ ان دونوں نے جب دہلی پہنچ کر یہ دیکھا کہ ان کے ہمدرد اور بہی خواہ وہاں موجود نہیں ہیں تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ کشلی خاں نے سندھ کا راستہ لیا اور پھر خاں اعظم کی سفارش سے دوبارہ اپنی جاگیر پر بحال ہوا' لیکن قتلغ خاں کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلا گیا۔

مغلوں کا حملہ

۶۵۵ ھ کے آخر میں مغلوں کے ایک لشکر نے اوچھ اور ملتان کے علاقوں پر حملہ کیا ناصرالدین نے اس حملے کا سدباب کرنے کے لیے سراپردہ سرخ کو باہر لانے کا حکم دیا۔ چار ماہ بعد جب لشکر جمع ہو گیا تو بادشاہ منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا (اس کے پہنچنے سے پہلے ہی) مغلوں کی فوج بغیر جنگ کیے ہوئے واپس چلی گئی لہذا ناصرالدین بھی دہلی واپس آ گیا۔ ناصرالدین نے شیر خان کو پنجاب کا حاکم بنایا اور لکھنوتی کی حکومت ملک جلال الدین خانی کے سپرد کی۔ ۶۵۶ ھ میں بادشاہ نے کڑہ مان پور کا سفر کیا۔ ارسلان خاں اور قلیچ خاں نے اس علاقے میں علم سرکشی بلند کر رکھا تھا اور باوجود طلبی کے ناصرالدین کے سفر ملتان میں شریک نہ ہوئے تھے۔ اس بار وہ (اپنی ناشائستہ حرکات

سے باز آگئے اور) باقاعدہ حلف اٹھا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارسلان خاں کو لکھنوتی اور قلیچ خاں کو، کوہ پایہ کی حکومت دی گئی۔ ۶۵۷ھ میں خان اعظم کے بھائی کشلی خاں کو بیانہ، کول جالیسرا اور گوالیار کی حکومت دی گئی۔ اسی سال بادشاہ کے لیے لکھنوتی سے دو زنجیر ہاتھی اور بے شمار جواہرات اور کپڑے آئے۔ ملک اعزالدین کشلی خاں نے اسی سال داعی اجل کو لبیک کہا۔

کوہ پایہ، رنتھنبور اور سوالک پر لشکر کشی

۶۵۷ھ میں بادشاہ کے حکم سے خان اعظم نے کوہ پایہ رنتھنبور اور سوالک پر حملہ کیا۔ میوات اور سوالک کے راجہ منے نے بے شمار لشکر جمع کیا اور دشوار گزار راستوں پر بادشاہی لشکر مقابلے پر آئے الغ خاں نے ان باغیوں اور سرکشوں کو بہت آڑے ہاتھوں لیا اور بڑے غیظ و غضب و سختی سے کام لے کر ان کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ ان دروں اور کھنڈروں میں بھی پہنچا کہ جہاں غیر مسلموں نے پناہ لے رکھی تھی۔ خان اعظم نے تقریباً تین چار ماہ تک ان غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی جاری رکھی لیکن دشمن کے تمام "پناہ گزین مقامات" کو فتح نہ کیا جا سکا۔ خان اعظم نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص کسی دشمن کو زندہ گرفتار کر کے لائے گا اسے دو تنکے (اس زمانے کا ایک سکہ) انعام دیئے جائیں گے اور اگر کوئی دشمن کا سر لائے گا تو اسے ایک تنکہ دیا جائے گا۔ اس حکم کے سنتے ہی فوج میں ایک نیا جوش اور نئی حرارت پیدا ہو گئی۔ ہر روز تقریباً تین چار سو فوجی دشمن کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لاتے اور خان اعظم سے انعام پاتے۔ دشمن خان اعظم کے اس طریق کار سے بہت ہراساں ہوئے۔ انہوں نے مجبوراً دروں اور کھنڈروں سے سر نکالا اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہوئے۔ خان اعظم نے بھی ان غیر مسلموں کے مقابلے پر اپنی فوج کو مرتب کیا اور لشکر کا میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب درست کر کے لڑائی میں مصروف ہو گیا۔ خان اعظم نے صبح سے شام تک معرکہ آرائی کی۔ اگرچہ کئی ترکی سردار اس معرکہ آرائی میں کام آئے، لیکن فتح خان اعظم ہی کو حاصل ہوئی اور اس نے دشمن کے اڑھائی سو (۲۵۰) امراء اور سرداروں کو زندہ گرفتار کیا۔ خان اعظم نے رنتھنبور کے قلعے کو دشمن کے محاصرے سے آزاد کروایا اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ واپس دہلی لوٹا۔ بادشاہ کے سامنے خان اعظم نے پابہ زنجیر قیدیوں کو پیش کیا۔ ناصرالدین نے اس گروہ کے قتل کا حکم دیا اور ان سب کو دہلی کے بازار میں مختلف طریقوں سے قتل کیا گیا۔

ہلاکو خاں کے سفیر کی آمد

ماہ ربیع الاول ۶۵۷ھ میں ہلاکو خاں کا ایک قاصد دہلی آیا۔ خان اعظم نے اسے حکومت کی قوت اور طاقت سے باخبر کرنے کے لیے پچاس ہزار (۵۰) ہزار مسلح عربی، ایرانی، ترکی، خلجی اور افغانی سواروں، دو لاکھ پیادوں، لڑائی کے سامان سے لدے ہوئے دو ہزار ہاتھیوں اور تین ہزار آتش بازی کے عرادوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر پہنچ کر اس کا استقبال کیا۔ طبل و دہل کی آواز، صدائے نفیر، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لشکر کی کڑک دمک سے سارا میدان گونج اٹھا۔ فوج کو مناسب طور ترتیب دینے کے بعد خان اعظم کچھ دور آگے بڑھا اور ہلاکو خاں کے قاصد کو اپنے ساتھ لے کر لشکر کی صفوں، گھوڑوں، ہاتھیوں اور بہادران لشکر کا نظارہ کراتا ہوا اس قاصد کو ناصرالدین کے سامنے قصر سفید میں لایا۔ اس دن بادشاہ کا محل سونے اور چاندی کے سامان سے سجایا گیا تھا۔ معززین و امرائے سلطنت، سادات و مشائخ، وہ پچیس (۲۵) شہزادے جو چنگیز خاں کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے اپنے وطنوں سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے اور ہندی رائے اور رائے زادے بڑے ادب کے ساتھ دست بستہ شاہی تخت کے سامنے کھڑے تھے۔

ناصرالدین کا کردار

نظام الدین احمد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان ناصرالدین ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن شریف کے دو نسخے کتابت کرتا تھا۔ ان کا ہدیہ ملتا تھا اس سے وہ اپنے کھانے پینے کا سامان کرتا تھا۔ ایک بار ایک امیر نے بادشاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف کو معمول

الوقت قیمت پر ہدیہ کیے جائیں۔ ناصرالدین کے گھر میں اس کی بیوی کے علاوہ' کوئی خادمہ یا کنیز وغیرہ نہ تھی جو گھر کا کام کاج کرتی۔ ملکہ بیچاری خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی اور گھر کے دوسرے کام انجام دیتی۔ ایک روز ملکہ نے ناصرالدین سے کہا روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں سوزش ہوگئی ہے اگر اس کام کے لیے کوئی لونڈی خرید لیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ناصرالدین نے ملکہ کو جواب دیا "سرکاری خزانہ پر صرف رعایا کا حق ہے۔ مجھے اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنے ذاتی آرام و آسائش کے لیے اس میں سے کچھ روپیہ لے کر ایک لونڈی اپنے لیے خریدوں۔ تمہیں دنیاوی تکلیفوں پر صبر کرنا چاہیے خدا اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں دے گا۔"

ناصرالدین کا اخلاق

ایک روز ایک فقیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت بادشاہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا اس فقیر کی نظر قرآن شریف کے ایک ایسے صفحے پر پڑی جہاں "فیہ فیہ" دوبارہ لکھا ہوا تھا اس فقیر نے بادشاہ سے کہا۔ "اس جگہ ایک "فیہ" زیادہ لکھا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت قلم دوات لیکر ایک "فیہ" کے گرد حلقہ کھینچ دیا اور اس فقیر کو اس کی حاجت روائی کے بعد رخصت کر دیا۔ جب یہ شخص چلا گیا تو ناصرالدین نے قلم تراش لے کر یہ حلقہ جو ابھی ابھی بنایا تھا' لفظ "فیہ" سے مٹا دیا۔ ایک غلام پاس ہی کھڑا ہوا تھا' اس نے یہ تمام منظر دیکھا تھا' لہٰذا اس نے ناصرالدین سے پوچھا۔ "ایک دفعہ حلقہ کھینچنے اور دوسری بار اسے مٹا دینے میں کیا مصلحت ہے۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "وہ شخص جس نے "فیہ" کی تکرار پر اعتراض کیا تھا' ایک فقیر تھا اور میرے پاس ایک ضرورت کی وجہ سے آیا تھا' میں اگر اس کے اعتراض کی تردید کرتا تو وہ نادم ہو کر' بغیر اپنی ضرورت پوری کیے یہاں سے چلا جاتا۔ اس لیے میں نے اس کی موجودگی میں حلقہ کھینچ دیا اور جب وہ چلا گیا تو میں نے یہ حلقہ مٹا دیا دنیا میں غبار دل دور کرنا مشکل ہے لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔"

طہارت نفس

کہا جاتا ہے کہ ناصرالدین کے ایک مصاحب کا نام محمد تھا' بادشاہ اسے ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک روز ناصرالدین نے اس مصاحب کو "تاج الدین" کہہ کر آوازی دی۔ اس مصاحب نے اس وقت تو بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی لیکن بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور تین روز تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ ناصرالدین نے اس مصاحب کو طلب کیا اور اس کی غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے جواب دیا "آپ ہمیشہ مجھے محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے' لیکن اس دن آپ نے خلاف معمول تاج الدین کہہ کر پکارا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے میں تین روز تک آپ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوا اور یہ سارا وقت انتہائی پریشانی اور بے چینی کے عالم میں بسر کیا۔" بادشاہ نے قسم کھا کر کہا "میں ہرگز تم سے بدگمان نہیں ہوں' لیکن میں نے جس وقت تم کو تاج الدین کے نام سے پکارا تھا اس وقت میں باوضو نہ تھا مجھے یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ بغیر وضو محمد کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں۔"

۶۶۳ھ میں ناصرالدین بیمار ہوا اور ۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ھ کو اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اس کی مدت حکومت ۲۲ (بائیس) سال سے کچھ زیادہ ہے۔

غیاث الدین بلبن

غلامانہ زندگی

غیاث الدین کا تعلق ترکوں کی قراختائی نسل اور البری قبیلے سے تھا اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا۔ مغل جب فتح و کامرانی کی دھومیں مچاتے ہوئے ترکستان پہنچے تو (دوسروں کی طرح) بلبن کو بھی ایک مغل نے گرفتار کر لیا۔ اس مغل نے بلبن کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا' یہ سوداگر اسے اپنے ساتھ بغداد لے آیا اور یہاں کے مشہور و معروف بزرگ دین خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال کو جب یہ معلوم ہوا کہ بلبن کا تعلق بھی اسی نسل سے ہے کہ جس نسل سے ہندوستان کے نامی گرامی بادشاہ التمش کا تھا' تو وہ گراں قدر انعام کی توقعات کے ساتھ اسی سال بلبن کو ساتھ لے کر عازم ہندوستان ہوا۔ دہلی پہنچ کر خواجہ جمال نے التمش کی خدمت میں چند ترکی النسل غلام پیش کیے بلبن بھی ان غلاموں میں شامل تھا۔ التمش نے ان سب غلاموں کو بڑی بڑی قیمتوں پر خرید لیا اور خواجہ جمال شاہی انعامات سے سرفراز ہو کر واپس بغداد چلا گیا۔

بلبن بارگاہ التمش میں

التمش نے بلبن کے چہرے سے اس کی آئندہ عظمت اور بلند اقبالی کا اندازہ کر کے اسے اپنا بازدار خاصہ مقرر کیا۔ بلبن کی قسمت کا ستارہ چمکنے لگا اور اس نے التمش کے دل میں گھر کرنے کے بعد اپنے بھائی کشیل خاں کو بھی پہچان لیا۔ اپنے باقتدار بھائی کو پہچاننے کے بعد التمش کے دربار میں بلبن کی عزت و وقعت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔ سلطان رکن الدین کے زمانے میں بلبن تمام ہندوستانی ترکوں کا امیر اعلیٰ بن کر پنجاب کے مشہور باغیوں اور سرکشوں کا سردار اعلیٰ رہا۔ رضیہ سلطانہ کے زمانے میں جب ترک دہلی کے آس پاس کے علاقے میں باہمی مناقشات میں مبتلا ہوئے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے تو شاہی فوج نے ان سب کو قید میں ڈال دیا ان ترکوں میں بلبن بھی شامل تھا۔ کچھ ہی عرصے بعد بلبن نے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور میر شکار کے عہدے پر سرفراز ہوا۔

بلبن کا ماضی۔ مستقبل کا اشاریہ

معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں بلبن نے بڑی ترقی کی اور میر شکاری کے عہدے سے ترقی کر کے وہ امیر آخور کے منصب عالی پر فائز ہوا۔ بلبن کی زندگی کے ہر رخ میں اس کے مستقبل کی طرف کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور تھا۔ اس کے داخل زنداں ہونا ایک سبق تھا جو اسے ابتدا ہی میں پڑھا دیا گیا تھا۔ اس سے بلبن پر یہ ظاہر ہو گیا کہ صاحب حکومت ہو کر دوسروں کی تکالیف کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ میر شکاری کے عہدے پر سرفراز ہونے سے اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ دنیا اس کے دام سیاست میں شکار ہو گی۔ امیر آخوری کا منصب یہ ظاہر کرتا تھا کہ ایک دن یہ شہسوار حکمرانی کے میدان میں اپنی تیز رفتاری کے جوہر دکھائے گا۔

جاگیرداری

بلبن امیر آخوری کے منصب پر کچھ ہی دن سرفراز رہا تھا کہ اس کی قسمت کے تابندہ ستارے نے بدر رومی امیر حاجب کے دل میں گھر کیا۔ بدر رومی کی توجہ اور سفارش سے بلبن کا نام بھی بہرامی امراء کی فہرست میں داخل ہو گیا اور ہانسی اور رواڑی کے علاقے اسے

تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا کرتے تھے۔ ان غیر مسلم سرکش میواتیوں کو شکست دینے کے بعد بلبن کی بہادری اور شجاعت کا ڈنکہ بجنے لگا اور سارے ملک میں اس کی بڑی شہرت ہوئی۔

امیر حاجبی اور وزارت

جب حکومت بہرام کے ہاتھوں میں آئی تو یہ عہد مسعود بلبن کے لیے بڑا مبارک ثابت ہوا ۶۴۲ھ میں بلبن کو امیر حاجب مقرر کیا گیا۔ اس اعلیٰ مرتبے پر پہنچ کر بلبن سلطنت کے کاموں کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا۔ ناصرالدین محمود کے عہد میں بلبن نے مزید ترقی کی اور امیر حاجب کے منصب سے بڑھ کر وزارت کے عہدہ جلیلہ تک جا پہنچا' اس عہد میں بلبن کا اقتدار انتہائی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ التمش کے خاندان کی حکومت کے اس آخری دور میں بلبن کا اثر و اقتدار سارے ملک پر ایسا چھایا کہ ناصرالدین محمود صرف نام کا بادشاہ تھا اور اصل حکمرانی اور اقتدار کی باگ ڈور بلبن کے ہاتھ میں تھی۔

تخت نشینی

ناصرالدین محمود کا مبارک دور جب ختم ہوا تو بلبن بغیر کسی روک ٹوک کے بادشاہ بن گیا۔ اس کی تخت نشینی کی رسوم قصر سفید تخت شاہی پر عمل میں آئیں۔

مورخین اسلام نے غیاث الدین کے علاوہ دو چار دیگر ترکی امیروں اور سرداروں کے نام کے ساتھ "بلبن" کا لفظ لکھا ہے۔ لفظ "بلبن" کی اس عمومیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نام غیاث الدین ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ترکوں کے کسی گروہ کا خاندانی نام ہے۔

ترکان چہل گانی

التمش کے چالیس نازوں سے پالے ہوئے غلام بہت مشہور تھے اور انہیں لے پالک بیٹوں کے گروہ کو "ترکان چہل گانی" کہا جاتا ہے۔ جب التمش کا انتقال ہوا تو ترکوں کا یہ گروہ آپس میں مل کر بیٹھا' سب نے ایک دوسرے کی مدد اور محبت کی قسمیں کھائیں اور ہندوستان کی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا' اس کے بعد یہ گروہ "ترکان خواجہ تاش" کے نام سے مشہور ہوا۔ ان "سیاسی بھائیوں" کے اتحاد و اتفاق کی گاڑی کچھ زیادہ دن نہ چلی اور کچھ ہی عرصے میں ان میں سے ہر ایک غرور و تکبر کے نشے میں سرشار ہو کر خود پرست و خود مست نظر آنے لگا۔ اس گروہ میں سے غیاث الدین بلبن نے بڑا اقتدار حاصل کیا اور باقی سب پر غالب آگیا۔

بلبن نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے اپنے ان خواجہ تاش رقیبوں کا تیاپانچہ کیا اور اس گروہ میں سے جس کو جہاں بھی سر اٹھاتے دیکھا وہیں اس کو دبا دیا۔ بلبن کی دست درازیوں نے بہت طول کھینچا یہاں تک کہ اس کا چچیرا بھائی سردار شیر خاں جو "ترکان چہل گانی" کا ایک معزز رکن تھا' بلبن کی روش احتیاط کا شکار ہوا اور زہر دے کر اسے ہلاک کر دیا گیا۔ حریفوں اور دشمنوں سے ملک کو پاک کرنے کے بعد بلبن نے حکومت کے انتظامی امور کی طرف توجہ کی اور کچھ ہی عرصے میں اس نے سارے ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کی عظمت اور شان و شوکت یہاں تک بڑھی کہ عراق' خراسان' اور ماوراء النہر کے حکمرانوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی اور خلوص کا رشتہ استوار کیا۔

بلبن کی بلند نظری

بلبن ایک باشعور' سمجھدار ہوشیار اور صاحب وقار حکمران تھا۔ اس کے ہر حکم میں عقلمندی اور سنجیدگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ سلطنت کے اہم امور' قابل اور موزوں افراد کے سپرد کرتا تھا۔ نااہل لوگ اس کے دربار کے پاس سے بھی نہ گزرتے تھے۔ اسے جب تک لوگوں کی قابلیت' ایمانداری' معقولیت' پرہیزگاری اور پختہ کاری کا تجربہ و اندازہ نہ ہو جاتا تھا وہ اس وقت تک کوئی اہم کام ان کے سپرد نہ کرتا تھا۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ اسے اعمال کی عالی خاندانی اور شرافت نسبی کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔ اس کے مقرر کردہ عمال

اور صوبہ داروں میں دوں فطرت اور پست طبیعت لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ سب سے پہلے تو تقرری کے وقت ہی عاملوں اور صوبہ داروں کی نیک نیتی اور پرہیزگاری کو جانچ لیا جاتا تھا' لیکن اگر اس ابتدائی جانچ پڑتال میں کچھ کمی رہ جاتی اور بعد کو اس عامل یا صوبہ دار کی بددیانتی یا بدنسبی کا کوئی ثبوت مل جاتا تو فوراً اس کو اس عہدے سے برخاست کر دیا جاتا۔ بلبن نے غیر مسلموں کو کبھی کوئی ذمہ داری کا عہدہ نہیں دیا اس کا خیال تھا کہ غیر مسلم حاکموں کی وجہ سے مسلمان رعایا کو تکلیف پہنچے گی۔ بلبن نے اپنے تمام عہد حکومت میں جو بائیس سال کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے کبھی ارباب لہو ولعب سے بات چیت نہیں کی (اور نہ انہیں منہ لگایا) اس کی بارگاہ تک ایسے لوگوں کا پہنچنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

کردار کی بلندی کا ایک واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ بلبن کے زمانے میں ایک رئیس تھا جس کا نام فخروبائی تھا۔ یہ شخص بڑا صاحب اقتدار تھا اور اس نے ایک عرصے تک بلبن کی خدمت کی تھی۔ بلبن نے اپنی عادت کے مطابق فخرو سے کبھی بات چیت نہ کی تھی۔ فخرو نے درباریوں کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا کہ اگر بادشاہ اس سے گفتگو کرے تو فخرو اس کے معاوضے میں دولت اور جنس کی ایک بڑی مقدار نذرانے کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ جب درباریوں نے فخرو کا معروضہ بلبن کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے جواب دیا۔ ''فخرو اگرچہ بہت بڑا دولتمند ہے لیکن وہ ایک بازاری شخص ہے اور بازاریوں ہی کا سردار ہے ایسے شخص سے بادشاہ کا بات چیت کرنا اس کے رعب داب اور وقار کے منافی ہے اور رعایا کے دلوں میں بادشاہ کا سچا احترام باقی نہیں رہتا۔

بیرونی شاہزادوں کی آمد

شیخ عین الدین بیجاپوری ملحقات طبقات ناصری میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے لیے یہی ایک بات کیا کم موجب فخر ہے کہ ان بادشاہوں اور حکمرانوں کے علاوہ جو بلبن کے عہد حکومت سے پہلے ہی ہندوستان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ پندرہ اور شہزادے ترکستان' ماوراء النہر' خراسان' عراق' آذربائیجان' فارس' روم اور شام وغیرہ مختلف ممالک سے چنگیز خاں کی ہنگامہ خیزیوں سے تنگ آکر دہلی میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ سب شہزادے بلبن کے امراء میں داخل ہو کر بڑی عزت اور وقار کے مالک ہوئے۔ ان غریب الدیار شہزادوں میں سے دو بنی عباس کی نسل میں سے تھے۔ یہ دونوں تخت شاہی کے قریب دربار میں بیٹھتے تھے۔ باقی تیرہ شاہزادے بڑے ادب' عقیدت اور ذوق کے ساتھ شاہی تخت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جب کوئی شاہزادہ یا حکمران کسی مصیبت کی وجہ سے اپنے وطن سے نکل کر غیاث الدین بلبن کے دامن میں پناہ لیتا تو بلبن اس مہمان کی آمد سے بیحد خوش ہوتا اور خدا کی درگاہ میں سجدہ شکر بجا لاتا۔ بلبن کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ محلے آباد کرتا۔ اس قاعدے پر عمل کرنے کی وجہ سے پندرہ محلے ان عالی نسب مہمانوں سے آباد ہو گئے تھے۔ ان محلوں کے نام یہ ہیں (۱) محلہ عباسی (۲) محلہ سنجری (۳) محلہ خوارزم شاہی (۴) محلہ دیلمی (۵) محلہ علوی (۶) محلہ اتابکی (۷) محلہ غوری (۸) محلہ چنگیزی (۹) محلہ رومی (۱۰) محلہ سنقری (۱۱) محلہ یمنی (۱۲) محلہ موصلی (۱۳) محلہ سمرقندی (۱۴) محلہ کاشغری (۱۵) محلہ خطائی

دربار کی شان و شوکت

بلبن کے دربار میں بہت سے نادر الوجود اور لاثانی افراد یک جا ہو گئے تھے۔ یکتائے روزگار اہل سیف و قلم بھی تھے اور مشہور زمانہ گویے اور سازندے بھی۔ اس کے دربار کی شان و شوکت محمود غزنوی اور سنجر جیسے عالی شان اور ذی مرتبت حکمرانوں کے درباروں سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ان یکتائے روزگار اہل فن کا ایک گروہ یعنی علماء و فضلاء اور اہل سیف و شجاعان زمانہ بلبن کے

گو' سازندے' گویے' ظریف' و بذلہ سنج وغیرہ بلبن کے چھوٹے فرزند بغرا خاں کی محفل کی زیب و زینت تھے اور دنیاوی غموں کے غبار سے دلوں کو پاک و صاف کرتے تھے۔ امیروں اور رئیسوں کی دلچسپیوں کی بھی یہی کیفیت تھی اور وہ مشہور مثل "**الناس علی دین ملوکھم**" کے مصداق ان میں سے ہر فرد اپنے اپنے مذاق طبیعت کے اعتبار سے انہیں دو گروہوں کی پرورش اور سرپرستی کرتا اور اس طرح اپنی مجلس کی رونق کو دوبالا کرتا۔

غیاث الدین بلبن' آرائش لباس' عظمت حکومت اور بادشاہی رعب داب کی ترقی کا بہت خواہاں تھا۔ وہ بڑے رعب اور شان و شوکت کے ساتھ دربار عام منعقد کیا کرتا تھا' یہ رعب داب اور شان و شوکت دیکھ کر لوگوں کے دل دہل جاتے تھے اور اس شان و شوکت کا حال سن کر باغیوں اور سرکشوں کے اجسام تھرتھر کانپنے لگتے تھے' اس کی عظمت باغیوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت تھی۔ غیاث الدین بلبن جب سوار ہو کر کہیں جانے کے لیے نکلتا تو اس کی سواری کے ساتھ پانچ سو غوری' عربی' سیتانی' سمرقندی اور کرد سپاہی ہاؤ ہو کے نعرے بلند کرتے ہوئے پیادہ پا چلتے تھے۔ بلبن جشن کی مجالس بھی بڑی دھوم دھام سے منعقد کرتا' عید اور نو روز کے موقعوں پر دربار کو ایرانی بادشاہوں کے درباروں کی طرح سجایا جاتا اور بلبن سارا دن دربار میں بیٹھ کر امیروں اور منصب داروں سے نذریں قبول کرتا۔ یہ دستور تھا کہ جب کوئی امیر بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کرتا تو شاہی مقرب اس امیر کی اچھی عادات اور قابل قدر خدمات کا بادشاہ سے تذکرہ کرتے۔ محفل میں نقش و نگار سے مزین فرش بچھایا جاتا' زربفت کے پردے لٹکائے جاتے تھے اور چاندی اور سونے کے برتن استعمال کیا جاتے۔ اہل محفل کی خاطر تواضع شربت' میوے اور پان وغیرہ سے کی جاتی۔ بلبن اپنے امیروں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ "میں نے سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں ترکی امراء سے بارہا سنا ہے کہ" جو بادشاہ دربار کی ترتیب' سواری کے طریقوں اور حکمرانی کے آداب کا خیال نہیں کرتا' رعایا کے دلوں پر اس کے رعب داب کا سکہ نہیں بیٹھتا اور نہ ہی دیکھنے والے اس کی شان و شوکت اور دولت سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے (بے اصول) بادشاہوں کے دشمن بڑی قوت حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی حکمرانی کے راستے میں رکاوٹ بن کر سلطنت کی تباہی کا سبب قرار پاتے ہیں۔

بلبن کا انصاف اور حق پرستی

جس طرح بلبن دربار کی آداب اور قواعد وغیرہ کا خیال رکھتا تھا اسی طرح انصاف اور حق پرستی کو بھی پوری طرح مدنظر رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار جاندار کے بیٹے ملک نعیق نے جو شاہی امراء میں تھا اور چار ہزار سواروں کا مالک اور بدایوں کا صوبہ دار تھا' ایک فراش کو اس قدر مارا اور درے لگائے کہ وہ بیچارا مرگیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بلبن بدایوں گیا تو اس مرحوم فراش کی بیوہ فریاد لے کر بلبن کے پاس آئی۔ بلبن نے تمام واقعہ سننے کے بعد حکم دیا کہ ملک نعیق کو بھی اتنے درے لگائے جائیں کہ جتنے اس فراش کو لگائے گئے تاکہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہو' بلبن کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ملک نعیق کی لاش شہر کے دروازے پر لٹکا دی گئی۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بلبن کے ایک معتبر غلام ہیبت خاں نے' جو اودھ کا حاکم تھا سرمستی کے عالم میں ایک شخص کو ہلاک کر دیا' مقتول کی بیوی ان کے پاس فریاد لیکر آئی۔ غیاث الدین نے ہیبت خاں کو پانچ سو درے لگائے جانے کا حکم دیا۔ اس سزا کے بعد بلبن نے ہیبت خاں کو اس بیوہ کے سپرد کردیا اور کہا "یہ شخص پہلے میرا غلام تھا لیکن اب تیرا غلام ہے' تو جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کر' چاہے اسے قتل کروادے' چاہے معاف کردے۔" ہیبت خاں نے چند بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کو بیچ میں ڈال کر بلبن سے سفارش کروائی آخرکار ہیبت خاں نے اس بیوہ کو تیس ہزار روپے بطور ہرجانے کے ادا کیے اور اپنی جان بچائی۔ بادشاہ نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن ہیبت خاں اس واقعے سے اس قدر شرمندہ اور نادم ہوا کہ اس نے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا۔

دستور جہانبانی

بلبن اپنے بیٹوں سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ "سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ میں نے معزالدین بن بہاء الدین سام کی محفل یہ
دوبار سید مبارک غزنوی سے سنا ہے کہ بادشاہوں کے اکثر افعال شرک کی حدوں کو چھو لیتے ہیں اور وہ بہت سے ایسے کام کرتے ہیں
سنت نبوی صلعم کے خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس وقت اور بھی زیادہ گنہگار ہو جاتے ہیں جبکہ وہ ان چار باتوں پر عمل نہیں کرتے۔ وہ چا
باتیں یہ ہیں (۱) بادشاہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی شان و شوکت کے رعب داب کو مناسب موقع پر استعمال کرے اور خدا ترسی او
خلق خدا کی بھلائی ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے (۲) بادشاہ کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے ملک میں بدکاری مروج نہ ہو' فاسقو
اور بے غیرتوں کو ہمیشہ ذلیل و رسوا کرنا چاہیے (۳) امور سلطنت کو عقلمند اور مہذب لوگوں کے سپرد کرنا چاہیے۔ خلق خدا پر جنکو حا
مقرر کیا جائے وہ دیانتدار اور خدا ترس لوگ ہونے چاہیں' بدعقیدہ لوگوں کو ملک میں پنپنے نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ ایسے لوگ رعایا کو غلہ
راستے پر ڈال دیتے ہیں (۴) چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ انصاف سے پورا پورا کام لے' ماتحتوں کی کارگزاری ک
بنظر عدل جائزہ لیتا رہے تاکہ ملک سے ظلم و ستم کا نشان تک مٹ جائے۔۔۔ پس تم سب جو میرے جگر گوشے ہو یہ بات اچھی طرح سمجھ
دو کہ اگر تم میں سے کسی نے کسی عاجز اور لاچار کو ستایا تو میں ظالم کو اس کے ظلم کی پوری پوری سزا دوں گا۔"

بلبن کی شخصیت

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جب کبھی غیاث الدین بلبن کسی نہر کے کنارے یا کسی دریا کے پل کے قریب پہنچ جاتا تو خود کنارے پر کھڑا
ہو جاتا اور اپنے عہدہ داروں کو حکم دیتا کہ وہ ہاتھوں میں لکڑیاں لے کر انتظام کریں اور سب سے پہلے مریضوں' عورتوں' بچوں اور کمزور
جانوروں کو پار اتروائیں اور یہ عام حکم تھا کہ صحت مند و توانا لوگ معذوروں اور لاچاروں کی مدد کریں۔ اس کے بعد گھوڑے ہاتھی اور
باربرداری کے دوسرے جانور پانی کو عبور کریں۔ ایسے انتظامات کے سلسلے میں بلبن نے اکثر مقامات پر کئی کئی دن بسر کیے' لیکن اس کے دل
پر کسی قسم کا خوف طاری نہ ہوا۔ تخت نشینی سے پہلے یعنی زمانہ امارت میں بلبن کو شراب خوری کی بہت عادت تھی اور اس کی محفل خوش
آواز ساتیوں اور فن کارگویوں سے بھری رہتی تھی۔ متعدد امراء اور رئیس اس محفل میں بلائے جاتے اور بلبن بڑے شوق کے ساتھ ان
سے چوپڑ کھیلتا اور اہل محفل پر سونا اور چاندی نثار کرتا' لیکن جب حکومت کی باگ دوڑ بلبن کے ہاتھ میں آئی۔ تو اس نے اپنی ذمہ داریوں
کو محسوس کرتے ہوئے ان افعال سے توبہ کر لی اور بادہ خواری اور دوسرے تعیشات کا نام و نشان تک اپنے ملک سے مٹا دیا اور بڑی سختی
سے ارکان مذہب یعنی روزے نماز وغیرہ کا پابند ہوگیا۔ فرائض کے علاوہ اس نے کبھی تہجد' چاشت اور اشراق کی نماز بھی قضا نہیں کی وہ ہر
وقت باوضو رہتا تھا۔ عالموں' صوفیوں اور بزرگان دین وغیرہ کی موجودگی میں دستر خوان پر کبھی پیش دستی نہ کرتا تھا۔ بلبن کی عادت تھی کہ
کھانے کے وقت علماء سے مختلف مسائل کی تحقیق کرتا وہ امیروں اور وزیروں وغیرہ کی قیام گاہوں پر ان سے ملاقات کے لیے جاتا اور
اس طرح ان کی عزت افزائی کرتا۔ اس کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مشائخ اور علمائے دین کے گھروں میں جاتا اور شیخ برہان
الدین بلخی' مولانا سراج الدین سنجری اور مولانا نجم الدین دمشقی جیسے جید اور بزرگ علماء کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔
بلبن قبرستان میں جا کر قبروں کی زیارت بھی کیا کرتا تھا جب حکومت کے کسی رکن یا بزرگ کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کے جنازے پر
جاتا اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا۔ بعد میں مرنے والے کے گھر پر جا کر صبر کی تلقین اور راضی برضائے خدا رہنے کی تائید کرتا۔ مرحوم
کے وارثوں کو بلبن خلعت اور انعامات وغیرہ سے سرفراز کرتا اور یتیم بچوں کی پرورش کے لیے بھاری وظیفے مقرر کرتا اور ان کے غم
میں برابر کا شریک رہتا بلبن کی عادت تھی کہ اگر کہیں سوار ہو کر جاتا اور راستے میں لوگوں کا ہجوم نظر آتا اور یہ معلوم ہوتا کہ یہاں وعظ
ہو رہا ہے تو وہ فوراً سواری سے اتر کر مجلس وعظ میں شریک ہو جاتا۔ وہ خدا اور رسول صلعم [illegible]

روتا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ بلبن کے قدیم غلاموں اور خاص ملازموں کا بیان ہے کہ ان میں سے کسی نے کبھی بادشاہ کو ننگے سر اور ننگے پاؤں نہیں دیکھا۔ وہ محفل میں کبھی با آواز بلند قہقہ نہیں لگاتا تھا۔ بلبن کا قول ہے کہ "بادشاہ کا رعب اور اس کے وقار کا سکہ رعایا کے دل پر جس قدر سنجیدگی اور متانت سے بیٹھتا ہے اس قدر سیاست کا اثر نہیں ہوتا۔" وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ "اگر کوئی بادشاہ بارعب اور دبنگ نہیں ہوتا تو اس کی رعایا سرکشی اور بغاوت کی طرف مائل ہو جاتی ہے' جو بادشاہ اپنے ذاتی وقار کا تحفظ کرتا ہے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ مدتوں حکومت کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر اس کی حکومت فتنہ خیزوں اور ہنگامہ آرائیوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ قوانین انصاف محض کتابوں کی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اور عملی زندگی میں ان کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا' ظلم و جور کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

امن و امان

بلبن ان تمام صفات اور اعلیٰ عادات کے باوجود بغاوت و سرکشی کو ناپسند کرتا تھا۔ باغی چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم' اس کی سرزنش میں کسی قسم کی رو رعایت نہ کرتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے مفسدوں کو ہر طرح کی سزا میں دی جاتی تھیں۔ قتل کرنے یا قید خانے میں ڈال دینے کی سزاؤں میں وہ قطعاً دریغ نہ کرتا تھا اور اس سلسلے میں یہ امر ملحوظ خاطر نہیں رکھتا تھا کہ سزا شرع کے خلاف ہے یا موافق۔ التمش کے خاندان کے افراد کو بلبن نے اپنا دشمن سمجھ کر اشارے 'کنائے' بہانے اور صریحی حکم' غرض ہر طرح سے قتل کیا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ بلبن نے محض ایک شخص کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے ساری فوج یا سارے شہر کو تباہ کر ڈالا' یہی وجہ تھی کہ کوئی بلبن کی اطاعت کا منکر نہ ہوتا تھا۔ شمس الدین التمش کے عہد کے وہ قوانین اور ضابطے جو اس کے جانشینوں کی غفلت اور نااہلی کی وجہ سے تقریباً منسوخ ہو گئے تھے' بلبن نے ان سب کو بالکل اسی طرح مروج کیا جیسے کہ وہ التمش کے عہد میں مروج تھے۔

شکار کا شوق

بلبن کو شکار سے بہت دلچسپی تھی اسی بنا پر اس کے عہد میں میرشکاری کا عہدہ بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بلبن سلطنت و حکومت کے فرائض کو بخوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اکثر تمام دن سیروشکار میں بسر کرتا۔ سردیوں کے زمانے کو وہ اس شوق کو پورا کرنے کے لیے بہت مناسب وموزوں خیال کرتا تھا اور ہمیشہ اس موسم کی آمد کا منتظر رہتا۔ اس موسم میں اس کے شکار کے لیے دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس کے راستے کی حفاظت کی جاتی تھی۔ بلبن کا معمول تھا کہ وہ شکار کے لیے اس وقت نکلتا جبکہ تھوڑی سی رات باقی ہوتی اور دوسری رات کا دو تہائی حصہ جب گزر جاتا تو وہ شکارگاہ سے اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتا۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایک ہزار سوار اور ایک ہزار پیادہ تیرانداز رہتے تھے۔ جن کے تمام اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ہلاکو خاں نے بلبن کے اس شوق کی تفصیل سنی تو اس خونخوار فرمانروا نے کہا "بلبن ایک تجربہ کار اور عاقبت اندیش بادشاہ ہے بظاہر تو وہ شکار کا شوق کرتا ہے' لیکن دراصل اس صورت سے وہ سواری کی ورزش اور اپنے لشکر کی حفاظت کرتا ہے۔" بلبن نے جب ہلاکو خاں کی یہ بات سنی تو وہ اس کی عقلمندی اور شعور کا بے حد معترف ہوا اور کہنے لگا۔ فرمانروائی اور سیاست کے قواعد و ضوابط وہی شخص بہتر طور پر جان سکتا ہے جس نے اپنی تلوار کے بل پر جہاں بانی کی ہو۔

بلبن کی عاقبت اندیشی

جب غیاث الدین بلبن کی سلطنت اور حکومت کی بنیادیں اچھی طرح مضبوط اور پائیدار ہوگئیں تو اس سے اس کے چند قابل اعتبار امیروں نے عرض کی:-

"گجرات اور مالوہ کے علاوہ چند دیگر مقامات جو قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے تھے' اب خود سر ہو گئے ہیں۔ اب یہی مناسب ہے کہ ملک کے اندرونی انتظامات کو پوری طرح انجام دینے کے بعد ان خود سر

علاقوں کی طرف توجہ کی جائے تاکہ ان مقامات کو دوبارہ شاہ دہلی کا مطیع و خراج گزار بنایا جاسکے۔" بلبن نے یہ سن کر ان امیروں سے کہا "ان دنوں مغلوں کی ہنگامہ خیزیاں بہت بڑھی ہوئی ہیں انھوں نے ہندوستان کے ایک حصے پر قبضہ بھی کر لیا ہے اور ان کی ایک جماعت ہندوستان پر باقاعدہ چھاپے مارتی رہتی ہے۔ اس صورت حال میں دہلی سے نکلنا اور دور دراز علاقوں کو فتح کرنے کے لیے دارالسلطنت کو محافظوں سے خالی کرنا بعید از دانشمندی ہے۔ اس وقت یہی مناسب ہے کہ اپنے ملک میں رہ کر سلطنت کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے نہ کہ نئے علاقے فتح کرنے کا ارادہ کیا جائے۔"

تاتار خاں کی اطاعت

اسی سال یعنی ۶۶۴ھ میں ارسلان خان کا بیٹا محمد تاتار خاں (جس نے سلطان ناصرالدین محمود کے زمانے میں علم سرکشی بلند کیا تھا) نے لکھنوتی سے ترسیٹھ (۶۳) ہاتھی اور بہت سے دوسرے بیش بہا تحفے بلبن کی خدمت میں روانہ کیے بلبن نے اس نذرانے کو نیک فال تصور کر کے قبول کیا اور رعایا کو حکم دیا کہ شہر کو پوری طرح سجا کر جشن عیش و عشرت منعقد کریں اور خوشیاں منائیں اس موقع پر بلبن نے بڑے شوق سے چبوترہ ناصری پر جو دروازہ بدایوں کے باہر واقع ہے دربار عام منعقد کیا۔ جس میں تمام امراء اراکین سلطنت اور باجگذار علاقوں کے حکمرانوں نے شرکت کی۔ ان سب نے بادشاہ کی خدمت میں نذرانے پیش کیے اور شاہی انعامات سے سرفراز ہوئے اور یوں بلبن نے تاتار خاں کو اپنا اطاعت گزار بنا کر اسے اپنے نامی گرامی امراء کی صف میں شامل کیا۔

میواتی لیٹروں کا خاتمہ

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ التمش کے جانشینوں کے زمانے میں میواتیوں کی ایک جماعت دہلی کے آس پاس کے علاقے میں جنگلوں میں چھپ چھپا کر قتل و غارت کیا کرتی تھی۔ یہ لیٹرے راتوں کو لوگوں کے گھروں میں زبردستی گھس جاتے اور مال و اسباب اٹھا کر لے جاتے اور شہر کے آس پاس کی سراؤں کو تباہ و برباد کرتے رہتے تھے، سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ بھی ان لیٹروں کی دستبرد سے محفوظ نہ تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ان میواتیوں نے دن دہاڑے سقوں اور گھروں میں پانی بھرنے والی لونڈیوں پر چھاپہ مار کر غرباء کو بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ ان کے خوف کی وجہ سے شہر کے دروازے مغرب کے وقت بند کر دیئے جاتے تھے۔ نماز عصر کے بعد کسی شخص کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ قبرستان تک جائے۔ بلبن کو جب میواتیوں کی اس لوٹ مار اور رعایا کی مصیبتوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اس مفسد گروہ کے قتل کو حکومت کے بقیہ تمام کاموں پر مقدم رکھا اور ان سفاکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے دہلی سے روانہ ہوا۔ بلبن نے ان میواتیوں کو گھیر لیا اور تقریباً ایک لاکھ ظالموں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد بلبن نے اس جنگل کو، جس میں یہ لیٹرے رہا کرتے تھے، بالکل صاف کروا دیا اور زمین کو زراعت پیشہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بلبن نے اس مقام پر سپاہیوں کی چند چوکیاں بھی مقرر کیں اور ان چوکیوں کی حفاظت کے لیے اپنے کچھ معتبر سرداروں کو وہاں چھوڑ کر واپس دہلی آیا۔

باغیوں کی سرزنش

اس واقعے کے دوسرے سال بلبن نے میان دو آب کے سرکشوں اور باغیوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اس نے اس علاقے کی حکومت یہاں امراء کے سپرد کی اور انھیں ہدایت کی کہ ان سرکشوں کو ان کی بداعمالیوں کی ایسی سخت سزا دی جائے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ ان امراء نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور میان دو آب کی لوگوں کو مصیبتوں سے رہائی دلائی۔ ان سفاکوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد بلبن نے دو بار کنپل، پٹیالی اور بھوج (یہ مقامات موجودہ بدایوں اور فرخ آباد کے ضلعوں میں واقع ہیں) کا سفر کیا اور ہر بار ان علاقوں کے باغیوں سرکشوں اور لٹیروں کو تباہ و برباد کیا۔ ان ظالموں میں سے لاکھوں کو تہ تیغ کیا گیا اور باغیوں کو مع ان کے بیوی بچوں کے، شاہی فوج نے ...

اصطلاح میں جون پور' بہار اور بنگالہ (مراد ہے) تمام خطروں سے پاک و صاف ہوگیا اور مسافر امن و امان کے ساتھ آنے جانے لگے۔ بلبن نے کنپل' بھوج پور اور پٹیالی میں مسجدیں اور قلعے تعمیر کروائے اور وہاں کی حکومت افغان سرداروں کے سپرد کر کے جلالی کا قلعہ تعمیر کروایا اور خود واپس دہلی آگیا۔

بلبن جونہی دہلی پہنچا تو اسے بدایوں اور امروہہ کے حاکم کی طرف سے کیتھر کی سرکشی کی اطلاع ملی۔ اس خبر کے سنتے ہی بلبن نے فوج کو تیاری کا حکم صادر کیا۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ اس بار بادشاہ کوہ پایہ سفر کرے گا' لیکن قبل اس کے کہ سرخ رنگ کا شاہی سراپردہ کوچ کے لیے بادشاہی محل سے باہر نکالا جاتا' بلبن پانچ ہزار سواروں کا ایک چیدہ لشکر ساتھ لے کر روانہ ہوگیا۔ دریائے گنگا کو عبور کرنے میں دو روز صرف ہوئے تیسرے دن مسلمانوں کا لشکر کیتھر کے علاقے میں پہنچ گیا۔ بلبن نے اس شہر میں داخل ہوتے ہی قتل عام کا حکم دے دیا۔ لشکریوں نے بادشاہی حکم کی تعمیل میں خوب جی کھول کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور عورتوں اور بچوں کے سوا کسی کو زندہ نہ چھوڑا.... غیاث الدین بلبن کی تلوار نے باغیوں کو کچھ اس طرح خاموش کیا کہ پھر جلال الدین خلجی کے زمانے تک بدایوں' سنبل اور امروہہ کے علاقوں میں کسی سرکش اور باغی کا نام سنائی نہ دیا۔ اس تمام ہنگامے کو بخیر و خوبی ختم کرنے کے بعد بلبن نے دہلی کا رخ کیا۔

کوہ پایہ کا سفر

دہلی پہنچ کر بلبن نے چند روز تک آرام کیا اور پھر کوہ پایہ کے سفر کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچ کر بلبن نے باغیوں' مفسدوں' شرپسندوں اور سرکشوں کی خوب خبر لی۔ قتل و غارت گری کا بازار ایسا گرم کیا کہ پورے دو سال تک بلبن کوہ پایہ ہی میں رہا اس علاقے سے بہت سامان غنیمت بلبن کے ہاتھ آیا۔ خاص پور پر گھوڑے تو بہت ہی ہاتھ لگے۔ اس بہتات کی وجہ سے اعلیٰ سے اعلیٰ نسل کا گھوڑا تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) تنکہ تک سے زیادہ پر فروخت نہ ہوتا تھا۔ کوہ پایہ کو شرپسندوں سے پوری طرح پاک و صاف کرنے کے بعد بلبن دہلی واپس آگیا۔

بلبن کے عہد کا یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ سفر سے واپس لوٹتا تو دہلی کے تمام امراء اور ارکان سلطنت دو تین منزل پیشوائی کے لیے جاتے اور بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوتے۔ اس موقع پر شہر کو بڑے سلیقے سے سجایا جاتا اور بادشاہ کے صحیح و سلامت لوٹنے کی خوشی میں عیش و عشرت کی محفلیں منعقد کی جاتیں۔ جو رقوم بادشاہ پر سے صدقے کی جاتیں ان کو یک جا کر کے تمام اسلامی ممالک میں بھیج دیا جاتا کہ فقراء اور محتاجوں وغیرہ میں تقسیم کر دی جائیں۔

لاہور کا سفر

(کوہ پایہ کے سفر سے واپسی کے بعد) بلبن نے چند روز دہلی میں قیام کر کے لاہور کا سفر اختیار کیا' لاہور پہنچ کر اس نے حصار شہر کو از سر نو تعمیر کروایا جو شمسی حکمرانوں کے عہد میں مغلوں کی شورشوں کے باعث شکستہ ہوگیا تھا اس کے بعد بلبن نے نواح شہر کو آباد کیا جو مغلوں کی لوٹ مار کی وجہ سے ویران ہوگیا تھا اور پھر دہلی واپس آگیا۔

بوڑھے لشکریوں کی معزولی

دہلی پہنچنے کے بعد چند امراء نے بلبن کو یہ بتایا کہ فوج کے بہت سے سپاہی ضعیف العمری کی وجہ سے جنگ و جدل کے کام کے نہیں رہے۔ اس وجہ سے یہ سپاہی اپنے سرداروں کو تھوڑی بہت رقم دے کر اپنے گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔ یہ سن کر بلبن نے حکم دیا کہ فوج سے تمام بوڑھے سپاہیوں کو علیحدہ کر دیا جائے ان کی خدمت کے صلے میں انھیں تیس تنکہ رقم دی جائے زاید رقم ان سے وصول کر لی جائے۔ بلبن کے اس حکم کی وجہ سے لشکر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ان معزول لشکریوں میں سے چند معتبر اشخاص بہت سے گراں بہا تحفے تحائف [illegible]

کہ اس ضعیف العمری میں ہم پر ایسی مصیبت نازل ہوگی اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا تو جوانی میں کوئی ایسا کام کرتے جو بڑھاپے میں آج ہمارے کام آتا۔ فخرالدین کوتوال نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اگر میں تم سے یہ رشوت وصول کر لوں گا تو بادشاہ پر میری سفارش کا کوئی اثر نہ ہوگا۔" اس کے بعد کوتوال نے ان لوگوں کو رخصت کر دیا اور خود حسب معمول بادشاہی دربار میں چلا گیا۔ فخر الدین دربار میں اپنی جگہ پر کچھ فکرمند اور پریشان سا تھا بلبن نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے فخرالدین سے اس فکر اور پریشانی کا سبب پوچھا۔ اس تجربہ کار امیر نے عرض کیا "مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ دربار شاہی میں ضعیف العمر لوگوں کی گذارشات پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ یہ دیکھ کر مجھے تشویش ہے کہ اگر قیامت کے روز رحمت الٰہی نے بھی بوڑھوں کو اپنے کرم سے محروم کر دیا تو میرا کیا حال ہوگا۔" بلبن نے فوراً فخرالدین کا اصل مطلب سمجھ لیا اور زاروقطار رونے لگا' بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ تمام معزول شدہ لشکریوں کو ان کی پوری پوری تنخواہ دی جائے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی واقع نہ ہو۔

شیر خاں کا انتقال

بلبن کی تخت نشینی کے چوتھے سال اس کے چچا زاد بھائی معظم شیر خاں خواجہ تاش نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیر خاں سلطان ناصرالدین محمود کے عہد سے لاہور' ملتان' بھنیر' سرہند' دیپالپور اور ان تمام علاقوں کا حاکم تھا جو مغلوں کی ہنگامہ آرائیوں کی زد پر واقع تھے۔ اس کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ خود بلبن نے زہر دے کر اسے ہلاک کیا۔ شیر خاں کو اسی کے تعمیر کروائے ہوئے گنبد واقع بھنیر میں دفن کیا گیا۔ بلبن نے شیر خاں کی جاگیر کو اس طور پر تقسیم کیا کہ سنام اور سامانہ کے علاقے تیمور خاں کے سپرد کیے جو ترکان چہل گانی کا ایک معزز رکن تھا باقی علاقے بھی نامی گرامی امیروں میں بانٹ دیئے شیر خاں جب تک زندہ رہا پنجاب کی سرحدیں مغلوں کی شورشوں اور غارت گری سے محفوظ رہیں لیکن اس شیر کے آنکھ بند کرتے ہی سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو گئے۔ مغلوں نے سر اٹھایا اور سرحدی علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔

بلبن نے اپنے فرزند اکبر قان الملک محمد سلطان کو (جو عام طور پر خان شہید کے نام سے مشہور ہے) اپنا ولیعہد مقرر کیا اور اسے چتر و دورباش اور دیگر شاہی لوازمات سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بلبن نے خان شہید کو شیر خاں کا جانشین مقرر کیا اور اپنے چند لائق اور قابل اعتبار امیروں کو اس کا مصاحب اور مشیر بنا کر اس کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔

ایبک محمد کشلی خاں اور علاؤالدین

تاریخ "فیروز شاہی" کا مولف لکھتا ہے کہ شمس الدین التمش کے عہد کے بعض امرا نے اپنے بیٹوں کو "محمد" کے مبارک نام سے موسوم کیا تھا۔ ان امراء کو اس حسن عقیدت کا یہ صلہ ملا کہ ہر وہ لڑکا جس کا نام محمد تھا اپنے ماں باپ کی پرورش' نگہداشت اور قابل اساتذہ کی تعلیم کی وجہ سے کسی نہ کسی عمدہ صفت میں ایسا ماہر و کامل ہوا کہ آج تک دنیا میں اس کا نام باقی ہے ایسے ہی لوگوں میں ایک ایبک محمد کشلی خاں ہے۔ یہ مرد جواں تیراندازی' نیزہ بازی' بہادری وغیرہ صفات میں اپنی مثال آپ تھا اور دور دور تک اس کی شہرت تھی۔ کشلی خاں کی ان اعلیٰ صفات کی شہرت سن سن کر مغل فرماں رواؤں کو ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ یہ امیران کے دربار کی زیب و زینت بنے۔ دوسرا شخص علاء الدین محمد بن اعزالدین کشلی خاں ہے جو غیاث الدین کا بھتیجا تھا۔ یہ امیر نیک نام محفل آرائی اور جود و سخا میں اپنے عہد کا امام تھا۔ بہت سے ممالک مثلاً مصر' شام' روم' بغداد' عراق' خراسان' ترکستان اور ماوراء النہر وغیرہ سے بہت سے فضلاء اور شعراء اس کی جود و سخا کی شہرت سن سن کر ہندوستان آتے تھے اور انعام و اکرام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن واپس جاتے تھے الغرض علاء الدین کی بخشش اور سخاوت نے تمام [illegible]

چوگان زر کے عطیہ سے نوازا نیز خان اعظم کا خطاب دیا۔ بعد ازاں بلبن نے علاؤالدین پر مزید عنایت کی اور اسے کول کا صوبہ دار بنا دیا اور ہمیشہ اس سے لطف سے پیش آتا رہا۔

علاؤالدین کی سخاوت

ملک قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص خواجہ معین الدین کے مشہور بیٹے خواجہ شمس الدین نے ایک مرتبہ علاؤالدین کی مدح میں چند اشعار لکھے اور غیاث الدین بلبن کے درباری مطربوں کو دیئے تاکہ جشن نو روز کے دن جب تمام امراء جمع ہوں تو شاہی دربار میں یہ اشعار پڑھے جائیں۔ ان مطربوں نے خواجہ شمس الدین کی ہدایت کے مطابق شاہی دربار میں وہ اشعار گا کر سنائے اس محفل میں کشلی خاں بھی موجود تھا۔ اس نے پوچھا کہ یہ اشعار کس نے لکھے ہیں جواب ملا کہ یہ اشعار خواجہ شمس الدین نے لکھے ہیں۔ محفل کے اختتام کے بعد علاؤالدین اپنے گھر آیا اور خواجہ شمس الدین کو بلا کر اپنی محفل نو روز کا تمام اعلیٰ پر تکلف سامان ان کی نذر کیا۔ مورخین تحریر کرتے ہیں کہ اس بلند ہمت اور سخاوت پسند امیر نے غیاث الدین بلبن کے عہد میں اکثر اس انداز سے بخشش کی ہے کہ اپنا سب کچھ دوسروں کے حوالے کر دیا اور سوائے اپنے لباس کے' جو زیب تن تھا' کوئی اور شے اپنے پاس نہ رکھی۔

خان شہید

تیسرا شخص محمد تاتار خاں ابن ارسلان خاں ہے جو اپنی بہادری اور پاکبازی کی وجہ سے سارے ملک میں مشہور اور ہر دلعزیز تھا۔ اس نے لکھنوتی میں کئی مرتبہ اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ ان محمد نام کے اشخاص میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خان شہید ہے۔ یہ شہزادہ غیاث الدین بلبن کا محبوب ترین بیٹا تھا وہ تمام عمدہ صفات اور پسندیدہ عادات جو ایک شہزادے میں ہونی چاہیں' خان شہید میں موجود تھیں۔ یہ شہزادہ عقل و خرد اور ہنرپروری میں بلاشبہ اپنے زمانے کا بہترین آدمی تھا اس کی محفل میں ہمیشہ نامی گرامی علماء و فضلاء اور بڑے بڑے شاعر شرکت کرتے تھے اور وہ اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں سے ہمیشہ لطف و کرم سے پیش آتا تھا۔ اس کا لطف و کرم انھیں تک محدود نہ تھا بلکہ وہ مستحقوں اور ہنروروں کی بڑی امداد کرتا تھا۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسی مقدس ہستیاں اسی شہزادے کی محفل کی رونق تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے خان شہید کی ملازمت میں ملتان میں پورے پانچ سال بسر کیے۔ خان شہید ان دونوں کی سب سے زیادہ عزت اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ یہ شہزادہ اس قدر مہذب اور سلیقہ مند تھا کہ اگر تمام شب و روز کسی محفل میں بیٹھتا تو تب بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا اور قسم کھاتے وقت ہمیشہ اس کی زبان پر لفظ "حقا" رہتا تھا۔ تہذیب و متانت کا یہ عالم تھا کہ مجلس شراب میں اور نشے کی حالت میں بھی اس کی زبان پر کبھی کوئی غیرمہذب کلمہ نہ آتا تھا۔ خان شہید کی محفل میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے تھے اور وہاں خاقانی' انوری' مولانا نظامی اور امیر خسرو کا کلام پڑھا جاتا تھا۔ خان شہید (ہر شعر کو پوری طرح سمجھتا تھا) اور اس کی مناسب داد دیتا تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ اور سخن فہم اس کی سخن فہمی کے قائل تھے' امیر خسرو نے ایک بار فرمایا' "میں نے سخن فہمی' نکتہ رسی' پختگی ذوق صحیح اور تمام نئے پرانے شعرا کے اشعار یاد رکھنے میں خان شہید جیسا فاضل شخص کوئی اور نہیں دیکھا۔

ایک نادر بیاض شعر

خان شہید نے ایک قلمی بیاض تیار کی تھی جس میں تمام نامی گرامی شعراء کے منتخب اشعار درج تھے۔ جن کی تعداد بیس (۲۰) ہزار تھی اور یہ اشعار بہت خوبصورت خط میں لکھے ہوئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن دونوں ہی خان شہید کے انتخاب اشعار کی خوبی کے قائل تھے اور اس کے سخن فہمی کے مداح تھے' خان شہید کے قتل کے بعد غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی اور جامدار نے امیر خسرو کو۔ اس عہد کے تمام نامی گرامی شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اس کے اشعار اپنی بیاضوں میں نقل کیے اور سب نے خان شہید جیسے فاضل روزگار اور علم دوست شخص کی بے وقت موت پر افسوس کا اظہار کیا

محفل وجد وحال

جس زمانے میں خان شہید کا قیام ملتان میں تھا اس زمانے میں شیخ عثمان ترمذی" جو اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور عارف کامل تھے' اتفاق سے ملتان تشریف لائے۔ خان شہید نے شیخ صاحب" کی بہت تعظیم کی اور خاطر تواضع کی' ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا اور بڑی عاجزی سے ان سے ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی۔ اور کہا۔ "اگر آپ یہاں قیام کرنا پسند فرمائیں گے تو حکومت کے خرچ سے ایک خانقاہ تعمیر کروا دی جائے گی۔" لیکن شیخ صاحب" نے ملتان میں مستقل رہائش کو ناپسند کیا اور واپس چلے گئے۔ جن دنوں شیخ صاحب ملتان میں تھے اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے اور جانشین حضرت شیخ صدرالدین عارف کے ساتھ خان شہید کی محفل میں تشریف رکھتے تھے۔ اس محفل میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے' اتفاق سے کوئی ایک شعر سن کر ان بزرگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ساتھ ساری محفل کھڑی ہوگئی۔ خان شہید نے بھی اہل محفل کا ساتھ دیا اور دست بستہ کھڑا ہوگیا۔ جب تک ان بزرگوں کو سکون نہ ہوا خان شہید کی حالت بھی اضطرار کی رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔

شیخ سعدی سے عقیدت

اگر کبھی کوئی شخص خان شہید کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو وہ دنیا کے خیال کو دل سے نکال کر بڑی توجہ کے ساتھ اس شعر کو سنتا اور شعر کے مضمون سے متاثر ہو کر زاروقطار روتا۔ خان شہید کی بالغ نظری' عقلمندی اور قدرشناسی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے دو مرتبہ ملتان کی امارت کے زمانے میں اپنے قاصد بیش قیمت اور اعلیٰ تحائف کے ساتھ شیراز روانہ کیے اور حضرت شیخ مصلح الدین سعدی سے درخواست کی کہ "آپ یہاں تشریف لا کر ہمیں نوازیں۔ آپ کے لیے ملتان میں ایک خانقاہ تعمیر کروا دی جائے گی اور اس کے مصارف کے لیے چند گاؤں وقف کردیئے جائیں۔" چونکہ حضرت سعدی ضعیف العمری کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے اس لیے انھوں نے دونوں مرتبہ ملتان آنے میں عذر کیا لیکن ہربار اپنے ہاتھ سے اپنے اشعار اور غزلیات لکھ کر خان شہید کی خدمت میں بطور تحفہ روانہ کیں اور امیر خسرو کی سفارش فرمائی۔ ملتان کی امارت کے زمانے میں خان شہید کا یہ معمول تھا کہ وہ ہرسال بہت سے گراں بہا اور نادر تحائف لے کر اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چند روز دہلی میں قیام کرکے واپس چلا جاتا۔

بغرا خاں

اسی زمانے میں بلبن نے اپنے دوسرے لڑکے بغرا خاں کو ناصرالدین کے خطاب سے سرفراز کرکے سمانہ اور سنام کا جاگیردار مقرر کیا۔ جب بغرا خاں روانہ ہونے لگا تو بلبن نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنی جاگیر میں پہنچ کر اپنے پرانے لشکر کی تنخواہوں میں اضافہ کردے اور نئے لشکر کی ضرورت جس قدر ہو اسے بھرتی کرکے مغلوں سے ہمیشہ خبردار رہے۔ بلبن نے اسے یہ نصیحت بھی کی کہ "تم سلطنت کے اہم امور میں ہمیشہ تجربہ کار امیروں سے مشورہ لیتے رہنا اور اگر کوئی بہت ہی اہم معاملہ درپیش ہو تو فوراً مجھے اطلاع کرنا اور پھر تمہیں جو ہدایت یہاں سے بھیجی جائے اسی کے مطابق عمل کرنا۔" بلبن نے بغرا خاں سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے شراب خوری کی بری عادت ڈالی تو اسے فوراً معزول کر دیا جائے گا اور آئندہ کبھی کوئی ذمہ داری کا کام اس کے حوالے نہ کیا جائے گا اور وہ اپنے باپ کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

بغرا خاں نے ہمیشہ اپنے باپ کی نصیحتوں اور ہدایتوں کو یاد رکھا اور ان پر عمل کیا اس شہزادے نے عیش کوشی سے الگ رہ کر بڑی نمایاں جانفشانی کے ساتھ حکومت کے فرائض کو سرانجام دینا شروع کیا اور ہندوستان کو مغلوں کی ہنگامہ خیزیوں سے بچائے رکھا۔ آپس میں ...

سے مغلوں کو مار بھگائیں۔

طغرل کی بغاوت

جب غیاث الدین بلبن کی حکومت کی بنیادیں پوری طرح مضبوط ہوگئیں اور ہر کام بادشاہ کی مرضی کے مطابق عمل میں آنے لگا تو دفعتہ ایک تازہ حادثہ پیش آیا۔ لکھنوتی کے صوبہ دار طغرل نے جو بلبن کا ایک غلام تھا' بادشاہ سے بغاوت کی ۶۷۸ھ میں طغرل نے اپنی بہادری' سخاوت اور چالاکی کے سہارے جاجنگر پر حملہ کیا اور وہاں کے راجہ کو شکست دے کر بے شمار مال غنیمت اور بہت سے ہاتھی اپنے قبضے میں کر لیے۔ طغرل نے یہ دیکھ کر کہ بادشاہ غیاث الدین بلبن اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور اس کے دونوں بیٹوں کو مغلوں سے معرکہ آرائی کرنے سے فرصت نہیں ہے۔ اس مال غنیمت میں سے بادشاہ کا حصہ غصب کر لیا۔ اسی دوران میں بلبن پر بیماری نے حملہ کیا اور اس وجہ سے وہ اتنا کمزور ہوگیا کہ ایک مہینے تک اپنی رہائش گاہ سے باہر نہ نکل سکا اور یوں لوگوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ طغرل نے جب یہ بے بنیاد خبر سنی تو اس نے فوراً اپنی نمک حرامی کا عملی مظاہرہ کیا اور ایک زبردست لشکر جمع کر کے لکھنوتی پر آزادانہ حکومت قائم کر لی۔ اس غلام بے وفا نے ملک پر قبضے کے بعد سرخ رنگ کا چتر بھی سر پر سایہ فگن کیا اور خود کو سلطان مغیث الدین کے نام سے لکھنوتی کا بادشاہ مشہور کیا۔ اس علاقے میں طغرل کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہوگیا۔

امین خاں کی شکست

طغرل کو خودمختار حکومت قائم کیے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ دہلی سے غیاث الدین بلبن کی صحت یابی کے فرمان لکھنوتی پہنچے۔ طغرل اپنے آقا کو صحیح و سلامت پا کر بھی سیدھے راستے پر نہ آیا اور بجائے اپنی حرکت ناشائستہ پر نادم ہونے کے حسب سابق بغاوت پر آمادہ رہا۔ بلبن کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ملک اپتگین موئے دراز المخاطب بہ امین خاں کو لکھنوتی کا صوبہ دار مقرر کیا اور اسے ایک زبردست لشکر کا سردار بنا کر چند نامی گرامی امراء ملک تاج الدین اور جمال قندھاری وغیرہ کے ساتھ طغرل کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے روانہ کیا۔ امین خاں نے آب سرد (اس کو اب "سرجو" کہا جاتا ہے یہ ندی ضلع بہرائچ سے نکل کر دریائے گھاگھرا میں گر جاتی ہے) کو عبور کر کے لکھنوتی کا رخ کیا اور طغرل بھی فوج لے کر بڑھا۔ معرکہ جنگ میں طغرل نے نیزے اور تلوار وغیرہ سے کام لینے کی بجائے سونے اور چاندی سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امین خان کے سپاہیوں کا ایک بڑا حصہ روپیہ لے کر طغرل کی فوج سے جا ملا۔ اس کے بعد طغرل نے تلواروں اور نیزوں کی جنگ شروع کی' امین خاں کو شکست ہوئی اور طغرل کے قبضے میں بے شمار مال غنیمت آیا۔

ملک ترضی کی شکست

امین خاں کی شکست کی خبر جلد از جلد دہلی پہنچا دی گئی۔ بلبن یہ خبر سن کر بہت ہی رنجیدہ اور ملول ہوا اور غم و غصہ سے خون کے گھونٹ پینے لگا۔ بلبن نے امین خان کے لیے موت کی سزا تجویز کی اور ملک ترضی ترک کو ایک زبردست لشکر دے کر طغرل کے مقابلے پر روانہ کیا۔ طغرل نے ملک ترضی کو بھی شکست دی اور اس مرتبہ بھی بے شمار مال غنیمت پر قابض ہوا۔ بلبن نے جب ملک ترضی کی شکست کی خبر سنی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ خود اپنی عالی ہمتی سے طغرل کے مقابلے پر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ بلبن نے حکم دیا کہ دریائے گنگا میں کشتیاں ڈال دی جائیں اور وہ خود شکار کے بہانے سے سنام اور سمانہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سمانہ پہنچ کر بلبن نے وہاں کی نیابت جاںدار کے بیٹے ملک سراج کے سپرد کی اور اپنے چھوٹے بیٹے بغراخاں کو خاصے کے لشکر کے ساتھ اپنے ہمراہ لے کر سمانہ سے روانہ ہوا یہاں سے بلبن میان دو آب میں آیا اور ملک فخرالدین کوتوال کو اپنا نائب مقرر کر کے دہلی میں چھوڑا اور خود بڑی شان و شوکت کے ساتھ گنگا کے راستے سے لکھنوتی کی طرف روانہ ہوا۔ یہ برسات کا زمانہ تھا۔ لیکن بادشاہ کی عالی ہمتی نے اس تکلیف دہ موسم کا کوئی خیال نہ کیا۔ بارش کی وجہ سے لشکر کو راستے میں کہیں کہیں ٹھہرنا پڑا جس کی وجہ سے لکھنوتی پہنچنے میں معمول سے کہیں زیادہ تاخیر ہوئی۔

طغرل نے بادشاہ کی آمد کی خبر سنی اور اس کے تاخیر سے پہنچنے سے فائدہ اٹھایا اس نے اپنی فوج کو تیار کیا اور خزانہ ساتھ لے کر جاجنگر کی طرف روانہ ہو گیا۔

طغرل کا فرار

طغرل کا یہ ارادہ تھا کہ جاجنگر پر قبضہ کر کے کچھ دنوں وہاں قیام کیا جائے اور جب بلبن واپس جانے لگے تو پھر لکھنوتی پر دوبارہ قبضہ کر لیا جائے۔ بلبن نے لکھنوتی پہنچ کر کچھ دنوں تو توقف کیا اور بعد ازاں سالار حسام الدین دلیل اور باربیگ برلاس کو (جو تاریخ فیروز شاہی کے مولف کا جد تھا) کو لکھنوتی کی مہم کے لیے روانہ کیا اور خود طغرل کو راہ راست پر لانے کے لیے جاجنگر روانہ ہوا۔ جب بلبن (سنار گاؤں) کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کا راجہ بلبن کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گیا۔ اس راجہ نے بلبن سے وعدہ کیا کہ اگر طغرل نے شکست کھا کر دریا کے راستے سے فرار ہونے کی کوشش کی تو وہ راجہ اسے دریا کے راستے جان بچانے کا موقع نہیں دے گا۔ سنام کا بندوبست کرنے کے بعد بلبن آگے بڑھا' ابھی سفر کی اس نے تین چار منزلیں ہی طے کی تھیں کہ اسے طغرل کی روپوشی کی خبر ملی۔ لوگوں سے اس کے بارے میں بہت کچھ دریافت کیا گیا' لیکن کسی سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ بلبن نے ملک باربیگ برلاس کو سات ہزار سواروں کے ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ دس بارہ کوس آگے نکل کر طغرل کا سراغ لگائے ملک برلاس نے حکم شاہی کی تعمیل کی بہت ڈھونڈا' مگر طغرل کا کہیں نام و نشان نہ پایا۔

طغرل کی تلاش

ایک روز مقدمہ لشکر ملک محمد تیرانداز حاکم کول اور اس کا بھائی ملک مقدر جو تاریخ میں "طغرل کش" کے لقب سے مشہور ہے تیس چالیس سواروں کے ساتھ فوج کے آگے آگے جا رہے تھے تاکہ طغرل کو تلاش کریں' ملک محمد نے چند بنیوں کو آتے دیکھا اس نے انھیں گرفتار کر لیا اور ان کو راستہ بتانے اور طغرل کا اتہ پتہ دینے کے لیے ڈرایا دھمکایا' لیکن ان بنیوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔ اس پر ملک محمد نے ایک بنیے کو اسی وقت قتل کر دیا۔ اس سزا سے دوسرے ڈر گئے اور انھوں نے کہا "آپ ہم سے جو مال و متاع لینا چاہتے ہیں لے لیں لیکن ہم کو زندہ چھوڑ دیں۔" ملک محمد نے جواب دیا۔ "ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ طغرل کے ٹھکانے کا پتہ لگائیں اگر تم ہمارے حکم کے مطابق عمل کرو گے تو تمہاری جانیں اور مال و متاع محفوظ رہے گا ورنہ نتائج کی ساری ذمہ داری تم پر ہو گی۔" جب ان بنیوں نے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو صاف صاف کہہ دیا کہ "ہم طغرل کے لشکر ہی کو غلہ دے کر آ رہے ہیں۔ آپ کے اور طغرل کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ باقی ہے اگر آپ نے آج ہی طغرل کا پیچھا کیا تو اسے پکڑ لیں گے ورنہ کل وہ جاجنگر پہنچ جائے گا۔ ملک محمد نے ان بنیوں کو اسی وقت دو سواروں کے ساتھ ملک برلاس کی خدمت میں روانہ کر دیا تاکہ اصل حقیقت سے باخبر ہو کر برلاس فوراً طغرل تک پہنچے۔ ورنہ اگر طغرل بچ بچا کر جاجنگر پہنچ گیا تو وہ وہاں کے باشندوں سے سازش کر کے کسی جنگل میں روپوش ہو جائے گا اور پھر اس کا ہاتھ آنا دشوار ہو جائے گا۔ بنیوں کو روانہ کرنے کے بعد ملک محمد ایک بلند مقام پر چڑھ گیا اور اس نے چاروں طرف طغرل کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ ملک محمد کو ایک طرف طغرل کا خیمہ نظر آیا اور اس نے دیکھا کہ طغرل کے سپاہی بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور لشکر کے جانور جنگل میں چر رہے ہیں۔ ملک محمد نے اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور بے باکی سے آگے بڑھ کر فوراً طغرل کے خیمے کی طرف روانہ ہوا۔ طغرل کے پاسبانوں نے ملک محمد کے لشکر کے بارے میں یہ خیال کیا کہ یہ لوگ اپنے ہی سپاہی ہیں لہٰذا کوئی مزاحمت نہ کی۔ ملک محمد کے ہمراہیوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور طغرل کے [illegible] ساتھی کو

خانے کے راستے سے خیمے سے باہر نکلا اور ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر فرار ہوگیا۔

طغرل کا قتل

چونکہ طغرل کے سر پر نمک حرامی کا وبال تھا اس لیے وہ اپنے لشکر کی طرف نہ گیا۔ بلکہ ایک چھوٹی سی ندی کی طرف، جو لشکر کے قریب ہی بہہ رہی تھی، چل دیا۔ طغرل نے یہ طے کیا تھا کہ وہ اس ندی کو جلد از جلد پار کر کے جاجنگر پہنچ جائے۔ طغرل کے فرار کی وجہ سے اس کی فوج میں سخت انتشار اور بدامنی پھیل گئی اور جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر کو چل دیا۔ ملک مقدر، جس کے ہاتھوں طغرل کا قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا، طغرل کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ ملک مقدر نے ندی کے کنارے طغرل کو جا دبوچا اور ایک ایسا کاری تیر لگایا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ طغرل کے گرتے ہی مقدر خود بھی گھوڑے سے اترا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ طغرل کے ملازمین اپنے آقا کو تلاش کرتے ہوئے چاروں طرف پھر رہے تھے اس لیے مقدر نے طغرل کا سر تو ندی کے کنارے ایک جگہ دفن کر دیا اور جسم ندی میں بہا دیا اور خود ندی کے کنارے بیٹھ کر اپنے کپڑے دھونے لگا اس دوران میں طغرل کے ملازم اسے ڈھونڈتے ہوئے اور "خداوند عالم" "خداوند عالم" کی صدائیں لگاتے ہوئے ادھر سے گزرے، لیکن اپنی صداؤں کا کوئی جواب نہ پا کر مایوس ہو کر چلے گئے۔

انعامات و اعزاز

اسی اثنا میں ملک برلاس کی سواری دور سے آتی ہوئی نظر آئی ملک مقدر دوڑ کر اس کے پاس پہنچا فتح کی مبارکباد دی اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ ملک برلاس نے مقدر کی بے حد تعریف و توصیف کی اور طغرل کا سر مع فتحنامے کے بلبن کی خدمت میں پہنچایا اور سارا قصہ بادشاہ کے گوش گزار کیا۔ یہ قصہ سن کر پہلے تو بلبن نے ملک مقدر اور ملک محمد سے غصے کا اظہار کیا اور کہا "اگر میرا اقبال ساتھ نہ دیتا تو تمہاری غلطی کی تلافی نہ ہو سکتی تھی۔" لیکن آخر میں ان دونوں کی محنت، جاں نثاری اور وفاداری کا خیال کر کے ان کے عہدے میں ترقی کی اور ملک برلاس اور ملک محمد کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ نیز ملک مقدر کو "طغرل کش" کا خطاب دے کر اپنے امراء کی صف میں شامل کیا۔ بلبن نے یہ حکم دیا کہ آج کے دن سے طغرل کو "طغرل نمک حرام" کے نام سے یاد کیا جائے جس طرح طغرل غزنوی کو "کافر نعمت" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

طغرل کے ہمدردوں کا قتل عام

اس کے بعد بلبن نے لکھنوتی کے سفر کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ شہر کے بازار کی دونوں اطراف میں پھانسیاں لٹکائی جائیں اور طغرل کے تمام ساتھیوں، ہمراہیوں اور رشتہ داروں وغیرہ کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل فوراً کی گئی اور طغرل کے حاشیہ برداروں کو قتل کیا جانے لگا، مجرموں کے بیوی بچوں کو بھی بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ بلبن سے پہلے دہلی کے کسی بھی بادشاہ نے عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو سیاسی مجرم گردان کر ان کی جانیں تلف نہ کی تھیں۔ طغرل کے ہمدردوں میں ایک فقیر بھی تھا جسے "شاہ قلندر" کہا جاتا تھا۔ طغرل اس قلندر سے بہت محبت کرتا تھا جب طغرل کے حاشیہ نشینوں کو گرفتار کر کے بلبن کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ قلندر بھی ان میں شامل تھا۔ بلبن نے اس سے زبردستی وہ تین من سونا حاصل کیا جو طغرل نے اسے آلات قلندری بنانے کے لیے دیا تھا۔ چونکہ قلندر کے آقا طغرل کے مرنے سے اس کے بھی برے دن آ چکے تھے لہٰذا دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ طغرل کے جو سپاہی باقی بچے ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ انھیں ساتھ دہلی لے جایا جائے اور وہاں پہنچ کر ان کو وہی سزا دی جائے جو اوروں کو یہاں دی گئی ہے۔

بغرا خاں کا حاکم لکھنوتی ہونا

علاوہ جو کچھ مال غنیمت بلبن کے ہاتھ لگا تھا وہ سب اسی کو بخش دیا اسی روز بلبن نے بغرا خاں کو چترو دور باش بھی عنایت کیا اور لکھنوتی میں اسی کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرا دیا گیا۔

بلبن کی نصیحتیں

جب بلبن لکھنوتی سے دہلی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں۔

(۱) لکھنوتی کے حاکم کو دہلی کے بادشاہ کے' خواہ وہ اس کا عزیز ہو یا غیر' مقابلے پر آنا اور اس سے بغاوت و سرکشی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر بادشاہ دہلی لکھنوتی پر لشکر کشی کرے تو لکھنوتی کے حاکم کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کہیں دور جا کر پناہ گزین ہو اور جب دہلی کا بادشاہ واپس چلا جائے تو حاکم لکھنوتی واپس آکر پہلے کی طرح امور سلطنت کو انجام دے۔

(۲) رعایا سے خراج کی رقم لیتے ہوئے میانہ روی اختیار کی جائے نہ تو اس قدر کم رقم لی جائے کہ باغیوں اور سرکشوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملے اور نہ ہی اتنی زیادہ رقم لی جائے کہ رعایا تباہ حال و پریشان ہو جائے۔ ملازموں کی تنخواہ اتنی ہی مقرر کرنی چاہیے جتنی کہ ان کی سال بھر کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ انھیں ضروریات سے کم تنخواہ نہ دی جائے تاکہ وہ غربت اور تنگ دستی کا شکار نہ ہوں۔

(۳) ملک کی مہمات کو اپنے خیر خواہوں کے مشورے کے بغیر سر نہ کیا جائے۔ سلطنت کے احکام جاری کرتے ہوئے اپنی نفسانی خواہشوں کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔ حق کو اپنے نفس پر قربان نہ کیا جائے۔

(۴) اپنے خدمتگاروں اور غلاموں کو' جو حکمرانی کا لازمہ ہیں بے اتفاقی کا شکار نہ کرنا چاہیے۔ ان کے حالات سے پوری طرح باخبر رہنا چاہیے۔ ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے اور جو کوئی اس کے خلاف ترغیب دے تو اسے اپنا دشمن سمجھ کر اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیے

(۵) ہمیشہ ایسے شخص کی حمایت کی جائے جس نے دنیا سے منہ موڑ کر خدا کی ذات پر بھروسا کیا ہو۔

دہلی میں واپسی

بلبن نے یہ بیش بہا نصیحتیں کرنے کے بعد بغرا خاں کو خدا حافظ کہا اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوا اور منزل بمنزل سفر کرتا ہوا تین مہینے کے بعد دارالسلطنت پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ملک فخرالدین کوتوال کو' جس نے بلبن کی عدم موجودگی میں حکومت کے بہت سے پیچیدہ مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کیا تھا' شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا۔ بلبن اپنے اس امیر سے اس حد تک خوش ہوا کہ اس نے اپنی قبا اتار کر ملک فخرالدین کو عنایت کی اور اسے اپنا بہترین دوست بنا لیا۔ فخرالدین کے علاوہ دوسرے اطاعت گزار اور فرماں بردار امراء و اراکین سلطنت کو شاہی انعامات عطا کر کے ان کی ہمت افزائی کی گئی۔ امراء کے حقوق سے عہدہ بر آ ہونے کے بعد بلبن نے فقیروں اور عالموں کی آستانہ بوسی شروع کی۔ ان سب کے حضور میں نذرانے پیش کیے اور ان کی خدمت میں آداب بجا لایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دیوانی مطالبات کی وجہ سے جو لوگ گرفتار کیے گئے تھے ان سب کو رہا کر دیا جائے اور رعایا کی طرف جو سرکاری رقم نکلتی ہے' معاف کر دی جائے۔ اس کے بعد بلبن نے حکم دیا کہ دہلی کے بازار میں پھانسیاں لٹکائی جائیں اور جتنے مجرم لکھنوتی سے ساتھ لائے گئے ہیں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یہ حکم سنتے ہی سارے شہر میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا کیونکہ لکھنوتی کے قیدیوں میں بہت سے اہل شہر کے رشتہ دار اور عزیز تھے۔ اہل شہر اپنے ان عزیزوں کی ناگہانی موت کی خبر سے آہ و زاری کرنے لگے۔ قاضی شہر سے اہل شہر کی یہ مصیبت اور پریشانی دیکھی نہ گئی یہ شخص بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت ہی نرم و ملائم الفاظ [illegible]

خان شہید کی دہلی میں آمد

شہزادہ محمد سلطان (خان شہید) نے جب بلبن کی لکھنوتی سے واپسی کی خبر سنی تو وہ اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے ملتان سے دہلی آیا' خان شہید نے بہت سے گراں بہا اور اعلیٰ درجے کے تحائف بلبن کی خدمت میں پیش کیے۔ بلبن اپنے بیٹے کی آمد اور اس کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوا اور اسے شفقت پدرانہ سے مسرور و محظوظ کیا۔ خان شہید نے تین ماہ تک دہلی میں قیام کیا اور اس عرصے میں باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے کی قربت سے بے انتہا خوش ہوئے اور تھوڑی سی دیر کے لیے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ اسی زمانے میں مغلوں کی ہنگامہ آرائیوں کی خبریں پہنچیں اس لیے بلبن نے مجبور ہو کر خان شہید کو رخصت کیا۔ جب خان شہید ملتان جانے کے لیے تیار ہوا تو بلبن نے تنہائی میں اسے بلا کر کہا۔ "میری زندگی کا بہت بڑا حصہ بادشاہت اور حکومت کے کاموں میں گزرا ہے اس وجہ سے میرے تجربات کا دائرہ بہت وسیع ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ ایسی نصیحتیں کروں جن پر عمل کرنا ہر حکمران کا فرض ہے۔ یہ نصیحتیں جو میرے بعد تیرے بہت کام آئیں گی یہ ہیں:-

خان شہید کو نصیحتیں

(۱) تم اپنی عظمت اور حکومت کی شان کو پوری توجہ کے ساتھ برقرار رکھنا۔ اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لیے بادشاہی کی قوت کو کبھی کام میں نہ لانا' تجھے جو کام بھی کرنا ہو وہ خدا کے لیے کرنا اور شاہی خزانوں اور دفینوں کو جو دراصل عطیہ خداوندی ہیں' ہمیشہ اچھے کاموں میں صرف کرنا اور خلق خدا کی بھلائی کی طرف توجہ کرنا' دین کے دشمنوں کو پنپنے نہ دینا اور ان کی سرکوبی بڑی اچھی طرح کرنا' تاکہ وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں۔

(۲) جب خداوند تعالیٰ تجھے مخلوق کی سرداری یعنی بادشاہت عطا کرے تو اس منصب کو آسان نہ سمجھنا فرائض حکمرانی کو خدا کی نیابت سمجھنا اور یہ بہت مشکل چیز ہے۔ تم اس پاک اور بڑے کام کو ناشائستہ حرکات اور ناپسندیدہ عادات کی گندگی سے آلودہ نہ کرنا' کمینے اور ذلیل لوگوں کی صحبت سے دور بھاگنا۔

(۳) تم اپنے ملک کے حالات اور اپنے مقرر کردہ حاکموں کے افعال سے پوری طرح باخبر رہنا اور ان حاکموں کو ہمیشہ یہ تاکید کرنا کہ وہ مستحسن افعال اور اعلیٰ عادات اختیار کریں۔

(۴) ہمیشہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو قاضی اور حاکم مقرر کرنا تاکہ رعایا انصاف اور دینداری کی برکتوں سے مستفید ہوتی رہے۔

(۵) جاہ و حشمت اور شاہی رعب داب اور بادشاہت کے تمام آداب و لوازمات کا خلوت و جلوت میں' ہر جگہ خیال رکھنا اور کسی وقت بھی عیش کوشی اور بے کار کاموں میں مصروف نہ ہونا۔

(۶) پاک طینت اور عالی ہمت لوگوں کو ہمیشہ انعام و اکرام سے مالا مال کرنا' ان کی دلجوئی اور خاطرداری پوری طرح کرنا۔ عقلمندوں اور اہل ہنر کی مدد اور ہمت افزائی کرتے رہنا' لالچی اور بے رحم لوگوں سے کبھی کسی بھلائی کی توقع نہ رکھنا کیونکہ ملک اور مذہب کی بہتری اسی میں ہے کہ یہ لوگ سلطنت کے انتظامی امور سے علیحدہ رہیں۔

(۷) عالی ہمتی اور بادشاہت دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔ دنیا کے تمام عقلمندوں اور دانشوروں نے ان دونوں کو جڑواں بھائیوں سے تشبیہ دی ہے اور یہ کہا ہے کہ بادشاہ کی ہمت کو بھی تمام ہمتوں کا بادشاہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر بادشاہ کی ہمت اور عام لوگوں کی ہمت میں کوئی فرق نہ ہوگا تو پھر بادشاہ اور عام لوگوں میں بھی کوئی فرق باقی نہ رہے گا' بے ہمتی اور بادشاہت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

(۸) جس شخص کی ایک بار تم عزت کروا سے چھوٹی سی خطا پر کبھی ذلیل نہ کرنا' اپنے ہمدردوں اور مخلصوں کو سوائے کسی ملکی ضرورت کے کبھی رنجیدہ نہ کرنا اور اپنے سلوک سے دشمنوں کو دوست بنانے کی کوشش نہ کرنا' اگر کسی دشمن کو سیاست کے پنجے میں

گرفتار کرنا ہو تو نرمی اور عاقبت اندیشی کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا' شرفاء کو تکلیف و اذیت دینے میں عجلت سے کام نہ لینا' اس لیے کہ ایسے لوگوں کی بے عزتی کا زخم آسانی سے نہیں بھرتا اور پھر اس کی تلافی مشکل ہو جاتی ہے۔

9) بدزبان لوگوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا اور ان سے زیادہ تعلقات نہ بڑھانا' کیونکہ ایسے لوگوں کا اعتبار کرنے اور ان سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے اطاعت گزار اور فرمانبردار غلاموں اور ہمدردوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے اور حکومت کے کاموں میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جس کام کو پورا ہونے میں تمھیں شبہ ہو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالنا' کیونکہ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا بادشاہوں کے لیے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔

10) عقلمندوں اور دانشوروں کے مشورے کے بغیر کسی کام کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ بادشاہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ رعایا کی اچھی بری بات سے واقف ہو۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر معاملے میں وہ اعتدال سے کام لے۔ نیز غصہ کی تیزی نہ دکھائے کیونکہ ایسے بادشاہوں سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے' سستی اور غیر ضروری نرمی کو بھی پاس نہ پھٹکنے دے' کیونکہ اس سے سرکشوں اور باغیوں کی ہمت بڑھتی ہے اور رعایا بدامنی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہر وقت اپنی حفاظت کرتے رہنا چاہیے کیونکہ بادشاہ کی جان رعایا کے لیے ڈھال کا کام کرتی ہے اور اسے ہر طرح کے مصائب سے بچاتی ہے۔ اپنی دروازے پر ہمیشہ مخلص اور قابل اعتبار پاسبانوں کو مقرر کرنا' اپنے چھوٹے بھائی سے ہمیشہ محبت اور نرمی کا سلوک کرنا اور اسے اپنا دست و بازو سمجھنا' اس کی جاگیر کو اسی طرح بحال رکھنا اور کسی کے چغلی کھانے پر اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کاروائی نہ کرنا۔

تیمور خاں کا حملہ

بلبن نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کر کے رخصت کیا۔ خان شہید نے ملتان پہنچ کر بے شمار مغل ڈاکوؤں کو' جو سرحدی مقامات پر لوٹ اور غارت گری کا بازار گرم کیا کرتے تھے تہہ تیغ کر کے ان کے قبضے سے اپنا ملک نکال لیا۔ انھیں دنوں ایران کے تخت حکومت پر ارغون خاں بن اباق خاں بن ہلاکو خاں بیٹھا تھا اور نامی گرامی چنگیزی امیر تیمور خاں جو ہرات' قندھار' بلخ' بدخشاں' غزنی اور بامیاں وغیرہ کا حاکم تھا اپنے ان عزیزوں اور ہم قوموں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے' جو خان شہید کے مقابلے میں مارے گئے تھے' بیس (20) ہزار مغلوں کا ایک زبردست لشکر لے کر لاہور اور دیپالپور کے درمیانی علاقے میں آیا اور لوٹ مار مچا کر ملتان کی طرف بڑھا۔ خان شہید نے جب تیمور خاں کی آمد کی خبر سنی تو اس نے صبح سویرے ملتان سے کوچ کیا اور آب لاہور کے کنارے جو ملتان میں بہتا ہے دوپہر کے وقت تیمور خاں سے جنگ کا ارادہ کیا۔

تیمور اور خان شہید میں جنگ

تیمور خاں نے دریا کو پار کرنے کے بعد اپنی فوج کے میمنہ' میسرہ' قلب اور جناح کو مرتب کیا اور خان شہید سے جنگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ خان شہید کی فوج نے اپنی جاں بازی کے جوہر دکھائے اور چند نامی گرامی مغل سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور تیمور خاں کو شکست دی جب مغل سپاہی میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو ہندوستانیوں کی فوج نے بڑی عاقبت نااندیشی اور انجام فراموشی کے ساتھ ان مفرور سپاہیوں کا تعاقب کیا۔

شہزادہ سلطان محمد (خان شہید) کی شہادت

شہزادہ سلطان محمد کا آخری وقت قریب آ چکا تھا اس خوش فطرت شہزادے نے ظہر کی نماز کے لیے دریا کے کنارے جانماز بچھائی اور اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثنا میں دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ جو کمین گاہوں میں چھپا ہوا تھا موقع پا کر نکلا اور اس نے خان شہید پر حملہ کر دیا خان شہید نے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر مغلوں کا مقابلہ کیا اگرچہ خان شہید کے لشکری اور

مرتبہ مغلوں پر حملہ کیا اور ہر مرتبہ ان کو قتل کیا۔ قبل اس کے کہ مغل شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہوتے سوئے اتفاق سے ایک جاں گداز تیر خان شہید کو آکر لگا اور اسی سے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد مغل سپاہی بڑی تیزی سے خان شہید کے لشکر پر حملہ کرنے لگے۔ انھوں نے گھوڑوں اور دوسرے سامان پر قبضہ کر لیا اور بچے کھچے سپاہیوں کو گرفتار کر کے دشمن کے غلبے کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

کیخسرو حاکم ملتان

مغل جن لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے ان میں حضرت امیر خسرو بھی شامل تھے ان کی رہائی کی روداد وہی ہے جو انھوں نے اپنی تصانیف "خضر خانی" اور دیولدی میں بیان کی ہے۔ خان شہید کے انتقال کی خبر سن کر بلبن پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا چند دن اس کے سوگ میں بسر کرنے کے بعد بلبن نے خان شہید کے نوجوان بیٹے کیخسرو کو چتر و امارت بادشاہی عطا کر کے اس کے باپ کی جگہ ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ کیخسرو نے ملتان پہنچ کر اپنے باپ کے ہمدردوں اور ساتھیوں کی دلجوئی کی۔ کیخسرو کی عنایات و انعامات نے مضمحل و پریشان رعایا اور سپاہیوں کے زخموں پر مرہم کا کام کیا۔

بلبن کی بیماری

غیاث الدین بلبن کی عمر اب اسی (۸۰) سال ہو چکی تھی۔ خان شہید کی دائمی مفارقت سے اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اگرچہ بظاہر وہ یہی کہتا تھا کہ میں راضی برضا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی مرضی کے پیش نظر مجھے خان شہید کی موت کا کوئی غم نہیں ہے۔ لیکن وہ تنہائی میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے بیٹے کو یاد کرتا تھا' زار وقطار روتا تھا اور آہ و فریاد کرتا تھا جب بلبن نے یہ دیکھا کہ خان شہید کا غم روز بروز اس کی حالت تباہ کیے جا رہا ہے تو اس نے اپنے دوسرے بیٹے بغرا خان کو لکھنوتی سے بلایا۔ بغرا خاں وہاں سے چل پڑا لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ بلبن کی کمزوری نے بیماری کی صورت اختیار کر لی اور چند ہی دنوں میں وہ صاحب فراش ہو گیا۔ بغرا خاں اپنے باپ کی بیماری کا حال سن کر جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ بغرا خاں نے باپ کو رنجیدہ و ملول دیکھ کر بھائی کی تعزیت کی اور باپ کو دلاسا دیا۔ بلبن نے بغرا خاں سے کہا "تمہارے بھائی کی وفات نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا اب میں موت کے قریب آپہنچا ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اب میرا آخری وقت بہت قریب آگیا ہے۔ خان شہید کے بعد تمہارے سوا میرا کوئی اور وارث نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تمہارا مجھ سے دور رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا کیقباد اور خان شہید کا لڑکا کیخسرو' دونوں ہی ابھی نوجوان ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ حکومت آگئی تو خدا جانے وہ اپنی ناتجربہ کاری اور جوش جوانی کے باعث کیا گل کھلائے۔ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لکھنوتی کے حاکم کو ہر حال میں بادشاہ دہلی کی اطاعت کرنی چاہیے اور اگر تم بھی سلطنت دہلی پر بیٹھو تو تمہیں چاہیے کہ لکھنوتی کے حاکم کو اپنا مطیع اور باجگذار بنا کر رکھو۔ ان حالات کے پیش نظر میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے دور نہیں رہنا چاہیے۔" بغرا خاں نے بلبن کی بات کی اہمیت کو سمجھا اور دہلی میں مقیم ہو گیا۔

کیخسرو کی ولی عہدی

کچھ دنوں بعد بلبن کی طبیعت سنبھلنے لگی اور اس کے چہرے سے صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے یہ دیکھ کر بغرا خاں کو باپ کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو گیا اور وہ شکار کے بہانے سے بلبن کی اجازت و اطلاع کے بغیر ہی لکھنوتی چلا گیا۔ بلبن کو بغرا خاں کی اس جدائی کا خان شہید کی موت سے بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ بغرا خاں ابھی لکھنوتی میں پہنچا بھی نہ تھا کہ بلبن کے مرض نے پھر اس پر حملہ کیا اور بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ اب اس کا زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اس نے کیخسرو کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور اسے اپنے پاس بلایا۔ کیخسرو جب دہلی آگیا تو بلبن نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

بلبن کا انتقال

جب بلبن چند روز کا مہمان رہ گیا تو اس نے نامی گرامی امراء مثلاً وزیر الملک' وکیل السلطنت اور فخرالدین کوتوال وغیرہ کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ "تم لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ شہزادہ بغرا خاں سے میں ہمیشہ ناخوش اور آزردہ خاطر رہا ہوں۔ اس کے برعکس میں خان شہید سے ہمیشہ خوش اور راضی رہا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خان شہید میری ہر بات مانا کرتا تھا اور میرے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتا تھا' وہ میرے کسی فرمان سے ذرا بھی تجاوز نہ کرتا تھا' لیکن بغرا خاں نے کبھی میری بات نہیں مانی وہ ہمیشہ میرے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے اور اگر کبھی اس نے میری کوئی بات مانی بھی ہے تو محض خان شہید کے خوف سے مجھے باپ اور واجب الاطاعت سمجھ کر اس نے کبھی میرا کہا نہیں مانا۔ ان تمام باتوں کو باوجود میں نے اپنی علالت کے زمانے میں بغراخاں کو لکھنوتی سے بلا کر یہاں دہلی میں رہنے کی تاکید کی اور اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا' لیکن افسوس کہ اس نے میرے اس آخری حکم کی تعمیل بھی نہ کی' اس صورت حال میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بغراخاں کو ولی عہدی سے معزول کر دوں اور کیخسرو کو اپنا جانشین مقرر کروں۔ میرے بعد تم لوگ کیخسرو کو اپنا بادشاہ منتخب کر لینا اور کیقباد کو اس کے باپ کے پاس لکھنوتی بھیج دینا۔ کوتوال فخرالدین اور دوسرے امراء نے بادشاہ سے اس وصیت پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس واقعہ کے تیسرے دن ۶۸۵ھ کے آخر میں بلبن نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

کیقباد کی تخت نشینی

ملک فخرالدین کوتوال (کسی وجہ سے) خان شہید سے آزردہ خاطر تھا۔ اس لیے اس نے اس کے بیٹے کیخسرو کو بادشاہ بنانا پسند نہ کیا۔ اس نے دربار کے دوسرے امیروں سے کیخسرو کو معزول کرنے اور اس کی جگہ بغراخاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کرنے کا مشورہ کیا۔ فخر الدین کوتوال نے امراء سے کہا۔ "کیخسرو مزاج کا بہت درشت ہے اگر حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آگئی تو یہ بات اچھی نہ ہوگی اور ہم لوگوں کے لیے آرام اور چین سے زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے گا' لیکن اس کے برخلاف کیقباد بہت ہی نیک نفس اور سیدھی سادی طبیعت کا مالک ہے۔ اس نے غیاث الدین بلبن کی آغوش محبت میں تربیت حاصل کی ہے۔ اس لیے یہی مناسب ہے کہ ہم کیقباد کو بادشاہ کا جانشین منتخب کریں۔ ان بیچارے امیروں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ اگر کیقباد کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور آگئی تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور کیقباد کا وجود ہزارہا فتنوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ دربار کے تمام امراء نے فخرالدین کوتوال کی رائے سے اتفاق کیا۔ انہوں نے کیخسرو کو ملتان روانہ کر دیا اور کیقباد کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔

اگر ہم غیاث الدین کے عہد کو سب زمانوں میں بہتر زمانہ قرار دیں تو نامناسب نہ ہوگا اس کے عہد حکومت میں شیخ فریدالدین شکر گنج شیخ الشیوخ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور انکے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف' شیخ بدرالدین غزنوی خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور سیدی مولا جیسے بزرگان صاحب حال اور درویشان کامل اپنے فیض سے ہندوستان کی سرزمین کو سیراب کر رہے تھے

غیاث الدین بلبن نے بائیس (۲۲) سال تک حکومت کی۔

معزالدین کیقباد

ابتدائی حالات

غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد امیروں اور ارکان سلطنت وغیرہ نے آپس میں مشورہ کر کے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو معزالدین کا خطاب دے کر بلبن کا جانشین بنا دیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت کیقباد کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال تھی۔ اس نے بڑی موزوں طبیعت پائی تھی اور وہ نکتہ رسی، سخن فہمی اور بہت سی دوسری عمدہ صفات کا مجموعہ تھا۔ ان اوصاف کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے اسے صورت بھی بڑی دلکش دی تھی۔ اس کی عالی نسبی نے اس کی ذاتی خوبیوں اور حسن و جمال کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ یہ نو عمر فرمانروا باپ کی طرف سے تو بلبن کا پوتا تھا اور ماں کی طرف سے (اپنے باپ کی طرح) سلطان شمس الدین التمش کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ ناصرالدین محمود کا نواسا تھا اور بغرا خاں التمش کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

عیش کوشی

پیدائش سے لے کر تخت نشینی کے وقت تک کیقباد کی پرورش بلبن کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس کا سارا وقت تحصیل علم ہی میں صرف ہوا تھا۔ نیک طبیعت اور بااخلاق استادوں، اچھی عادتیں رکھنے والے ندیموں کے ساتھ اس کا وقت گزرتا تھا اور یہ لوگ کیقباد کے ہر کام کی نگرانی کرتے تھے۔ مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ کیقباد کو بیکار گزارنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہ ملتا تھا۔ جب قسمت نے کیقباد کو شہزادگی سے فرمانروائی کے درجے تک پہنچایا تو وہ نگرانی کی ہر طرح کی قیدوں سے آزاد ہو گیا اور اس نے بڑی فراخ دلی سے عیش کوشی اور نفس پرستی میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کر دیا۔ ان کاموں میں وہ اس طرح "مصروف" ہوا کہ اسے نفس پرستی کے سوا اور کوئی بات یاد نہ رہی، گویوں، مسخروں، شرابیوں اور عیش پرستوں کے اقبال کا ستارہ بلند ہو گیا۔ گلی گلی، کوچے کوچے، گانے بجانے، ناچ، راگ رنگ کی محفلیں جمنے لگیں۔ بادشاہ کا یہ عالم دیکھ کر الناس علی دین ملوکھم کے مصداق ہر امیر اور دولت مند عیش و عشرت اور بادہ خواری کا گرویدہ ہو گیا۔ شہر کے بوڑھے، بچے اور جوان، سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے گئے اور دہلی کے ہر گوشے سے غزل خوانی کی شیریں آوازیں آنے لگیں۔ شرعی قوانین کی کوئی پروا نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں شراب کے سیلاب میں بہا دیا گیا ہے۔ حالت بہ اینجا رسید کہ قاضی اور محتسب جیسے لوگ بھی ان اعمال خبیثہ میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی دربار میں مسخروں اور گویوں کے سوا کوئی اور نظر نہ آتا تھا۔

معزالدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے کیلوکھری میں ایک بڑا شاندار محل اور اس کے ساتھ ایک خوب صورت اور وسیع باغ بنوایا اور اسی کو اپنی قیام گاہ بنا کر یہیں دارالسلطنت کی بنا ڈالی۔ دربار شاہی خوبصورت گانے والیوں اور بذلہ سنج اشخاص کا مرکز بن گیا۔ کیقباد کی یہ حالت تھی کہ پل بھر کے لیے بھی وہ ساقی و شراب کی فرقت گوارا نہ کرتا تھا اور جی کھول کر شاہی خزانے سے دولت نکال نکال کر لوگوں کو بخشتا تھا۔

نظام سلطنت

ملک نظام الدین جو ملک فخرالدین کوتوال کا بھتیجا اور داماد تھا۔ کیقباد کا دست راست تھا اور "وکیل در" کے عہدے پر سرفراز ہو کر سلطنت کے امور کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا۔ اپنے زمانے کے فاضل اجل ملک قوام الدین علاقہ کو وکیل السلطنت مقرر کیا گیا۔ تمام امراء اور ارکان سلطنت نے بھی بادشاہی محل کے اردگرد اپنے محل تعمیر کروائے اور دن رات داد عیش دینے میں مصروف ہو گئے۔ ہر روز، روز

عید تھا اور ہر شب' شب برات۔ شراب کی مانگ اتنی بڑھی کہ اس کی قیمت میں دس گنا اضافہ ہوگیا۔ گویوں کی قدر و منزلت ایسی بڑھی کہ وہ بڑی مشکلوں سے دستیاب ہوتے۔ مسجدوں اور خانقاہوں پر ویرانی ہی ویرانی چھاگئی وہاں کوئی شخص نظر نہ آتا' لیکن شراب خانوں کی آبادی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔

ملک نظام الدین کا جنون

کیقباد کی عیش کوشی اور بے خبری کا یہ رنگ دیکھ کر ملک نظام الدین کے سر میں حکومت کا سودا سمایا اور اس نے سوچا کہ اس بادشاہ کو حکومت سے علیحدہ کرنا بہت آسان ہے۔ بغراخان لکھنوتی کی حکومت پر اکتفا کر کے بنگالے میں خاموشی سے بیٹھا ہوا ہے۔ لے دے کر ایک کیخسرو ہی ایسا ہے جو نظام الدین کے راستے میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ سوچنے کے بعد ملک نظام الدین نے سب سے پہلے کیخسرو کا خاتمہ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی تباہی و بربادی کے منصوبے باندھنے لگا۔ اس بے وفا امیر نے سلطنت کے دوسرے امراء اور ارکان سے تعلقات بڑھائے۔ ان امراء اور ارکان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ نظام الدین کا کیقباد پر بہت اثر ہے لہٰذا وہ خوف کی وجہ سے اسی کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ غلط فہمی کی بنا پر نظام الدین ان امراء اور ارکان کو اپنا سچا اور مخلص دوست سمجھ کر اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہوگیا۔

کیخسرو کے اندیشے

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں اور مشہور شاعر عصامی نے اپنی تصنیف "فتوح السلاطین" میں تحریر کیا ہے کہ کیخسرو کو جب اپنے چچازاد بھائی کیقباد کی تخت نشینی اور اس پر ملک نظام الدین کے اثر اور اس کے ارادوں کی خبر ملی تو اس نے غزنی کے حاکم تیمور خاں سے تعلقات بڑھائے اور خود غزنی پہنچ کر تیمور خاں سے کیقباد اور ملک نظام الدین کے مقابلے کے لیے امداد کا طالب ہوا۔ کیخسرو کو توقع کے مطابق جواب نہ ملا اور تیمور خاں نے اس کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ کیخسرو رنجیدہ و ملول ہو کر غزنی سے ملتان واپس آگیا اور معزالدین کیقباد کو یہ پیغام بھجوایا۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں ہر حال میں تمھاری اطاعت اور فرمانبرداری کروں اور مجھے یہ یقین ہے کہ تمھیں مجھ سے برادرانہ محبت اور خلوص ہے لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے دربار کے کچھ عاقبت نا اندیش لوگ تمھارے اور میرے درمیان فساد کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔ یہ اہل غرض لوگ تمھیں میرے خلاف اکساتے رہتے ہیں اور میری طرف سے تمھارے کان بھرتے رہتے ہیں' لیکن اگر تم مجھے اپنا بہی خواہ اور سچا ہمدرد سمجھ کر میرے باپ کی جگہ میرے حوالے کرو تو یہ فعل برادرانہ شفقت اور حمیت کے عین مطابق ہوگا

کیخسرو کا قتل

کیقباد نے اس پیغام کا جواب یہ بھجوایا "میں دنیا میں تجھ سے بڑھ کر کسی اور سے محبت نہیں کرتا ہوں جو کچھ گزر چکا ہے اسے تم اپنے دل سے نکال ڈالو اور بغیر کسی خوف و خطر کے میرے پاس آجاؤ تاکہ بد زبانوں کی زبانیں بند ہو جائیں اور میں تمھیں بڑی عزت و تعظیم کے ساتھ ملتان کا حاکم مقرر کر دوں۔" یہ جواب پانے کے بعد کیخسرو نے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ ملک نظام الدین پہلے ہی سے بلبن کے خاندان کی تباہی کا تہیہ کیے بیٹھا تھا۔ جونہی اس نے کیخسرو کی روانگی کی خبر سنی اس نے اپنی عیاری اور چالاکی کا جال بچھایا اور کیقباد سے کہا' شاہزادہ کیخسرو تیرا شریک سلطنت ہے اور غیاث الدین کے بڑے بیٹے کا جانشین ہے میں جانتا ہوں کہ فلاں فلاں امراء اس سے خفیہ طور پر مراسلت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکومت تمھارے ہاتھوں سے چھین کر کیخسرو کے ہاتھ میں دے دیں۔ کیقباد اس وقت نشے کے عالم میں تھا غفلت کی اس کیفیت میں اس نے ملک نظام الدین کی باتوں کا یقین کر لیا اور فوراً کیخسرو کے قتل کا فرمان لکھ کر نظام

کیا- ان امراء نے رہتک کے علاقے میں پہنچ کر کیخسرو اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا-

ملک نظام الدین کا عروج

ملک خطیر بادشاہ کا مشیر اور وزیر تھا اس پر بھی ملک نظام الدین نے سازش کا الزام لگایا اور اسے گدھے پر بٹھا کر بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ شہر سے نکال دیا- خواجہ خطیر کے علاوہ غیاث الدین بلبن کے اور بھی کئی امراء کو اسی طرح سازش کے الزام میں تہہ تیغ کیا گیا اور ان کی لاشوں کو دریائے جمنا کی لہروں کی سپرد کر دیا گیا- اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں طرف ملک نظام الدین کے رعب و داب کا سکہ بیٹھ گیا (امراء بھی اس سے سہمے سہمے رہنے لگے) اور اس کی شان و شوکت میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا-

انہیں دنوں یہ خبر ملی کہ مغلوں کی فوج لاہور کے قریب پہنچ گئی ہے- مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ملک باربیگ برلاس اور خان جہاں کو روانہ کیا گیا- لاہور کے نواح میں فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی- اس لڑائی میں مغلوں کے بہت سے سردار مارے گئے اور جو بچے انہیں گرفتار کر کے دہلی لایا گیا-

امراء کی تباہی و بربادی

اس کے بعد ملک نظام الدین نے عیاری اور چالاکی کا ایک اور جال بچھایا' ایک روز تنہائی میں اس نے کیقباد سے یہ کہا جو مغل امیر سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے دہلی میں مقیم ہیں' وہ بھی اپنے ہم قوموں اور ہم جنسوں کی سی خصوصیات رکھتے ہیں- اگر انہوں نے کسی روز آپ کی اطاعت سے منحرف ہو کر بغاوت کی تو پھر ان کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا- کیقباد ملک نظام الدین کی ان توہم آمیز باتوں میں آ گیا اور اس نے دہلی کے تمام مغل امیروں کے قتل کا فرمان جاری کر دیا- نظام الدین نے ان امراء کو ایک دن میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا- دہلی کے وہ امراء جو مغل امیروں کے رشتہ دار تھے انہیں گرفتار کر کے درو دراز علاقوں میں بھجوا دیا گیا اور قلعوں میں نظربند کر دیا گیا- قدیم امراء کو خوب اچھی طرح تباہ کرنے کے بعد ملک نظام الدین نے دوسرے امراء پر نگاہ ڈالی اور اس نے ملتان کے حاکم ملک نظام بیگ اور لاہور کے حاکم ملک ترکی کو ختم کرنے کا تہیہ کیا- نظام الدین (حسب سابق) ان مقاصد میں بھی کامیاب ہو گیا اور سارا ملک اس کے حریفوں سے خالی ہو گیا-

نظام الدین کا خیال خام

ان امراء کی تباہی و بربادی کے بعد کیقباد پوری طرح ملک نظام کے قبضے میں آ گیا- اگر کوئی ہمدرد و بہی خواہ کیقباد سے ملک نظام الدین کے بارے میں کچھ کہتا تو کیقباد فوراً نظام الدین کو اطلاع کر دیتا پھر اسے گرفتار کر کے نظام الدین کے پاس بھجوا دیتا- ملک نظام الدین کی بیوی نے جو امیر الامراء ملک فخر الدین کوتوال کی بیٹی تھی' شاہی محلات کی طرف توجہ کی- وہ بادشاہ کی منہ بولی ماں بن کر شاہی محلات پر چھا گئی اور ہر طرف اس کا حکم چلنے لگا- جو امراء کسی نہ کسی طرح بچ گئے تھے وہ نظام الدین کی "دربار داری" کرنے لگے' اور اپنے آپ کو اس چالاک و عیار امیر کی دست و برد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہے- ان تمام باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بادشاہ کی بارگاہ بے رونق اور بے نور ہو کر رہ گئی' دربار شاہی کی تمام شان و شوکت اب نظام الدین کے دروازے پر نظر آنے لگی - امیر الامراء ملک فخر الدین کوتوال جو اس وقت نوے (۹۰) سال کا ہو چکا تھا اسے بھی اپنے چالاک داماد کی "کارستانیوں" کی خبریں ملیں- اس پیرانہ سال امیر نے اپنے عاقبت نااندیش اور مغرور بھتیجے (اور داماد) کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور پر زور دلیلوں سے اسے ذہن نشین کرانا چاہا کہ سلطنت کا خیال خام وہ چھوڑ دے' لیکن ملک نظام پر ان نصائح کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے ضعیف العمر چچا کو یہ جواب دیا "آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے اور آپ کے کہنے کے خلاف عمل کرنا نادانی اور حماقت ہے' لیکن میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس سے تمام خلق خدا میری جانی دشمن ہو گئی ہے اور سب لوگوں پر میرا مقصد واضح ہو گیا ہے- اب اگر میں اپنے ارادے سے منحرف ہو گیا تو لوگ مجھے زندہ نہ

چھوڑیں گے"۔ ملک فخرالدین نے یہ جواب سن کر نظام الدین کو بہت سخت سست کہا اور لعنت ملامت کی اور اسے اپنے سامنے سے دور کر دیا۔ درباری امراء کو جب ملک فخرالدین کی اس بات کا علم ہوا تو ان سب نے اس بوڑھے امیر کی وفاداری کو سراہا اور اس کی انجام بینی کی تعریف کی یہ امراء ملک فخرالدین کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے

بغرا خاں کا حملہ

انھیں دنوں بغرا خاں کو اپنے نو عمر بیٹے اور نظام الدین کے اقتدار و تسلط سے آگاہی ہوئی۔ اس نے کیقباد کے نام ایک نصیحت آمیز خط لکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں اس کو ملک نظام الدین کی عیاری و چالاکی اور اس کے ارادوں سے آگاہ کیا' لیکن کیقباد پر باپ کے اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جب بغرا خاں نے یہ دیکھا کہ کسی طرح بھی کیقباد کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو اس نے دو سال انتظار کرنے کے بعد مجبوراً دہلی پر حملہ کر دیا۔ کیقباد کو جب اپنے باپ کے ارادوں کی اطلاع ملی اور یہ خبریں پہنچیں کہ بغرا خاں کا لشکر بہار تک پہنچ گیا ہے تو اس نے بھی اپنی فوج تیار کی اور باپ کا مقابلہ کرنے کے لیے بہار کی طرف بڑھا اور گرمیوں کے دنوں میں دریائے گھگر کے کنارے پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ بغرا خاں کو جب معلوم ہوا کہ کیقباد دریائے گھگر کے کنارے مقیم ہوا ہے تو وہ بہار سے چل پڑا اور آب سرد کے کنارے پہنچا۔ جب باپ بیٹے کے لشکر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو بغرا خاں نے دہلی کی حکومت کے خیال کو ترک کر کے صلح کے خطوط کو کیقباد کے پاس بھیجا اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

باپ بیٹے میں صلح

ملک نظام الدین کیقباد پر چھایا ہوا تھا اور اس کے ارادے اسی صورت میں پورے ہو سکتے تھے کہ باپ بیٹوں میں ٹھنی رہے۔ لہٰذا اس نے کیقباد کو بغرا خاں سے صلح کرنے سے باز رکھا' کیقباد اپنی عاقبت نا اندیشی کی وجہ سے باپ سے معرکہ آرائی کے لیے تیار ہو گیا۔ باپ بیٹوں میں مسلسل تین روز تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب بغرا خاں نے یہ دیکھا کہ "حریفانہ نامہ و پیام" سے کام نہیں نکلتا تو اس نے پدرانہ جذبات سے کام لیا اور کیقباد کے نام ایک محبت آمیز خط بھیجا' جس میں تحریر کیا "اے بیٹے میں تیری جدائی کی وجہ سے بہت پریشان و ملول ہوں اور تجھ سے ملنے کا بہت شوق ہے اگر تو کوئی ایسا انتظام کر سکے کہ میں تجھے ایک لمحے کے لیے دیکھ سکوں تو اس سے مجھے بڑا سکون پہنچے گا اور تیرے عیش و آرام میں کسی طرح کا خلل نہ پڑے گا" اس خط نے کیقباد کو متاثر کیا اور اس نے لڑائی کے خیال کو دل سے نکال دیا اور صلح کا ارادہ کر لیا اور باپ سے تنہائی میں ملنے کا ارادہ کر لیا۔ ملک نظام نے اسے تنہا ملنے سے روکا آخر کار یہ طے پایا کہ کیقباد اپنی تمام شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آب گھگر کے کنارے سے روانہ ہو اور آب سرد کے کنارے جا پہنچے اور بغرا خاں بادشاہ کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آب سرد کی دوسری طرف سے سفر کرتا ہوا کیقباد سے ملنے کے لیے آئے۔ منجموں نے باپ بیٹوں کی ملاقات کے لیے ایک مبارک گھڑی کا تعین کر دیا اور بغرا خاں اسی وقت کشتی میں سوار ہو کر دریا کے اس پار آ گیا' دریا کو پار کر کے وہ شاہی قیام گاہ کی طرف بڑھا اور خلوت خانے میں پہنچ کر تین جگہ زمین بوس ہوا۔ ابھی وہ بادشاہ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کیقباد نے تخت سے اتر کر اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور فرط محبت سے زار زار رونے لگے۔ اس محبت انگیز منظر کا اثر درباریوں پر بھی پڑا اور کئی صاحب دل درباریوں کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے

جب دونوں اچھی طرح ملاقات کر چکے تو بغرا خاں نے کیقباد کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھا دیا اور خود بڑے ادب کے ساتھ تخت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کیقباد نے جب باپ کا یہ سلوک دیکھا تو وہ تخت سے اتر آیا اور بغرا خاں کو تخت پر بٹھا کر خود اس کے سامنے ادب سے کھڑا ہو گیا اس کے بعد دونوں باپ بیٹوں پر سے روپے اور اشرفیاں نچھاور کی جانے لگیں۔ شاعروں نے مدحیہ قصاید لکھے اور پڑھے اور ان اور

باپ بیٹے ایک دوسرے کی محبت آمیز گفتگو سے بہت محظوظ ہوئے۔ کچھ دیر بعد بغرا خاں وہاں سے رخصت ہوا اور دریا کو پار کر کے اپنے پڑاو میں پہنچا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کو تحفے تحائف ارسال کیے گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو قیمتی اشیاء لذیذ کھانے اور پر لطف شربت روانہ کیے۔ دونوں لشکروں کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ بیگانگی کی خلیجوں کو پاٹ کر ایک دوسرے سے ہمدردانہ و دوستانہ ملاقات کریں۔ چند روز تک کیقباد اور بغرا خاں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بغرا خاں بیٹے سے ملنے کے لیے آتا اور بیٹا خوب ہی ٹھوں کر باپ کی خاطر تواضع کرتا۔ ان دنوں دونوں باپ بیٹوں کو ایک دوسرے سے ملاقات کرنے اور آرام و عیش سے وقت گزارنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اپنے مثنوی "قران السعدین" میں باپ بیٹے کی اس ملاقات کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔

جب دونوں ایک دوسرے سے بچھڑنے لگے تو بغرا خان نے کیقباد سے کہا "جمشید کا قول ہے کہ جس بادشاہ کے خزانے میں اتنی دولت نہ ہو کہ وہ دشمن کے غلبے کے وقت اس دولت سے (حسب منشا) کام لے سکے یا قحط کے زمانے میں رعایا کی مدد کر سکے تو ایسے بادشاہ کو فرمانروائے جہاں کہنا مناسب نہیں ہے"۔ پھر بغرا خاں نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تجھے اور نصیحتیں کروں تجھے چاہیے کہ تو ان نصیحتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرے اور ان پر عمل کرے' اس پر کیقباد نے کہا "آپ میرے سرپرست اور ہمدرد ہیں اور مجھے خواب غفلت سے جگانا چاہتے ہیں آپ میرے لیے جو کچھ بہتر سمجھیں بلا تکلف فرمائیں تاکہ میں ان نصیحتوں پر عمل کر سکوں اور ان کے خلاف نہ جاؤں" بغرا خاں کی محبت پدری جوش میں آئی اور اس نے کہا' میں جو اتنی دور سے یہ پر مصیبت سفر گوارا کر کے آیا ہوں تو اس کا مقصد یہی تھا کہ تجھے نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کروں۔ جوانی کی غفلتوں کی خواب سے تجھے بیدار کروں۔ یہ کہنے کے بعد ناصر الدین نے شاہی دربار میں تخلیہ کرایا پھر کہا کہ ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو بھی یہاں بلایا جائے تاکہ میں ان دونوں کے سامنے سب باتیں کروں۔ ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین فوراً حاضر ہوگئے۔ بغرا خاں نے کیقباد سے کہا "اے فرزند تمھیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ خدا نے تمہیں میرے باپ کا جانشین بنایا مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی اور میں یہی سمجھتا تھا کہ دہلی کی حکومت میرے ہی قبضے میں آئی ہے لیکن جب مجھے تمھاری لاپروائی کی خبریں پہنچیں تو مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس غفلت اور عیش کوشی کے باوجود تم زندہ کس طرح رہے۔ میں تو مدت سے تم کو اور اپنے آپ کو مردہ خیال کرتا ہوں اور عرصہ ہوا میں اپنے آپ سے اس کی تعزیت بھی کر چکا ہوں۔ تمھاری اس حالت کو دیکھ کر میں دہلی اور لکھنوتی دونوں حکومتوں کو مائل بزوال سمجھ رہا ہوں۔ خصوصاً اس دن تو مجھے اس سلطنت کے زوال کا کامل یقین ہوگیا تھا جس دن تم نے میرے باپ کے وفادار اور پروردہ امیروں کا ناحق خون کیا۔ اس ظلم اور خونریزی سے ایک تو یہ سب نظیر امیر اپنی جان سے گئے اور ساتھ ہی دوسرے ارکان سلطنت بھی ان بے گناہوں کی موت کو دیکھ کر تم سے برگشتہ اور خوفزدہ ہوگئے۔ اب مجھے اس سلطنت کی خوشحالی اور بقا کی کوئی امید نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے تم اس سے بالکل بے خبر ہو۔ تمھارے کان بہرہ اور آنکھیں نا آشنا ہیں۔ ذرا غور کرو کہ میرے بڑے بھائی نے جو ولی عہد تھا ایک ہی بیٹا یادگار چھوڑا تھا اور خود باپ کے سامنے ہی وفات پا گئے تھے۔ اس کا بیٹا کیخسرو ہر طرح سے سلطنت کا حقدار تھا اور تمھارا بازو تھا مگر خود غرض امیروں اور دوستوں کے کہنے پر تمھارے ظلم کا شکار ہوگیا۔ ان فسادیوں اور بدخواہوں کا تو مقصد ہی یہی ہے کہ کیخسرو کے بعد تمہیں بھی ختم کر ڈالیں اور بلبنی خاندان کو ختم کر کے یہ بد اصل خود سلطنت پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ تمھیں اگر اپنی جوانی پر رحم نہیں آتا تو اپنی اولاد اور متعلقین ہی پر رحم کرو۔ اس غفلت کی نیند سے اٹھو اور اپنی حفاظت خود آپ کرو۔ یہ میری چار نصیحتیں ہیں ان پر ہمیشہ کاربند رہو۔

نصیحتیں

(ا) اپنی صحت اور جان کا خیال رکھو اور علاج معالجے کی طرف پورا دھیان دو۔ ذرا آئینے میں اپنی صورت تو دیکھو یہ چہرہ کبھی گلاب کے پھول کی طرح تازہ اور شاداب تھا اور اب جوانی کی غلط کاریوں کی وجہ سے لکڑی کی طرح خشک اور زرد ہے۔ عیاشی نے تمہیں کمزور اور

ضعیف کر دیا ہے ان عادات کو بالکل ترک کر دو۔ کیوں کہ جب تمھاری جان ہی سلامت نہیں دنیاوی لذتوں سے کس طرح لطف اندوز ہو سکو گے۔

(۲) اب اپنے امیروں اور حاکموں کی خونریزی سے اجتناب کرو تاکہ تمھارے خیر خواہ تم پر کچھ بھروسہ کر سکیں۔ ان امیروں یعنی ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین کو ناراض مت کرو یہ تجربہ کار اور دور اندیش ہیں۔ اپنے پختہ کار امیروں میں سے دو اور امیروں کو منتخب کر کے اپنا شریک کار بناؤ۔ ان چاروں امیروں کو ایوان سلطنت کے چار ستون سمجھو۔ ایک کو وزارت دوسرے کو رسالت تیسرے کو دیوانی اور چوتھے کو انشا کا عہدہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرو اور ہر کام میں ان کا مشورہ لو۔ ان کے مرتبے ان کے عہدے کے لحاظ سے کم و بیش ضرور ہوں گے۔ اس لیے ان میں سے کسی کو بھی دوسروں پر اتنی فوقیت نہ دو کہ انھیں سرکشی اور بغاوت کا موقع ملے۔

(۳) اگر کسی راز کو فاش کرنا منظور ہو تو وہ ان چاروں ہی کے گوش گزار کرنا۔ ایسا نہ کرنا کہ صرف کسی ایک ہی کو بتانا ورنہ باقی تینوں تجھے قابل اعتماد نہ سمجھیں گے اور تجھ سے ناراض ہو جائیں گے

(۴) نماز اور روزے کی پوری پوری پابندی کرنا' کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ان فرائض کو ترک کر کے دنیا اور آخرت میں ناکام و محروم رہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض عالموں نے حیلہ گری سے تجھے اس شرط پر رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت دی ہے کہ تو روزانہ ایک غلام کو آزاد کر دے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ تجھے انہوں نے بتایا ہے کہ اس طرح روزے کا کفارہ ادا ہو سکتا ہے (میں نے سنا ہے کہ) تو اس فتوے پر عمل کرتا ہے۔ لیکن اے میرے بیٹے عالموں کے قول و فعل سے تمھارا الگ رہنا ہی اچھا ہے۔ دینی مسائل کو ایسے عالموں سے نہ پوچھنا چاہیے جنھوں نے لالچ اور ہوس میں مبتلا ہو کر دنیا پرستی کو اپنا شعار بنا لیا ہو۔ مذہب کے بارے میں ایسے برگزیدہ عالموں سے مشورہ لینا چاہیے جنھوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہو اور جن کی نگاہوں میں دنیا کی تمام دولت کی وقعت ایک ذرے کے برابر بھی نہ ہو

بغرا خاں کی واپسی

بغرا خاں نے بیٹے کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد زار زار رونا شروع کر دیا۔ اور غلبہ محبت سے مجبور ہو کر اس نے کیقباد کو اپنے آغوش میں لے لیا اور اس کے کان میں بڑی آہستگی سے کہنا شروع کر دیا' تجھے لازم ہے کہ جس قدر بھی جلد ہو سکے ملک نظام کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ ورنہ اگر اسے کوئی موقع مل گیا تو وہ فوراً" تیری جان لے لے گا۔ بغرا خاں ' کیقباد کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے گھر آگیا۔ اس تجربہ کار باپ کو اپنے بیٹے کے انجام (اور اس کی موجودہ حالت) کا کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ اس نے اس دن کھانا تک نہ کھایا اور اپنے درباریوں سے کہا۔ "میں آج دہلی اور اپنے بیٹے' دونوں ہی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر آیا ہوں"۔ بغرا خاں نے بیٹے کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ ہمیشہ کے لیے بادشاہ دہلی کا فرمانبردار رہے چنانچہ اس نے اسی پر عمل کیا۔ بلبنی حکومت کی تباہی کے بعد بھی بغرا خاں نے جلال الدین خلجی' علاء الدین اور قطب الدین کی پوری پوری اطاعت گزاری کی اور خود مختاری و حکمرانی کا خیال دل سے نکال کر دوسرے امراء کی طرح سلطنت دہلی کا فرماں بردار رہا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان تغلق بنگال گیا تو بغرا خاں نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بادشاہ کا استقبال کیا اور اس کی خدمت میں بہت گراں قدر تحائف پیش کیے۔ تغلق نے بھی بغرا خاں کی بہت عزت افزائی کی اور اسے لکھنوتی اور بنگالہ کا حاکم مقرر کیا اور چتر و دورباش عطا کیا۔

کیقباد کا عارضی "زہد"

سلطان معز الدین کیقباد اپنے باپ بغرا خاں سے ملاقات کرنے کے بعد دہلی واپس آگیا۔ کچھ دنوں تک تو اس جواں سال بادشاہ نے

کی حسن پرستی اور گرمی محفل کی شہرت چاروں طرف ہو چکی تھی۔ خوبصورت عورتوں اور حسینوں کے پرے کے پرے اس کی بارگاہ میں ہر وقت آتے رہتے تھے۔ یہ دل کو موہ لینے والے اور سحر طراز معشوق طرح طرح کے بناؤ سنگار کر کے اپنے حسن کو مختلف طریقوں سے ابھار ابھار کر کیقباد سے ملنے کے لیے آتے اور اس کے دروازے پر پڑے رہتے چونکہ کیقباد فطرتاً" حسن پرست تھا۔ اس لیے وہ ہر صورت ان لوگوں سے مہربانی اور التفات سے پیش آتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا۔

ایک فتنہ روزگار

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے ایک حسین و جمیل دوشیزہ جو اپنے حسن میں لاثانی تھی' زرنگار قبا زیب تن کیے ہوئے ایک عراقی گھوڑے پر سوار ہو کر کوچ کے وقت بادشاہ کے سامنے آئی۔ شاہی چتر و دورباش کے پاس پہنچ کر اس فتنہ روزگار نے دل نشین اداؤں اور بے حد سریلی آواز کے ساتھ یہ شعر پڑھا۔

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد
دیدہ دررہ ے نہم تا میروی

یہ شعر پڑھنے کے فوراً" ہی بعد اس آفت جان نے کیقباد سے اس غزل کا مطلع پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ کیقباد نے اجازت دے دی تو اس حسینہ دلفریب نے کہا۔

سرد سمینا بہ صحرا میروی
نیک بد عہدی کہ تنہا میروی

کیقباد اس حسینہ کے حسن و جمال پر کچھ ایسا ریجھا اور اس کی اداؤں کا کچھ ایسا گھائل ہوا کہ عشق کا دم بھرتے ہوئے پھر صنم پرستی کی طرف مائل ہوگیا۔ اس نے اپنے باپ کی نصیحتوں کو نظرانداز کر دیا وہیں راستے ہی میں ٹھہر کر اس حسینہ کو یہ شعر سنایا۔

فغاں کیں لولیان شوخ وشیریں کار شہر آشوب
چناں بردند صبرازدل کہ ترکان خوان یغمارا

یہ شعر پڑھنے کے بعد کیقباد گھوڑے سے اتر پڑا اور اسی جگہ خیمہ شاہی لگوا کر اس آفت جاں سے غزلیں سننے اور اس کا رقص دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلا۔

شب زے تو بہ کنم از بیم ناز شاہداں
بامداواں روئے ساقی باز درکار آورد

اس سراپا شوخی نے بادشاہ کی زبان سے یہ شعر سن کر اسی زمین اور ردیف اور قافیہ میں یہ شعر پڑا

غمزہ زاہد فریبم عابد صدسالہ را
موئے پیشانی گرفتہ پیش خمار آورد

کیقباد اس خوبصورت عورت کی حاضر جوابی' شیریں کلامی اور برجستہ گوئی دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور اسے مجلس کا ساقی مقرر کر دیا۔ اس پروردہ صد فتنہ نے شراب کا جام بھر کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے جذبات محبت سے مغلوب ہو کر شراب کا جام اس کے ہاتھ سے لے لیا اور شراب نوشی شروع کر دی۔ امراء اور اراکین دولت نے بھی اپنے حکمران کی تقلید کی اور شاہی خیمے کے قریب ہی اپنی اپنی محفلیں آراستہ کیں اور تمام دن اور رات عیش و عشرت کے ہنگامے برپا کرتے رہے۔

بے راہ روی اور بیماری

کیقباد کی عاقبت نا اندیشی اور جوانی کی بے راہ روی نے پھر وہی پہلا سا عالم اختیار کیا۔ اور اس کا تمام وقت حسن پرستی اور شراب نوشی میں صرف ہونے لگا۔ رعایا نے بھی اسی روش کو اپنایا اور شہر کے ہر گلی کوچے میں بادہ نوشی کھلم کھلا ہونے لگی۔ حکمران اور رعایا دونوں ہی اپنے انجام سے بے خبر ہو کر داد عیش دینے لگے سب کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ گئے چند دن اس عالم میں گزرے، شراب نوشی اور عیش کوشی کی کثرت کی وجہ سے بادشاہ کی صحت کو نقصان پہنچا اور وہ کمزور و نحیف ہو کر بستر مرگ پر جا پڑ گیا۔

ملک نظام کا خاتمہ

اب اس عالم میں اسے باپ کی نصیحتیں یاد آئیں۔ اس نے اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے لیے ملک نظام الدین کے خاتمے کو ضروری سمجھا۔ بیماری کی وجہ سے کیقباد کا دماغ سخت پریشان تھا اس لیے وہ ملک نظام کو کسی معقول اور مناسب طریقے سے علیحدہ نہ کر سکا اور غصے اور مخالفت سے کام لینے لگا اور ملک نظام کو ملتان جانے اور وہاں کی حکومت کی حالت کو درست کرنے کا حکم دیا۔ ملک نظام سمجھ گیا کہ بادشاہ اسے اپنے پاس سے دور کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس نے پس و پیش سے کام لیا مختلف بہانوں سے معذوری کا اظہار کیا۔ حکومت کے اکابر اور درباری امراء بادشاہ کے مقصد کو تاڑ گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ کیقباد ملک نظام سے اب خوش نہیں اور اسے علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ درباری امراء میں سے اکثر ملک نظام کے ہاتھوں پریشان تھے لہٰذا ان میں سے چند نے کیقباد کے اشارے سے ملک نظام کو زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

ملک نظام کے انتقال کے بعد کیقباد نے میر جاندار اور نائب سمانہ ملک جلال الدین فیروز بن ملک یغرس خلجی کو سمانہ سے بلایا اور اسے شائستہ خاں کا خطاب دے کر "عارض ممالک" کے عہدے پر سرفراز کیا۔ برن کا صوبہ اسے جاگیر میں عطا کیا گیا۔

کیومرث کی تخت نشینی

بادشاہ کا مرض روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا اور اس نے لقوہ اور فالج کی صورت اختیار کر لی۔ اب کیقباد بالکل ہی صاحب فراش ہو گیا اور سلطنت کے کاموں میں برائے نام بھی حصہ لینے کے قابل نہ رہا۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر امراء بادشاہت کے خواب دیکھنے لگے ہر امیر کے سر میں خدائی کا سودا سما گیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر چند معزز اراکین حکومت نے یہی مناسب سمجھا کہ کیقباد کے بیٹے کیومرث کو سلطان شمس الدین کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا۔ کیومرث کی عمر اس وقت تین سال تھی۔

فتنہ و فساد

اب شاہی امراء دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ خلجی امراء کا تھا جو جلال الدین فیروز کی وفاداری کا دم بھرتا تھا اور اسی کے ساتھ بہار پور میں مقیم تھا۔ دوسرا گروہ ترکی سرداروں کا تھا۔ یہ گروہ ملک ایتمر کچن اور ملک ایتمر سرخہ کے زیر اثر تھا اور کیومرث کا حامی تھا اس گروہ کا قیام چبوترہ ناصری کے قریبی میدان میں تھا۔ کیقباد کوشک کیلوکھری میں بیمار اور لاچار پڑا تھا۔ شاہی اطبا اس کے ساتھ رہتے تھے اور اس کے علاج میں مصروف تھے۔ جب بھی اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں تو ملک کے امن و امان کو ضرور نقصان پہنچتا ہے اور طرح طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں اور آپس کا اتفاق و اتحاد خواب بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اب یہاں بھی طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہونے لگے اور ہر گروہ دوسرے کا شدید مخالف نظر آنے لگا۔ ترکی امراء اس کوشش میں نظر آنے لگے کہ کیومرث کو جو کہ ان کے قبضے میں ہے اپنا بادشاہ تسلیم کرانے جلال الدین فیروز اور دوسرے خلجی امراء کو جو غیر ترکی ہونے کی وجہ سے سلطنت و حکمرانی کے اہل نہیں ہیں، ختم کر دیا جائے اور خود حکومت پر غلبہ حاصل کر لیا جائے ان امراء کے پیش نظر تمام امراء [illegible] خلجی

اپنے تمام ہم قوم امراء اور سرداروں کو اکٹھا کر کے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنا ہم راز بنایا۔

کیومرث کی گرفتاری

انھیں دنوں ملک اتیمر کچن' جلال الدین کے پاس بہادر پور اس ارادے سے گیا کہ اسے چبوترہ ناصری تک لے کر آئے اور پھر اس کا کام تمام کر دے۔ جلال الدین کو ملک اتیمر کے ارادے کی خبر مل چکی تھی۔ لہٰذا جس وقت ملک اتیمر بہادر پور پہنچا تو جلال الدین کے حواریوں نے غصے اور غضب میں آکر اس ترکی امیر کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد جلال الدین کے بیٹے جو اپنی شجاعت اور دلیری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے' پانچ سو(۵۰۰) سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کیومرث کی فوج کی طرف بڑھے اور ترکوں پر حملہ کرتے ہوئے بادشاہی خیمے تک جا پہنچے۔ خیمے کا پردہ چاک کر کے انھوں نے کیومرث اور ملک فخرالدین کوتوال کے بیٹوں کو حراست میں لیا اور انھیں اپنے ساتھ لے کر واپس بہادر پور میں اپنے باپ جلال الدین کے پاس پہنچے۔ ملک اتیمر سرخہ نے ان لوگوں کا پیچھا کیا لیکن جلال الدین کے بیٹوں نے راستے ہی میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دہلی کے تمام باشندے خلجیوں کے اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے اہل دہلی کا ایک بہت بڑا گروہ کیومرث کی مدد کے لیے خلجیوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ لوگ بدایوں دروازے پر آکر جمع ہو گئے۔ ملک فخرالدین کوتوال کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں خلجی اس کے گرفتار شدہ بیٹوں کو ہلاک نہ کر دیں اس لیے اس نے بڑی مشکلوں سے اس مجمع کو منتشر کیا۔

کیقباد کی موت

دہلی کے امراء کی ایک بڑی تعداد اسی دن جلال الدین کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئی۔ جلال الدین نے ان ترک بچوں کو' جن کے باپ کیقباد کے ہاتھوں مارے گئے۔ کیقباد سے بدلہ لینے کے لیے کیلوکھری کے محل کی طرف روانہ کیا۔ ان ترک بچوں نے کیقباد کو' جو بیماری کی وجہ سے پہلے ہی ادھ موا ہو چکا تھا اور صرف سانس کا رشتہ باقی تھا' ایک کپڑے میں لپیٹ کر دو چار ضربات لگائیں اور لاش کو دریائے جمنا میں بہا دیا۔

اس کے بعد جلال الدین خلجی نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا اور غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو کو جو حکومت کا دعوے دار تھا' کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ روانہ کر دیا۔ جلال الدین نے شاہی نجومی کے مشورے کے مطابق مبارک گھڑی میں کیلوکھری کے محل میں قیام اور کیومرث کا جوا گلے سے اتار کر آزادی اور خودمختاری سے حکومت کے فرائض انجام دینے لگا۔

کیقباد کے انتقال کے بعد سلطنت' غور کے ترکی نژاد غلاموں کے ہاتھ سے نکل کر خلجیوں کے قبضے میں آ گئی۔ مندرجہ بالا واقعات ۶۸۷ھ کے اواخر میں پیش آئے۔ کیقباد نے تین سال سے کچھ مدت زیادہ تک حکمرانی کی۔

جلال الدین فیروز شاہ خلجی

(مشہور مورخ) نظام الدین احمد بخشی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "ایک معتبر تاریخ کے مطالعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ خلجیوں کا طبقہ چنگیز خاں کے داماد قالج خاں کی نسل سے ہے۔" اس مورخ نے قالج خاں کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے، جو چنگیز خاں کی بیٹی تھی، کسی وجہ سے ناراض ہوگیا۔ لیکن اس نے، چنگیز خاں کے خوف کی وجہ سے اپنی ناراضگی کو ظاہر نہ کیا۔ اس لیے وہ بظاہر تو ہر طرح سے اپنی بیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہتا، لیکن بباطن اپنے لیے کسی اور ہی جائے پناہ کو ڈھونڈتا ہوا نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ جب چنگیز خاں دریائے سندھ کے کنارے سلطان جلال الدین خوارزمی کی تباہی میں مصروف ہوا، اور ایران و توران کی مہمات سے فارغ ہو کر اپنے وطن میں واپس پہنچا۔ قالج خاں نے چنگیز خاں کی غیر موجودگی میں غور اور جرجستان کے پہاڑی علاقوں کا بغور جائزہ لیا اور اس علاقے کی مضبوطی اور استحکام سے پوری پوری واقفیت حاصل کر لی۔ ایک روز موقع پا کر قالج خاں نے اپنے بیوی بچوں اور اہل قبیلہ کو، جو تعداد میں تقریباً تیس ہزار (۳۰) تھے، ساتھ لے کر چنگیز خاں سے جدا ہوا اور اس پہاڑی علاقے کی طرف فرار ہوگیا اور وہاں مستقل قیام اختیار کر لیا۔ کچھ ہی دنوں میں قالج خاں نے بہت قوت حاصل کر لی، چنگیز خاں کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں نے قالج خاں کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ قالج کی اولاد اور اس کے قبیلے کی قوت اور اقتدار میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

لفظ خلجی کی اصل

جب غوری فرمانرواؤں اور ان کے پروردہ غلاموں نے ہندوستان فتح کیا تو خلجیوں کے گروہ کے گروہ ہندوستان آ کر شاہی ملازمتیں اختیار کرنے لگے۔ ان خلجیوں میں سے بعض افراد نے بہت اقتدار اور رسوخ حاصل کیا اور وہ شاہی امراء اور اراکین سلطنت کے معزز عہدوں تک پہنچے۔ ان مقتدر امرائے خلجی میں سلطان جلال الدین فیروز شاہ اور سلطان محمود خلجی مندوی کے باپ بھی تھے۔ متذکرہ بالا مورخ کا بیان ہے کہ قالج خاں کی نسبت سے ان امراء کو عام طور پر قالجی کہا جاتا تھا کثرت استعمال سے "الف" گر گیا اور "ق" کا خ سے تبادلہ کیا اور یوں "قالجی" سے "خلجی" بن گیا۔ لیکن تاریخ سلجوقیاں کے مصنف کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ترک بن یافث کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج تھا، خلجی اسی کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ مورخ فرشتہ بھی اسی رائے کو صحیح تسلیم کرتا ہے اس لیے کہ اگر نظام الدین کے بیان کو مان لیا جائے تو پھر خلجیوں کا وجود چنگیزی عہد کے بعد ثابت ہوتا ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ معتبر تاریخوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ناصر الدین اور سلطان محمود غزنوی کے بہت سے امیر خلجی کہلاتے تھے اور یہ بات مسلم ہے کہ یہ دونوں حکمران چنگیز سے پہلے گزرے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قالج خاں خود بھی خلجی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور سلطان جلال الدین دہلوی اور سلطان محمود مندوی اس کی نسل سے ہوں۔

قصہ مختصر جلال الدین خلجی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بہادر پور سے کیلو کھری آیا، کچھ دنوں تک تو اس نے سلطان شمس الدین کو تخت پر بٹھا کر خود اس کے نائب کی حیثیت سے کام کیا۔ لیکن ۶۸۸ھ میں اس نے شمس الدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ستر (۷۰) سال تھی۔ گزشتہ حکمرانوں کے دستور العمل کے خلاف جلال الدین نے

نے پوری طرح اپنایا اور زندگی بھر کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائی۔ جلال الدین کو اہل دہلی پر پورا پورا اعتماد نہ تھا' اس لیے اس نے کیلوکھری کو اپنا مستقر قرار دیا اور ان عمارتوں کو' جن کی تعمیر معزالدین نے شروع کروائی تھی مکمل کروایا۔

شہر نو کی تعمیر

جلال الدین نے دریائے جمنا کے کنارے ایک بڑا خوبصورت باغ لگوایا اور اس باغ کے اردگرد پتھر اور چونے کی ایک فصیل کھنچوائی۔ وہ اپنے امراء اور ہوا خواہوں کو ہمیشہ عمارات تعمیر کروانے کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ جلال الدین نے کیلوکھری میں مسجدوں اور بازاروں کا ایک خوبصورت سلسلہ تعمیر کروا کے اس شہر کو "شہر نو" کے نام سے موسوم کیا۔ (کیلوکھری میں بادشاہ کے قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اسی شہر میں آنے لگے) امیروں نے بادشاہی محل کے آس پاس اپنے محلات تعمیر کروائے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دہلی کا قدیم شہر ویران سا ہو گیا۔ امیر خسرو نے اسی حصار کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا۔

شاہ در شہر نو کرد ی حصارے
کہ رفت از کنگرہ نادر قمر سنگ

انتظامات حکومت

جلال الدین نے اپنی تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں ملک گیری کی طرف توجہ کی اور سلطنت کے امور کی انجام دہی میں سیاست سے بھی کام لیا۔ اس نے بلبن کے بھتیجے ملک چھجو (ابن کشلی خاں) کو کڑہ کا حاکم مقرر کر کے اودھ روانہ کیا اور اپنے بھائی کو "عارض ممالک" بنا کر "یغرش خاں" کا خطاب دیا اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو خطابات سے نوازا۔ بڑے کو اختیارالدین خانخاناں' منجھلے کو ارکلی خاں اور سب سے چھوٹے کو قدر خاں کا خطاب دیا۔ ان میں سے ہر ایک کو جاگیر بھی عطا کی۔ جلال الدین نے شہاب الدین مسعود کے بیٹوں یعنی اپنے بھتیجوں کو بھی بادشاہی عنایات سے نوازا۔ علاؤ الدین اور الماس خاں (جو بعد میں الغ خاں کے نام سے مشہور ہوا) کو پرورش کیا۔ علاء الدین کو اپنے امراء میں شامل کیا اور الماس بیگ کو آخر بیگ بنایا۔ جلال الدین نے اپنے بھانجے ملک احمد حبیب کو "باربک" اور ملک خرم کو "میرور" کے عہدے پر سرفراز کیا۔ خواجہ خطیر کو وزیر الممالک اور امیر الامراء ملک فخرالدین کو کوتوال مقرر کیا۔

قدیم دہلی میں ورود

جب جلال الدین کے لطف و کرم کی عام شہرت ہوئی اور یہ فرمانروا اپنی اعلیٰ خصوصیات کی بنا پر لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گیا تو دہلی سے قدیم اور مشہور و معزز خاندانوں کے اراکین جو ساٹھ (۶۰) سال تک ترکی نژاد بادشاہوں کی ملازمت میں رہ چکے تھے اور خلجیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو اپنی توہین سمجھتے تھے' دہلی سے شہر نو میں آئے۔ ان سب نے بڑے خلوص' عقیدت اور محبت کے ساتھ جلال الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے ہمدردوں میں شامل ہو گئے۔ جب جلال الدین نے یہ دیکھا کہ عام و خاص بھی لوگ مطمئن ہیں اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہے تو وہ کیلوکھری کا محل چھوڑ کر قدیم دہلی میں آیا۔ جب وہ دہلی کے بادشاہی محل کے قریب پہنچا تو اس نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور دہلی کے بادشاہوں کے تخت پر رونق افروز ہوا۔ تخت شاہی پر بیٹھ کر جلال الدین نے بلند آواز سے کہا۔ "میں سوچتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کروں ایک وہ دن تھا کہ جب میں اسی تخت کے سامنے زمین بوس ہو کر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا تھا اور آج خود اس تخت پر بیٹھا ہوں اور بہت سے میرے عزیز اور ہمدرد جو ہر لحاظ سے مجھ سے .... بہتر ہیں' دست بستہ میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔" تخت شاہی پر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد جلال الدین نے غیاث الدین بلبن کے خاص محل "کوشک لعل" کا رخ کیا۔ بارگاہ سلطانی کے قریب پہنچ کر وہ اپنی عادت کے مطابق گھوڑے سے اترا۔ جلال الدین کو گھوڑے سے اترتے دیکھ کر ملک حبیب احمد نے فوراً کہا اب یہ محل آپ کی ملکیت ہے۔ اپنے خاص محل میں شاہی آداب کو ملحوظ رکھنا آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔" جلال

الدین نے جواب دیا اپنے آقائے ولی نعمت کی عزت و حرمت کرنا ہر انسان کا فرض اولین اور فعل مستحسن ہے۔" ملک حبیب احمد نے کہا۔ "اب حضور کو اسی محل میں قیام کرنا چاہیے۔"

جلال الدین نے جواب میں کہا "سلطان مرحوم نے اس محل کو' اس زمانے میں' جبکہ وہ امراء کی صف میں شامل تھے' اپنے ذاتی روپے سے بنوایا تھا' اس لیے اس محل کے مالک غیاث الدین کے وارث ہیں' نہ کہ میں۔ اس پر ملک احمد نے کہا۔ "ملکی انتظامات کے پیش نظر ایسی احتیاط کو ملحوظ رکھنا مناسب نہیں ہے۔" جلال الدین نے کہا "میں اس زندگی مستعار کے لیے اسلامی شرع کے احکام کی خلاف ورزی کرنا پسند نہیں کرتا۔" اس کے بعد جلال الدین پیادہ پا کوشک میں داخل ہوا۔ اس محل کے ایسے مقامات پر' جہاں غیاث الدین بلبن بیٹھتا تھا' جلال الدین نے حفظ مراتب کو پیش نظر وہاں پاؤں نہ رکھا بلکہ اسی چبوترے پر بیٹھا جس پر بلبن کے زمانے میں امراء اور اراکین سلطنت بیٹھا کرتے تھے۔

جلال الدین نے اپنے امراء کو مخاطب کر کے کہا۔ خدا ابتر کچن اور ابتر سرخہ کو تباہ و برباد کرے کہ انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور میں نے اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر اس عظیم الشان بار (بادشاہت) کو اپنے ناتواں کندھوں پر لادا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ جب باوجود اس تزک و احتشام' رعب داب' کثرت امراء ملازمین کے سلطنت نے غیاث الدین بلبن کے ساتھ وفا نہ کی اور اس کے آنکھیں بند کرتے ہی اس کی اولاد تباہ و برباد ہوگئی تو میرے بعد میری اولاد کا کیا حشر ہوگا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میرے بعد میرے وارث کیا کریں گے اور زمانہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے گا یا نہیں؟ بادشاہ کی اس تقریر سے بیشتر حاضرین جو دانشمند اور تجربہ کار تھے' بہت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ بعض ایسے درباری جو جوانی کے نشے میں سرشار اور قدرے بیباک تھے آپس میں سرگوشیاں کر کے بادشاہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ ان نوجوانوں نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ جلال الدین نے آج ہی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور آج ہی سے اپنے زوال کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ جب ابھی سے اس کا یہ عالم ہے تو اس سے قہر و سیاست' جو حکومت کی بنیاد ہوتے ہیں' کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

عصر کے بعد جلال الدین کوشک محل سے دہلی واپس آیا۔ اس کے بعد اس نے دہلی میں ایک بہت عظیم الشان جشن مسرت منایا اور اپنی ایک بیٹی کی' جو حسن و جمال میں لاثانی تھی۔ علاؤ الدین خلجی کے ساتھ شادی کی اور دوسری بیٹی کو الماس بیگ الغ خاں سے بیاہا۔

جلال الدین کی شخصیت اور کردار

جلال الدین بہت ہی نیک طبیعت' خوش اخلاق اور پسندیدہ عادات کا مالک تھا۔ یہ بادشاہ قدر شناسی و حق گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا جس کسی کو ایک بار جاگیر عطا کرتا تھا' پھر اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرتا تھا۔ امراء اور اراکین سلطنت سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ معاف کر دیتا' خطاکاروں کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرتا' ظالم و شقی بادشاہوں کی طرح لالچ' ظلم اور سختی سے اسے کوئی لگاؤ نہ تھا محفل بادہ پرستاں میں اپنے ہم نشینوں کے ساتھ برابری و مساوات کا سلوک کرتا۔ ایسی محفلوں میں عام طور پر ملک تاج الدین کوچی' ملک اعز الدین غوری' ملک قرابیگ' ملک نصرت' ملک حبیب' ملک کمال الدین ابو المعالی' ملک نصیر الدین کہرام اور ملک سعد الدین منطقی وغیرہ اس کے ساتھ شراکت کرتے۔ یہ تمام لوگ اپنی عادات و اخلاق' شجاعت' موزونی طبیعت اور آداب مجلس کے لحاظ سے اپنے وقت کے بہترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

ان امراء کے علاوہ تاج الدین عراقی' امیر خسرو' خواجہ حسن' موید جرجانی' موید دیوانہ' امیر ارسلان کلاہی' اختیار الدین باغی' اور باقی خطیب وغیرہ بادشاہ کے مصاحبین خاص تھے۔ ان میں سے ہر ایک شاعری اور علم تاریخ کا ماہر تھا اور اپنے زمانے کا بہترین استاد تھا۔ بادشاہ

باساقی تھے' محمد شاہ چنگی' فتوخاں' نصیر خاں اور بہروز وغیرہ بے مثل مطرب' یہ سب لوگ شاہی مجلس کی گرمی کا باعث تھے۔ امیر خسرو ہر روز تازہ غزلیں کہہ کر لاتے' مجلس میں پیش کرتے اور روزانہ ہی شاہی انعامات سے سرفراز ہوتے۔ جلال الدین جس زمانے میں "میر جامداری" کے عہدے سے ترقی کر کے "عارض مملکت" کے مرتبہ پر فائز ہوا تھا' امیر خسرو اسی زمانے میں اس کے ملازم ہو گئے تھے۔ جلال الدین خسرو کا بڑا قدر دان تھا اور انھیں بہت معقول تنخواہ دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جلال الدین' امیر خسرو سے اس حد تک خوش ہوا کہ انھیں اپنا جامہ خاص عنایت کیا۔ جب جلال الدین تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے امیر خسرو کی بہت بڑھ چڑھ کر عزت افزائی کی اور انھیں اپنے خاص ندیموں میں شامل کر کے "مصحف داری" کا منصب عطا کیا۔ جلال الدین نے امیر خسرو کو جامہ اور سفید کمر بند عطا کر کے امراء کے گروہ میں بھی شامل کر لیا تھا۔

ملک چھجو سے معرکہ آرائی

جلال الدین کی تخت نشینی کے دوسرے سال سلطان غیاث الدین کے بھتیجے ملک چھجو نے اودھ کے حاکم امیر علی جامدار کی مدد اور پشت پناہی سے کڑہ میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر لیا اور سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے سارے اودھ کا خود مختار فرماں روا بن بیٹھا۔ اس علاقے کے تمام امراء نے ملک چھجو کا ساتھ دیا اور وہ ایک زبردست لشکر اپنے ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جلال الدین کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ایک بہت بڑے لشکر کا سردار بنا کر سلطان مغیث الدین (ملک چھجو) کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور خود بھی ایک جرار لشکر لے کر ارکلی خاں کے پیچھے پیچھے بارہ کوس کے فاصلے سے روانہ ہوا۔ ارکلی خاں جلد از جلد راستہ طے کرتا ہوا ملک چھجو کے سر پر جا پہنچا اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ ارکلی خاں کے لشکر نے بہت بہادری اور جرات کا ثبوت دیا اور دشمن کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ ملک چھجو حواس باختہ ہو کر اپنی فوج کے ہمراہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ ارکلی خان نے دشمن کا پیچھا کیا اور کچھ دور پہنچ کر امیر علی جامدار اور دیگر مشہور بلبنی امراء کو گرفتار کر لیا۔ ارکلی خاں نے ان قیدیوں کی گردن میں دو شاخے لٹکا دیئے اور انھیں اونٹوں پر سوار کر کے سلطان جلال الدین خلجی کے پاس لایا۔ جب یہ قیدی جلال الدین کے سامنے آئے تو اس نیک طبیعت اور رحم دل بادشاہ نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور بلند آواز سے کہا۔ "یہ کیا ظلم ہے ان معزز اور صاحب حشم امراء کی یہ حالت کس نے بنائی ہے۔" یہ کہہ کر جلال الدین نے حکم دیا کہ فوراً ان امراء کو اونٹوں سے اتار لیا جائے اور ان کی گردنوں سے دوشاخے علیحدہ کر لیے جائیں۔ ان قیدیوں میں بعض ایسے امراء بھی شامل تھے جو سلطان غیاث الدن کے دربار میں بہت ہی معزز اور محترم عہدوں پر فائز تھے۔ جلال الدین نے ایسے تمام امراء کو حمام میں بھجوا دیا اور انھیں خلعت خاص سے سرفراز کیا۔ (نہا دھو کر جب یہ امراء واپس آئے تو) جلال الدین نے انھیں اپنی خاص مجلس میں شریک کیا اور عطر و پان وغیرہ سے ان سب کی تواضع کی گئی۔ مجلس میں جب شراب آئی تو جلال الدین نے ان امراء کی پوری پوری خاطر و مدارات کی۔ جلال الدین ان قیدی امراء کی جس قدر خاطر مدارات کر رہا تھا یہ مغرور قیدی اسی قدر شرم و ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ جب جلال الدین نے یہ دیکھا کہ ندامت کی وجہ سے ان امراء کا بہت برا حال ہے تو اس نے ان سے کہا۔ "آپ لوگ اس قدر شرمندہ کیوں ہو رہے ہیں آپ میرے ملازم تو تھے نہیں کہ جو میں آپ کی بغاوت کو نمک حرامی سے تعبیر کروں بلکہ ایک حیثیت سے تو آپ سب حضرات قابل قدر ہیں۔ کہ آپ نے اپنے مالک کا حق نمک پوری پوری طرح ادا کیا ہے اور اسی کا ساتھ دیا کہ جس کے نمک خوار تھے۔ آپ لوگوں کی یہ کوشش ہر لحاظ سے مناسب اور بجا تھی کہ بادشاہت کا منصب آپ کے آقا سلطان غیاث الدین کے خاندان سے باہر نہ جائے' لیکن اس کا کیا علاج کہ خداوند تعالیٰ کی مرضی آپ کے ارادہ کے خلاف تھی۔ آپ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے اور بادشاہت اس بڑھاپے میں میرے ہاتھ آئی۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ وہی لوگ ہیں کہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اگر کبھی مجھ سے ہنس کر بات بھی کر لیا کرتے تھے تو میں

خوشی سے دیوانہ ہو جاتا تھا اور اپنے ساتھیوں سے آپ کی اس معمولی مہربانی کو بڑے فخر سے بیان کرتا تھا۔"

امیروں کے ساتھ تو سلطان جلال الدین نے اس طرح کا لطف آمیز برتاؤ کیا اور ملک چھجو کا یہ حال ہوا کہ اس نے ارکلی خاں سے بچنے کے لیے اس علاقے کے ایک زمیندار کے گھر پناہ لی۔ اس زمیندار نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پاس حق نمک اور ملک چھجو کو گرفتار کر کے جلال الدین خلجی کے پاس بھجوا دیا۔ جلال الدین نے ملک چھجو کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے ایک محافے میں سوار کروا کے ملتان روانہ کر دیا۔

جلال الدین نے ملتان کے حاکم کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ "ملک چھجو کو مع اس کے بال بچوں کے ایک عمدہ مکان میں حفاظت کے ساتھ رکھا جائے۔ اس کے لیے تمام شاہانہ سامان مہیا کیا جائے اور اس کی خاطرداری اور تواضع پوری پوری طرح کی جائے۔"

ملک حبیب احمد دیگر خلجی امراء جلال الدین کی اس رحمدلی اور نرمی سے بہت رنجیدہ ہوئے اور ملک چھجو جیسے دشمن اور اس کے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات دیکھ کر دل ہی دل میں بہت جلے۔ ان امراء نے جلال الدین سے عرض کی "حضور ان واجب القتل امراء پر جو مہربانیاں فرمائی ہیں وہ جہاں داری اور فرمانروائی کے دستور اور قواعد کے خلاف ہیں۔ غیاث الدین بلبن نے اپنے باغیوں کو جو جو سزائیں دی تھیں' وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ ان باغیوں کو معاف نہ کیا جائے اور اگر ملک چھجو کی جان نہ لیجائے تو کم از کم ان کی آنکھوں میں سلائیاں ضرور پھروا دی جائیں تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی اس قسم کی جراَت نہ کر سکے اور ملک میں کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔" جلال الدین نے ان امراء کو جواب دیا تم لوگوں نے جو کچھ کہا وہ بالکل درست ہے' لیکن میں کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میری عمر ستر (۷۰) سال کی ہے آج تک میں نے کسی مسلمان کی جان نہیں لی تو بھلا اس عمر میں کیسے یہ کام کروں۔ اگر میں ان لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہوتا اور یہ مجھے قتل کر دیتے۔ تو قیامت کے روز ان لوگوں کو جواب دینا پڑتا نہ کہ مجھے' میں نے کئی سال سلطان غیاث الدین کا نمک کھایا ہے اب اس کے امراء اور وارثوں کو قتل کرنا مجھے زیب نہیں دیتا اور یہ فعل میری نمک حرامی کی دلیل ہو گا۔" الغرض جلال الدین نے اپنے امراء کی گفتگو کا کوئی اثر نہ لیا اور ان سے یہ درویشانہ باتیں کر کے انھیں رخصت کر دیا اور یہ امیر بوڑھے اور رحمدل بادشاہ کی بے موقع نرمی سے رنجیدہ ہو کر اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ یہ امیر حق بجانب تھے۔ دانشمندوں نے کہا ہے کہ سلطنت و حکومت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک نرمی اور دوسرے قہر۔ ان دونوں میں سے اگر کسی ایک میں کمی ہوتی ہے تو سلطنت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

سماجی ابتری

ملک چھجو سے نبٹنے کے بعد جلال الدین نے بدایوں سے دہلی کی طرف کوچ کیا دہلی پہنچ کر اس نے کڑہ کی حکومت اپنے بھتیجے علاؤ الدین خلجی کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد جلال الدن نے سپاہیوں کی دلجوئی اور ملک کی آبادی و سرسبزی کو اپنی تمام توجہات کا مرکز بنا لیا۔ اس نے قہر و غضب سے کوئی کام نہ لیا حالانکہ انھیں بادشاہت کا لازمہ سمجھا جاتا ہے۔ جلال الدین نے سست روی اور نرمی کو اپنا شعار بنایا اس طریق کا یہ نتیجہ نکلا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو کھلی چھٹی مل گئی۔ ملک کے ہر حصے میں چوری ڈکیتی اور لوٹ مار وغیرہ کی وارداتیں عام ہونے لگیں اول تو مجرموں کو پکڑا ہی نہ جاتا تھا اور اگر کسی کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا جاتا تو نیک دل بادشاہ اس سے گزشتہ جرائم پر توبہ کرا کے اور آئندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ لے کر چھوڑ دیتا۔ جلال الدین کی اس نرمی کی وجہ سے خلجی امراء اس سے بہت ہی برگشتہ ہو گئے اور ملے بادشاہ کو ملامت کرنے لگے جلال الدین ان امراء کی باتیں سنتا اور یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتا کہ "مے خوار بھی کبھی

کی ملامت بھی بادشاہ کو سختی اور غضب سے کام لینے پر نہیں اکساتی' تو وہ آپس میں جلال الدین کی معزولی کے مشورے کرنے لگے۔ ان امراء نے یہ طے کیا کہ اگرچہ جلال الدین کی بہادری اور جرات میں کوئی شک نہیں اور اس نے اپنے عہد جوانی میں بارہا مغلوں کے مقابلے پر ہمت کے جوہر دکھائے ہیں۔ لیکن اب چونکہ وہ ضعیف العمر ہوگیا ہے اور اسے شعر کہنے اور سننے اور شطرنج کھیلنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں رہ گیا اس لیے اسے معزول کر کے ملک تاج الدین کوچی کو بادشاہ تسلیم کر لینا چاہیے۔

امراء کی سازش

اس مشورے کے بعد ان امراء نے ملک تاج الدین کوچی کی قیام گاہ پر بادہ نوشی کی ایک محفل منعقد کی اور خوب پی کر عالم مستی میں اول فول بکنے لگے۔ ایک نے کہا "جلال الدین خلجی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ وہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے۔" دوسرے نے کہا "میں اپنے نیم شکار سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔" تیسرا یوں گویا ہوا میں اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالونگا۔" غرض کہ اس محفل میں ان امراء نے خوب جی بھر کے بکواس کی انھیں امیروں میں سے ایک نے تمام باتیں جلال الدین خلجی تک پہنچا دیں۔ یہ باتیں سن کر جلال الدین اگرچہ ان امیروں کے برا بھلا کہنے سے پریشان تو نہ ہوا۔ البتہ ان کے ارادوں سے مغموم ہو کر اسی وقت ایک قاصد بھیج کر ان سب کو اپنے سامنے طلب کیا۔ جب یہ امیر بادشاہ کے سامنے آئے تو اس نے ان کا امتحان لینے کے لیے اپنی تلوار میان سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور ان سے کہا۔ "میں اس وقت بالکل نہتا ہوں' میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے تم میں سے جس شخص کو بھی بہادری کا دعویٰ ہو وہ اٹھے اور میری ہی تلوار سے میری گردن اڑا دے تاکہ میں یہ سمجھ سکوں کہ تم واقعی کسی مصرف کے ہو اور کوئی کام تمہارے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے۔" جلال الدین امراء سے اسی انداز سے باتیں کرتا رہا اور وہ ندامت سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔ جب بادشاہ اچھی طرح دل کی بھڑاس نکال چکا اور اس کا غصہ کچھ کم ہوا تو ملک نصرت نامی ایک امیر جس نے متذکرہ بالا محفل شراب میں سے زیادہ بکواس کی تھی۔ جلال الدین کے سامنے آیا اور مزاحیہ انداز میں کہنے لگا۔ "حضور کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ شرابی شراب کے نشے میں ہرزہ سرائی کیا ہی کرتے ہیں اگر ہم آپ جیسے آقا کو' جس نے ہمیں اپنے بیٹوں کی طرح پالا ہے' کوئی گزند پہنچائیں گے تو پھر ایسا شفیق مالک ہمیں کہاں سے ملے گا۔ اگر حضور ہمارے جیسے نمک خوا بیٹوں کو کوئی سزا دیں گے تو پھر ہم جیسے جاں نثار آپکو کہاں سے ملیں گے۔" جلال الدین ملک نصرت کی یہ باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس کا سارا غصہ کافور ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے شراب کے پیالے بھر بھر کر ان امراء کو دینے لگا اور کہا۔ "میری جگہ اگر کوئی اور بادشاہ ہوتا تو وہ تمہیں بری طرح قتل کرتا' لیکن میں اس بڑھاپے میں غصے اور ظلم سے کنارہ کشی اختیار کر چکا ہوں میں تم لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں کہ تمہیں شراب نوشی اور عیش کوشی سے بالکل فرصت نہیں ہے کہ دوسرا کام کر سکو۔ کجا تم اور کجا شمشیر زنی۔ یہ سب تمہارا زبانی جمع خرچ ہے تم جیسے لوگوں سے صف شکنوں کے سے کارنامے کا سر زد ہونا ناممکن ہے۔ تم لوگوں کو میں اب معاف کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ سب اپنی اپنی جاگیروں پر چلے جاؤ اور جب تک میں نہ بلاؤں یہاں مت آنا اور وہیں قیام کرنا۔

مولانا سراج الدین سائی کا واقعہ

مورخین کا بیان ہے کہ جن دنوں جلال الدین خلجی (غیاث الدین بلبن کی بادشاہت کے زمانے میں) میر جانداری کے عہدے پر فائز تھا اور سمانہ کی جاگیر اس کے تصرف میں تھی' ان دنوں مولانا سراج الدین سائی' جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے شاعر تھے' سمانہ کے ایک موضع کے معافی دار تھے۔ جلال الدین نے دستور و قانون کے مطابق ان سے ان کے موضع کی مال گزاری طلب کی۔ مولانا سراج الدین اس پر بہت ناراض ہوئے اور انھوں نے غیاث الدین بلبن کی مدح میں ایک مثنوی لکھی اور اس عمال حکومت کی سخت شکایت کی۔ جلال الدین کو مختلف کاموں کی وجہ سے اس مثنوی کے پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ مولانا نے ایک دوسری مثنوی جلال الدین کی ہجو میں لکھی اور اس

کا نام "خلجی نامہ" رکھا۔ جلال الدین نے اس مثنوی کو پڑھا۔ مولانا سراج الدین' جلال الدین کے خوف کی وجہ سے سمانہ کی سکونت ترک کر کے کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ جلال الدین' ایک روز مندا ہرائی کے دیہاتوں میں سے کسی ایک دیہات کو لوٹ رہا تھا کہ مندا ہرائی نے تلوار کا وار کر کے جلال الدین کے چہرے پر ایک زخم لگایا۔ جس کا نشان تمام عمر جلال الدین کے چہرے پر باقی رہا جب جلال الدین تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو مولانا سراج الدین سانی اور مندا ہرائی دونوں ہی سخت پریشان ہوئے اور انھیں یہ خوف لاحق ہوا کہ جلال الدین ان کو پکڑ کر ضرور انتقام لے گا۔ جب ان دونوں کو کوئی جائے فرار نظر نہ آئی تو وہ اپنی اپنی گردنوں میں پگڑیاں لٹکا کر (مجرموں کی طرح) جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے فوراً ان دونوں کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ جب یہ دونوں جلال الدین کے سامنے آئے تو وہ اٹھ کر مولانا سراج الدین سے بغل گیر ہوا اور انھیں انعام و خلعت سے سرفراز فرمایا اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ تاکہ مولانا دوسرے معزز امراء کی طرح دربار شاہی میں حاضر ہو کر آداب بجالائیں۔ جلال الدین نے مندا ہرائی کو بھی طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے نوازا۔

المجاہد فی سبیل اللہ کا لقب

جلال الدین کی نیک طبعی اور پاک نفسی کی طرح طرح کی حکایات مشہور ہیں۔ انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک بار جلال الدین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس نے غیر مسلم مغلوں کے ساتھ بارہا جنگ کی ہے اور مسلمانوں کو ان کے ظلم و تعدی سے بچایا ہے۔ اس لیے اگر مساجد کے امام منبر پر اسے "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے یاد کریں تو کچھ نامناسب نہ ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر ایک روز جلال الدین نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا۔ "جب کسی مبارک باد کے موقع پر علماء اور قاضی یہاں حاضر ہوں تو تم ان کے پاس کسی آدمی کو بھیج کر کہنا کہ جمعہ کے خطبوں میں وہ مجھے "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے یاد کریں۔" اتفاق سے انھیں دنوں سلطان معزالدین کیقباد کی بیٹی کا عقد شاہزادہ قدر خان سے قرار پایا۔ حسب دستور تمام علماء اور قاضی مبارک باد دینے کے لیے بادشاہ کی بارگاہ پر حاضر ہوئے۔ ملکہ جہاں نے جلال الدین کی ہدایت کے مطابق ان علماء سے متذکرہ بالا درخواست کی۔ ملکہ کا یہ پیغام سن کر تمام قاضیوں اور علماء نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ بادشاہ کو "المجاہد فی سبیل اللہ" کے لقب سے خطبوں میں یاد کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

مہینے کی پہلی تاریخ کو جب یہ قاضی اور علماء کی جماعت بادشاہ کی دست بوسی کے لیے حاضر ہوئی تو علماء کے سردار قاضی فخرالدین ناقلہ نے بادشاہ سے درخواست کی۔ "ہم تمام علماء قاضیوں اور مفتیوں کی یہ خواہش ہے کہ چونکہ آپ نے بارہا غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی ہے اس لیے آپ کے نام کے ساتھ خطبوں میں "المجاہد فی سبیل اللہ" کا اضافہ کر دیا جائے۔" بادشاہ اس درخواست کو سن کر رونے لگا اور اس نے کہا "ملکہ جہاں کو میں نے ہی اس طرف متوجہ کیا تھا اور اس نے میرے ہی ایما پر آپ سے یہ درخواست کی تھی' لیکن ملکہ سے بات کرنے کے بعد جب میں نے اپنے ارادے پر غور کیا تو مجھے بڑی ندامت ہوئی میں اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس لقب کا مستحق نہیں سمجھتا۔ میں نے اب تک جتنی بھی جنگیں کی ہیں ان میں کوئی بھی جنگ ایسی نہیں تھی جو خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی' شوق شہادت یا کلمہ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی گئی ہو۔ میں نے ہر لڑائی اس مقصد کے پیش نظر کی کہ میری شہرت میں اضافہ ہو اور میرا آقا غیاث الدین بلبن مجھ پر زیادہ سے زیادہ اعتبار کرے اور عزیز رکھے۔ علماء کرام نے ہرچند جلال الدین کے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی اور متذکرہ بالا لقب کے استعمال کی اجازت طلب کی لیکن جلال الدین نے ان کی ایک نہ سنی اور یہ لوگ مایوس کر واپس لوٹ آئے۔

بدی مولہ

اس نیک طبیعت بادشاہ کے زمانے کا دوسرا مشہور واقعہ سیدی مولہ ... کا قتل ...

جہاں گجراتی نے اپنی کتب تاریخ میں بیان کی ہے۔ یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب ملک الامراء فخرالدین کوتوال کا کہ جس کا ذکر بارہا کیا جا چکا ہے، انتقال ہوا تو غیاث الدین بلبن کے عہد کے وہ تمام امیر جو تباہ حال ہو کر فخرالدین کی عنایات کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے معذور، لاچار اور پریشان حال ہو گئے۔ اسی طرح بارہ ہزار حافظ جو روزانہ ایک ہزار قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے، بے روزگار ہو کر بھٹکنے لگے ہزارہا سپاہی اور شاگرد پیشہ جو ملک فخرالدین کے پروردہ پر داختہ اور ملازم تھے دانے دانے کو ترس گئے۔ ان سب پریشان حال افراد نے سیدی مولہ کی خانقاہ پر پناہ لی۔

شیخ عین الدین بیجاپوری نے ملحقات طبقات ناصری میں سیدی مولہ کے حالات اس طرح بیان کیے ہیں کہ وہ جرجان سے فقیروں کے لباس میں ملک مغرب میں آئے اور وہاں کے درویشوں اور صوفیوں سے ایک طویل عرصے تک فیضان قلبی حاصل کرتے رہے۔ یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد وہ پھر اپنے وطن جرجان واپس چلے گئے۔ جرجان میں کچھ دن انھوں نے گزارے تو انھیں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں انھوں نے حضرت فرید گنج شکرؒ سے اجازت چاہی۔ حضرتؒ نے اجازت دیدی اور سیدی مولہ دہلی آئے اور یہاں قیام پذیر ہوئے۔ جس زمانے میں سیدی مولہ اجودھن میں قیام پذیر تھے تو حضرت گنج شکرؒ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہاری خواہش ہے کہ دہلی جا کر خلق خدا سے ربط پیدا کرو اور اپنے آستانے کو لوگوں کا ملجا بناؤ۔ نیز فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کرو۔ مجھے تمہارے اس ارادے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے زیادہ میل جول پیدا نہ کرنا اور ان سے تعلقات بڑھانے سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ امیروں سے تعلقات پیدا کرنے میں درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ ہی نقصان پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی ہماری موت کا سبب بن جاتی ہے۔''

خیرات و مبرات

سیدی مولہ نے دارالسلطنت دہلی میں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کروائی اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کی روٹی کپڑے سے مدد کرنے لگے۔ مسافر اور غریب غرباء روزانہ ان کی خانقاہ میں آتے اور اپنی اپنی ضروریات پوری کرتے۔ سیدی مولہ کا یہ دستور تھا کہ وہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں نہ جاتے تھے بلکہ اپنے گھر ہی میں تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے۔ وہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی طرح جماعت کی پابندی نہیں کرتے تھے، لیکن ریاضت اور مجاہدہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ ایک چادر کے علاوہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا غذا کے معاملے میں بھی بہت ہی سادہ تھے۔ ان کی خانقاہ میں اگرچہ ہر طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن خود ان کا یہ عالم تھا کہ چاول کی روٹی کو پانی میں تر کر کے کھاتے تھے۔ خدمت کے لیے کوئی لونڈی یا منکوحہ عورت گھر میں نہ تھی۔ وہ کبھی خواہشات نفسانی کو ابھرنے نہ دیتے تھے، کبھی کسی سے نذرانہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن خیرات اور صدقات خوب جی کھول کر کیا کرتے تھے۔ سیدی مولہ کے روزانہ اخراجات کو دیکھ کر اہل دہلی کو یہ شک گزرنے لگا کہ وہ کیمیا بناتے ہیں۔

غیاث الدین بلبن کے بعد جب کیقباد کی حکمرانی کا دور آیا تو یہ ایک طرح سے بےخبری اور غفلت کا دور تھا۔ سیدی مولہ کے اخراجات میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا۔ صدقات بھی وہ پہلے سے زیادہ دینے لگے۔ ان ایام میں سیدی مولہ نے حضرت فرید شکر گنج کی نصیحت کو فراموش کر دیا اور امراء اور دیگر بڑے بڑے لوگوں سے گہرے مراسم پیدا کر لیے۔ اس زمانے میں ان کی بخشش اور جود و سخا کی یہ کیفیت تھی کہ شہر کے شرفا اور مشاہیر کو ایک ایک ملاقات میں دو دو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتے تھے۔ دسترخوان کی وسعت بھی اپنا جواب آپ تھی۔ ان کے گھر میں امراء اور نوابین کے لیے ہر وقت اعلیٰ اعلیٰ کھانے اور نفیس شربت وغیرہ موجود رہتے تھے۔ اس دسترخوان کی وسعت کے سامنے بادشاہی دسترخوان بھی ماند نظر آتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک ایک دن میں ایک ہزار من میدہ، چالیس من شکر، چالیس من گڑ، پانچ سو من گوشت اور کئی من گھی ان کے باورچی خانے میں صرف ہوتا تھا۔ ان کا یہ عام قاعدہ تھا کہ

جب کسی شخص کو کچھ دینا ہوتا تھا تو اس سے یہ کہتے تھے کہ فلاں بوریے یا فلاں پتھر کو اٹھاؤ اس کے نیچے اتنی چاندی سونا یا اشرفیاں ہیں وہ تم لے لو۔ جب اس بوریئے یا پتھر کو اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے وہی کچھ نکلتا جو سیدی مولہ کے منہ سے نکلا ہوتا۔ ان روپے یا اشرفیوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی ٹکسال سے ڈھل کر آئی ہیں۔

جب عنان حکومت خلجیوں کے ہاتھ میں آئی اور جلال الدین تخت شاہی پر رونق افروز ہوا۔ تو سیدی مولہ کی خانقاہ میں عوام کا ہجوم بھی پہلے سے زیادہ ہوگیا۔ بادشاہ کا بڑا بیٹا خان خاناں ان کا بیحد معتقد تھا، یہاں تک کہ اس نے سیدی مولہ کو اپنا منہ بولا باپ بنالیا اور ہر روز ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ خان خاناں کے علاوہ دوسرے امرا اور معززین بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے دسترخوان سے ایسی ایسی نعمتیں کھاتے جو ان کو اپنے گھروں میں بھی نصیب نہ ہوتی تھیں۔ جب ملک الامراء ملک فخرالدین کوتوال کا انتقال ہوا تو مرحوم کے تمام متعلقین نے سیدی مولہ کی خانقاہ میں پناہ لی۔ یہ تمام لوگ سیدی مولا کے باورچی خانے سے کھاتے اور ان کی عام بخشش کے مطابق بوریوں اور پتھروں کے نیچے سے چاندی سونے اور اشرفیوں کے ڈھیر حاصل کر کے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے۔

سیدی مولہ کا حکمرانی کا خواب

انھیں ایام کا ذکر ہے کہ ایک فتنہ انگیز اور فسادی امیر قاضی جلال الدین کاشانی نے سیدی مولہ سے تعلقات بڑھائے اور اپنی عیاری اور تیز گفتاری سے کچھ ایسا جادو کیا کہ سیدی مولہ اسے اپنا بہترین دوست سمجھنے لگے۔ قاضی کاشانی نے اس حد تک مراسم پیدا کیے کہ وہ ان کی خانقاہ میں تین تین چار چار روز تک مہمان رہتا اور سیدی مولہ کو بادشاہ بننے کی ترغیب دیتا رہتا۔ قاضی کاشانی نے ان سے کہا۔ ''خداوند تعالےٰ نے آپ کو یہ قدرت اس لیے دی ہے کہ آپ اس کے بندوں سے رحم اور مہربانی سے پیش آئیں اور حکومت کو جو خدا کی نیابت ہے، ظالموں کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے قبضے میں کریں اہل دنیا کو خدا اور اس کے رسول صلعم کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا موقع دیں۔ اگر آپ اس عظیم الشان عہدے کو حاصل کرنے سے کنارہ کشی کریں گے تو پھر کل قیامت کے روز آپ خدا کو کیا جواب دیں گے۔'' سیدی مولہ بشریت کے تقاضے سے مجبور ہوگئے اور قاضی کاشانی کی باتوں میں آکر سلطنت حاصل کرنے کے سامان فراہم کرنے لگے۔ سید صاحب نے پوشیدہ طور پر اپنے ہر مرید کو خطابات اور مناصب سے نوازنا شروع کر دیا اور بادشاہت کو حاصل کرنے کے لیے یہ طے پایا کہ سید صاحب کے دو نمایاں مرید برنجن کوتوال اور نتھائی پہلوان، جن پر سید صاحب کے بے شمار احسانات تھے۔ جمعہ کے روز بادشاہ کی سواری تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیں اور سید صاحب کے دس ہزار مرید اسی وقت ان سے بیعت کر کے ان کی بادشاہت تسلیم کر لیں۔

سیدی مولہ کا امتحان

سید صاحب کا آخری وقت آپہنچا تھا، اس لیے یہ تجویز ابھی عملی جامہ پہننے بھی نہ پائی تھی کہ ایک مرید نے مخبری کر کے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کر دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت سیدی مولہ اور قاضی کاشانی کو اپنے حضور میں طلب کیا اور سازش کی بابت دریافت فرمایا۔ ان دونوں اور ان کے ساتھیوں نے اس قسم کے کسی بھی معاملے کے وجود سے صاف صاف انکار کیا۔ بادشاہ نے طرح طرح کے سوالات کیے، لیکن مجرموں نے اپنے جرم کا اقرار نہ کیا۔ بادشاہ کو جرم ثابت کرنے کے لیے کوئی معقول ثبوت بھی نہ ملا۔ لہٰذا اس نے حکم دیا کہ بہادر پور کے جنگل میں ایک بہت بڑی آگ روشن کی جائے اور سیدی مولہ، قاضی کاشانی، برنجن کوتوال اور نتھائی پہلوان ننگے پیر اس پر سے گزریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے۔ شاہی حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور جلال الدین اپنے مصاحبوں اور لشکر کے سرداروں کے ساتھ آگ کے قریب ایک خیمے میں ٹھہر گیا۔ جس وقت تمام مجرمین نے کلمہ شہادت باواز بلند پڑھ کر آگ میں کودنے کا ارادہ

کی فطرت میں ہے۔ کوئی بھی شخص، خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا، اگر وہ آگ میں کودنے گا تو آگ اس کو جلا دے گی۔ اس قسم کے معاملات کا فیصلہ آگ کے ذریعہ کرنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔" یہ سن کر جلال الدین اپنے ارادے سے باز آگیا اور اس نے آگ بجھانے کا حکم دے دیا۔

سیدی مولہ کا قتل

جلال الدین نے قاضی جلال کو بدایوں کا قاضی مقرر کر کے دہلی سے روانہ کر دیا اور دیگر بلبنی امراء کو خارج البلد کر دیا۔ دونوں کوتوالوں کو جنھوں نے بادشاہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی تھی، قتل کر دیا گیا اور جلال الدین سیدی مولا کو اپنے ہمراہ لے کر کوشک محل کی طرف لوٹا بادشاہ خود تو کوشک میں قیام پذیر ہوا اور سیدی مولہ کو کوشک کے پاس ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ جلال الدین نے متذکرہ سازش کے بارے میں سید صاحب سے کچھ سوالات کیے۔ جن کے جواب سید صاحب نے بہت جرائت مندی اور دلیری کے ساتھ دیے۔ سیدی مولہ پر شرع اور قانون، کسی بھی لحاظ سے سازش کا جرم ثابت نہ ہو سکا، لیکن بادشاہ کے نزدیک ان کا وجود خطرے کا باعث تھا اس لیے اس نے شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو اور دیگر درویشوں کو جو حیدری کے ساتھ یہاں دہلی میں آئے تھے، کوشک کے قریب بلایا اور ان سے کہا۔ "ذرا دیکھو تو سہی کہ اس درویش سیدی مولہ نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور میرے ملک میں بدامنی اور فساد پھیلانے کے کیا منصوبے تیار کیے ہیں۔ میں انصاف کو تم لوگوں کے ہاتھ میں دیتا ہوں، تم جو مناسب سمجھو فیصلہ کرو اور مجھے مطمئن کرو۔ بادشاہ کا یہ کہنا ہی تھا کہ سنجری نام کے ایک مرد درویش نے، جس پر بادشاہ کے بہت احسانات تھے، حق نمک ادا کیا۔ یہ درویش اپنی جگہ سے اٹھ کر سیدی مولہ پر جھپٹا اور استرے اور سوئے سے (جو اس کے پاس تھے) سید صاحب کے جسم پر کئی گھاؤ لگائے۔ اس پر سیدی مولہ نے بلند آواز سے فریاد کی اور کہا...... "میں اپنی موت سے ہراساں نہیں ہوں، مجھ کو جلد میری اصلی قیام گاہ پر پہنچا دو۔" اور پھر وہ بادشاہ سے یوں مخاطب ہوئے۔ "مجھے اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں لیکن تم یہ یاد رکھو کہ میرا لہو ایک نہ ایک دن رنگ لا کر رہے گا اور اس کا وبال تم پر اور تمہاری اولاد پر ضرور پڑے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ درویشوں کو تنگ کرنا کسی طرح بھی اچھا نہیں ہے۔" جلال الدین ان کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اس نے اس سلسلے میں پس و پیش کیا تو ارکلی خاں آگے بڑھا۔ ارکلی خاں اپنے بڑے بھائی خان خاناں کی عقیدت اور منہ بولا بیٹا بننے کی وجہ سے سیدی مولا سے بہت ناراض تھا۔ اس لیے اس نے کوشک کے اوپر سے فیل بان کو اشارہ کیا یہ اشارہ پاتے ہی فیل بان نے اپنے مست ہاتھی کو سید مولہ پر چھوڑ دیا۔ اس دیو پیکر جانور نے آناً فاناً سیدی مولہ کو کچل کر رکھ دیا۔

سیاہ آندھی

علامہ ضیاء الدین برنی، مؤلف تاریخ فیروز شاہی جو اس قسم کی روایتوں کو بیان کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو صادق القول سمجھتا ہے، سیدی مولہ کے قتل کے بعد کے واقعات اس طرح بیان کرتا ہے کہ "جس روز سیدی مولہ کو قتل کیا گیا۔ میں اس روز دہلی ہی میں تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قتل کے بعد ایک بہت ہی سیاہ آندھی اٹھی اور سارا شہر تاریک ہوگیا۔ یہ تاریکی اتنی مہیب تھی کہ شہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور دہلی کے باشندے ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس آندھی کے بعد دہلی اور سوالک میں ایک زبردست قحط پڑا۔ اس قحط کی مشکلات و مصائب کی تاب نہ لا کر ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ دریائے جمنا میں غرق ہوگیا۔

شہزادہ خان خاناں کی وفات

سیدی مولہ کے قتل کے بعد ہی جلال الدین کے زوال کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوگئے اور اس کی بادشاہت کا سفینہ ڈگمگانے لگا، نظام سلطنت بالکل منتشر ہو کر رہ گیا۔ ہر روز طرح طرح کے مہیب اور خطرناک واقعات پیش آنے لگے۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد سب سے بڑا حادثہ جو وقوع پذیر ہوا وہ خود جلال الدین کے بڑے بیٹے کی وفات تھی۔ [illegible]

اختیار الدین خان خاناں بڑا ہی سعادت مند شاہزادہ تھا' اقبال اور حکمرانی کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ اس کے رعب دار سیاست کا یہ عالم تھا کہ دوست ہو یا دشمن کسی کو اس کے عدول حکمی کی ہمت نہ تھی' جس دن سیدی مولہ کو قتل کیا گیا تھا' اسی روز اس شہزادے کی طبیعت ناساز ہوئی اور وہ بیمار پڑ گیا۔ کچھ ہی دنوں میں اس بیماری نے طول پکڑا اور شاہزادہ بالکل صاحب فراش ہو گیا۔ ملک کے تمام اعلیٰ اور تجربہ کار طبیبوں نے پوری توجہ کے ساتھ علاج کیا لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور شہزادہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

رنتھبنور پر حملہ

سیدی مولہ کے قتل کے بعد اسی سال جلال الدین نے رنتھبنور پر حملہ کیا اور اپنے دوسرے بیٹے ارکلی خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے شاہی لوازمات سے سرفراز کیا۔ جلال الدین نے ارکلی خاں کو تو دہلی کی طرف روانہ کیا اور خود رنتھبنور کی طرف بڑھا وہاں پہنچ کر جلال الدین کو معلوم ہوا کہ قلعہ بہت ہی مضبوط اور پائیدار ہے' یہ دیکھ کر اس نے قلعے کی تسخیر کا خیال ترک کیا اور جھاین کی طرف بڑھا۔

جلال الدین نے جھاین کو فتح کیا اور وہاں سے بے شمار ہتھیار اور مال غنیمت لیتا ہوا اور مالوے کے مندروں کو تباہ و برباد کرتا ہوا دہلی کی طرف واپس ہوا۔ راستے میں جب جلال الدین کا گزر رنتھبنور سے ہوا تو وہاں کے راجہ نے اس بار بھی جلال الدین کی اطاعت سے انکار کیا۔ بادشاہ راجہ کی خود سری سے بہت ناراض ہوا اور فوراً خیمے نصب کرنے اور ڈیرے ڈالنے کا حکم دیا' لیکن پھر اس نے کچھ سوچ کر یہ حکم منسوخ کیا اور آگے چلنے کا حکم دیا بادشاہ نے اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا' "میں نے پہلے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس قلعے کو تسخیر کروں۔ لیکن جب میں نے اپنے اس ارادے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ بے شمار مسلمانوں کی جانوں کی قربانیاں دیئے بغیر قلعے کو سر کرنا مشکل ہے میں اس قلعے کی خاطر مسلمانوں کے خون کو اتنا ارزاں نہیں کرنا چاہتا اس لیے اپنے ارادے سے ہاتھ اٹھانا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔" بادشاہ کی یہ تقریر سن کر معزز شاہی مصاحب ملک حبیب احمد نے جلال الدین سے کہا۔ "مہمات سلطنت کو انجام دیتے ہوئے سپاہیوں کی جان کا خیال رکھنا آئین جہاں گیری کے خلاف ہے۔ اگر راجہ رنتھبنور کو سرزنش نہ کی تو وہ یہ سمجھے گا کہ ہم اس کے مقابلے پر کمزور ہیں لہٰذا وہ آئندہ فتنہ و فساد کا بازار گرم کرے گا۔" بادشاہ کو ملک حبیب احمد کی یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے رنجیدہ ہو کر ملک احمد سے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں آئین جہانگیری سے ناواقف ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اکثر بادشاہوں کو ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی قیمتی جانوں کا کوئی خیال نہیں رہتا لیکن ہر بادشاہ اسی طرح کا نہیں ہوتا۔ جو بادشاہ سچے مسلمان ہوتے ہیں اور جنہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن انہیں خدا اور اس کے رسول صلعم کو منہ دکھانا ہے تو وہ مسلمانوں کی جانوں کی قدر کرتے ہیں اور ملک گیری کے لیے دینداروں کا خون بہانا پسند نہیں کرتے میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں اپنی زندگی کے آخری دور میں فرعون اور نمرود کی روش پر چلنا پسند نہیں کرتا' مجھے کوئی ایسا کام پسند نہیں ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم ہو کر رہ جائیں۔" جلال الدین نے رنجیدگی کے عالم میں یہ باتیں کیں اور دہلی واپس آگیا۔

مغلوں کا حملہ

۶۹۱ھ میں ہلاکو خاں کے ایک رشتہ دار نے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر ہندوستان پر حملہ کیا یہ لشکر دس "تمن" پر مشتمل تھا (ایک تمن میں دس ہزار سپاہی ہوتے ہیں) جلال الدین کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی ایک زبردست فوج لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا' بہرام کے نواحی علاقے میں دونوں طرف اپنے اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ ایک بہت بڑے میدان کو جنگ کے لیے منتخب کیا گیا' لڑائی کا آغاز دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی۔ فریقین کی افواج نے دریا کے دونوں لشکروں کے قراولوں کی باہمی معرکہ آرائی سے ہوا اس میں بے شمار لشکریوں کی جانیں تلف ہوئیں ایک دن دونوں فوجوں کے قلب لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوئے اور

دو ہزار مغل امراء اور چند نامی گرامی سرداروں کو زندہ گرفتار کیا گیا۔ اس دوران میں کچھ صلح پسند لوگوں نے فریقین کے درمیان صلح کی بات چیت اٹھائی۔ یہ بات چیت کامیاب رہی اور جلال الدین خلجی نے مغل سردار کو "بیٹا" کہہ کر یاد کیا اور اس نے جلال الدین کو "باپ" کہا۔ یہ دونوں اگرچہ دوری کیوجہ سے آپس میں مل نہ سکے (کیونکہ درمیان میں دریا پڑتا تھا) لیکن دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ ضرور لیا۔ فریقین کی طرف تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور مغلوں کا لشکر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

اس واقعہ کے بعد چنگیز خاں کا نواسہ' جس کا نام الغو خاں تھا' اپنے لشکر کے ساتھ مشرف باسلام ہوا اور جلال الدین نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی۔ بعد ازاں بادشاہ نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ملتان لاہور اور سندھ کا حکمران بنایا اور خود دہلی واپس آ گیا۔ الغو خاں اور اس کے ساتھیوں نے "نو مسلموں" کے خطاب سے شہرت پائی اور انھوں نے موضع غیاث پور کو' جہاں حضرت شیخ نظام الدین اولیا آرام فرماتے ہیں' اپنا مستقر قرار دے کر اس مقام کو مغل پورہ کے نام سے موسوم کیا۔

۶۹۲ھ میں جلال الدین خلجی نے مندو کے قلعے پر حملہ کیا اور اس شہر کو خوب جی کھول کر برباد و تاراج کیا۔ اسی سال ملک علاؤ الدین حاکم کڑہ نے تماسہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی بادشاہ نے اجازت دے دی۔ علاؤ الدین نے تماسہ پر حملہ کیا اور خوب تباہی اور لوٹ مار مچائی' یہاں سے وہ بہت سا مال غنیمت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں سے دو مشہور بت اس نے حاصل کر کے بدایوں کے دروازے میں ڈال دیے تاکہ آتے جاتے لوگوں کے پاؤں کے نیچے آ کر پامال ہوں۔ جلال الدین کو علاؤ الدین کی یہ خدمات بہت پسند آئیں اور اس نے علاؤ الدین کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کر کے اودھ کے صوبے کا حاکم مقرر کر دیا علاؤ الدین نے جب بادشاہ کو اپنے حال پر اس قدر مہربان پایا تو اس نے درخواست کی۔ "چندیری کے آس پاس کے علاقوں میں بہت سے دولتمند ہندو راجہ آباد ہیں اگر اجازت ہو تو میں اپنی جاگیر کی آمدنی سے ایک نیا لشکر تیار کروں اور پھر نئے اور پرانے لشکروں کی مدد سے ان راجاؤں کو شکست دے کر ان کی دولت شاہی خزانے میں جمع کر دوں۔" جلال الدین نے لالچ میں آ کر بغیر سوچے سمجھے علاؤالدین کو اجازت دے دی اور یہ غور نہ کیا کہ اس ارادے سے علاؤالدین کا مقصد کچھ اور ہے۔ علاؤالدین یہ چاہتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے وہ ملکہ جہاں کے اثرات سے بچنے کے لیے دہلی سے دور رہے اور دور دراز مقامات کا سفر کرتا رہے۔ بات یہ تھی کہ جلال الدین خلجی پر ملکہ جہاں کا بہت اثر تھا' وہ بادشاہ کے مزاج میں اس حد تک دخیل تھی کہ علاؤالدین اپنے فائدے کی کوئی بات بادشاہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ علاؤالدین کا یہ خیال بھی تھا کہ اگر موقع ملے تو وہ دہلی سے دور کوئی مقام تجویز کر کے وہاں رہائش اختیار کرے۔

دیو گڑھ کی فتح

۶۹۳ھ میں علاؤالدین نے جلال الدین کی اجازت سے کڑہ کا سفر کیا اور ملک چھجو کے ملازمین اور دیگر بلبنی امراء کو' جو تلاش معاش میں مارے مارے پھرتے تھے' اپنی ملازمت میں داخل کیا۔ علاؤالدین کو معلوم ہوا کہ دکن کے راجہ رام دیو کے پاس ایک بہت بڑا خزانہ ہے جو نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے اسے یہ بھی خبر ملی کہ یہ خزانہ اس قدر معمور ہے کہ سلاطین دہلی میں سے بھی کسی کے پاس کبھی ایسا خزانہ نہیں رہا۔ علاؤالدین سات آٹھ ہزار سواروں کا لشکر لے کر چندیری کو لوٹنے کے لیے روانہ ہوا۔ یہ ۶۹۴ھ کا واقعہ ہے اور اس نے جنگل کی راہ سے سفر طے کیا تاکہ جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اگرچہ علاؤالدین کی یہ توقع عقل و فہم سے بہت دور تھی لیکن اقبال مندی نے اس کا ساتھ دیا اور قسمت نے اس کے اس مشکل خیال کو بھی ممکن کر دکھایا۔ ایلچپور سے نکل کر علاؤالدین آرام کرنے کے لیے دو روز کے واسطے ایک مقام پر ٹھہرا اور اس کے بعد دیو گڑھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ رام دیو اپنے بیٹے کے ساتھ (کسی کام کی وجہ سے) دیو گڑھ سے بہت دور گیا ہوا تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ علاؤالدین دیو گڑھ کی حدود میں آ گیا ہے۔ تو وہ اپنے امراء اور لشکر کو ساتھ لے کر علاؤالدین کے مقابلے پر آیا۔ علاؤالدین نے اس کو شکست دے کر دیو گڑھ فتح کر لیا۔

"ملحقات طبقات ناصری" کا مولف' جو خلجی حکمرانوں کا ہم عصر تھا' اس نے لکھا ہے کہ علاؤالدین کڑہ سے نکل کر ایک طرف روانہ ہوا۔ سارے راستے وہ شکار کھیلتا رہا اور اسی عالم میں منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں اسے ہندوؤں کی کئی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ملیں' لیکن اس نے کسی سے تعرض نہ کیا۔ علاؤالدین کا اصل ارادہ کیا تھا؟ اس سے سوائے اس کے چند خاص رفقاء کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ دو مہینے کے بعد دفعتاً" دکن کے ایک مشہور شہر ایلچپور میں پہنچا اور یہاں اس نے یہ مشہور کیا کہ دہلی کا ایک امیر علاؤالدین کسی بنا پر بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر یہاں آگیا ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ تلنگانہ کے راجہ راج مندری کی خدمت میں پہنچ کر اس کی ملازمت اختیار کرے۔ یہ افواہ مشہور کرنے کے بعد علاؤالدین نے اسی رات کو ایلچپور سے کوچ کیا اور بڑی سرعت کے ساتھ دیوگڑھ پہنچ کر حملہ کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ راجہ رام دیو کی رانی اور اس کا لڑکا کسی مندر کی زیارت کے لیے دیوگڑھ سے باہر گئے ہوئے تھے اور خود راجہ گردش دوراں سے بے خبر ہو کر دیوگڑھ ہی میں موجود تھا۔ راجہ کو جب علاؤالدین کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے دو تین ہزار سپاہی' جو اس وقت موجود تھے' مقابلے کے لیے روانہ کیے۔ یہ سپاہی دیوگڑھ سے دو کوس کے فاصلے پر علاؤالدین کے لشکر کے سامنے آ موجود ہوئے فریقین میں لڑائی ہوئی۔ دکن کے ہندو' مسلمانوں کے طریقہ جنگ سے ناواقف تھے' اس لیے یہ لوگ مسلمانوں کی تلوار زنی اور تیراندازی سے گھبرا کر' پہلے ہی حملے میں فرار ہو گئے اور سیدھے دیوگڑھ پہنچے مسلمانوں نے ہندوؤں کا تعاقب کیا۔ راجہ اس تعاقب سے سخت حواس باختہ ہوا اور اس نے دیوگڑھ کے قلعے میں پناہ لی یہ قلعہ خندق اور دیگر دفاعی سامان سے مضبوط نہ تھا۔

کافروں کی بدبختی

اس واقعے سے چند روز قبل دیوگڑھ کے کچھ سوداگر' نمک کے دو یا تین ہزار بورے کوکن سے لے کر آئے تھے۔ سوداگران بوروں کو قلعے کے پاس چھوڑ کر کہیں بھاگ گئے تھے۔ راجہ کے متعلقین نے نمک کے ان بوروں کو غلے کے بورے سمجھا اور اٹھا کر اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گئے۔ علاؤالدین نے دیوگڑھ کے تمام بڑے بڑے سوداگروں کو اور رعایا کو فرار ہونے کا قطعاً موقع نہ دیا اور شہر میں داخل ہو کر اس نے سوداگروں اور دوسرے شہریوں کو گرفتار کر لیا اور خوب جی کھول کر شہر کو لوٹا۔ علاؤالدین نے چالیس ہاتھی اور کئی ہزار خاصے کے گھوڑے بھی گرفتار کیے اور یہ مشہور کیا کہ مسلمان سواروں کا ایک دوسرا لشکر بھی فلاں راستے سے آ رہا ہے۔ علاؤالدین نے دیوگڑھ کی سرزمین کو' جس نے ہزارہا سال سے کسی حملہ آور کے گھوڑوں کی ٹاپیں نہ سنی تھیں۔ بڑی بری طرح تباہ کیا اور لوٹا۔ بعدازاں اس نے قلعے پر چڑھائی کی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ رام دیو نے یہ سمجھ لیا کہ مسلمان اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں اس لیے اس نے یہ طے کیا کہ اس سے پہلے کہ مسلمانوں کا دوسرا لشکر پہنچے' علاؤالدین سے صلح کر کے اسے واپس کر دینا مناسب ہو گا۔ راجہ نے اس خیال کے پیش نظر اپنے چند خاص مقربین کو' جن میں سے اکثر برہمن قوم سے تعلق رکھتے تھے' علاؤالدین کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "اس شہر میں تمہارا آنا' حکمت دور اندیشی اور احتیاط سے بہت دور ہے۔ اس وقت ہمارا شہر چونکہ لشکر سے خالی ہے اس لیے تم نے غلبہ پا کر جو چاہا کر لیا لیکن اپنی اس فتح پر تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ آس پاس کے علاقوں سے عنقریب ہمارا عظیم الشان لشکر' جو تعداد کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہے۔ دیوگڑھ پہنچ کر تمہیں درست کر دے گا اور تم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا اور اگر اتفاق سے تم اس لشکر کی گرفت میں نہ آ سکے تو مالوہ کا راجہ جس کے پاس چالیس ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر عظیم ہے اور خاندیس اور گونڈ واڑہ کے راجگان جو بڑے بڑے لشکر رکھتے ہیں تمہارے ارادوں سے باخبر ہو کر راستے ہی میں تمہیں دبوچ لیں گے اور تمہارے لشکر کے پرخچے اڑا دیں گے تمہارے لیے اب یہی بہتر ہے کہ اس سے پہلے کہ ہندو راجہ تمہارے ارادوں سے باخبر ہو کر تمہارے خلاف کوئی کارروائی کریں' تم یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے ہمارے جن مہاجنوں اور رعایا کو گرفتار کیا ہے ان سے "نعل بہا" (آزاد کی معاوضہ) لے کر انہیں چھوڑ دو۔"

علاؤالدین نے عاقبت اندیشی اور احتیاط سے کام لے کر راجہ کی شرائط مان لیں اور قیدیوں سے پچاس من سونا' کئی من موتی اور بیش قیمت کپڑے لے کر یہ طے کر لیا کہ وہ اپنے داخلے کے پندرھویں (۱۵) روز صبح کے وقت قیدیوں کو رہا کر کے دیو گڑھ سے رخصت ہو جائے گا۔

اتفاق سے رام دیو کے بڑے بیٹے کو ان حالات کا علم ہوگیا اس نے اپنے لشکر کو علاؤالدین کی روانگی کے وقت دیو گڑھ سے تین (۳) کوس کے فاصلے پر کھڑا کر دیا (علاؤالدین سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا) رام دیو کو جب اپنے بیٹے کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے ایک معتمد شخص کو بیٹے کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا "جو کچھ ہماری قسمت میں لکھا تھا' وہی ہوا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رعایا پر واقعی ظلم ہوا ہے۔ تم اس کا خیال نہ کرو' اس کی تلافی کر دی جائے گی ہمارے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ عجیب جنگجو قوم ہے' اس سے مقابلہ نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔" رام دیو کے بیٹے نے اپنی فوج کی دگنی تعداد اور دیگر راجاؤں کی مدد کی توقع پر مغرور ہو کر باپ کی بات نہ مانی اور علاؤالدین سے جنگ کرنے کے ارادے پر قائم رہا۔ اس کنور راجپوت نے علاؤالدین کو یہ پیغام بھیجا "اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً وہ مال ومتاع جو تم نے ہماری غیر موجودگی میں ہماری رعایا سے حاصل کیا ہے' واپس کر دو اور اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اور اسی کو غنیمت سمجھو۔" یہ سن کر علاؤالدین سخت غصے میں آگیا اور اس نے رام دیو کے بیٹے کے قاصد کا منہ کالا کر کے اس کو سارے شہر میں گھمایا۔

غیبی امداد

علاؤالدین نے ملک نصرت کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلعے کے محاصرے میں چھوڑا اور خود بقیہ فوج کو لے کر ہندوؤں کے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے کے لیے نکل پڑا دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور لڑائی کا بازار گرم ہوگیا۔ ہندوؤں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی' دوسرے یہ لوگ بڑی جانبازی اور جرات سے لڑ رہے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے لگے' عین ممکن تھا کہ مسلمان سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ جاتے کہ ملک نصرت اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آ پہنچا۔ ہندوؤں نے جب ملک نصرت کی فوج کو دیکھا تو وہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کا وہی لشکر ہے کہ جس کے آنے کی خبر گرم تھی۔ اس خیال کے تحت ہندوؤں کی حالت دگرگوں ہوگئی وہ بہت سہم گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے علاؤالدین کو فتح حاصل ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد اس نے از سر نو قلعے کا محاصرہ کیا اور محاصرے کی شدت میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ علاؤالدین نے بہت سے مہاجن اور برہمن قیدیوں کو قتل کیا اور بقیہ قیدیوں کو جو رام دیو کے رشتہ دار تھے ان کے پاؤں میں زنجیریں اور گردنوں میں طوق ڈال کر قلعے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ رام دیو نے اپنے خاص مقربین سے مدافعت کا مشورہ کیا اور گلبرگہ' خاندیس' مالوہ اور تلنگانہ کے راجوں سے مدد طلب کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اسی دوران میں اسے معلوم ہوا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اور وہ بورے جو قلعے میں لائے گئے تھے' ان میں غلہ نہیں' نمک ہے۔ اہل قلعہ میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ وہ مسلمانوں کی مدافعت کرتے پھر ان سے غلہ کیسے حاصل کیا جا سکتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رام دیو کو بہت تشویش ہوئی۔ آخر کار بہت غور فکر کے بعد غلے کے نہ ہونے کا حال تو چھپا لیا اور علاؤالدین کے نام خط بھیجا جس میں یہ درج تھا "آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس جنگ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میرے بیٹے نے جہالت اور جوانی کے غرور کے نشے میں آکر جنگ کی تھی' مجھے امید ہے کہ بیٹے کی غلطیوں کی سزا مجھے نہ دی جائے گی۔" جو ایلچی یہ خط لے کر روانہ ہوئے ان سے رام دیو نے پوشیدہ طور پر یہ کہہ دیا کہ قلعے میں غلہ بالکل نہیں ہے اگر مسلمانوں نے تین چار روز تک اور محاصرہ جاری رکھا تو اہل قلعہ فاقوں کی وجہ سے مرجائیں گے اس لیے تم یہ کوشش کرنا کہ صلح آج کل ہی میں ہو جائے' لیکن علاؤالدین پر غلے کی کمی کا راز فاش نہ ہو۔ راجہ کے قاصد علاؤالدین کے پاس پہنچے اور اسے راجہ کا خط دیا۔ علاؤالدین کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قلعے میں غلہ بالکل

نہیں ہے اس لیے اس نے صلح کرنے میں بہت دیر لگائی۔ آخرکار راجہ کے قاصدوں نے بڑی خوشامد درآمد کر کے اس شرط پر صلح کی کہ رام دیو اس وقت چھ (۶) سو من سونا' سات (۷) من موتی' دو (۲) من لعل' یاقوت' الماس اور زمرد ایک ہزار من چاندی' چار ہزار ریشمی کپڑے اور بہت سی دوسری اشیاء جن کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں اور جس کو عقل تسلیم کرنے سے قاصر ہے علاؤالدین کے حوالے کرے گا۔ نیز ایلچپور کا صوبہ بھی علاؤالدین کے قبضے میں دے گا اور اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہے تو اس صوبے کا سالانہ محصول سال بسال کڑہ روانہ کرتا رہے گا۔ ان تمام اشیاء اور نذرانوں کے عوض علاؤالدین سارے ہندو قیدیوں کو آزاد کر دے گا اور وہ لشکر جو دہلی سے دکن کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا ہے اسے راستے ہی سے واپس کر دے گا۔ نیز وہ جلال الدین اور رام دیو کے درمیان صلح کروا کے ایسے مضبوط تعلقات قائم کروا دے گا کہ پھر دونوں سلطنتوں میں کبھی جنگ نہ ہوگی۔ غرضیکہ علاؤالدین نے متذکرہ بالا گراں قدر نذرانے حاصل کیے اور ہندو قیدیوں کو آزاد کر کے محاصرے کے پچیسویں (۲۵) روز وہاں سے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ اتنے جواہرات' مال و اسباب اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ تھے کہ اتنی دولت کبھی کسی بادشاہ دہلی کے پاس جمع نہ ہوئی تھی۔

جو اہل نظر ہیں وہ دنیا کے احوال سے پوری طرح واقف ہیں اور انھوں نے تمام بادشاہوں کے حالات کتب تاریخ میں پڑھے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اکثر اوقات غیبی امداد کا ظہور ہوا اور اس طلسمات جہاں میں اکثر اقبال مندوں کے ناممکن منصوبے بھی ان کی خوش قسمتی سے ممکن بن کر رہ گئے۔ لیکن قدرت نے جس طرح علاؤالدین کی مدد کی اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔ جتنی دولت اس کے قبضے میں آئی' اتنی شاید ہی کسی اور کو میسر ہوئی ہو۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ کڑہ سے لے کر دیوگڑھ تک کتنی طویل مسافت ہے' اتنی طویل مسافت کو طے کرنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ دوسرے مالوہ' گونڈواڑہ اور خاندیش وغیرہ کے راجوں' جیسے طاقتوروں کے ہاتھوں صحیح سلامت نکل آنا' خوبی قسمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ دیوگڑھ میں دشمن کا نمک کے بوروں کو غلہ سمجھ کر قلعے میں لے جانا اور علاؤالدین کا تھوڑے سے دنوں میں اتنی بے شمار دولت کو حاصل کر لینا' پھر انھیں دشمنوں کے درمیان سے صحیح و سلامت نکلنا اور ان تمام مشکلات کو جھیل کر ہندوستان کے تخت حکومت پر رونق افروز ہونا کوئی معمولی اور آسان بات نہیں۔

علاؤالدین کی تخت نشینی کے تفصیلی حالات

سلطنت ہندوستان کے تخت پر علاؤالدین کے بیٹھنے کا تفصیلی احوال یہ ہے کہ جب علاؤالدین نے دیوگڑھ کا سفر اختیار کیا تو ایک عرصے تک بادشاہ دہلی جلال الدین خلجی کو علاؤالدین کی کوئی خبر نہ ملی۔ البتہ علاؤالدین کا نائب' جو اس کی عدم موجودگی میں کڑہ کی حکومت کے فرائض انجام دے رہا تھا کبھی کبھار بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کے عرائض روانہ کر دیتا تھا کہ علاؤالدین آج کل چندیری کی غارتگری میں مصروف ہے اور عنقریب وہ اپنے حالات کی تفصیل بادشاہ دہلی کو بھجوائے گا۔ چھ ماہ اسی طرح گزر گئے اور اس دوران میں علاؤالدین کا ایک خط بھی بادشاہ کی خدمت میں نہ آیا۔ اسی زمانے میں علاؤالدین کی بغاوت کی افواہ ایک پیشین گوئی کی طرح دہلی کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر آئی۔ جلال الدین کو اپنی بیوی ملکہ جہاں اور علاؤالدین کی باہمی ناراضگی کی کیفیت معلوم تھی۔ لیکن یہ نیک طبیعت اور رحم دل بادشاہ علاؤالدین کی طرف سے قطعاً بدگمان نہ ہوا۔ ۶۹۵ھ کی ابتدا میں جلال الدین شکار کے لیے گوالیار گیا۔ چند ماہ تک اس نے گوالیار میں قیام کیا اور وہاں ایک بہت بڑا بلند گنبد تعمیر کروایا اور ایک چبوترہ بنوایا۔ جلال الدین نے ایک رباعی خود کہہ کر اس گنبد کے سامنے کندہ کروائی

اسی زمانے میں غیر سرکاری اطلاعات بادشاہ کو موصول ہوئیں کہ علاؤالدین نے دیوگڑھ کو فتح کر لیا ہے' لیکن خود علاؤالدین کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی۔ جلال الدین کو یہ اطلاع بھی ملی کہ دیوگڑھ کی فتح سے علاؤالدین کو اتنا مال و اسباب اور دولت ہاتھ آئی ہے کہ اس

سے پہلے کسی بادشاہ [illegible]

علاؤالدین کی اقبال مندی اور خوش طالعی کو اپنی رفعت و شان سمجھا۔ لیکن بادشاہ کو وہ مقربین جو عاقبت اندیش، دور رس اور بالغ نظر تھے ان کی نگاہیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں۔ انھیں یہ معلوم تھا کہ ملکہ جہاں اور علاؤالدین میں رنجش ہے۔ نیز یہ امراان کی نگاہوں میں تھا کہ علاؤالدین نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر دکن کی مہم کو سر کر کے کثیر دولت حاصل کی ہے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ ان حالات کو علاؤالدین کی جلد از جلد ظہور پذیر ہونے والی بغاوت کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے لیکن وہ اپنے ان خیالات کا اظہار بادشاہ کے سامنے نہ کر سکے۔

علاؤالدین کے بارے میں مشورے

ایک دن جلال الدین نے اپنے خاص مصاحبوں مشیروں سے تنہائی میں مشورہ کیا کہ علاؤالدین دیوگڑھ سے اس قدر مال و دولت اور سازو سامان وغیرہ لے کر آ رہا ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے میں اپنی جگہ خاموش رہوں یا آگے بڑھ کر اس کا استقبال کروں؟ ملک حبیب احمد نے جو اپنے شعور اور عقل و فہم کی وجہ سے باقی حاضرین میں سب سے آگے تھا، بادشاہ سے درخواست کی۔ "مال و دولت اور لشکر کی کثرت ہمیشہ بغاوت اور سرکشی کا سبب بنتی ہے۔ یہ اچھی طرح ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے ملک چھجو کو بہلا پھسلا کر بادشاہ کی اطاعت سے منحرف کر دیا تھا۔ آج وہی لوگ علاؤالدین کے اردگرد بھی جمع ہیں اور انھیں لوگوں کے مشورے سے علاؤالدین نے شاہی اجازت کے بغیر دکن کی مہم سر کی ہے۔ اس سلسلے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اب ملک علاؤالدین کا کیا ارادہ ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ بادشاہ کا چندیری تک کا سفر کرنا ہر لحاظ سے مناسب اور بہتر ہے کیونکہ یہ مقام علاؤالدین کے راستے میں واقع ہے۔ جب علاؤالدین کو شاہی لشکر کی آمد کی خبر ملے گی تو وہ ان وجوہ کی بنا پر کہ اس کی فوج ایک دور دراز ملک کی مہم سر کر کے اپنے وطن کی طرف واپس آ رہی ہے اور سارا لشکر مال و اسباب اور دولت سے لدا پھندا ہوا ہے۔ ہر لشکری وطن کے دیدار کا مشتاق اور معرکہ آرائی سے بیزار ہے، نیز ہاتھیوں اور باربرداری کے سامان کی وجہ سے جلد از جلد سفر کرنا یا کسی مصلحت کی بنا پر کوہستان کے علاقے میں کچھ دنوں قیام کرنا ناممکن ہے۔ علاؤالدین کو اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آئے گا کہ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو اور جو مال و اسباب اور دولت دیوگڑھ سے وہ لایا ہے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے۔ بادشاہ کو یہ چاہیے کہ نقد دولت اور ہاتھیوں کو خود قبول فرمائے کیونکہ یہ چیزیں شاہی لوازمات میں سے ہیں۔ بقیہ تمام مال و اسباب اور اشیاء علاؤالدین کو بخش دی جانی چاہیں۔ اس کے بعد بادشاہ کے لیے یہ مناسب ہو گا کہ وہ ملک چھجو اور ملک فخرالدین کوتوال کے مفسد اور فتنہ پرداز مصاحبوں کو جو سیدی مولہ کے قتل کے واقعے کے بعد سے علاؤالدین کے اردگرد جمع ہو گئے ہیں، انھیں علاؤالدین سے علیحدہ کر کے دور دراز ممالک میں بھیج دیا جائے اور علاؤالدین کی جاگیر میں معقول اضافہ کر کے اسے پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ چاہے تو علاؤالدین کو کڑہ جانے کی اجازت دے اور چاہے تو اپنے پاس دہلی میں رکھے۔ ایک اور امر بھی قابل غور ہے اور وہ ہے ملکہ جہاں اور علاؤالدین کی ناراضگی۔ اس سلسلے میں بادشاہ پوری طرح باخبر ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ کبھی بھی شاہی مجلس میں زیر بحث نہیں آیا ہے، لیکن شاہی خاندان کے ان دونوں افراد کی باہمی رنجش اب اس نوبت تک پہنچ گئی ہے کہ علاؤالدین نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ دارالسلطنت دہلی میں نہ رہے اور کسی دور دراز کے مقام پر قیام پذیر ہو۔ بادشاہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی ناراض شخص سے غافل ہو کر اسے اس کی حالت پر چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اگر بادشاہ نے اس معاملے کو معمولی بات سمجھ کر نظرانداز کر دیا اور اس کی اصلاح نہ کی اور دہلی واپس چلا گیا اور علاؤالدین اپنے خزانے، ہاتھیوں اور دیگر اسباب کے ساتھ، جو شاہی لوازم ہیں، کڑہ پہنچ گیا تو اس کا نتیجہ کچھ اچھا نہ ہو گا۔ اس صورت حال میں یہ سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے زوال کی بنیاد رکھی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کا آغاز کیا۔

ملک حبیب احمد کی یہ تقریر طویل ملک فخرالدین کوچی کے نزدیک اگرچہ حقائق سے پر تھی، لیکن اس نے بادشاہ کی مرضی نہ پا کر اس سلسلے میں کوئی رائے نہ دی اور کہا۔ "ابھی یہ بات پوری طرح پایہ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ علاؤالدین اس طرف آ رہا ہے اور اس نے بہت

ساماں و اسباب اور دولت فراہم کی ہے۔ اس لیے جب تک ان معاملات کی پوری پوری تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اس سلسلے میں غور و فکر کرنا بے کار ہے اور جب ان خبروں کی تصدیق ہو جائے گی تو ہم اپنے لشکر کے ذریعے اسے راستے ہی میں روک دیں گے۔ چونکہ علاؤالدین نے بغیر شاہی اجازت کے سفر کیا ہے اس لیے وہ ہماری لشکر کشی سے خائف ہو کر جہاں تک پہنچ گیا ہوگا وہیں سے پلٹ جائے گا اور جدھر منہ اٹھے گا وہیں جا کر قیام پذیر ہوگا۔ اس برسات کے موسم میں اس کا تعاقب کرنا ہمیں مناسب نہ ہوگا۔ لہٰذا وہ جہاں جائے' اسے جانے دینا چاہیے۔ مشہور مثل ہے کہ پانی تک پہنچنے سے پہلے جوتا اتارنا نہیں چاہیے۔ ہمیں بھی اسی طرح عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر علاؤالدین تمام مال و اسباب کے ساتھ کڑہ پہنچ گیا اور اس کی بدنیتی ظاہر ہوگئی تو ہم ایک ہی حملے سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

ملک حبیب احمد کو ملک فخرالدین کوچی جیسے تجربہ کار اور معاملہ فہم شخص کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بہت غصہ آیا اور اس نے ملک کوچی سے کہا۔ "خدا کے لیے ضرورت سے زیادہ تن آسانی سے کام نہ لو' ورنہ وقت ہم لوگوں کو دھوکہ دے جائے گا۔ مجھے سب سے پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ جب علاؤالدین بادشاہوں کی سی شان و شوکت کے ساتھ کڑہ پہنچ کر لکھنوتی پر حملہ کرے گا اس وقت تم اس کے مقابلے پر کامیاب ہوگے یا نہیں؟" بادشاہ ملک حبیب کی تمام باتیں غور سے سنتا رہا اور اس سے رنجیدہ ہوگیا اور اسے "خود غرض" کے لقب سے خطاب کر کے کہنے لگا۔ "تم تو ہمیشہ ہی علاؤالدین سے بدگمان رہتے ہو۔ میں نے اسے اپنی آغوش میں پالا ہے اور ہمیشہ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میرے حقیقی بیٹے میرے مقابلے پر اتر آئیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ ملک علاؤالدین مجھ سے بغاوت کرے۔" بادشاہ کی زبان سے یہ کلمات سن کر ملک حبیب بہت رنجیدہ ہوا اور بغیر کوئی مزید بات کیے خاموشی کے ساتھ افسوس کرتا ہوا شاہی مجلس سے اٹھ کر چلا آیا۔ باہر نکل کر ملک حبیب نے بادشاہ کی حالت پر بہت افسوس کیا اور دل ہی دل میں کہا۔ "یہ احمق بادشاہ خود اپنے ہاتھوں' اپنے لیے گڑھا کھود رہا ہے' خدا جانے اس کا کیا انجام ہو۔" جلال الدین خلجی نے ملک فخرالدین کوچی کی بہت تعریف کی اور دہلی واپس ہوا۔

علاؤالدین کا خط

ابھی جلال الدین دہلی پہنچا ہی تھا کہ کڑہ سے علاؤالدین کا ایک خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں اکتیس ہاتھی' تمام قیمتی گھوڑے اور گراں قدر ساز و سامان' جواہرات اور ریشمی کپڑے وغیرہ' جو کہ میرے ہاتھ آئے ہیں' بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ میں ایک مدت سے حضور سے جدا ہوں اور دوری اور راستوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ مراسلت بھی قطع رہا ہے' اس لیے میں اور میرے ساتھی شاہی عتاب کے خوف سے بڑے پریشان ہیں۔ اگر بادشاہ سلامت اپنے قلم خاص سے ایک فرمان میرے اور میرے ہمسفروں کے نام لکھ کر بھجوا دیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اس کے بعد میں بڑے شوق سے بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو کر تمام مال و اسباب اور دولت حضور کی خدمت میں پیش کروں گا۔" علاؤالدین کا یہ خط پڑھ کر جلال الدین خلجی' اس کی مکاری کے دام میں بری طرح پھنس گیا اور اس کی محبت اور خلوص کا پہلے سے کہیں زیادہ شکار ہوگیا۔ اس زمانے میں علاؤالدین لکھنوتی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا اور اس نے ظفر خان کو اودھ بھیج کر آب سرد کے کنارے کشتیاں مرتب کرنے کا کام شروع کروا دیا تھا۔ علاؤالدین کا یہ ارادہ تھا کہ جب بادشاہ کڑہ کے لیے روانہ ہو تو وہ خود لکھنوتی پہنچ کر جلال الدین خلجی کی مخالفت کا اعلان کر دے۔

جلال الدین نے علاؤالدین کی خواہش کے مطابق ایک محبت بھرا فرمان لکھ کر اپنے دو خاص ملازمین کے ہاتھ علاؤالدین کے پاس کڑہ روانہ کیا۔ یہ دونوں قاصد جب کڑہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ علاؤالدین بالکل باغی ہو رہا ہے اور اس کے تمام ساتھیوں کی حالت بھی اس جیسی ہے۔ یعنی سب جلال الدین خلجی کے خلاف تھے' علاؤالدین نے ان قاصدوں پر بڑا سخت پہرہ لگا دیا۔ تاکہ جلال الدین تک کسی قسم کی کوئی اطلاع نہ پہنچ سکے اس وجہ سے بادشاہ اصل حالات سے بالکل بے خبر رہا۔ اس دوران میں علاؤالدین کا بھائی الماس' جو بادشاہ کا داماد تھا' جلال الدین [illegible]

ناراضی کی خبر بہت مشہور ہوگئی ہے اس لیے مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں میرا بھائی ندامت کی وجہ سے خودکشی نہ کر لے بادشاہ کی اجازت کے بغیر علاؤالدین کا دیوگڑھ جانا اور وہاں سے کوئی عریضہ نہ ارسال کرنا خود علاؤالدین کے نزدیک ایک بہت بڑا جرم ہے۔" الماس بیگ کی ان باتوں کا بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ انھیں دنوں علاؤالدین کا ایک خط الماس بیگ کے نام پہنچا جس میں اسی قسم کے خیالات بیان کیے گئے تھے۔ "مجھ پر بادشاہ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر میں انھیں لکھنا چاہوں تو لکھ نہیں سکتا۔ بادشاہ میرا چچا نہیں بلکہ باپ بھی ہے اور میری جان کا مالک بھی۔ بادشاہ کی ناراضگی کی وجہ سے زندگی میرے لیے ایک عذاب بن کر رہ گئی ہے۔ اگر تمھیں یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا ہو کہ بادشاہ میری جان کا دشمن ہے اور مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو فوراً مجھے لکھو تاکہ میں زہر کھا کر' جسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں' اپنی زندگی ختم کر لوں یا کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔"

الماس بیگ نے یہ خط جلال الدین کو دکھایا' اور ایسی خوشامدانہ گفتگو کی کہ بادشاہ کو علاؤالدین کے خط کی باتوں پر پورا پورا یقین آگیا۔ علاؤالدین نے ایک علیحدہ خط پوشیدہ طور پر الماس بیگ کے نام اس مضمون کا بھی لکھا تھا کہ "اگر بادشاہ دولت حاصل کرنے کے لالچ میں گرفتار ہو کر کسی طرح اس طرف تنہا چلا آئے تو ہمارا کام بن جائے۔" اس ہدایت کے مطابق الماس بیگ نے اپنی آنکھوں میں آنسو لا کر بادشاہ سے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ حضور اکیلے ہی کڑہ کا سفر اختیار فرمائیں اور اس سے پہلے کہ میرا بھائی خودکشی کرے یا کسی غیر ملک میں چلا جائے' آپ وہاں پہنچ کر اسے سمجھائیں اور تسلی دیں اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم جاں نثار پہلے سے بھی زیادہ آپ کے ممنون احسان ہوں گے۔" جلال الدین' الماس بیگ کی باتوں میں آگیا اور غور و فکر اور کسی سے مشورہ کیے بغیر ہی اس نے الماس بیگ سے کہا۔ تم جلد از جلد کڑہ روانہ ہو جاؤ اور وہاں پہنچ کر علاؤالدین کو میری طرف سے دلاسا دو اور اطمینان دلاؤ۔ تم اسے خودکشی کرنے نہ دینا اور نہ ہی کسی اور ملک میں جانے دینا تم کڑہ پہنچو اور میں بھی جلد از جلد وہاں پہنچوں گا۔"

الماس بیگ بادشاہی حکم کے مطابق اسی وقت کشتی میں سوار ہو کر کڑہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سات روز کے سفر کے بعد وہ منزل مقصود تک جا پہنچا (دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی) الماس نے علاؤالدین کو مبارکباد دی اور کہا خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تیر نشانے پر بیٹھا علاؤالدین کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ اس نے الماس بیگ سے مشورہ کیا کہ اب لکھنوتی کا سفر ضروری ہے یا نہیں کڑہ ہی میں قیام کیا جائے۔ اس وقت علاؤالدین کے دیگر بہی خواہ بھی موجود تھے انھوں نے یہ رائے دی کی فی الحال لکھنوتی جانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ مال و دولت کے لالچ میں بادشاہ اکیلا ہی یہاں آئے گا۔ مناسب یہی ہے کہ سب سے پہلے بادشاہ کا کام تمام کیا جائے۔ اس کے بعد جب ارکلی خاں تخت نشین ہو کر ملکی انتظامات کی طرف توجہ کرے گا۔ ہم لکھنوتی پر لشکر کشی کر کے بنگالہ پر قبضہ کر لیں گے اور پھر پوری دلجمعی اور استقلال کے ساتھ فرماں روائی کے جھنڈے گاڑ دیں گے۔" علاؤالدین نے اس رائے کو پسند کیا اور کڑہ ہی ٹھہرا رہا۔

جلال الدین کا کڑہ کا سفر

جلال الدین خلجی' جس کی زندگی پر موت کا سایہ منڈلا رہا تھا' دولت کے لالچ میں بری طرح حواس باختہ تھا اس نے کسی امیر اور مشیر کی رائے کی پروا نہ کی اور کڑہ کے سفر کا پورا پورا ارادہ کر لیا۔ جلال الدین کو دراصل یہ خدشہ تھا کہ اگر علاؤالدین لکھنوتی چلا گیا تو اس کے پاس جو مال و دولت اور زر و جواہر ہیں وہ پھر کسی طرح نہ مل سکیں گے۔ جلال الدین صرف پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر کشتی کے ذریعے روانہ ہوگیا اور ملک احمد حبیب کو یہ حکم دیا کہ وہ لشکر کو اپنے ساتھ لے کر خشکی کے راستے کڑہ پہنچے۔ علاؤالدین کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے دریائے گنگا کے پار اتر کر مانک پور کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے ڈالے۔ رمضان کی سترھویں (۱۷) تاریخ کو بادشاہی چتر دور سے پانی پر نظر آیا۔ اسے دیکھ کر علاؤالدین کے لشکر نے بظاہر شان و شوکت کے اظہار کے لیے اور بباطن کسی اور مقصد

کو پورا کرنے کے لیے اپنے اپ کو مسلح اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ علاؤالدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے استقبال کے لیے روانہ کیا اور اسے ہدایت کی جس طرح بھی ممکن ہو بادشاہ کو اس کے ساتھیوں سے الگ کر کے تنہا کنارے پر لایا جائے۔ الماس بیگ، اسی وقت روانہ ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور اس سے عرض کی۔ "اگر میں کڑہ میں ایک دن کی بھی تاخیر سے پہنچتا تو علاؤالدین خودکشی کر چکا تھا۔ میں نے یہاں آکر اسے اچھی طرح سمجھایا بجھایا، لیکن ابھی تک اس کے دل میں خوف باقی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ان لوگوں کو دیکھ کر یہاں سے فرار ہو جائے اور کسی دوسرے ملک میں پناہ لے لے۔" یہ سن کر جلال الدین نے حکم دیا کہ جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں، وہ کشتیوں ہی میں بیٹھیں اور پھر بادشاہ اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ آگے بڑھا۔

جلال الدین نے ابھی تھوڑا سا راستہ ہی طے کیا تھا کہ الماس بیگ نے ایک دوسری چال چلی اور کہا کہ میرا بھائی اب بہت قریب آگیا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے ان چند مسلح مصاحبوں کو بھی علیحدہ کر دیں، ورنہ علاؤالدین ان لوگوں کو دیکھ کر کسی خطرے کا گمان کر کے آپ کی عنایات سے مایوس ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے ساتھی ملازموں کو ہتھیار اتار ڈالنے کا حکم دیا۔ جب کشتی کنارے کے قریب پہنچی تو بادشاہ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ علاؤالدین ہتھیار بند ہو کر استقبال کے لیے آ رہا ہے ان لوگوں کو علاؤالدین کے ارادوں کی خبر ہو گئی اور وہ الماس بیگ کے مکرو فریب سے پوری طرح واقف ہو گئے۔ ایک امیر ملک خرم رکیک نے الماس بیگ سے کہا۔ "ہم لوگ تمہاری خواہش کے مطابق یہاں تک بالکل نہتے آئے ہیں اور ہم نے اپنے تمام ہتھیار اتار ڈالے ہیں، لیکن تم سب لوگ مسلح ہو اور لڑائی کے لیے تیار معلوم ہوتے ہو۔" الماس بیگ نے جواب دیا میرے بھائی کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے لشکر کو آراستہ اور مسلح کر کے بادشاہ کے معائنے کے لیے پیش کرے اور خود حاضر خدمت ہو کر آداب بجالائے۔" ان تمام باتوں کو دیکھ کر بھی جلال الدین خلجی پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ مشہور مثل "ازجاء القدر عمی البصر" (جب موت آتی ہے تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے) کے مصداق الماس بیگ کی چالاکی اور عیاری کو سمجھ نہ سکا صرف اتنا کہا "میں تو اس قدر دور دراز کا سفر طے کر کے آیا ہوں۔ اس وقت روزہ سے ہوں اور علاؤالدین سے ملنے جا رہا ہوں، لیکن اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ کشتی میں بیٹھ کر تھوڑی دور تک میرے استقبال کے لیے آتا۔" الماس بیگ نے جواب دیا۔ "میرا بھائی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ خالی ہاتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہو اسکی یہ خواہش ہے کہ بیش قیمت سازوسامان گراں قدر جواہرات اور قیمتی گھوڑے اور ہاتھی لے کر آپ کی پابوسی کا شرف حاصل کرے۔" علاؤالدین نے آپ کے لیے افطار کا اہتمام بھی کیا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ اپنی بزرگانہ شفقتوں سے نواز کر اس کے گھر میں روزہ افطار فرمائیں گے تاکہ یہ اعزاز حاصل کر کے وہ اپنے ساتھیوں میں فخر کے ساتھ سر اونچا کر سکے۔"

جلال الدین کا قتل

جلال الدین خلجی کشتی میں بیٹھا ہوا کلام مجید کی تلاوت کرتا رہا۔ عصر کے وقت کشتی کنارے سے لگی بادشاہ کشتی سے اترا، علاؤالدین نے آگے بڑھ کر بادشاہ کا استقبال کیا اور اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ جلال الدین نے پیار سے اس کے گال پر ایک ہلکی سی چپت ماری اور بڑے لطف آمیز لہجے سے کہا۔ "میں نے تجھے بڑے پیار اور لاڈ سے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے اور اپنے حقیقی بیٹوں سے زیادہ تجھے عزیز رکھا ہے تیرے بچپن کی بو اب تک میرے کپڑوں سے نہیں گئی، پھر بھلا تیرے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں تیرے خلاف ہوں اور تیرا برا چاہتا ہوں" یہ کہہ کر بادشاہ نے علاؤالدین کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لے کر کشتی کی طرف روانہ ہوا۔ علاؤالدین نے اس موقع پر ان لوگوں کو اشارہ کیا جو بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے متعین کیے گئے تھے۔ سمانہ کے ایک ذلیل سپاہی نے جس کا نام محمود بن سالم تھا بادشاہ پر تلوار کا ایک وار کیا بادشاہ زخم کھا کر کشتی کی طرف دوڑا اور کہا "اے بدبخت علاؤالدین تو نے یہ کیا کیا ابھی جلال الدین کشتی

لیا- اس وقت غروب آفتاب کا وقت تھا بادشاہ کا سر لے کر اختیار الدین علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا- بادشاہ کے وہ ہمراہی جو کشتی میں بیٹھے تھے (یعنی ملک خرم وغیرہ) انھیں بھی علاؤالدین کے حواریوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا-

جلال الدین کے سر کی تشہیر

قاتلوں نے جلال الدین خلجی کے سر کو نیزے پر لٹکا کر کڑہ اور مانک پور کی گلیوں میں اس کی تشہیر کی اور پھر وہاں سے اودھ لے گئے گویا یہ قاتل زبان حال سے یہ کہتے تھے کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہے جو اس بے وفا دنیا پر عاشق ہو اولاد اور رشتہ داروں سے قوت حاصل کر کے ہزاروں مشکلوں سے ان کی دیکھ بھال کرے اور اپنا خون جگر پلا پلا کر ان کو پالے پوسے: جو شخص ہزار ہا تمناؤں کے ساتھ لالچ اور حرص کی بنجر زمین میں پھولوں کا بیج بوتا ہے وہ پھول کی جگہ کانٹے ہی چنتا ہے اور جو شخص بھی اس دنیا سے نیکی کی امید رکھتا ہے اس کی آنکھوں میں جفاؤں اور بے وفائیوں کی دھول جھونکی جاتی ہے- جو شخص اپنے ہاتھوں سے برائی کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے وہ ایک لمحے کے لیے بھی آرام سے سو نہیں سکتا' ایسا شخص سوئے ہوئے فتنے جگا کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد کر لیتا ہے یہ صحیح ہے کہ آرے کے دانت جمشید کا گوشت کھا رہے ہیں لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ ضحاک کے بدن کا ہر رو نگٹا فریدوں کے ڈر سے سانپ کی طرح خود اسی کو ڈس رہا ہے- اگر ایرج کا سر کٹا ہوا پیروں کے نیچے گرا پڑا ہے- تو منوچہر بھی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سلم و تور سے انتقام لینے کے لیے اس کے سر پر کھڑا ہوا ہے- اگر ایرج کا سر تھالی کے اندر رکھا ہوا ہے تو دشت لالہ بھی افراسیاب کے لہو سے سیراب ہے- اگر دارا اپنے ہی نمک خواروں کی تلواروں کی ضربات کا شکار ہے تو ان قاتلوں کے سروں پر بھی سکندر کی تلوار لٹک رہی ہے- خسرو اگر مٹی اور لہو میں لتھڑا پڑا ہے تو شیرویہ کی حالت بھی خراب ہو رہی ہے اگر سلطان معزالدین کیقباد خون کے دریا میں نہا رہا ہے تو گنگا کا پانی بھی جلال الدین خلجی کے خون سے رنگین ہو رہا ہے-

علاؤالدین کی تخت نشینی

معتبر لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب جلال الدین خلجی کڑہ کی طرف آ رہا تھا تو علاؤالدین نے کڑہ کے مشہور درویش حضرت خواجہ کرگ" کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے مدد کا طالب ہوا خواجہ صاحب نے علاؤالدین کی طرف دیکھ کر جواب دیا:-

ہر کس کہ کند باتو جنگ
سر در کشتی تن در گنگ

غرضیکہ مقتول بادشاہ جلال الدین کا چتر علاؤالدین خلجی کے سر پر سایہ فگن ہوا اور سارے شہر میں اس کی تخت نشینی کی منادی کر دی گئی- علاؤالدین کے تمام ساتھی' جو جلال الدین کے قتل کی سازش میں شریک تھے' بہت ہی جلد اس خون ناحق کی سزا میں بری طرح موت سے ہمکنار ہوئے- محمود بن سالم ایک سال کے بعد کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتا رہا- اختیار الدین پاگل ہو گیا اور اپنے ہوش و حواس بالکل کھو بیٹھا- اس کی یہ کیفیت تھی کہ بیہوشی کے عالم میں زور زور سے چلاتا تھا کہ جلال الدین خلجی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے- الماس بیگ اور دوسرے مجرم تین چار سال کے اندر اندر' علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت ہی میں اس طرح برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا-

علاؤالدین نے اگرچہ کچھ عرصے تک بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی لیکن آخرکار اس کا بھی انجام بہت برا ہوا اور اس کا خاندان خود اس کے اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا- اس نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں وغیرہ کو نظربند کر دیا اور اپنے قابل اعتماد ہمراہیوں اور درباریوں کو موت کے گھاٹ اتارا- علاؤالدین کے غلاموں اور ملازموں نے علاؤالدین کی زندگی ہی میں اس کے بیٹوں اور اہل خاندان وغیرہ پر جو ظلم و ستم ڈھائے ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی-

جلال الدین خلجی کے امیر ملک احمد حبیب نے' جو خشکی کے راستے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق کڑہ روانہ ہوا تھا' جب بادشاہ کے قتل کی خبر سنی تو وہ راستے ہی سے لوٹ آیا۔ جلال الدین کی بیوی ملکہ جہاں نے اس وقت بڑی عاقبت نااندیشی سے کام لیا چونکہ اس وقت ولی عہد شہزادہ ارکلی خاں ملتان میں تھا۔ اس لیے ملکہ جہاں نے کسی سے مشورہ کیے بغیر اپنے چھوٹے بیٹے شہزادہ رکن الدین ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا یہ شہزادہ بالکل ہی نوعمر اور سلطنت و حکومت کے معاملات سے قطعاً ناواقف و بے خبر تھا۔ ملکہ جہاں نے کیلوکھری سے دہلی آ کر کوشک سبز میں قیام کیا اور امراء میں عہدے اور جاگیریں وغیرہ تقسیم کیں۔ ارکلی خاں' جو سلطنت کا اصل وارث تھا' اپنے بھائی کی تخت نشینی کی خبر سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور اس نے ملتان ہی میں قیام کر لیا۔ علاؤالدین کا پہلے تو لکھنوتی پر حملہ کرنے کا خیال تھا لیکن اب اس نے ارکلی خاں اور ملکہ جہاں کی باہمی ناراضگی سے فائدہ اٹھانے کی سوچی' اس نے جب تخت دہلی پر ایک نوعمر لڑکے کو براجمان پایا تو اس کے دل میں بادشاہ بننے کا خیال پیدا ہوا۔ علاؤالدین نے برسات کے زمانے میں آگرے سے دہلی تک کا سفر اختیار کیا اور اپنے ارادے میں کامیاب ہوا۔ جلال الدین خلجی نے سات سال سے کچھ زیادہ عرصے تک حکومت کی۔

علاؤالدین خلجی

جلال الدین خلجی کے قتل کے بعد علاؤالدین کے لیے حکومت کے نظم و نسق کو درست کر کے ایک مضبوط سلطنت قائم کرنا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی سوچ غلطاں رہتا تھا ایک دن اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا اور ان سے کہا۔ "اس وقت سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی لیے میرے سامنے دو تجویزیں ہیں' تم لوگ غور و فکر کر کے مجھے بتاؤ کہ کس تجویز پر عمل کیا جائے۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ لکھنوتی پر حملہ کر کے بنگالہ تک کا علاقہ قبضے میں کر لیا جائے اور دوسری تجویز یہ ہے کہ کڑہ' مانک پور ہی میں قیام کیا جائے اور یہیں رہ کر سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی جائیں۔" تمام امیروں نے بالاتفاق جواب دیا۔ "شہزادہ ارکلی خاں بہت ہی بہادر اور جنگ جو انسان ہے۔ ان فطری صفات کے ساتھ ساتھ لشکر کشی کے قواعد و ضوابط اور حکمرانی کے اصولوں سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ ارکلی خاں اور اس کی ماں ملکہ جہاں' جلال الدین خلجی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے معرکہ آرائی کریں گے۔ اور یہ لوگ سب سے پہلے مقتول بادشاہ کے قاتلوں ہی کو سزا دینے کی کوشش کریں گے اس صورت حال کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ حضور فی الحال کڑہ ہی میں قیام فرمائیں اور چیدہ سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر ملک ہزبرالدین کی نگرانی میں لکھنوتی روانہ کر دیا جائے اس سلسلے میں کسی قسم کی تاخیر نہ کی جائے اور اسی برسات کے زمانے میں لشکر بھیج دینا مناسب ہو گا۔ تاکہ یہ لشکر بنگالہ کے علاقے کے تمام فتنہ و فساد کو فرو کر کے اس علاقے میں حضور کی حکومت کو مضبوط کر سکے اگر شہزادہ ارکلی خاں نے دہلی سے روانہ ہو کر ہمارے لشکر سے جنگ کرنے کی ٹھانی اور ہمیں اس امر کا اندازہ ہو گیا کہ بغیر جنگ کے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے تو پھر ہم بھی ستارہ سہل کے طلوع ہونے کے بعد جبکہ دریا کا پاٹ بہت کم ہو جاتا ہے' دریا کے پار اتر کر جلد از جلد بنگالہ اور لکھنوئی پہنچ جائیں گے اور پھر ارکلی خاں سے جنگ کریں گے۔

علاؤالدین کو اپنے امراء کی یہ رائے بہت پسند آئی اور اس نے اس رائے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ علاؤالدین ابھی ہزبرالدین کو لکھنوتی کے لیے روانہ کرنے کی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ملکہ جہاں نے امراء اور ارکان سلطنت کے مشورے کے بغیر ہی شاہزادہ قدر خاں کو سلطان رکن الدین ابراہیم شاہ کا خطاب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملکہ جہاں کے اقدام سے تمام امراء اور معززین اس سے رنجیدہ ہو گئے ہیں اور ان میں سے بیشتر نے ملکہ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ یہ اطلاعات پاتے ہی علاؤالدین نے اپنی رائے بدل دی اور سارے ہندوستان کا بادشاہ بننے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد علاؤالدین نے اپنے دارالسلطنت کے گردو پیش کے تمام علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے امراء اور درباریوں کو اعزاز و خطابات سے سرفراز فرمایا۔ الماس بیگ کو الغ خاں' ملک نصرت جالیسری کو نصرت خاں اور ملک ہزبرالدین کو ظفر خاں کے عظیم الشان خطابات دیئے اور اپنے ایسے بہی خواہوں کو' جو امیر نہ تھے' امراء کی صف میں شامل کیا نیز دوسرے امراء کی جاگیروں اور مراتب میں معقول و مناسب اضافے کیے۔ علاؤالدین نے اپنے برادر نسبتی سنجر کو جو اس کی محفل کا امیر تھا' "الپ خاں" کا خطاب دیا۔ الغرض علاؤالدین نے اپنے امراء کی خوب اچھی طرح حوصلہ افزائی کی اور اس کے بعد اپنے لیے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔

دہلی کو روانگی

ان واقعات کے فوراً بعد علاؤالدین' برسات ہی کے زمانے میں' دیوگڑھ سے حاصل کی ہوئی دولت ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ

ہوا- علاؤالدین نے اس سفر کے دوران میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا اور اپنے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات کیں- وہ ہر روز اپنی بارگاہ میں بیٹھ کر نصرت خاں کی رائے کے مطابق ہر خاص و عام سے ملاقات کرتا- اس کی سخاوت اور بخشش کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں اور قیمتی اونٹوں کی' گراں قدر سامان سے لدی ہوئی قطاروں کی قطاریں لوگوں کو تحفے میں دے دیتا تھا- مختصر یہ کہ کرم و بخشش میں وہ کسی قسم کی کمی نہ کرتا تھا- مورخین کا بیان ہے کہ شاہی سراپردہ کے قریب ایک ترازو لٹکا دیا گیا تھا اور اس میں ہر روز صبح شام(۵) من روپے اور اشرفیاں تول کر لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں- علاؤالدین کی اس سخاوت کا شہرہ دور دور تک ہوا- اور گردو پیش کے علاقوں سے لوگوں کے لشکر کے لشکر اس کی بارگاہ پر آکر جمع ہونے لگے- جب علاؤالدین اپنے ساتھیوں اور لشکر کے ساتھ بدایوں پہنچا تو سلطان رکن الدین ابراہیم نے بہت ہی ناتجربہ کاری اور ایک لحاظ سے حماقت سے کام لیا- وہ خود تو علاؤالدین سے جنگ کرنے کے لیے آگے نہ بڑھا بلکہ اس نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا- یہ امراء اور اراکین سلطنت رکن الدین ابراہیم شاہ کے حامی نہ تھے-اس لیے وہ فورا علاؤالدین کے طرفدار ہو گئے اور اس کے لشکر سے مل گئے- علاؤالدین نے ان پر دولت کی بوچھاڑ کر دی اور یہ لوگ اسی کی جان نثاری کا دم بھرنے لگے- اس کے نتیجے میں علاؤالدین کے لشکر میں مزید ساٹھ (٦٠) ہزار افراد کا اضافہ ہو گیا- اس کے بعد وہ بدایوں سے آگے بڑھا-

ملکہ جہاں کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے پریشان ہو کر ایک شخص کو ملتان روانہ کیا تاکہ وہ ارکلی خاں اور الغ خاں کو اپنے ہمراہ دہلی لائے- ارکلی خاں نے جواب دیا- "اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے فوج دشمن سے مل گئی شاہی خزانے میں اتنی دولت نہیں رہی کہ سپاہیوں کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی دی جائے- اس صورت حال میں میرے آنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا-" علاؤالدین کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے دہلی پہنچنے میں بڑی سرعت سے کام لیا اور جلد از جلد دریائے جمنا کو پار کر کے "باغ جود" (یہ پرانی دہلی کا ایک مشہور باغ ہے) والے دروازے کے سامنے باغ اور دریا کے درمیانی میدان میں خیمہ زن ہوا- سلطان ابراہیم رکن الدین عجیب کسمپرسی کے عالم سے دوچار ہوا- تاہم اس نے بڑی ہمت کر کے اپنے لشکر کو ساتھ لیا اور علاؤالدین کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا- جب رکن الدین نے اپنے آپ کو علاؤالدین کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ دیکھا تو وہ مجبورا" واپس لوٹا اور دہلی میں شہر بند ہو گیا- اسی رات جلال الدین خلجی کے عہد کے بہت سے امیر رکن الدین کا ساتھ چھوڑ کر علاؤالدین سے جا ملے اب رکن الدین کے لیے سوائے فرار کے کوئی اور چارہ کار نہ رہا- لہٰذا اس نے اپنی ماں' بہنوں اور خزانے کا تھوڑا بہت روپیہ ساتھ لیا اور ملک حبیب احمد' ملک قطب علوی اور امیر جلال تلنگانی کے ہمراہ ملتان کی طرف روانہ ہو گیا- علاؤالدین نے سیری کے جنگل میں قیام کیا اور اپنے لشکر کو بھی وہیں ٹھہرایا- رکن الدین کی روانگی کے بعد شہر کے تمام شرفاء اور روسا علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے علاؤالدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا اور تمام شاہانہ رسوم ادا کی گئیں

ہنگامہ عیش و عشرت

٦٩٥ھ کے آخر میں علاؤالدین بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور تخت شاہی پر رونق افروز ہوا- تخت نشینی کے بعد اس نے کوشک لعل میں قیام کیا اور اسے اپنا دارالخلافت قرار دے دیا اور پھر ایک جشن مسرت منعقد کیا جو تین(۳) روز تک جاری رہا- رعایا نے بھی اس خوشی میں حصہ لیا اور شہر کو سجا کر اور عیش و عشرت کی محفلیں برپا کر کے اپنی خوشی کا اظہار کیا دہلی کے ہر گلی کوچے میں شراب کی سبیلیں کھول دی گئیں اور چاروں طرف عیش کوشی کا دور دورہ ہوا- علاؤالدین نے بھی خوب جی کھول کر عیش و عشرت کے اس ہنگامے میں حصہ لیا اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا کہ ان کے دلوں سے جلال الدین خلجی کی بے گناہی کی موت کا غبار جاتا رہا- اس ہنگامے کے بعد علاؤالدین نے امراء درباریوں اور ساتھیوں کی طرف توجہ کی اور ان میں سے بہت سوں کو کسی نہ کسی کام پر لگایا اور خطاب سے سرفراز کیا-

جہاں کے لقب سے مشہور تھے انھیں قضا و خطابت کا عہدہ دیا گیا "سید اجل شیخ الاسلام" کے خطاب سے نوازا گیا۔ عمدۃ الملک ملک حمید الدین اور ملک اعزالدین کو منصب انشا تفویض کیا گیا۔ ملک اعز الدین چونکہ اپنی ذات کی گوناگوں خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس لیے علاؤالدین نے اسے اپنے خاص مقربین کے گروہ میں شامل کرلیا۔ نصرت خاں' نائب ملک کو شہر کا کوتوال مقرر کیا گیا۔ ملک فخر الدین کوچی کو دود بیگی' ظفر خان کو عارض ممالک' ملک ابو جلال الدین کو اخور بیگ اور ملک برن کو نائب باربک بنایا گیا۔ ضیائے برنی کے چچا' ملک علاؤالدین کو کڑہ اور اودھ کا جاگیردار اور ملک جونا کو نائب وکیل دار مقرر کیا گیا۔ ضیائے برنی کو قصبہ برن کا نائب اور خواجہ مقرر کیا گیا۔

جلال الدین کی اولاد کی تباہی

علاؤالدین نے اوقاف کی آمدنی' اس کے حقداروں کو دے کر انھیں بھی خوش کیا۔ تمام شاہی ملازمین کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ دی گئی اور دیگر انعامات وغیرہ سے نوازا گیا۔ ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد علاؤالدین نے جلال الدین خلجی کی اولاد کی تباہی بربادی کی طرف توجہ کی اور الماس بیگ اور ملک ظفر خاں کو انیس (۱۹) ذوالحجہ جلوس یعنی ۶۹۶ھ کو چالیس ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ کیا۔ ان امراء نے ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا دو مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد اہل ملتان اور ملتانی لشکر نے ارکلی خان اور رکن الدین کا ساتھ چھوڑ دیا اور علاؤالدین کے امیروں کے ساتھ مل گئے۔ اس صورت حال سے ارکلی خان اور رکن الدین بہت پریشان ہوئے اور ان دونوں بھائیوں نے مجبور ہو کر حضرت شیخ رکن الدین کے ذریعے الماس بیگ سے قول و قرار لے کر ملاقات کی۔ الماس بیگ نے ان دونوں بھائیوں کی بہت عزت کی اور اپنے سراپردہ کے قریب انھیں جگہ دی۔ اس دوران میں الماس بیگ نے اپنے تیز رفتار قاصدوں کے ہاتھ فتح نامہ علاؤالدین کے پاس روانہ کیا۔ جب یہ فتح نامہ دہلی میں پہنچا تو تمام مسجدوں میں پڑھ کر سنایا گیا سارے شہر کو دلہن کی طرح سجا کر خوشیوں کی محفلیں منعقد کی گئیں۔ فتح نامہ دہلی بھیجنے کے بعد الماس بیگ مع جلال الدین خلجی کے تمام امراء اور اولاد کے دہلی روانہ ہوا۔ راستے میں اس قافلے سے ملک نصرت الدین کوتوال بھی ملا اسے دہلی سے روانہ کیا گیا تھا۔ الماس بیگ نے جلال الدین خلجی کے بیٹوں اور داماد الغو خاں (جو چنگ خاں کا نواسہ تھا) کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیاں پھیریں۔ ملک احمد حبیب نائب امیر حاجب کو بھی پکڑ لیا گیا۔ ملک نصرت نے ان لوگوں کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا اور جلال الدین کے دونوں مظلوم و مجبور بیٹوں کو ہانسی کے قلعے میں قید کر دیا ارکلی خاں کے دو بیٹوں کو قتل کیا۔ ملک احمد حبیب' جلال الدین خلجی کی بیویوں اور بہوؤں کو مع ملکہ جہاں کے دہلی لا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

علاؤالدین نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال ملک نصرت خاں کو وزیر مقرر کیا۔ ملک نصرت خاں نے یہ عہدہ حاصل کرتے ہی جلال الدین خلجی کی امیروں اور درباریوں سے وہ مال و اسباب واپس لینا شروع کر دیا جو علاؤالدین نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں سیاسی مصالح کی بناء پر دہلی کی طرف آتے ہوئے ان لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔ یہ سارا مال جمع کر کے شاہی خزانے میں داخل کیا گیا۔ ملک علاؤالدین کڑہ سے تمام خزانہ اور مال دہلی لے کر آیا۔ اسے علاؤ الملک کا خطاب دیا گیا اور دہلی کا کوتوال بنایا گیا۔

مغلوں کا حملہ

اسی سال ماوراء النہر کے حاکم دوا خاں نے ایک لاکھ مغل سپاہیوں کا لشکر ہندستان کی طرف بھیجا تاکہ پنجاب اور لاہور کو فتح کیا جا سکے۔ مغلوں کے اس زبردست لشکر نے دریائے سندھ کو عبور کر کے لوٹ مار شروع کر دی اور یہ پورا علاقہ تباہ و برباد کر دیا۔ علاؤالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے الماس بیگ اور ظفر خان کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مغلوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ لاہور کی حدود میں مغلوں اور علائی لشکروں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ ان کے تقریباً بارہ (۱۲) ہزار سپاہی قتل کیے گئے اور بہت سے مغل

امراء و سردار گرفتار ہوئے۔ ان قیدیوں کو عبرت ناک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ الغ خاں نے ان مقتول مغل امیروں کے سر اور ان کے بیوی بچوں کو دہلی روانہ کیا۔

جلالی امراء پر عتاب

جلال الدین خلجی کی اولاد کی گرفتاری اور مغلوں کی شکست کی وجہ سے علاو الدین کا بول بالا ہوا اور اس کی عظمت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ آس پاس کے علاقوں کے امیر اور حکمران اس کے نام سے تھرانے لگے۔ علاو الدین کی فوج جس طرف بھی رخ کرتی' اسے کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی۔ اس کے بعد علاو الدین نے اپنے بھائی الغ خاں کے مشورے سے ان تمام امراء کی طرف توجہ کی جنھوں نے لالچ اور طمع میں آکر جلال الدین خلجی کی اولاد سے بے وفائی کر کے اپنی عاقبت اور دنیا' دونوں ہی خراب کر لی تھیں۔ ایسے تمام نمک حرام امیروں کو گرفتار کیا گیا بیشتر کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیریں گئیں اور بہت سوں کو مختلف قلعوں میں قید کر دیا گیا۔ ان تمام امیروں کے مال و دولت پر قبضہ کر کے تقریباً ایک کروڑ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کیا گیا۔ جلال الدین خلجی کے دربار کے امراء میں سے ملک قطب الدین' ملک نصیر الدین' شمند پیل اور ملک جلال الدین سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی گئی کیونکہ ان امیروں نے جلال الدین خلجی کی اولاد کے ساتھ کوئی بے وفائی نہ کی تھی اور نہ ہی علاو الدین سے اس سلسلے میں کوئی معاوضہ یا صلہ لیا تھا۔ یہ تینوں امیر زندگی بھر عزت و شادمانی کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔

گجرات کی فتح

۶۹۷ھ کی ابتداء میں علاؤالدین نے الماس بیگ اور نصرت خاں کو دیگر امرائے دہلی اور سندھی لشکر کے ہمراہ گجرات کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ ان لوگوں نے نہروالہ اور گجرات کے سارے علاقے میں تباہی و غارت گری کا بازار گرم کر کے اسے فتح کر لیا۔ حاکم نہروالہ راجہ رائے کرن' دکن کے حکمران راجہ رام دیو کے پاس پناہ گزین ہوا۔ کچھ دنوں بعد رائے کرن' رام دیو کی مدد سے گجرات کے ایک صوبے بکلانہ میں مقیم ہوا۔ یہ صوبہ گجرات اور دکن کی سرحد پر واقع ہے۔ علاؤالدین خلجی کے امراء نے راجہ رائے کرن کی رانیوں (جن میں سب سے زیادہ قابل توجہ کنولا دیوی تھی) اور اس کے خزانے اور ہاتھیوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گجرات میں ایک مشہور بت تھا' جو سومنات کا ہم نام ہی نہیں' ہم مرتبہ بھی سمجھا جاتا تھا مسلمانوں نے اس بت کو یہاں سے اٹھوا کر دہلی بھجوا دیا تھا' تاکہ یہ آنے جانے والوں کے پاؤں کے نیچے آکر پامال ہو۔ ملک نصرت خاں گجرات سے روانہ ہو کر کنبایت پہنچا اور اس علاقے کے باشندوں سے اس نے بہت سا مال و دولت حاصل لیا۔ نیز اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو اس کے آقا سے زبردستی چھین لیا۔ (ملک کافور کو بعد میں علاؤالدین نے نائب ملک کے عہدے پر سرفراز کر کے ملک نائب کا خطاب دیا تھا) ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد الماس بیگ اور ملک نصرت نے گجرات کے تباہ و برباد شہر کو چند قابل اعتبار امیروں کے سپرد کیا اور خود بے شمار زر و جواہر اور سامان لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

نو مسلم مغلوں کی بغاوت (شاہی لشکر میں پھوٹ)

جب یہ امراء قلعہ جالور (ریاست جودھپور) کے قریبی علاقے میں پہنچے تو انھوں نے اپنے لشکریوں کو' مال غنیمت کا پانچواں حصہ لینے پر شدید باز پرس کی۔ الماس بیگ اور ملک نصرت نے اس سلسلے میں بڑی سختی سے کام لیا اس وجہ سے بعض نو مسلم مغل لشکری' جن کا سردار محمد شاہ تھا' بے حد برہم ہوئے۔ انھوں نے بہت سے دوسرے لشکریوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور اچھی خاصی قوت فراہم کر کے ملک نصرت اور اعز الدین ۔ اور الماس بیگ پر حملہ کر دیا۔ مغلوں نے اعز الدین کو قتل کرنے کے بعد الماس بیگ کے خیمے کا رخ کیا چونکہ الماس بیگ کا برا وقت ابھی نہ آیا تھا اور خداوند تعالیٰ کو اس کا زندہ رہنا منظور تھا اس لیے وہ دوسری طرف سے خیمے سے باہر نکل گیا اور بھاگتا ہوا نصرت خاں کے خیمے میں پہنچا باغیوں نے علاو الدین کے بھانجے کو الماس [illegible]

جنگ کا نقارہ بجوا دیا۔ نقارے کی آواز سن کر لشکری یہ سمجھے کہ جالور کے راجہ یا کسی اور دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ ان لشکریوں نے اس خیال کے پیش نظر جلد از جلد جنگ کی تیاری کر لی اور سارے لشکری باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے نصرت خاں کی خیمے کی طرف بھاگے باغی تتر بتر ہو کر فرار ہو گئے ملک نصرت اور الماس نے ان کا تعاقب کیا۔ اس تعاقب سے تنگ آکر کچھ دنوں کے بعد رنتھنبور کے حاکم ھمیر دیو (جو اجمیر کا حاکم نتھو رائے کا پوتا تھا) کے پاس پناہ لی۔ الماس بیگ اور نصرت بیگ نے بھی اب باغیوں کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور مال غنیمت' ہاتھیوں اور قیدیوں وغیرہ کو لے کر دہلی روانہ ہوئے۔

وحشیانہ سزائیں

علاؤالدین نے راجہ رائے کرن کی رانی کنولا دیوی کو' جو صورت' اخلاق و عادت' شیریں کلامی و خوش گفتاری اور دلبرایانہ اداؤں کی وجہ سے اپنا جواب آپ تھی مسلمان کرکے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ کافور ہزار دیناری' علاوالدین کو بہت پسند آیا اور وہ اس غلام کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا کہ اس کی نگاہوں میں اس غلام کے مقابلے پر دین و دنیا کی کسی چیز کی کوئی وقعت نہ رہی۔ اس کے عشق میں مبتلا ہو کر علاؤالدین نے عقل و فہم اور مذہب کا بھی کچھ پاس نہ کیا۔ علاؤالدین نے جالور کے (مغل) باغیوں کو بھی گرفتار کیا اور انھیں سزا دینے کے لیے ملک نصرت کے حوالے کر دیا۔ ملک نصرت نے ان لوگوں سے کہ جنھوں نے اس کے بھائی کو قتل کیا تھا' بہت بری طرح انتقام لیا۔ اس نے ان لوگوں کے بچوں اور عورتوں کو خاکروبوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں اور بہنوں کے سروں پر پتھروں کی طرح اس وقت تک مارا جائے جب تک یہ بچے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس حکم پر عمل کیا گیا اور یہ بچے دھنکی ہوئی روئی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد عورتوں کو بازار میں ذلیل و خوار کر کے انھیں ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا۔ اس وقت سے پہلے دہلی میں یہ دستور نہ تھا کہ خطاکاروں کی جگہ ان کے متعلقین کو سزا دی جائے۔

سیوستان کا محاصرہ

اسی سال جبکہ لشکر دہلی' گجرات کو فتح کرنے میں مصروف تھا چلدی نام کے ایک مغل نے اپنے بھائی کی مدد سے سیوستان پر قبضہ کر لیا۔ علاؤالدین نے ظفر خاں کو بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت کے ساتھ چلدی کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ ظفر خاں نے سیستان کا محاصرہ کر لیا اور کچھ ہی عرصے میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اس نے چلدی' اس کے بھائی اور اس کے دیگر ہمراہیوں کو گرفتار کر لیا۔ عورتوں اور بچوں کے علاوہ ان لوگوں کی تعداد ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) تھی' ان لوگوں کو پابہ زنجیر کر کے دہلی روانہ کر دیا گیا اور ظفر خاں خود بھی جلد از جلد دہلی پہنچا۔

اس واقعے سے ظفر خاں کی بہادری اور شجاعت کا بڑا چرچا ہوا جسے دیکھ کر علاؤالدین کے دل میں ظفر خاں کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔

قتلق خواجہ مغل کا حملہ

اسی سال کے آخر میں دوا خاں کا بیٹا قتلق خواجہ بیس (۲۰) تمن یعنی دو لاکھ مغل سواروں کو ساتھ لے کر ہندوستان فتح کرنے کے ارادے سے ماوراالنہر پہنچا۔ اس نے دریائے سندھ کو عبور کر کے' ان قصبوں اور دیہاتوں کو جو راہ میں آباد تھے' اپنی ملکیت سمجھ کر' ان پر کسی قسم کا کوئی حملہ نہ کیا اور جلد از جلد راستہ طے کرتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے جا پہنچا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ قتلق نے دہلی کا محاصرہ کر لیا مغلوں کے خوف کی وجہ سے دہلی کے آس پاس کے علاقوں کے بے شمار لوگ دہلی میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اس لیے اس شہر کی آبادی میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا۔ گلی کوچے اور مسجدیں وغیرہ خلق خدا سے اس حد تک بھر گئی تھیں کہ اللہ کی پناہ! دہلی کے اصل باشندے اس ہجوم سے بہت گھبرا گئے اور اس وجہ سے آنے جانے اور رسد رسانی کے راستے بند ہو گئے۔ شہر میں اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو گیا اور رعایا کی حالت بہت ہی خراب ہونے لگی۔ علاؤالدین نے امراء اور اراکین سلطنت کو بلا کر ان سے مشورہ کر کے

اپنے لشکر کی قوت کا اندازہ کیا۔ بعض امراء نے علاؤالدین کو جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا اور ہندوستانی لشکر کی کمزوری کی مناسب طریقے سے بیان کر کے اشارتاً یہ بھی کہہ دیا کہ جنگ میں شکست و فتح دونوں ہی ممکن ہیں لیکن علاؤالدین نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ عظیم الشان بادشاہوں کے لیے جنگ سے خوفزدہ ہونا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

علاؤالدین نے شہر' اپنے حرم اور خزانے کی حفاظت کا فرض عمدۃ الملک کوتوال کے سپرد کیا اور بدایوں کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کر دیے۔ روایت صحیح کے مطابق علاؤالدین تین (۳) لاکھ سواروں اور دو ہزار سات سو (۲۷۰۰) ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے شہر سے باہر نکلا۔ کیکی کے میدان میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا دونوں نے اپنی اپنی صفیں مرتب کیں اور خونریزی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز سے لے کر اس کتاب کی تصنیف کے زمانے تک کہ جو ۱۰۱۵ھ ہے' ایسے دو عظیم الشان لشکر کبھی ایک دوسرے کے مقابل نہیں آئے۔ علاؤالدین نے اپنے لشکر کو اس طور پر ترتیب دیا کہ میمنہ پر اس عہد کے مشہور اور بہادر ترین سپاہیوں اور ملک ہزبرالدین ظفر خاں (سامانہ' پنجاب اور ملتان کا جاگیردار) کو تعین کیا۔ میسرہ میں اپنے بھائیوں الماس بیگ اور رکن خاں کو متقرر کر کے اسے مضبوط و مستحکم کیا اور خود ملک نصرت خاں اور بارہ (۱۲) ہزار بہادر اور جری سواروں اور مست ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ قلب لشکر میں کھڑا ہوا۔ اس کے علاوہ علاؤالدین نے اپنے دیگر امیروں کو مناسب اور موزوں جگہوں پر متعین کیا۔ سب سے پہلے ملک ہزبر الدین ظفر خاں نے اپنے سامنے کے دشمن کے لشکر کے حصے پر حملہ کیا اور مست ہاتھیوں اور تلواروں کی ضربوں سے اسے تہس نہس کر دیا۔ اس کے بعد دیگر علائی امراء نے مقابل کے غنیم کے لشکر پر حملہ کیا۔ ظفر خاں کے اس دلیرانہ حملے سے دشمن کی فوج میں کھلبلی مچ گئی اور مغلوں کی لاشوں سے میدان جنگ بھر گیا۔ ظفر خاں نے بہادری اور جانبازی کے ایسے جوہر دکھائے کہ مغلوں کا لشکر حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اس نے اٹھارہ (۱۸) کوس کے فاصلے تک مغلوں کا تعاقب کیا۔ الماس بیگ ظفر خاں سے کبیدہ خاطر تھا اور اس سے دشمنی کے جذبات رکھتا تھا اس لیے اس نے ظفر خاں کا ساتھ نہ دیا اور اسے اکیلا ہی چھوڑ دیا۔

ظفر خاں کا قتل

مغلوں کے میسرہ کا سردار' ایک ترک گھات میں بیٹھا ہوا تھا' اس نے ظفر خاں کو اکیلا آتے ہوئے دیکھا اور یہ معلوم کر لیا کہ ظفر خاں کے پیچھے امدادی لشکر نہیں ہے اس ترک کو حملہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ اس نے کمین گاہ سے نکل کر پیچھے کی طرف سے حملہ کیا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس حملے کی وجہ سے ظفر خاں پیادہ پا ہو گیا اور تیر چلا چلا کر دشمنوں کو ہٹانے اور قتل کرنے لگا۔ مغلوں کے سردار قتلغ خواجہ نے ظفر خاں کو یہ پیغام دیا۔ "تو اپنے تیروں کو ترکش میں رکھ اور میرے پاس آجا' میں تجھے تیرے موجودہ عہدے سے کہیں زیادہ بڑا عہدہ عطا کروں گا"۔ ظفر خاں نے اس پیغام کو کوئی اہمیت نہ دی اور حسب سابق تیر اندازی میں مشغول رہا آخر کار مغلوں نے اپنے سردار کے حکم سے ظفر خاں پر تیر چلانے شروع کر دیئے' اور اسی طرح اسے ختم کر دیا۔ ظفر خاں کے ساتھ چند دوسرے علائی امیر بھی مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

اس روز قتلغ خاں ہندوستانیوں کی جنگجوئی اور جانبازی سے کچھ ایسا ڈرا کہ تیس (۳۰) کوس تک اس نے سانس نہ لیا اور برابر چلتا رہا اور منزلیں طے کرتا ہوا اپنے ملک جا پہنچا۔ مغلوں پر ظفر خاں کی شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا وہ لوگ اس مرد جانباز سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کی شجاعت ان میں ضرب المثل کی سی حیثیت اختیار کر گئی۔ اگر کبھی کسی مغل سپاہی کا گھوڑا پانی نہ پیتا تو وہ مغل اس سے کہتا کیا تو نے ظفر خاں کو دیکھ لیا ہے۔ علاؤالدین' ظفر خاں کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے اسے اپنے لیے خطرے کی

مغلوں کو شکست دینے کے بعد علاؤالدین کیلی سے دہلی آیا اور محافل جشن منعقد کیا- ان امراء کو جو مغلوں کے مقابلے پر مردانگی اور بہادری سے لڑے تھے اعزاز و اکرام سے نوازا- ایک امیر لڑائی کے میدان سے بھاگ کر دہلی میں چھپ گیا تھا' علاؤالدین نے اس امیر کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں اس کی تشہیر کروائی-

علاؤالدین کی خام خیالیاں

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤ الدین کی تخت نشینی کے (۳) سال بعد تک اسے اپنے بیشتر منصوبوں میں پوری پوری کامیابی ہوئی اور بے شمار عورتوں کو حرم میں داخل کرنے کی وجہ سے اس کی اولاد میں بہت اضافہ ہوا- نیز گجرات کا ملک بھی اس کے قبضے میں آ گیا سارا ملک علاؤالدین کے دشمنوں اور مدعیان سلطنت سے پاک و صاف ہو گیا- ان تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد علاؤالدین کے دل میں طرح طرح کے عجیب و غریب خیالات آنے لگے- ان خیالات میں سے ایک خیال یہ بھی تھا کہ "جس طرح حضرت محمد صلعم نے اپنی قوت اور شوکت سے شریعت قائم کی اور ان کے چاروں خلفاء نے اس شریعت کو مضبوط بنایا' اسی طرح اگر میں بھی اپنے چاروں امراء الماس بیگ' الغ خاں' ملک ہزبر الدین ظفر خاں' ملک نصرت خاں اور سنجرا الپ خاں کی قوت اور سہارے کے بل پر ایک نیا مذہب جاری کروں تو پھر یقیناً روز قیامت تک میرا نام دنیا میں باقی رہے گا- "علاؤالدین محفل شراب میں اکثر و بیشتر اپنے اسی خبط کا ذکر کیا کرتا تھا اور اپنے مصاحبوں سے مشورے کیا کرتا تھا- وہ ان لوگوں سے یہ پوچھتا رہتا تھا کہ آخر کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ میرا جاری کیا ہوا نیا مذہب محدثین اور اہل علم کی نگاہوں میں وقار حاصل کرے اور ان کے حلقے میں یہ مروج ہو- علاؤالدین کا دوسرا خیال خام یہ تھا کہ چونکہ شاہی خزانے میں بے شمار دولت ہے اور ہاتھی گھوڑوں وغیرہ کی بھی کثرت ہے اس لیے علاؤالدین یہ چاہتا تھا کہ دہلی کی حکومت کسی قابل اعتبار امیر کے سپرد کر کے خود سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہو جائے- اس کا ارادہ یہ تھا کہ سب سے پہلے خراسان' ماورالنہر اور ترکستان فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو اپنے (نئے) مذہب میں داخل کرے اور اس کے بعد دنیا کو فتح کرنے کا سلسلہ آگے بڑھائے اور روم' فارس' عراق' عرب' عجم' شام' گلستان اور حبش وغیرہ ممالک میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ کر وہاں اپنے نئے مذہب کو مروج کرے اور سکندر کی طرح اپنے جہانگیری و جہانداری کا چرچا کرے- علاؤالدین جب کبھی ان خیام خیالیوں کا تذکرہ اپنے امراء اور اراکین سلطنت سے کرتا تو وہ اس بد مزاجی اور درشت طبعی سے واقف ہونے کی وجہ سے' اس کی ہاں میں ہاں ملاتے اور اس کے حسب منشا جواب دیتے- جب علاؤ الدین کے لشکر نے' دو لاکھ مغل جاں بازوں کی فوج کو جس کا سردار قتلق خاں جیسا جری شخص تھا' شکست دے دی تو علاؤالدین کا دماغ اور بھی عرش پر چڑھ گیا اور اس کے غرور کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے حکم دیا کہ خطبوں میں اس کے نام کے ساتھ "سکندر ثانی" کے لقب کا اضافہ کیا جائے- سکوں اور طغروں پر بھی اس نے یہ لقب نقش کروایا اور ساری دنیا کو فتح کرنے اور نیا مذہب جاری کرنے کی کوشش تیز سے تیز کر دیں-

علاؤالدین جاہل محض تھا اس کی ساری زندگی جاہل خلجیوں میں بسر ہوئی تھی لکھنے پڑھنے سے وہ بالکل ناآشنا تھا' اجڈپن اور حیوانیت اس کی طبیعت کے جوہر تھے- اس بناء پر اہل علم اسے کبھی کوئی نصیحت بھی نہ کرتے تھے- جب بادشاہ اپنی متذکرہ خام خیالیوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو بعض حاضرین اس وقت بالکل خاموش رہتے اور بعض شوخ اور بیباک شرکائے مجلس اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے- یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ بادشاہ کے اس قسم کے خیالات سودائے محض کے سوا کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن وہ پھر بھی علاؤالدین کی بہادری اور مستقل مزاجی کی تعریفوں کے پل باندھ باندھ کر اسے غلط فہمی میں مبتلا کرتے رہتے تھے- عام مسلمان اور بزرگان دین علاؤالدین کی اس قسم کی باتوں کو سن سن کر بہت ہی رنجیدہ ہوتے تھے- یہ سب لوگ اور خاص طور پر حضرت سلطان نظام الدین اولیاء و دیگر بزرگان دین بادشاہ کے لیے ان شیطانی خیالات سے نجات پانے اور مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے-

علاء الملک کوتوال کی دانشمندی

کوتوال دہلی ملک علاؤالدین عرف علاء الملک بہت زیادہ موٹا تھا اس لیے وہ مہینے میں صرف ایک بار' پہلی تاریخ کو بادشاہی خدمت میں آداب بجا لانے کے لیے بادشاہ کی محفل شراب میں شرکت کیا کرتا تھا۔ حسب معمول ایک بار وہ اس محفل شراب میں شریک ہوا علاؤالدین نے اس سے اپنے متذکرہ بالا دونوں خیالات کے بارے میں مشورہ کیا علاء الملک سچا مسلمان اور مذہبی امور سے تھوڑا بہت واقف تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اب موت کا وقت قریب ہے' چند روزہ زندگی کے لیے بادشاہ کی خوشی کی پروا کرنا اور سچی بات پر پردہ ڈالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ علاء الملک نے یہ بھی سوچا کہ اس وقت بادشاہ کے عتاب سے بالکل نہیں ڈرنا چاہیے۔ عمر کے آخری ایام میں اگر شہادت نصیب ہو گئی تو کچھ برا نہیں ہو گا۔ ان خیالات کے پیش نظر علاء الملک نے بادشاہ سے کہا "اگر اس مجلس میں بادہ نوشی کے دور کو ذرا روک دیا جائے اور مجلس کو اغیار سے خالی کر دیا جائے تو پھر یہ خادم اپنی ناقص رائے کے مطابق کچھ کہنے کی جرات کرے گا۔ اگر میری گزارش پسند آئے تو زہے نصیب' ورنہ اس ضعیف العمر غلام کو' جس کی عقل دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے' معاف فرمایا جائے"۔ بادشاہ نے علاء الملک کی درخواست قبول کی اور اسی وقت مجلس سے جام و مینا کو ہٹا دیا۔ سوائے چند خاص احباب' ملک الماس بیگ' ملک نصرت خاں' ملک سنجر الپ خاں اور غزی ملک جوانا (جو ظفر خاں کا قائم مقام مقرر کیا گیا تھا) کے اور کوئی محفل میں بیٹھا نہ رہا۔ علاء الملک نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی۔ "شریعت کا تعلق انبیائے کرام سے ہے اور ان کی نبوت وحی آسمانی سے تعلق رکھتی ہے۔ نبوت کا منصب حضرت محمد صلعم پر ختم ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے کسی نئے مذہب کے اجراء کا اعلان کیا تو تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور سارے ملک میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ میرے ناقص خیال میں یہی بہتر ہے کہ آپ اس قسم کا خیال ہرگز ہرگز دل میں نہ لائیں کیونکہ اب کسی بھی انسان کے لیے اس منصب عظیم کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ حضور کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ چنگیز خاں اور اس کی اولاد نے سالہا سال تک مذہب اسلام کو نیست و نابود کرنے اور اپنے مذہب کو جو ہزاروں سال سے ترکستان میں رائج تھا' جاری کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے پیش نظر انھوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا' لیکن انھیں اس سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر کار مذہب اسلام کی راستی اور استحکام نے ان دشمنوں کے دل میں جگہ پیدا کی اور ان کی پوری قوم مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس دین کی عزت و حرمت کی خاطر ان لوگوں نے بارہا کافروں سے لڑائیاں کیں۔ علاؤالدین' کوتوال کی یہ باتیں سن کی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور پھر اس نے کہا۔ "تو نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے انشاء اللہ میں کبھی بھی اس قسم کی باتیں نہ کروں گا لیکن میرے دوسرے خیال کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟" علاء الملک کوتوال نے جواب دیا۔ "عالی جاہ آپ کا دوسرا خیال بالکل درست ہے۔ یہ معاملہ جو آپ کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی وجہ سے آپ کے پیش نظر ہے اس پر اکثر گزشتہ فرمانرواؤں نے بھی غور کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کی لیے اپنی شخصی بہادری اور جرات مندی' خزانہ اور لشکر کی مدد سے ہفت اقلیم کو فتح کرنا کچھ مشکل نہیں ہے لیکن یہاں یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ دارالسلطنت سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہو گا اور ایک طویل مدت تک غیر ممالک میں قیام کرے گا۔ تو اس وقت ایسا کون سا بہادر امیر ہو گا جب بادشاہ کی عدم موجودگی میں حکومت کے فرائض انجام دے گا۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ بھی غور کے قابل ہے کہ جو بادشاہ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد وہاں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے خود بھی کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ ہو گا تو اس کی عدم موجودگی میں ہو سکتا ہے کہ اس مفتوحہ ملک کا حاکم' بادشاہ کی اطاعت گزاری سے انحراف نہ کرے لیکن آج کا زمانہ سکندر کے عہد سے بہت مختلف ہے۔ سکندر کے زمانے میں عہد شکنی' مکاری اور چالبازی وغیرہ کا وجود نہ تھا اور اس زمانے کے لوگ اپنے وعدے کے پکے ہوتے تھے اور جس بات کا وہ عہد کر لیتے تھے ہر حالت میں اس پر برقرار

دانشمندی اور عاقلانہ تدابیر کا نتیجہ تھا کہ ملک روم جیسی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کے باشندے ہمیشہ سکندر سے خوش رہے اور اس کی اطاعت گزاری کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔ سکندر کامل بتیس (۳۲) سال تک اپنے ملک سے باہر رہ کر اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا رہا' لیکن اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے نظام سلطنت میں کسی قسم کی کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی۔ ساری دنیا کو فتح کرنے کی مہم سے فراغت پا کر جب سکندر اپنے ملک میں واپس پہنچا تو اس نے ہر شخص کو پہلے کی طرح اپنا سچا اطاعت گزار پایا۔ اگر حضور کو بھی اپنی رعایا اور امراء پر ایسا ہی اعتماد ہے جیسا کہ سکندر کو اپنی رعایا اور امراء پر تھا تو حضور پھر اپنے ارادے میں حق بجانب ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی مخالفت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے"۔ علاؤالدین نے اپنے ہم نام کوتوال کی تقریر بڑے غور سے سنی اور کہا "اگر میں ان رکاوٹوں کا خیال کروں جو تو نے بیان کی ہیں تو پھر مجھے دنیا کو فتح کرنے کے ارادے کو ترک کرنا پڑے گا اور میں صرف دہلی کی بادشاہت پر قناعت کر کے بیٹھ رہوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر میری یہ شان و شوکت یہ غلام اور خادم یہ بھرے ہوئے خزانے اور دفینے کس کام آئیں گے اور ساری دنیا کو مسخر کرنے کی میری خواہش کس طرح پوری ہو گی"۔

علاء الملک نے یہ بات سن کر بادشاہ کو جواب دیا۔ "اس وقت حضور کے پیش نظر دو مہمات ایسی ہیں کہ جن پر آپ کے تمام جمع کیے ہوئے خزانے کا صرف ہو جانا ممکن ہے۔ پہلی مہم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے سرحدی علاقوں کے بعض شہروں کو فتح کیا جائے۔ جنوبی علاقے میں رنتھنبور' جالور اور چندیری' مشرق میں دریائے محیط تک کا علاقہ اور شمال میں بلقان اور کابل تک کے خطے کو فتح کر کے یہ مہم سر کی جا سکتی ہے۔ اگر ان مقامات کو جو باغیوں اور سرکشوں کے اڈے ہیں' فتح کر لیا جائے تو ہندوستان ہر طرح کے فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائے گا۔ دوسری مہم مغلوں کے ہنگاموں کو فرو کرنے سے متعلق ہے۔ حضور کے لیے یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ دیپال پور اور ملتان جیسے سرحدی شہروں کے قلعوں کو' جو مغلوں کی لشکر کشی کے راستے میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں مضبوط اور مستحکم کیا جائے اور بروقت ان کی نگرانی کی جائے۔ ان دونوں عظیم الشان مہمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضور دارالسلطنت میں امن و آرام سے حکمرانی فرما سکتے ہیں اور اپنے قابل اعتبار امراء کو عظیم الشان لشکروں کی ساتھ چاروں طرف دور و دراز ممالک کی تسخیر کی لیے روانہ کر سکتے ہیں۔ تاکہ یہ امراء حضور کی جہاں کشائی کے جھنڈے گاڑ کر اپنا اور آقا کا نام روشن کریں لیکن ان تمام مقاصد کو اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب حضور شراب نوشی' عیش کوشی اور سیرو شکار وغیرہ کی طرف کم توجہ فرمائیں اور تمام مہمات کی بذات خود نگرانی کریں"۔

علاؤالدین اپنے اس تجربہ کار اور سیاسی امیر کی فکر انگیز تقریر سن کر بہت متاثر و محظوظ ہوا اور اس نے علاء الملک کے عقل و شعور کی بہت تعریف کی نیز اسے جامہ زردوزی' جس پر شیر کی صورت منقش تھی' دس ہزار تنکہ اور دو عدد مرصع زین و لگام کے گھوڑے انعام میں دیئے۔ بقیہ حاضرین بھی علاء الملک کی گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور ہر امیر نے کئی کئی ہزار تنکے اور دو دو گھوڑے بطور تحفہ اسے دیئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

رنتھنبور پر حملہ

علاء الملک کے مشورے کے مطابق علاؤالدین خلجی نے ہندوستان کے زمینداروں اور راجوں کو راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا۔ اس نے سمانہ کے حاکم الماس بیگ اور کڑہ کے حاکم نصرت خاں کو دہلی میں بلوا بھیجا اور ان دونوں امراء کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ رنتھنبور کے قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ رنتھنبور کا راجہ دہلی کے ایک قدیم راجہ کی نسل سے تھا اور ملک دکن میں بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ علاؤالدین خلجی کے امیروں نے سب سے پہلے جھائن کا قلعہ تسخیر کیا اس کے بعد رنتھنبور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک روز حصار کے قریب پہنچ کر ملک نصرت دمدمہ بنانے لگا۔ اچانک حصار کی اندر سے منجنیق کا ایک پتھر آیا اور نصرت کو لگا اس پتھر سے اسے کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ اس واقعے کے دو تین روز بعد اس حصار کو سر کر لیا گیا۔ رنتھنبور کا راجہ مسمی ہمیر دیو

موقع پاکر دو لاکھ سواروں کے ساتھ قلعے سے جنگ کے ارادے سے باہر نکلا۔ الماس بیگ نے اس وقت معرکہ آرا ہونا مصلحت کے خلاف سمجھا اور وہ محاصرے سے دستبردار ہو کر جھائن کے قلعے میں مقیم ہو گیا۔ الماس بیگ نے ان تمام حالات سے علاؤالدین کو مطلع کیا۔ علاؤالدین ان حالات سے واقف ہوا تو وہ سخت غیظ و غضب کے عالم میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دہلی سے جھائن کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ تلپیت (تلپت) کے مقام پر پہنچا تو چند روز وہاں قیام کیا۔ علاؤالدین کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر روز جنگل میں قمرغہ (شکار گاہ) کا شکار کرنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ حسب عادت شکار کے لیے گیا لیکن معمول کے مطابق رات کو وہ اپنی قیام گاہ پر واپس نہ آیا بلکہ رات بھر شکار گاہ ہی پر قیام کیا۔ دوسرے روز علاؤالدین نے حکم دیا کہ سب لوگ سورج نکلنے سے پہلے ہی قمرغہ کے اندر شکار کھیلیں، اور وہ خود اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ کر قمرغہ کی تیاری کا انتظار کرنے لگا تاکہ اس کے بعد شکار کھیلے۔

علاؤالدین کے قتل کی ناکام کوشش

سلیمان شاہ' علاؤالدین خلجی کا بھتیجا تھا اسے "راکت خاں" کا خطاب ملا ہوا تھا اور وہ وکیل در کے عہدے پر سرفراز تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ علاؤالدین کو قتل کر کے عنان حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لی جائے بالکل اسی طرح کہ جس طرح علاؤالدین' اپنے چچا کو قتل کر کے بادشاہ بنا۔ یہ سوچنے کے بعد سلیمان اپنے ایک سو (١٠٠) قدیم نو مسلم ملازموں کو ساتھ لے کر' اس بلند جگہ پر پہنچا جہاں علاؤالدین قمرغہ کی تیاری کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ سلیمان شاہ اور اس کے ملازمین نے علاؤالدین پر تیر برسانے شروع کر دیئے کچھ دیر تک علاؤالدین ان تیروں سے اپنے آپ کو بچاتا رہا لیکن پھر بھی اس کے بازو پر دو زخم آہی گئے۔ اس موقع پر اس نے ایک چال چلی اور جان بوجھ کر مردوں کی طرح زمین پر گر گیا سلیمان شاہ یہ دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور علاؤالدین کا سر قلم کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ سپاہیوں کی ایک جمعیت سلیمان شاہ کے گرد جمع ہو گئی اور اس کی اطاعت گزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ علاؤالدین مر چکا ہے۔ سلیمان شاہ نے ان سپاہیوں کی بات کا اعتبار کر لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بارگاہ شاہی میں پہنچا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اس نے سارے لشکر میں اعلان کروادیا کہ میں نے علاؤالدین کو قتل کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اہل لشکر کو اس اعلان کا یقین آگیا اور ہر شخص نے اپنے مرتبے کے مطابق سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارک باد دی اور اس کی بیعت کی۔ نقیبوں نے مبارک سلامت کا شور بلند کیا' قاریوں نے کلام مجید کی تلاوت شروع کی اور مطربوں نے طرب و مسرت کے نغمے گانے شروع کیے۔ سلیمان شاہ راکت خان ناتجربہ کار اور بے صبرا تھا اس لیے اس نے اسی وقت شاہی حرم سرا میں داخل ہونے کا ارادہ کیا جب وہ حرم سرا کے دروازے پر پہنچا تو خواجہ سراؤں کے سردار ملک دینار حرمی نے جو اپنی مسلح جماعت کے ساتھ حرم سرا کی حفاظت کر رہا تھا' سلیمان شاہ کو روکا اور کہا کہ جب تک ہم بادشاہ علاؤالدین کا کٹا ہوا سر نہ دیکھ لیں کسی کو حرم سرا میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

ادھر علاؤالدین کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے زخموں کو باندھا اس کا خیال تھا کہ سلیمان شاہ نے اس پر یہ حملہ امراء کے مشورے اور اعانت سے کیا ہے لہٰذا اس نے اپنی پچاس ساٹھ سواروں کی جماعت کے ساتھ الماس بیگ کے پاس جھائن پہنچنے کا ارادہ کیا اور وہی کچھ سوچا کہ جس کا الماس بیگ مشورہ دے' لیکن علاؤالدین کے مقرب خاص ملک حمید الدین بن عمدۃ الملک نے اسے اس ارادے پر عمل کرنے سے روکا اور کہا' بہتر یہی ہے کہ حضور اس وقت شاہی سراپردے کی طرف چلیں۔ سلیمان شاہ کا رنگ ابھی پوری طرح جما نہیں ہے اس لیے توقع ہے کہ آپ کے قدیم سپاہی' چتر شاہی دیکھتے ہی آپ کی طرف لپکیں گے۔ اس طرح سلیمان شاہ کی ساری کارروائی خاک میں مل جائے گی اور اگر اس سلسلے میں اب ذرا سی بھی تاخیر ہو گئی تو پھر حالات کو سنوارنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ علاؤالدین کو ملک حمید کی یہ تجویز پسند آئی اور وہ اسی وقت سوار ہو گیا اور چتر شاہی جو جنگل میں پڑا تھا' اسے کام میں لایا گیا۔ علاؤالدین بڑے آرام

کہ سراپردے تک پہنچتے پہنچتے تقریباً پانچ سو (۵۰۰) سپاہی علاؤالدین کے ساتھ ہو گئے۔ علاؤالدین ایک بلند مقام پر چڑھ کر چتر شاہی کو نمایاں انداز سے منظر عام پر لایا اس کو دیکھتے ہی سارا لشکر علاؤالدین کی طرف دوڑ آیا اور سلیمان شاہ کا دربار درہم برہم ہو گیا۔ تمام سایس اور فیل بان' جنھوں نے گھوڑے اور ہاتھی تیار کر کے سلیمان شاہ کی خدمت میں پیش کیے تھے انھوں نے جب شاہی چتر سفید کو دیکھا تو وہ تمام لوازمہ شاہی کے ساتھ سلیمان شاہ کی طرف سے اٹھ کر علاؤالدین کی طرف آگئے۔ سلیمان شاہ اب تنہا رہ گیا اور اس تنہائی سے حواس باختہ ہو کر اس نے افغان پور کی طرف بھاگ جانے ہی میں خیریت دیکھی۔ علاؤالدین متذکرہ بالا بلند مقام سے نیچے اترا اور اپنی بارگاہ میں اس نے دربار عام منعقد کیا نیز سپاہیوں کی ایک جماعت سلیمان شاہ کے تعاقب میں روانہ کی۔ ان سپاہیوں نے افغان پور میں پہنچ کر سلیمان کو گرفتار کر لیا اس کا سر قلم کر کے علاؤالدین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ علاؤالدین کے حکم سے یہ سر سارے شہر میں پھرایا گیا اور الغ خاں اور دیگر امراء کے نام فتح نامے جاری کیے گئے۔ سلیمان شاہ کے بھائی قتلغ خاں کو بھی مع اس کے ساتھیوں کے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

رنتھنبور میں ورود

جب علاؤالدین کے زخم بھر گئے تو وہ تلپت سے رنتھنبور آیا۔ الماس بیگ نے بادشاہ سے ملاقات کی' الماس بیگ قلعہ رنتھنبور کا محاصرہ تو پہلے ہی سے کیے ہوئے تھا اب اس نے بادشاہ کے حکم سے محاصرے میں شدت کر دی اور اہل قلعہ پر اور زیادہ سختیاں کرنے لگا۔ ہر روز راجپوت قلعے پر سے پتھر اور آگ پھینکتے تھے اور اس طرح بہت سے بندگان خدا کی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں۔ مسلمانوں کا لشکر نقب زنی وغیرہ کے ذریعے اہل قلعہ پر مزید سختیاں کرتا رہا۔ مسلمانوں کے لشکر کے سردار راجپوتوں کے ملک میں جا جا کر تباہی و غارت گری کا بازار گرم کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ان اقدامات سے راجپوتوں کی حالت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

اودھ اور بدایوں کے حاکموں کی بغاوت

جب اس محاصرے کو کافی دن ہو گئے تو اودھ اور بدایوں کے حکمران امیر عمرو اور منکو خاں نے جو علاؤالدین کے بھانجے تھے' بغاوت کا پرچم لہرایا ان دونوں نے اچھا خاصا لشکر اپنے ساتھ کر کے بادشاہ کے احکامات کی خلاف ورزی شروع کر دی ان کی بغاوت کی وجہ سے حالات اور بگڑ گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر علاؤالدین نے متذکرہ علاقوں کے امراء کے نام فرامین جاری کر کے انھیں ان دونوں کی بغاوت کو کچلنے کا حکم دیا۔ ان امیروں نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور اپنی متفقہ قوتوں سے باغیوں کو شکست فاش دی۔ عمرو اور منکو کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا گیا اور ان کے ساتھیوں اور ہمراہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ علاؤالدین نے قلعہ رنتھنبور کے نیچے عمرو اور منکو کو سزا دی۔ پہلے تو ان دونوں کی آنکھیں نکالی گئیں اور پھر بہت بری طرح' تکالیف دے دے کر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان اقدامات کے باوجود بھی فتنہ و فساد کی آگ نہ بجھ سکی اور ابھی یہ ہنگامہ پوری طرح ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک نیا فساد پیدا ہو گیا۔

حاجی مولیٰ کی بغاوت

انھیں دنوں ملک امراء ملک فخرالدین کوتوال کے ایک غلام حاجی مولیٰ نامی کے حوصلے بڑھے یہ شخص سلطان جلال الدین خلجی کے زمانے میں دہلی کا داروغہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ علاؤالدین ایک مدت سے رنتھنبور کے محاصرے میں مصروف ہے اور ملک علاؤالدین بھی اس کے ہمراہ ہے' اہل شہر موجودہ کوتوال دہلی بایزید سے' جو شہر سے باہر ایک چبوترے پر اپنا اجلاس کرتا ہے' رنجیدہ اور ناخوش ہیں اس لیے اگر کوئی مصیبت پڑے گی تو اہل شہر اس کوتوال کا بالکل ساتھ نہ دیں گے' تو اس نے ایک دن دوپہر کے وقت جب کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے وقت گزار رہے تھے' فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا سب سے پہلے تو حاجی مولیٰ' بایزید کوتوال کے گھر گیا اور اس سے کہا بادشاہ کا ایک پیغام آیا ہے بایزید یہ سنتے ہی اپنے گھر سے باہر آیا۔ حاجی مولیٰ نے اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور ان

لوگوں نے فوراً بایزید پر حملہ کر کے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ حاجی مولیٰ نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ بایزید کو شاہی حکم کے مطابق قتل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حاجی مولیٰ نے دربانوں کو شہر کے دروازے بند کر لینے کا حکم دیا۔ نیز ایک شخص کو حصار نو کے کوتوال علاؤالدین ایاز کے پاس بھیجا گیا کہ بادشاہ کا فرمان آیا ہے اسے آکر سن جاؤ۔ ایاز‘ حاجی مولیٰ کے ارادوں سے واقف ہو گیا تھا اس نے اپنے لشکر کو جمع کر کے شہر نو کا دروازہ بند کر لیا۔ حاجی مولیٰ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوشک لعل میں گیا اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر کے تمام اسلحہ‘ گھوڑے اور خزانہ وغیرہ ان میں تقسیم کر کے انھیں اپنے ساتھ لیا۔ اس کے بعد حاجی مولیٰ نے علوی نامی ایک شخص کو جبراً کوشک لعل میں شاہی تخت پر بٹھا دیا۔ علوی سلطان شمس الدین التمش کی اولاد میں سے تھا اور اسے عام طور پر "شہنشاہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حاجی مولیٰ نے شہر دہلی کے تمام امراء اور رؤساء کو علوی کی بیعت کرنے پر مجبور کیا۔

حاجی مولیٰ کا قتل

رنتھنبور میں علاؤالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بالکل خاموش رہا اس نے اس بات کو عام لوگوں کے کانوں تک پہنچنے نہ دیا اور قلعے کو سر کرنے کی کوششوں کو تیز سے تیز کر دیا۔ علوی کی تخت نشینی کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ملک حمید الدین کوکابدایوں دروازہ کھول کر شہر کے باہر نکل گیا۔ اس کے ہمراہ اس کے بیٹے بھی تھے‘ جن میں سے ہر ایک اپنی شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ ملک حمید الدین نے ہر چہار طرف کے لوگوں کو جمع کیا اور ملک ہزبرالدین ظفر خاں کے ملازموں کی کثیر تعداد کو ساتھ کر لیا۔ یہ لوگ امروہہ سے جائزہ اور عرض لینے کے بعد یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان سب لوگوں کے ہمراہ ملک حمید الدین غزنی دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ نند دروازے کے قریب حاجی مولیٰ سے اس کا آمنا سامنا ہوا اور فریقین میں لڑائی کا بازار گرم ہو گیا۔ ملک حمید الدین نے بہادری کا ثبوت دیا وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر حاجی مولیٰ سے لپٹ گیا اور اسے گھوڑے سے اتار کر زمین پر گرا دیا اور خود اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اس موقع پر حاجی مولیٰ کے ساتھیوں نے حمید الدین کو مارنے کی بہت کوشش کی اور اسے زخمی بھی کیا لیکن اس نے حاجی مولیٰ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس کا سر نہ کاٹ لیا۔ حاجی مولیٰ کو قتل کرنے کے بعد حمید الدین کوشک لعل میں آیا اور علوی کو قتل کر کے اس کا سر ایک نیزے پر لٹکا کر سارے شہر کے گلی کوچوں میں پھرایا۔ اس کے بعد حمید الدین نے علوی کا سر اور فتحنامہ علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاؤالدین نے الماس بیگ الغ خاں کو دہلی روانہ کیا تاکہ مجرموں کو ان کے افعال کی پوری پوری سزائیں دی جائیں۔ ملک فخر الدین کے بیٹوں کو‘ اگرچہ وہ باغیوں کے ساتھ نہ تھے محض اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ حاجی مولیٰ ان کے باپ کا پروردہ پرداختہ تھا اور یوں ان بے گناہوں کے گھروں کو برباد و تاراج کیا گیا۔

علاؤالدین نے ایک سال یا ایک دوسری روایت کے مطابق تین سال کے اندر اندر آس پاس کے علاقوں سے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے اپنے فوجیوں میں خریطے تقسیم کیے۔ ہر شخص نے اپنے خریطے میں ریت بھری اور اسے ایک درے میں جسے رن کہا جاتا تھا پھینکنا شروع کیا۔ ان ریت سے بھرے ہوئے خریطوں سے درہ پٹ گیا اور ایک سرکوب تیار ہو گیا اور اس سرکوب کے ذریعہ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اہل قلعہ کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور یوں قلعہ فتح ہو گیا۔ راجہ ہمیر دیو کو مع اس کے اہل و عیال کے قتل کیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ میر محمد شاہ اور اس کے لشکریوں کی جماعت جالور سے فرار ہو کر رنتھنبور میں پناہ گزین ہوئی تھی۔ رنتھنبور کی فتح کے بعد بے شمار مغلوں کو قتل کیا گیا۔ میر محمد شاہ کو بھی میدان جنگ میں بہت زخم آئے اور وہ ایک طرف گر گیا۔ علاؤالدین نے جب اسے اس حالت میں دیکھا تو اسے بہت رحم آیا۔ علاؤالدین نے میر محمد شاہ سے پوچھا۔ "اگر ہم تمھارا علاج کروا کے تمہیں موت کے ہاتھوں سے بچا لیں تو صحت یاب ہونے کے بعد تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" میر محمد نے جواب دیا "اگر میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تجھے قتل کر کے

کے پاؤں سے پامال کروادیا- اس کے بعد علاؤالدین کو میر محمد کی بہادری اور اپنے آقا کے ساتھ وفاداری کا احساس ہوا تو اس نے حکم دیا کہ میر محمد کی تجہیز و تکفین کر دی جائے- ان حالات سے فرصت پانے کے بعد علاؤالدین نے راجہ ہمیر دیو کے نمک حرام ملازموں کی طرف توجہ کی اور اس کے تمام خادموں کو یہ کہہ کر قتل کروایا کہ جب ان لوگوں نے اپنے آقا ہی کے ساتھ بے وفائی کی تو ہمارے ساتھ کس طرح اچھائی کریں گے- مجرموں کو سزا دینے کے بعد علاؤالدین قلعے میں داخل ہوا- اس قلعے میں بے اندازہ دولت تھی علاؤالدین نے یہ دولت مع قلعے اور اس علاقے کی حکومت الماس بیگ کے سپرد کی اور خود واپس وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا- اس واقعہ کے پانچ چھ ماہ بعد الماس بیگ بیمار پڑ گیا- اسی بیماری کے عالم میں دہلی کی طرف روانہ ہوا لیکن راستے ہی میں موت کی ظالم ہاتھوں نے اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کر دیا-

بغاوتوں کو روکنے کی تدابیر

اس زمانے میں علاؤالدین امراء کی ہنگامہ خیزیوں سے بہت ڈر گیا تھا اس لیے اس نے اپنے مخصوص معاملہ فہم امیروں سے یہ مشورہ کیا کہ اسے ایسی کون سی تدابیر اختیار کرنی چاہیں جن پر عمل کر کے بغاوت و سرکشی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کیے جائیں- ان امراء نے جواب دیا-

ہنگامہ خیزی اور بغاوت کا سبب عام طور پر چار چیزیں ہوا کرتی ہیں جو یہ ہیں-

اول - بادشاہ کا رعایا سے بالکل بے خبر رہنا اور اس کی بھلائی یا برائی کی پرواہ نہ کرنا-

دوم - ملک میں شراب نوشی کا عام رواج ہونا- شراب نوشی کی وجہ سے انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے' اس کی بدطینتی کا مادہ ابھرنے لگتا ہے- انسان نشے کی عالم میں اپنے آپ سے باہر نکل کر اپنی خواہشات کو تسکین پہنچانے کے لیے طرح طرح کی حرکات کرتا ہے- اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر ہم خیالی کی بدولت آپس میں مل جل کر ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں-

سوم - امراء اور اراکین سلطنت کا آپس میں گہرے مراسم رکھنا-جب امراء آپس میں شیر و شکر ہوتے ہیں تو اس وقت ان میں سے اگر کوئی ایک کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو باقی تمام اس کا ساتھ دیتے ہیں-

چہارم - مال و دولت کی فراوانی- جب کم ظرفوں اور کمینوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ روپیہ مل جاتا ہے تو وہ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں- ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں' وہ ہر چیز پر قابض ہونے کی تمنا کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی حریص نگاہیں زمام حکومت کو بھی ہاتھ میں لینے کے لیے تڑپنے لگتی ہیں-

خفیہ خبر رسانی کا انتظام

علاؤالدین کو اپنے اراکین سلطنت کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور اس نے ان خرابیوں کو دور کرنے کا ارادہ کرلیا- رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے علاؤالدین نے چاروں طرف معتبر جاسوس مقرر کیے اور خفیہ خبر رسانی کے محکمے کو اس قدر ترقی دی کہ اسے ملک کے تمام اچھے برے حالات کی خبریں ملنے لگیں- نوبت یہاں تک پہنچی کہ امراء اور اراکین سلطنت رات کے وقت اپنے گھروں میں اپنے اہل و عیال سے جو باتیں کیا کرتے تھے' ان کی اطلاع بھی بادشاہ کو ہو جایا کرتی تھی- صبح کے وقت جب کوئی امیر بادشاہ کے حضور میں آتا تو بادشاہ اس کے سامنے گزشتہ رات کی اس کی گفتگو کی رپورٹ اس کے سامنے رکھ دیتا- امیر اس تحریر کو پڑھ کر انگشت بدنداں ہو جاتا' کیوں کہ اس رپورٹ میں ایک ایک بات بالکل صحیح طریقے سے لکھی ہوئی ہوتی تھی- اس کاروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگے- اپنے گھروں میں بھی لوگ آدمی آدمی [illegible]

گفتگو اشاروں کنایوں سے ہوتی تھی- اس صورت حال کی وجہ سے ملک میں چاروں طرف امن و امان کا دور دورہ ہو گیا- تمام راستے پرامن ہو گئے سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ بغیر کسی خوف و خطر کے راتوں کو سفر کیا کرتے تھے دریائے شور کے کنارے تک' بنگالہ کے راستے تلنگانہ اور مالا بار تک سندھ اور گجرات کی راہ گزاریں' کابل اور کشمیر تک لاہور کی سڑکیں ایسی پرامن ہوگئیں کہ جیسی دہلی اور سیری کی گلیاں' مسافر جس قدر مال و اسباب چاہتے اپنے ساتھ رکھتے- راستے کے جنگلوں میں وہ ڈاکوؤں اور چوروں وغیرہ سے بالکل بے خطر ہو کر' راتوں کو چین کی نیند سوتے اور ان کا تمام مال و اسباب ان کے پاس پڑا رہتا- مسافر' دروان سفر میں جس گاؤں سے بھی گزرتے وہاں کا چودھری ان کی پوری توجہ سے آؤ بھگت کرتا-

شراب نوشی پر پابندی

دوسرا مشورہ شراب نوشی کی ممانعت سے متعلق تھا اس سلسلے میں علاؤالدین نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ خود کھلے بندوں میں شراب پینی بند کر دی اور یوں محفل بادہ نوشی کا انعقاد ختم ہو گیا' عیش و عشرت کی محفلیں برباد ہو گئیں- بدایوں دروازے کے پاس شراب کے کتنے ہی مٹکے خاک میں ملا دیئے گئے- ساغروں اور صراحیوں کو پاش پاش کر کے پھینک دیا گیا شراب پینے کے لیے جو سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے جاتے تھے' ان کو گلا ڈالا گیا اور ان سے سکے ڈھال کر شاہی خزانے میں داخل کر دیئے گئے- شہر میں عام اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ نے شراب نوشی سے توبہ کرلی ہے لہٰذا جو شخص شراب پئے یا بیچے گا' اس کو سخت سزا دی جائے گی- تمام مقبوضہ علاقوں میں اس قسم کے فرامین بھیجے گئے اور لوگوں نے بسرو چشم شاہی حکم کی تعمیل میں اپنے گھروں سے شراب نکال کر سڑکوں اور شاہراہوں پر بہا دی- کہا جاتا ہے کہ شاہی حکم کے بعد سڑکوں اور گلیوں میں اتنی شراب لنڈھائی گئی کہ برسات کے موسم کی طرح ہر طرف کیچڑ کیچڑ نظر آتی تھی- بادہ خوار حسرت بھری نظروں سے یہ منظر دیکھتے اور زبان حال سے "یالیتنی کنت ترابا" (اے کاش میں مٹی ہوتا) کا ورد کرتے- شہر کے چوکیدار بڑی چوکسی اور تندہی سے اس امر کا خیال رکھتے کہ شراب کا کوئی برتن شہر کے اندر نہ جانے پائے- اگر کبھی کوئی شخص گھاس' لکڑیوں یا دیگر سامان کے اندر شراب کا برتن چھپاکر' شہر میں لے جانے کی کوشش کرتا تو اسے اپنی اس کوشش میں ناکامی ہوتی- چوکیدار فوراً اس قسم کے مجرموں کو تاڑ لیتے اور شراب حاصل کر کے بحکم سرکار ضبط کرلی جاتی- یہ ضبط کی ہوئی شراب شاہی فیل خانے میں بھجوا دی جاتی اور ہاتھیوں کو پلوا دی جاتی اس عہد کی ہاتھیوں کی زندگی قابل رشک تھی' کہ انھیں پینے کے لیے شراب مل جاتی تھی اور وہ اپنی زندگی کے ایام عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے- ان تمام حفاظتی تدابیر اور شدید احکامات کے باوجود کچھ لوگ کسی نہ کسی بہانے اور چالاکی سے شراب لے ہی آتے تھے' اور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر ساغر و مینا سے اٹھکیلیاں کرتے تھے ان بادہ پرستوں کو قید و بند اور ذلت و رسوائی کی قطعاً پروا نہ تھی اور وہ ہمیشہ سرشار بادہ رہتے- جب بادشاہ کو ان لوگوں کی حرکت کا علم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ بدایوں دروازے کے پاس جو' عام راستے پر واقع ہے' ایک کنواں کھودا جائے' اور جو لوگ حکم امتناع شراب نوشی کی خلاف ورزی کریں' انھیں اس کنوئیں میں قید کر دیا جائے- (اس حکم پر عمل کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو اس کنوئیں میں قید کیا گیا) اس کنوئیں کے اکثر قیدی تو دوران قید ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے' اور جو لوگ اس قید سے رہائی حاصل کرتے تھے' ان کی صحت ایسی خراب ہوتی کہ مدتوں تک وہ علاج معالجہ کرواتے رہتے' تب کہیں جاکر تندرستی کی نعمت میسر آتی- جب علاؤالدین نے دیکھا کہ ملک میں شراب نوشی کی لعنت تقریباً ختم ہو چلی ہے اور اس سلسلے کے احکامات پر پوری طرح عمل کیا جانے لگا ہے تو اس نے اس قدر نرمی ضرور برتی کہ یہ اجازت دے دی کہ اگر امراء و رؤسائے شہر اپنے گھروں میں تنہا طور پر شراب پینا چاہیں تو پی سکتے ہیں-

آپس میں بادشاہ کے حکم کے بغیر' رشتے ناتے کرنے پر پابندی لگا دی گئی- اس کے علاوہ ایک دوسرے کی دعوتیں کرنے کا دستور بھی ختم کر دیا گیا- اس حکم پر فورا" عمل کیا گیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اراکین سلطنت ایک دوسرے کے لیے بیگانے ہوگئے- اگر اتفاق سے کسی امیر کے ہاں کوئی مہمان آجاتا' یا کوئی امیر کسی امیر کے ہاں رشتہ کرنا چاہتا تو وہ سید خاں وزیر جسے "فتنہ انگیز" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا' کے نام ایک خط کر لکھ کر تمام حالات سے اسے آگاہ کرتا اور اس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا' تاکہ سید خاں بادشاہ سے اجازت حاصل کر لے

دولت کی تحدید

چوتھا مشورہ دولت کی فراوانی کو ختم کرنے سے متعلق تھا اس پر یوں عمل کیا گیا کہ وہ تمام قصبات جو معافی یا کسی اور وجہ سے رعایا کے قبضے میں تھے' وہ شاہی تحویل میں لے لیے گئے بادشاہ نے ہر امیر اور غریب پر' جائز و ناجائز' ہر طرح کا اثر ڈال کر' اس کی تمام دولت حاصل کر کے شاہی خزانے میں جمع کر دی- اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ کھانے پینے سے بھی محتاج ہو گئے اور روزگار حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگے- انہیں اتنی فرصت ہی نہ رہی کہ وہ فتنوں اور ہنگاموں کی طرف توجہ کرتے-

مساوات کا دور دورہ

مندرجہ بالا اقدامات کے بعد علاؤ الدین خلجی نے سلطنت میں ایسے قوانین جاری کرنے کا ارادہ کیا کہ جن کی رو سے ملک میں مساوات کا دور دورہ ہو جائے' کمزوروں اور طاقتوروں میں کوئی فرق باقی نہ رہے- دیہاتوں کے مکھیوں اور چودھریوں کو' عام لوگوں کے مقابلے پر جو امتیازات حاصل ہیں انہیں ختم کر دیا جائے- اس سلسلے میں بادشاہ نے حکم دیا کہ زمین کی پیمائش کی جائے اور تمام پیداوار کا نصف حصہ شاہی خزانے میں داخل کر دیا جائے- اس حکم کا اطلاق مکھیا' چودھری اور عام رعایا پر بھی کیا گیا- وہ رقم جس پر مکھیا اور چودھری اپنا حق سمجھتے تھے' وہ بھی وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کی گئی- مکھیا اور گاؤں کے دوسرے افراد پر' کھیتی باڑی کے لئے چار گائے سے زیادہ اور گھریلو ضروریات کے لیے دو بھینسوں دو گائے اور بارہ بکریوں سے زیادہ جانور رکھنے پر پابندی لگا دی گئی- چرائی کا محصول جانوروں کے مالکوں سے جانوروں کی تعداد کے مطابق لیا جانے لگا- شاہی ملازموں اور اہل کاروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ بڑی احتیاط سے اور دیانتداری کے ساتھ ان قواعد پر عمل کریں اور بددیانتی کر کے ایک جتیل بھی اپنی ذات کے لیے حاصل نہ کریں- اگر اہلکار اپنے روزینے کے علاوہ کوئی رقم وصول کرتے تھے تو پٹواری کے دفتر کا محاسبہ کیا جاتا تھا' اور اگر کسی فرد کے نام کوئی رقم زیادہ نکلتی تھی' تو وہ اسی وقت سختی کے ساتھ اس فرد سے حاصل کر لی جاتی تھی-

اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے عاملوں اور اہل کاروں کو اپنے پیشے میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا اور انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا- گاؤں کے چودھریوں کی زندگی کا نظام بالکل درہم برہم ہوگیا وہ لوگ جو انتہائی امیرانہ شان سے زندگی بسر کرتے تھے اور جن کی لمحہ لمحہ عیش و عشرت کی نذر ہوتا تھا' وہ اب اس حالت کو پہنچ گئے تھے کہ ان کے گھروں کی عورتیں' دوسرے خوش حال گھرانوں میں ملازمتیں کر کے گزر بسر کا سامان فراہم کرنے لگیں-

فاسد خیالات اور ان کی اصلاح

سلطان علاؤ الدین خلجی کبھی کبھی اس خیال کا اظہار کیا کرتا تھا کہ ملک کی حکمرانی اور بادشاہت کے نظام کو صرف بادشاہ کی رائے اور اس کی مصلحتوں سے تعلق ہوتا ہے- ان سیاسی کاموں سے خداوند تعالیٰ کی شریعت کو کوئی واسطہ نہیں ہے- مذہبی علماء کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مختلف قسم کے مقدموں کا فیصلہ کریں' خاندانی جھگڑوں کو ختم کریں اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کے بہترین طریقے بتائیں- اپنی اس غلط رائے پر علاؤ الدین ہمیشہ عمل کرتا تھا اور کسی معاملے پر شرعی احکام کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا' اس زمانے کے دینی علماء میں قاضی ضیاء الدین بیانوی' مولانا ظہیر لنگ مرشد کہرامی' شاہی دیوان خانے میں آتے رہتے تھے اور بادشاہ کی بارگاہ کے باہر امراء کے ساتھ شریک طعام

ہوا کرتے تھے' لیکن قاضی مغیث الدین بیانوی کو بادشاہ کی پوری پوری قربت حاصل تھی' وہ اپنے زمانے کے بہترین عقلمندوں میں سے تھے' کیونکہ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ علاؤ الدین بالکل پڑھا لکھا نہیں ہے- جب شاہی گماشتوں کے مراسلے بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے لگے تو اس وقت بادشاہ کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے اس طرف توجہ کی کوشش کر کے اس نے اتنی استعداد پیدا کر لی کہ خط شکستہ کی عبارت باآسانی پڑھنے لگا- اس سلسلے میں بادشاہ نے فارسی کی چند کتابوں کا مطالعہ کیا اور علماء سے علمی معاملات میں گفتگو کرنے لگا- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے فاسد خیالات اصلاح پذیر ہوئے اور اسے اس بات کا یقین آگیا کہ علماء اور قاضی نیک نیت اور پاک باطن لوگ ہیں- یہ لوگ دنیاوی فوائد کے لالچ میں گرفتار ہو کر مسائل گھڑا نہیں کرتے عقائد کی اس تبدیلی کے بعد علاؤ الدین کبھی کبھی علماء کی مجلس میں شرکت کرتا اور ان سے شرعی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتا تھا-

قاضی مغیث سے بادشاہ کی گفتگو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ نے قاضی مغیث الدین بیانوی سے کہا میں تم سے چند مسائل کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں- چونکہ علاؤ الدین نے زندگی بھر کبھی علماء سے کوئی بات چیت نہ کی تھی اور ہمیشہ انہیں مطلب پرست اور دغاباز سمجھ کر ان سے کسی قسم کا کوئی مشورہ نہ لیا کرتا تھا- اس لیے قاضی صاحب بادشاہ کو یہ بات سن کر دل ہی دل میں خائف ہوئے کہ خدا جانے کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے- انہوں نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی "حضور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا وقت اب قریب آچکا ہے' اس لیے آپ کوئی مسئلہ پوچھنے کی زحمت نہ فرمائیں بلکہ شاہی ملازمین کی یہ حکم دیں کہ ابھی' اسی وقت میرا سر قلم کر دیں"- بادشاہ نے قاضی صاحب سے اس ڈر اور خوف کی وجہ پوچھی- قاضی صاحب نے کہا حضور مجھ سے جو کچھ بھی دریافت فرمائیں گے میں اس کا صحیح صحیح جواب دونگا' اگر یہ جواب حضور کی مرضی کے خلاف ہوا تو پھر میرا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا- اگر میں نے آپ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے غلط جواب دیا اور پھر آپ نے بعد میں دیگر علماء سے میرے جواب کی تصدیق فرمائی تو پھر مجھ پر جھوٹ بولنے کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی میرا حشر وہی ہو گا کہ جو پہلی صورت میں ہوتا- یہ جواب سن کر علاؤ الدین مسکرایا اور اس نے قاضی صاحب سے کہا میں جو کچھ تم سے دریافت کروں تم اس کا جواب اسلامی شریعت کے مطابق دو اور یہ یقین رکھو کہ سچ بولنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا- اس کے بعد بادشاہ نے قاضی صاحب سے کچھ سوالات کیے اور قاضی صاحب نے ان کی تسلی بخش جوابات دیئے یہ سوالات و جوابات درج ذیل لیے جاتے ہیں-

سوال: اسلامی شریعت کی رو سے کس ہندو کو ذمی اور خراج گزار کہا جا سکتا ہے؟

قاضی صاحب کا جواب: مذہب اسلام کی رو سے ان غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے جو اسلامی حکمران کے عاملوں کے طلب کرنے پر بغیر کسی حیل و حجت کے مال اور خراج ادا کر دیں- اگر بادشاہی عامل ان غیر مسلموں کی کوئی بے عزتی بھی کریں تو انہیں صبر کے ساتھ برداشت کرنی چاہیے اور مال کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہیے- علمائے مذہب اسلام نے غیر مسلموں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ یا تو وہ مذہب اسلام قبول کرلیں یا قتل کر دیے جائیں- احادیث صحیح سے بھی اسی فتوے کی تائید ہوتی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی نے غیر مسلموں کو قتل کرنے سے منع کیا اور اس کی جگہ جذیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے غیر مسلموں سے سخت گیری کے ساتھ جزیہ وصول کرنا چاہیے تاکہ یہ تشدد اور سخت گیری قتل کے قائم مقام ہو سکے- یہ جواب سن کر علاؤ الدین مسکرایا اور کہا- "تم نے جو کچھ بیان کیا وہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے' لیکن میں نے اپنے ذاتی غور و فکر سے جو طریقہ اختیار کیا' وہ یہی ہے اور میں غیر مسلموں سے ایسا ہی سلوک کرتا ہوں"-

چوری کے مترادف سمجھنا جائز ہے اور رشوت لینے والوں کو وہی سزا دی جاسکتی ہے جو چوروں کو دی جاتی ہے۔

جواب: شاہی اہل کار اپنی معمولی تنخواہ کے علاوہ' جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو' اگر کوئی رقم وصول کریں تو بڑی سختی سے ساتھ وہ رقم ان سے واپس لے لینی چاہیے' لیکن چوروں کے لیے جو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے' وہ ان لوگوں پر جاری نہیں کی جاسکتی۔ بادشاہ نے قاضی مغیث الدین کا یہ جواب سن کر کہا۔ "میں نے بھی سزا کا یہی قانون رائج کیا ہے۔ شاہی اہل کار جو رقم بددیانتی سے وصول کرتے ہیں میں بڑی سختی کے ساتھ ان سے واپس لے لیتا ہوں تاکہ لالچی اور ظالم اہل کار رعایا کو تنگ نہ کریں اور رشوت لینے کا رواج ختم ہو جائے۔"

تیسرا سوال: بادشاہ نے تیسرا سوال یہ کیا۔ میں نے اپنی امارت کے زمانے میں دیوگڑھ سے جو مال دولت حاصل کیا ہے اس پر کس کا حق ہے؟ میرا یا رعایا کا۔ وہ میری ملکیت ہے یا بیت المال کی امانت۔

جواب: قاضی مغیث الدین نے کہا۔ "اس تمام مال و دولت میں آپ کا حق اتنا ہی ہے کہ جتنا ان لوگوں کا جنہوں نے یہ سب کچھ حاصل کرنے میں آپ کی مدد کی"۔ بادشاہ کو یہ جواب پسند نہ آیا اور اس نے کہا۔ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جو رقم میں نے اپنی امارت کے زمانے میں حاصل کی اور جسے شاہی خزانے میں داخل نہیں کیا گیا' وہ کس طرح بیت المال کی امانت ہو سکتی ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے جواب دیا۔ بادشاہ اپنی ذاتی کوشش اور قوت و محنت سے جو کچھ حاصل کرتا ہے' اس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہوتا' لیکن جو دولت اسلامی لشکر کی مدد سے بادشاہ حاصل کرے اس پر اس کا حق اسی قدر ہوتا ہے جس قدر کہ ایک عام لشکری کا۔

چوتھا سوال: لشکر اسلام کی مدد سے جو دولت حاصل کی جائے اس میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا۔ "اب محسوس ہو رہا ہے کہ میری موت آگئی ہے آپ کو میرا پہلا جواب بھی پسند نہیں آیا تھا' اور یہ جواب تو کچھ زیادہ ہی ناپسندیدہ ہو گا۔ علاؤ الدین نے یہ سن کر کہا تم میرے سوال کا صحیح صحیح جواب دو اور اپنی جان کو بالکل محفوظ و ممنون سمجھو"۔

قاضی مغیث الدین نے کہا۔ "اس سلسلے میں تین (۳) مختلف طریقوں پر عمل کیا جاسکتا ہے اگر از روے انصاف دیکھا جائے اور خلفائے راشدین کی تقلید کی جائے۔ تو اس طرح حاصل کی ہوئی دولت سے بادشاہ کو اسی قدر حصہ لینا چاہیے جتنا کہ ایک عام مسلمان کو اور اگر میانہ روی سے کام لیا جائے تو بادشاہ کو ان امیروں کے برابر حصہ لینا چاہیے کہ جنھیں زیادہ حصہ ملتا ہو اور اگر ملکی و سیاسی مصلحتوں کا خیال کیا جائے (جیسا کہ عام طور پر علماء ضعیف روایتوں کے سہارے بادشاہوں کو اس کا شرعی جواز بنا دیتے ہیں) تو بادشاہ امراء کے حصے سے کچھ زیادہ حصہ لے سکتا ہے تاکہ بادشاہ اور عام امراء کے مرتبے میں امتیاز کیا جائے اور شاہی رعب کو برقرار رکھا جائے۔ اس سے زیادہ حصہ لینا بادشاہ کے لیے کسی طور پر بھی جائز نہیں ہے۔ بادشاہ کی اولاد کا حق امراء اور مسلمانوں کے برابر ہونا چاہیے"۔ یہ جواب سن کر علاؤ الدین بہت خفا ہوا اور اس نے کہا۔ "اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ میرے حرم اور دیگر سلسلوں میں جو رقم صرف ہوتی ہے تم اس کو ناجائز قرار دیتے ہو؟" قاضی مغیث نے جواب دیا۔ حضور نے مجھ سے شرعی مسائل کے بارے میں پوچھا تھا' میں نے سب جوابات از روئے شرع دیئے ہیں لیکن اگر ملکی مصلحت اور سیاسی ضروریات کے پیش نظر میری ذاتی رائے پوچھی جائے تو میں یہ کہوں گا کہ حضور کا عمل بالکل صحیح ہے' بادشاہ کے وقار اور اس کے رعب و داب کو قائم رکھنے کے لیے جس قدر دولت بھی صرف ہو گی اسے ملکی انتظامات کے اخراجات میں شمار کرنا چاہیے۔

پانچواں سوال: علاؤ الدین نے کہا۔ "میرا یہ معمول ہے کہ جو لشکری ضرورت کے وقت حاضر نہیں ہوتا میں اس سے' سزا کے طور پر' تین (۳) سال کا معاوضہ واپس لے لیتا ہوں۔ باغیوں' مفسدوں اور سرکشوں کو میں ان کے ساتھیوں' ہمراہیوں اور بیوی بچوں سمیت

موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ایسے مجرموں کی تمام دولت حاصل کر کے شاہی خزانے میں داخل کر دیتا ہوں۔ باغیوں سے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کرتا اور ان کا نام و نشان مٹا کر ملک میں امن و امان کی فضا پیدا کرتا ہوں۔ شرابیوں کا بدکاروں اور چوروں کو میں شدید سزائیں دیتا ہوں' میرا خیال ہے کہ تم ان سب باتوں کو شرع اسلام کے خلاف کہو گے؟ قاضی صاحب یہ باتیں سن کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے' ایک کونے میں جاکر اپنے سر کو ہاتھوں پر رکھ کر زمیں بوس ہوئے اور بڑے ادب کی ساتھ بادشاہ کو جواب دیا۔ "حضور نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ شریعت کے احکام کے خلاف ہیں۔" بادشاہ یہ جواب سن کر بہت ہی سٹ پٹایا اور بوکھلا کر حرم سرا کی طرف چلا گیا۔

قاضی صاحب بھی پریشانی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوئے اور جلد از جلد اپنے گھر پہنچے انہیں اپنی زندگی کا اب کوئی یقین نہ تھا' انہوں نے اپنے اہل و عیال سے ہمیشہ کے لیے رخصت طلب کی اور اپنے قتل کے شاہی فرمان کا انتظار کرنے لگے۔ وہ اسی انتظار میں خدا سے لو لگائے بیٹھے تھے کہ دوسرے دن علاؤ الدین نے انہیں دربار میں بلایا اور خلاف توقع و امید انہیں شاہی لطف و کرم سے نوازا گیا۔ خاصے کا جامہ زردوزی اور ایک ہزار تنکہ بطور انعام دیا۔ علاؤ الدین نے قاضی صاحب سے فرمایا۔ "اگرچہ میں علم سے بالکل ناآشنا اور شرعی مسائل سے قطعاً ناواقف ہوں لیکن مسلمان اور مسلمان کا بیٹا ہوں' میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے' لیکن دنیا کے معاملات اور خاص طور پر ہندوستان کی مہمات صرف شرعی مسائل پر عمل کرنے سے حل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک سیاست کے شدید ترین قواعد سے کام نہ لیا جائے ملک میں امن و امان قائم رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے میرا خیال ہے کہ محض مذہبی وعظ اور نصیحتوں سے اس زمانے کے لوگ سیدھے راستے پر نہیں آسکتے۔ یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فاسق اور بدکار لوگ زناکاری کے والہ و شیدا ہیں' غصہ' قید اور مارپیٹ سے یہ لوگ بدکاری سے توبہ نہیں کر سکتے ایسے لوگوں کی عبرت کے لیے ان میں سے چند کو ناکارہ کر دیتا ہوں۔ تاکہ ملک میں بدکاروں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ میری نیت نیک اور صاف ہے' میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق امن چین اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرے' چونکہ اللہ کی رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اس لیے مجھے پوری پوری امید ہے کہ خداوند تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔"

قلعہ چتوڑ کی فتح

کچھ عرصہ بعد علاؤ الدین نے بنگالہ کے راستے ایک لشکر تلنگانہ کے مشہور علاقے ورنگل کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا اور خود ایک زبردست فوج لے کر قلعہ چتوڑ کی طرف بڑھا جو آج تک کسی مسلمان بادشاہ سے فتح نہ ہوا تھا۔ علاؤ الدین نے کامل چھ (۶) ماہ تک اس قلعے کا محاصرہ جاری رکھا اور آخر کار ۷۰۳ھ میں محرم کے مہینے میں اس قلعے کو تسخیر کر ہی لیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کے حوالے کیا اور اس کا نام "خضر آباد" رکھا۔ قلعے کے پاس ہی ایک بڑے میدان میں علاؤ الدین نے ایک محفل جشن کا انعقاد کیا اور خضر خان کو چتر لعل عنایت کر کے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

مغلوں کا حملہ

علاؤ الدین کے اس سفر کی خبر ماور النہر تک پہنچی اور وہاں کے باشندوں نے یہ خیال کیا کہ اس دور دراز سفر سے لوٹنے میں بادشاہ کو ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ اس خیال کے پیش نظر طرغی نامی مغل سردار کی نگرانی میں مغلوں کا ایک لشکر ہندوستان کو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے کے لیے اپنے ملک سے روانہ ہوا۔ علاؤ الدین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا دہلی پہنچا۔ مغلوں کا لشکر علاؤ الدین کے ورود دہلی کے ایک ماہ بعد دہلی کے قریب پہنچا اور دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہوا یہ لشکر ایک لاکھ بیس ہزار

اپنی جاگیروں میں تھے' اس لیے علاؤ الدین کو مغلوں کا مقابلہ کرنا ذرا مشکل نظر آیا وہ اپنے انجام کی طرف سے متفکر ہوا۔ تاہم اس سے جس طرح بھی ہو سکا وہ دہلی سے سیری چلا آیا۔ علاؤ الدین نے اپنی فوج کے چاروں طرف خندق کھدوائی اور لشکر گاہ کے آس پاس خار بندی کرا کے تمام راستوں کو اچھی طرح سے بند کر کے اپنے امراء کی آمد کا انتظار کرنے لگا مغلوں نے دہلی کے نواحی علاقے پر قبضہ کر کے آس پاس کی حدود کو پوری طرح مستحکم کر لیا۔ اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو امراء کول اور برن میں مقیم تھے وہ علاؤ الدین تک نہ پہنچ سکے۔ مغلوں کی دست درازیاں اس حد تک بڑھیں کہ انہوں نے چند مرتبہ خاص دہلی شہر پر چھاپہ مارا اور غلہ وغیرہ اٹھا کر لے گئے۔ اسی طرح انہوں نے شاہی لشکر پر بھی حملہ کر کے بہت سوں کو ہلاک اور زخمی کر لیا۔ اس قسم کی مصیبتوں کی وجہ سے دہلی کے لوگوں کا ناک میں دم آگیا۔ علاؤ الدین بھی سخت پریشان ہوا اور اس نے حضرت نظام الدین اولیاء سے مدد طلب کی اور اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس رات ترغی کے جی میں خدا جانے کیا آئی کہ راتوں رات اس نے محاصرہ' جو دو مہینے سے قائم تھا بغیر کسی خاص وجہ سے اٹھا لیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ واپس اپنے ملک لوٹ گیا۔ اس مصیبت کا ٹل جانا ایک معجزہ تھا اور اسے لوگوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی کرامت سمجھا۔ اس سانحے سے علاؤ الدین نے یہ سبق لیا کہ سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھنا ایک غلط بات ہے اصل کام تو یہی ہے کہ دارالسلطنت میں بیٹھ کر بیرونی حملہ آوروں کے ہنگاموں اور شورشوں کو فرو کر کے سلطنت کی بنیادوں کو محفوظ کیا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے۔

ضروریات زندگی کی ارزانی

علاؤ الدین نے سیری کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور ہزار ستون اور دیگر عالی شان عمارتوں کی بنیاد ڈالی' حصار دہلی کو بھی نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ مغل جن راستوں سے آیا کرتے تھے ان کے قلعوں کو مستحکم و مضبوط کیا گیا' تجربہ کار امراء کو ان قلعوں کی حفاظت کا فریضہ سونپا گیا۔ علاؤ الدین نے یہ ارادہ کیا کہ دارالسلطنت میں اتنا لشکر رکھا جائے جو مغلوں کے حملے کو روکنے کے لیے کافی ہو اور جس سے مقبوضات کا انتظام بھی کیا جا سکے۔ لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے بہت زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ شاہی خزانے میں جس قدر روپیہ تھا وہ لشکر کی تنخواہ اور دوسرے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے صرف پانچ یا چھ سال تک کام آسکتا تھا۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے اپنے خاص اور قابل امراء سے جن کا سردار ملک خطیر الدین تھا' مشورہ کیا۔ بادشاہ نے ان امراء سے پوچھا کہ لشکر کی تعداد میں کس طرح اضافہ کیا جائے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ چنگیزیوں اور دیگر حکمرانوں کی تقلید میں سپاہیوں کی تنخواہ میں کمی کر دی جائے امراء نے جواب دیا۔ "حضور کا مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے کہ جب ضروریات روزمرہ کی اشیاء سستے داموں بکیں۔ نیز گھوڑوں' ہتھیاروں' سامان اسلحہ وغیرہ میں بھی مناسب کمی کر دی جائے اس ارزانی کی وجہ سے سپاہیوں کو اپنی تنخواہوں میں کمی محسوس نہ ہو گی"۔ علاؤ الدین نے اس مشورے کو بہت پسند کیا اور اپنے اراکین سلطنت کی مدد سے چند قواعد ایسے مرتب کیے جن پر عمل کرنے سے اشیاء کی قیمتوں میں خاطر خواہ کمی ہو گئی اور بادشاہ کا مقصد پورا ہوا۔

قاعدہ نمبر ا (غلے سے متعلق)

غلے کا نرخ حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا۔ تاجروں کو اس نرخ میں کمی بیشی کرنے کا حق نہ تھا' غلے کا جو بھاؤ دہلی میں تھا' وہی ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی مروج ہوا' یہ نرخ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ایک من گیہوں	ساڑھے سات جیتل
ایک من جو	چار جیتل
ایک من چنا	پانچ جیتل

ایک من دھان	پانچ جیتل
ایک من ماش	پانچ جیتل
ایک من موٹھ	تین جیتل

علاؤ الدین خلجی کے تمام عہد حکومت میں یہی نرخ قائم رہے۔ البتہ جب بارش کم ہوتی یا کسی وجہ سے غلہ کم پیدا ہوتا تو ان نرخوں میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا یہ حقیقت ہے کہ نرخ کا تعین علاؤ الدین کا ایک عجیب و غریب کارنامہ ہے جو اس کے عہد سے پہلے عمل میں نہیں آیا اور نہ ہی اس کے بعد اس کی کوئی توقع ہے۔ اس سلسلے میں بادشاہ نے کچھ اہم اقدامات بھی کیے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اقدام نمبر(۱): ضابطہ دار ملک قبول کو بازار (منڈی) کا کوتوال مقرر کیا گیا۔ اس کام یہ تھا کہ وہ بازار کے نرخوں پر کڑی نظر رکھے اور کسی چیز کی قیمت میں کمی بیشی نہ ہونے دے۔

اقدام نمبر(۲): علاؤ الدین نے یہ حکم دیا کہ خالصہ شاہی میں دیوانی کا جو حصہ ہے اس کے تبادلے میں غلہ لیا جائے اور یہ غلہ قصبوں میں جمع کیا جائے تاکہ اگر بازار میں غلے کی کمی ہو جائے تو وہ جمع شدہ غلہ منڈی میں لاکر شاہی نرخ کے مطابق بیچا جائے۔

اقدام نمبر(۳): بادشاہ نے ملک قبول کو حکم دیا کہ سارے ملک کے غلہ فروشوں کو جمع کر کے دریائے جمنا کے کنارے آباد کیا جائے۔ تاکہ ملک کے غلے کی تمام پیداوار ایک ہی جگہ جمع کی جاسکے اور اسے شاہی نرخوں کر مطابق بیچا جا سکے۔ نیز غلہ فروشوں سے یہ تحریری عہد لیا جائے کہ وہ بادشاہی احکام کی پوری پوری تعمیل کریں گے۔

اقدام نمبر(۴): تاجر پیشہ لوگ عام طور پر یہ کرتے ہیں کہ غلہ جمع کر کے اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور جب ملک میں غلہ کم ہو جاتا تو اپنے جمع شدہ ذخیرے کو مہنگے داموں پر فروخت کرتے علاؤ الدین نے اس کی بڑی سختی سے ممانعت کر دی اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ کسی شخص نے اس نیت سے غلہ جمع کر رکھا ہے تو وہ غلہ بحکم سرکار ضبط کر کے شاہی ذخیرے میں جمع کر دیا جاتا اور اس شخص پر جرمانہ کیا جاتا۔

اقدام نمبر(۵): لوگوں کو حکم دیا گیا کہ کھیتوں میں ان کی ضروریات سے زاید جس قدر غلہ پیدا ہو اس کو کھیت کے اندر ہی فروخت کر دیا جائے اور ذاتی ضروریات سے ایک دانہ بھی زیادہ نہ رکھا جائے۔ عاملوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ کھیت ہی میں مال حاصل کر کے وہیں قیمت ادا کریں اور کسی کو اس کی ضرورت سے نہ لے جانے دے۔ اس صورت سے ذخیرہ اندوزی کا سدباب ہو گیا۔

اقدام نمبر(۶): روزانہ منڈی کے نرخوں اور دیگر معاملات کی تفصیل سے بادشاہ کو آگاہ کیا جائے۔ اگر اس حکم کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی جاتی تو منڈی کے اہل کار اور ناظماء کو سخت سزائیں دی جاتیں۔

قحط کے زمانے میں یہ حکم تھا کہ ہر شخص صرف اپنی ضروریات کے مطابق ہی غلہ خریدے اور اس کے علاوہ آدھ سیر بھی زاید غلہ اپنے گھر نہ لے جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بھی سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس قسم کے معاملات میں تحقیقات کرنے کے لیے شاہی اہل کار مقرر کیے جاتے تھے جو اپنے فرائض کی انجام دہی میں بڑی سخت گیری سے کام لیتے تھے۔ بادشاہی جاسوس بھی بڑی مستعدی سے بازار کے حالات سے باخبر رہتے اور بادشاہ کو مطلع کرتے رہتے۔ ان انتظامات کی وجہ سے کسی شخص کی بھی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ غلے کی قیمت میں آدھے جیتل کی بھی کمی بیشی کر سکے۔

قاعدہ نمبر۲ (کپڑے کے متعلق)

نئے نئے قوانین رائج کرنے والے بادشاہ علاؤ الدین نے ہر قسم اور نوعیت کے اعلیٰ اور روزمرہ کی معمولی استعمال کے کپڑوں کو بذات

کپڑوں کے جو نرخ مقرر کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

چیر دہلی	سولہ (۱۶) تنگہ
چیر کو مکہ	چھ (۶) تنگہ
سیری صاف عمدہ	پانچ (۵) تنگہ
سیری صاف متوسط	تین (۳) تنگہ
سیری صاف ادنیٰ	دو (۲) تنگہ
سلائی اعلیٰ	چار (۴) تنگہ
سلائی متوسط	تین (۳) تنگہ
سلائی ادنیٰ	دو (۲) تنگہ
کرپاس اعلیٰ بیس گز	ایک تنگہ
کرپاس متوسط تیس گز	ایک تنگہ
کرپاس ادنی چالیس گز	ایک تنگہ
کرپاس سادہ	دس جیتل

کپڑوں کی ان قیمتوں کو مروج کرنے کے لیے کچھ ضابطے بھی بنائے گئے جو یہ ہیں۔

ضابطہ نمبر۱: بدایوں دروازے میں ایک بہت بڑی سرائے تعمیر کروائی گئی اور وہ "سرائے عدل" کے نام سے موسوم کی گئی۔ علاؤ الدین کا حکم تھا کہ چاروں طرف سے کپڑے لا کر اس سرائے میں فروخت کیے جائیں۔ کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے گھر میں یا کسی اور بازار میں کپڑے کی خرید و فروخت کا کاروبار کر سکے۔ کپڑے کی اس منڈی کا دروازہ صبح نماز کے وقت کھلتا تھا اور ظہر کی نماز کے وقت بند ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص مقررہ اوقات سے پہلے یا بعد میں دوکان کھولتا یا بند کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔

ضابطہ نمبر۲: علاؤ الدین نے حکم دیا کہ شہر دہلی اور دیگر علاقوں کے عام سوداگران پارچہ کے نام سرکاری دفتر میں درج کر لیے جائیں اور ان سب سے کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ اپنا مال سرائے عدل میں لاکر مقرر کردہ سرکاری قیمتوں پر فروخت کریں۔

ضابطہ نمبر۳: امراء اور معززین شہر میں سے اگر کسے کو قیمتی کپڑا خریدنا ہوتا تو اسے پہلے رئیس بازار سے پروانہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ اس طریق کار کی یہ وجہ تھی کہ کہیں کوئی سوداگر قیمتی کپڑا سرائے عدل سے خرید کر کسی دوسرے شہر میں مہنگے داموں فروخت نہ کر سکے۔

ضابطہ نمبر۴: بادشاہ کے حکم سے ملتانی سوداگروں کو شاہی خزانے سے بیس (۲۰) لاکھ تنگہ ادا کیا گیا تاکہ وہ اس رقم سے قیمتی کپڑے اور اسباب وغیرہ خرید کر لائیں اور انہیں سرائے عدل میں مقررہ سرکاری نرخوں پر فروخت کریں۔

قاعدہ نمبر۳ (گھوڑوں کے متعلق)

علاؤ الدین نے بذات خود پوری طرح تحقیق کرنے کی بعد ہر قسم کے گھوڑوں کی قیمتیں مقرر کیں۔ دوسرے علاقوں میں بھی انہیں قیمتوں کو پیش نظر رکھا گیا۔

ان قیمتوں کے استحکام کے لیے حسب ذیل ضابطے مقرر کیے گئے۔

درجہ اول کا گھوڑا	۱۰۰ تا ۱۲۰ تنگہ
درجہ دوم کا گھوڑا	۸۰ تا ۹۰ تنگہ
درجہ سوم کا گھوڑا	۶۵ تا ۷۰ تنگہ

۱۲ تا ۲۰ تنکہ

ان قیمتوں کے استحکام کے لیے حسب ذیل ضابطے مقرر کیے گئے۔

ضابطہ نمبر۱: علاؤ الدین نے حکم جاری کیا کہ شہر کے کیسہ دار سوداگروں سے گھوڑے نہ خریدیں بلکہ شاہی بازار ہی میں گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو گئی۔ اس ضابطے کی پابندی کے لیے خریدار اور تاجر دونوں ہی سے وعدہ لیا گیا۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ کو اطلاع ملی کہ کیسہ دار گھوڑوں کو کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت پر بیچنے کی عادت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی' لیکن وہ باز نہ آئے تو بادشاہی حکم سے ایسے لوگوں کے لیے موت کی سزا دی گئی اور کچھ کو خارج البلد کر دیا گیا۔

ضابطہ نمبر۲: اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ ایک گھوڑا بھی مقررہ قیمت سے زیادہ پر بکا ہے تو شہر کے کوتوالوں سے باز پرس کی جاتی اور مجرموں اور بے گناہوں سے یکساں سلوک کیا جاتا۔

ضابطہ نمبر۳: ہر ماہ گھوڑے کی قسم اور قیمت اور دلالوں کے کام کی جانچ پڑتال کی جاتی۔ اگر کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ ذرا سی بھی شاہی احکام کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو تمام دلالوں کو سزا دی جاتی۔

قاعدہ نمبر۴ (غلاموں اور کنیزوں سے متعلق)

علاؤ الدین نے لونڈیوں اور غلاموں کی حسب ذیل قیمتیں مقرر کیں۔

درجہ اول	۱۰۰ تا ۲۰۰ تنکہ
درجہ دوم	۲۰ تا ۴۰ تنکہ
درجہ سوم	۵ تا ۱۰ تنکہ

قاعدہ نمبر۵ (گائے' بھینسوں' اونٹ' بکریوں وغیرہ سے متعلق)

ان جانوروں کی قیمتیں بھی اس زمانے کے لحاظ سے مناسب اور معقول طور پر مقرر کی گئیں اور اس سلسلے میں بھی وہی ضابطے عمل میں لائے گئے جو گھوڑوں کی خرید و فروخت کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔

منڈی کے دن بھر کے تمام حالات ایک روزنامچے کی صورت میں ضبط تحریر میں لائے جاتے تھے۔ منڈی والوں کے حالات کی نگہداشت کے لیے شاہی جاسوس بڑی مستعدی سے اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ اگر بادشاہ کو معلوم ہو جاتا کہ اہل کاروں اور گماشتوں نے روزنامچے میں کوئی غلط واقعہ یا بات لکھی ہے تو ایسا کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں' بازار میں جس چیز کی خرید و فروخت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اس کی قیمت علاؤالدین خود مقرر کرتا تھا۔ کسی چیز کو حقیر یا ناقابل التفات سمجھ کر قیمت متعین کیے بغیر نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سوئی' کنگھی' جوتے اور مٹی کے برتنوں تک کی قیمتیں مقرر کر دی گئی تھیں۔ سوکھی روٹی سے لے کر نافان تک' حلوے سے لے کر ریوڑی تک اور پودینے سے لے کر پان تک غرض ہر چیز کی قیمت علاؤالدین خود مقرر کرتا تھا اور تحریری طور پر اس کے متعلق لوگوں کو اطلاع دے دی جاتی تھی۔ اہل دہلی کی ضروریات کے پیش نظر روزمرہ کے استعمال کی بعض دوسری اشیاء کی قیمتیں بھی مقرر کر دی گئی تھیں۔ مثلاً

مصری ایک سیر	۲ جیتل
سفید شکر ایک سیر	ایک جیتل
سرخ شکر ایک سیر	ایک جیتل
تلوں کا تیل ایک سیر	ایک جیتل

روغن ستور ایک سیر — نصف جیتل
نمک پانچ سیر — ایک جیتل

منڈی والوں کے حالات اور اشیاء کے نرخوں سے بادشاہ کی واقفیت ہمیشہ تازہ ہوتی تھی' اس کو تین مختلف طریقوں سے اطلاعات پہنچتی تھیں۔ اول کوتوال اور دوم رئیس بازار اپنی اپنی عرض داشتیں بادشاہ کے ملاحظے کے لیے روزانہ پیش کرتے۔ تیسرے بادشاہ کے جاسوس تمام حالات کی تحقیق کر کے بادشاہ سے سب کچھ بیان کر دیتے تھے۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی علاؤالدین کو اطمینان نہ ہوتا تھا اور وہ دوکانداروں اور تاجروں وغیرہ کا امتحان لینے کے لیے چھوٹے چھوٹے بچوں کو رقوم دے کر بازار بھیجتا تاکہ وہ حسب منشا بازار سے چیزیں خرید خرید کر لائیں اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں۔ یہ بچے خرید کر لاتے اور بادشاہ ان سے قیمت اور وزن وغیرہ کی بابت پوچھتا۔ اگر کبھی کہیں فرق نظر آ جاتا تو متعلقہ دوکاندار کو سخت سزا دی جاتی اس قسم کے مجرموں کو ادنیٰ سے ادنیٰ جو سزا دی جاتی وہ یہ تھی کہ ان کی ناک یا کان کاٹ دیے جاتے تھے۔

ملحقات کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک خوش مزاج اور رنگین طبیعت درباری نے علاؤالدین کو خوش دیکھ کر عرض کی۔ "حضور نے تمام ضروریات زندگی کا تو نرخ مقرر کر دیا ہے۔ لیکن ایک چیز جو سب سے ضروری اور اہم ہے اس کی طرف ابھی تک حضور نے کوئی توجہ نہیں کی۔" علاؤالدین نے اس چیز کا نام پوچھا تو درباری نے کہا "بازاری عورتیں کہ جن کی وجہ سے ملک کے نوجوان اور فوج کے سپاہی تباہ و برباد ہو رہے ہیں یہ عورتیں پہلے کی طرح اب تک اپنی مرضی کی مالک ہیں اور ان کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی گئی۔" بادشاہ یہ بات سن کر مسکرایا اور کہا۔ "فکر نہ کرو تمہاری خاطر میں ادھر بھی توجہ کرتا ہوں۔" اس کے بعد بادشاہ نے کوتوال شہر کو بلایا اور اس سے کہا۔ "پیشہ ور عورتوں اور سازندوں کو فوراً باخبر کر دو کہ وہ مقررہ شاہی نرخوں سے زیادہ ایک پیسہ بھی وصول نہ کریں ورنہ انہیں سخت سزا دی جائے گی۔"

علاؤالدین نے طوائفوں کو صورت اور رقص و سرور کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا اور ہر طرح کی طوائفوں کے نرخ مقرر کیے۔ جب اشیاء کی مقررہ قیمتوں پر باقاعدگی سے عمل ہونے لگا تو علاؤالدین نے حکم دیا کہ سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ سرائے عدل کے علاوہ دیگر بازاروں میں بھی خرید و فروخت کر سکتے ہیں' بشرطیکہ مقررہ شاہی نرخوں کی پابندی کی جائے جیسا کہ سرکاری بازار میں ہوتا ہے۔ ان سوداگروں کو ہدایت کی گئی کہ اگر انہیں درجہ اول کا کوئی عراقی یا عربی گھوڑا یا کوئی عمدہ خطائی' چرکی یا ترکی' یا کسی دوسرے ملک کا بردہ ملے اور وہ اسے سرائے عدل میں لا کر فروخت نہ کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا مال پہلے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے اس مال میں سے بادشاہ جو چیز خود نہ خریدے' اسے امیر کے ہاتھ فروخت کیا جائے جس کے لیے بادشاہ اشارہ کرے۔

عہد علائی کے سکے

علاؤالدین خلجی کے زمانے میں تنکے کا وزن ایک تولہ تھا یہ سکہ چاندی اور سونے دونوں دھاتوں سے بنایا جاتا تھا۔ سونے کے تنکے کو "تنکہ طلائی" اور چاندی کے تنکے کو "تنکہ نقرہ" کہا جاتا تھا۔ ایک تنکہ نقرہ کی قیمت پچاس (۵۰) جیتل تھی' جیتل کا وزن بھی پونے دو تولے تھا۔ علاؤالدین کے زمانے کا من چالیس (۴۰) سیر کا اور سیر چوبیس (۲۴) تولے کا ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا تحریر میں جہاں کہیں تنکے کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اس سے چاندی کا ایک تولے کا وزنی سکہ مراد ہے۔

ضروریات زندگی اور آلات سپاہ گری کو ارزاں کرنے کے بعد علاؤالدین نے فوج کی تنخواہ کے تعین کی طرف توجہ کی اس سلسلے میں اس نے حسب ذیل درجے قائم کیے۔

درجہ اول — ۲۴۰ تنکہ سالانہ

درجہ دوم ۱۵۶ تنکہ سالانہ

درجہ سوم ۷۸ تنکہ سالانہ

تنخواہ کی اس کثرت کی وجہ سے فوج میں بڑا اضافہ ہوا اور چار لاکھ پچھتر ہزار (۴۷۵۰۰۰) سواروں کا ایک لشکر جرار تیار ہو گیا۔ سپاہیوں کی اس کثرت کی وجہ سے مغلوں کی شورشیں اور ہنگامہ خیزیاں ختم ہو کر رہ گئیں اور سارے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مغل خود بھی علائی لشکر کی کثرت سے خائف ہو گئے اور انہوں نے غارت گری کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اگر اتفاق سے مغلوں کی کوئی جماعت کبھی ہندوستان میں داخل ہوتی تو اس جماعت کا ہر فرد قتل کر دیا جاتا یا سزائے قید بھگتتا۔

مغلوں کا حملہ

۷۰۴ھ میں خواجہ ترپال اور چنگیز خاں کے نواسے نے آپس میں مل کر ہندوستان پر حملہ کیا۔ مغلوں نے کوہ سالک پر قبضہ کر لیا اور امروہہ تک سارے ملک میں غارت گری کا بازار گرم کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔ علاؤالدین نے ملک نائب اور غازی ملک تغلق کو مغلوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں امیر ایک زبردست لشکر لے کر مغلوں کے سر پر جا پہنچے۔ علاؤالدین نے ان دونوں کو ہدایت کی کہ مغلوں کی تباہی اور قتل میں پوری جانفشانی سے کام لیا جائے اور ان کے کسی آدمی کو بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔ ملک نائب اور ملک غازی نے واقعی جانفشانی سے کام لیا اور امروہہ میں مغلوں کو شکست دی اور ان کے بے شمار سپاہیوں کو اپنی تلواروں کا لقمہ بنایا اور جو باقی بچے ان کو گرفتار کر لیا۔ علی بیگ اور خواجہ ترپال کو بھی زندہ گرفتار کیا گیا۔ ملک نائب اور غازی ملک بیس ۲۰۰۰۰ ہزار گھوڑے اور قیدیوں کی جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس روز علاؤالدین نے نئے شہر سے باہر نکل کر چبوترہ سبحانی پر دربار عام منعقد کیا۔ بادشاہ کے تخت سے لے کر اندر پرست تک دونوں طرف لشکر کے سپاہی کھڑے کیے گئے اور اس وقت علی بیگ اور خواجہ ترپال کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان دونوں مغل امیروں کو ہاتھیوں کے پیروں میں ڈال کر کچلوا دیا۔ اور گرفتار شدہ مغل لشکریوں کو قتل کروا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت لوگوں کی اتنی بھیڑ جمع ہو گئی تھی کہ بیس ۲۰ جیتل اور نصف تنکہ نقرہ میں بھی پانی کا ایک پیالہ نہ ملتا تھا۔ علاؤالدین نے مغلوں سے حاصل کیے ہوئے گھوڑے اپنے امیروں میں تقسیم کر دیے۔ ان دنوں شہر سیری کے نئے برج تعمیر ہو رہے تھے۔ علاؤالدین نے حکم دیا کہ ان برجوں کو پتھر اور اینٹوں کی جگہ آٹھ (۸) ہزار مقتول مغلوں کے سروں سے تعمیر کیا جائے۔

علاؤالدین نے غازی ملک پر پہلے سے بھی زیادہ نوازشیں اور عنایتیں کیں اور اسے پنجاب کا حاکم مقرر کر دیا۔ راکت خاں کو گجرات کا امیر الامراء بنا کر ایک عظیم الشان لشکر کے ہمراہ اس طرف روانہ کر دیا۔

مالوہ اور اجین وغیرہ کی فتح

علاؤالدین نے عین الملک ملتانی کو ایک بہت بڑے لشکر کا سردار مقرر کیا اور اسے مالوہ' اجین' چندیری اور جالوہ کی فتح کے لیے دہلی سے روانہ کیا۔ عین الملک مالوہ پہنچا وہاں راجہ کوکا چالیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی زبردست فوج لے کر عین الملک کے مقابلہ پر آیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں راجہ کوکا شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ عین الملک نے ۱۰ جمادی الاول ۷۰۴ھ کو اجین' منڈو دھارا نگری اور چندیری پر قبضہ کر کے علاؤالدین کی خدمت میں فتح نامہ روانہ کیا۔ دارالسلطنت دہلی میں اس فتح کی بڑی خوشی منائی گئی۔ سات دن اور رات تک عیش و عشرت اور مسرت کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور سارے شہر میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ قلعہ جالور کے حاکم کا تر دیو نے راجہ کوکا کا انجام دیکھ کر عین الملک کے توسط سے امان نامہ حاصل کیا اور علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا ... شاہی امراء ... شامل ...

پدمنی کا قصہ' راجہ رتن سین کی رہائی

اسی زمانے میں راجہ رتن سین حاکم قلعہ جیتور نے جو ایک قید خانے میں اسیری کی زندگی بسر کر رہا تھا ایک غیر معمولی انداز سے اس قید سے نجات حاصل کی۔اس راجہ کے آزاد ہونے کی تفصیلی روداد یہ ہے کہ راجہ کے قید ہونے کے ایک عرصے بعد علاؤالدین کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ کی عورتوں میں ایک پدمنی نام کی عورت بھی ہے جو بلا کی حسین اور تمام صفات محبوبی کا مجموعہ ہے۔ علاؤالدین نے راجہ رتن سین کو پیغام بھجوایا کہ اگر اسے آزادی کی خواہش ہو تو وہ رانی پدمنی کو بادشاہ کے ملاحظے کے لیے پیش کرے راجہ نے یہ شرط منظور کی اور اپنے چند معتبر آدمیوں کو کوہستان روانہ کیا تاکہ وہ اس کے بال بچوں اور رانی پدمنی وغیرہ کو لے کر آئیں' راجہ کے رشتہ دار جو راجپوت نسل سے تھے انہوں نے اس بات پر راجہ کو بڑی لعنت ملامت کی اور زہر دے کر اس کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے خاندان کی عزت و آبرو کو بچایا جا سکے۔ راجہ رتن سین کی بیٹی عقل و دانش میں اپنوں اور بیگانوں سبھی میں ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ اس نے اپنے رشتہ داروں کے ارادے سے مطلع ہو کر ان سے کہا میری سمجھ میں ایک تجویز آئی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو میرے باپ کی جان اور خاندان کی عزت' دونوں ہی کو بچایا جا سکتا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ راجپوت جانبازوں کا ایک گروہ مسلح ہو کر دہلی جائے۔ جب رات ایک پہر گزر جائے تو یہ گروہ دہلی میں داخل ہو کر یہ مشہور کرے کہ رانی پدمنی دہلی میں اپنے متعلقین کے ساتھ چلی آئی ہے تاکہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ قید خانے کے پاس پہنچ کر راجپوت جانباز اپنی تلواروں کو نیاموں سے باہر نکالیں اور قید خانے پر حملہ کر دیں۔ وہاں کے پاسبانوں کو قتل کر کے میرے باپ کو نکال کر ایک گھوڑے پر سوار کر کے جلد از جلد اپنے ملک کا راستہ لیں۔ راجپوت سرداروں کو لڑکی کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے اسی پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔

راجپوتوں کا ایک مسلح گروہ پالکیوں میں سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ دہلی میں قید خانے کے قریب پہنچ کر ان لوگوں نے قید خانے پر حملہ کر دیا۔ دربان اور محافظوں کو قتل کر کے ان لوگوں نے راجہ رتن سین کو قید سے نکال لیا اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر بٹھا کر کوہستان کی طرف روانہ کر دیا۔ شاہی لشکر کے سواروں نے ان راجپوتوں کا پیچھا کیا اور راستے میں کئی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ راستے میں بہت سے راجپوت سپاہی موت کے گھاٹ اتارے گئے لیکن راجہ رتن سین کسی نہ کسی طرح مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے بال بچوں تک پہنچ گیا۔ رتن سین کو اپنی بیٹی کی دانشمندی اور حسن تدبیر کی وجہ سے رہائی نصیب ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر کے جیتور کے قلعے کے گرد و نواح کے علاقوں میں لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کرنا شروع کر دیا۔ علاؤالدین نے جب یہ عالم دیکھا تو اس نے مصلحتاً قلعے کی حکومت خضر خاں سے واپس لے لی اور حصار کی حکومت راجہ رتن سین کے بھانجے کے سپرد کر دی۔ رتن سین کا بھانجا اس وقت شاہی ملازمین میں شامل تھا اور وہ ہمیشہ بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ اس ہونہار اور عقلمند راجہ نے کچھ ہی عرصے میں اپنا اقتدار ایسا بڑھا لیا کہ سارے راجپوت اس کی وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ یہ راجہ اپنی عمر کے آخری لمحوں تک علاؤالدین کی اطاعت پر قائم رہا اور ہر سال اپنے ملک سے بہترین تحفے تحائف اور ہدیے لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور گھوڑے اور خلعت وغیرہ سے سرفراز ہو کر اپنے ملک واپس جاتا۔ راجہ کو جس معرکے پر نامزد کیا جاتا وہاں پانچ ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کا ایک لشکر لے کر حاضر ہوتا اور جاں نثاری کا پورا پورا حق ادا کرتا۔

مغلوں کا نیا حملہ

۷۰۵ھ میں مغل امراء ترپال اور علی بیگ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے' دواخاں کے ایک معزز امیر گنگ نامی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ گنگ ملتان کے اطراف و جوانب سے ہوتا ہوا سوالک میں پہنچا۔ ادھر غازی ملک بھی اپنی فوج تیار کر کے مغلوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا اور دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مغل مختلف شہروں کو لوٹتے ہوئے گرمیوں کے زمانے میں دریائے سندھ کے

کنارے پہنچے۔ یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ چشمہ چناب دشمن کے قبضے میں ہے۔ مغلوں نے ہندی لشکر سے معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ کیا اس جنگ میں انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور ان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ گنگ کو شاہی لشکر نے زندہ گرفتار کر لیا۔ جو مغل سپاہی میدان جنگ سے اپنی جانیں بچا کر بھاگے وہ جنگل میں بھوک اور پیاس کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ مغلوں کے بیوی بچوں کو گرفتار کیا گیا' ان لوگوں پر ایسی مصیبت پڑی کہ پچاس ساٹھ ہزار میں سے تین چار ہزار سپاہی بچے ہوں گے۔ اس فتح و کامیابی کی وجہ سے غازی ملک کے نام کا ڈنکا سارے ملک میں بجنے لگا۔ غازی نے گنگ اور اس کے قیدی ساتھیوں کو علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کیا۔ علاؤالدین نے کوشک ہزار ستون کے سامنے ان سب لوگوں کو ہاتھیوں کے پیروں کے نیچے کچلوا دیا اور مقتولوں کے سروں سے بدایوں دروازے کے قریب جنگل میں ایک برج تعمیر کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس برج کے نشانات اب تک باقی ہیں۔ مغلوں کے قیدی بیوی بچوں کی سارے ملک میں غلاموں کی طرح خرید و فروخت کی گئی۔

مغلوں کا ایک اور حملہ

کچھ عرصے بعد مغلوں کا ایک سردار جس کا نام اقبال مند تھا' ایک زبردست لشکر لے کر ہندوستان کی طرف آیا اور تباہی و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ غازی ملک نے اقبال مند کا بھی مقابلہ کیا اقبال کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا اس لیے اسے اس کے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ غازی ملک نے بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھجوا دیا تاکہ وہاں انہیں ہاتھیوں کے نیچے ڈال کر کچلوا دیا جائے۔ اقبال کے حشر کو دیکھ کر مغلوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے ایک مدت تک سرزمین ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ سلطان قطب الدین کے زمانے تک سرزمین ہندوستان مغلوں کے حملوں اور ان کی غارت گری سے محفوظ و ممنون رہی۔

علاؤالدین کی کامیابیوں کا راز

غازی ملک کا مستقل قیام دیپالپور میں رہتا تھا لیکن وہ ہر سال کابل' قندھار' غزنی اور گرم سیر پر لشکر کشی کر کے ان ممالک کو برباد و تاراج کیا کرتا تھا اور ان علاقوں سے خراج لے کر اپنے ملک واپس آیا کرتا تھا۔ متذکرہ بالا پیہم شکستوں کی وجہ سے مغلوں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ غازی ملک کے مقابلے پر آ کر اپنی سرحد کی حفاظت کرتے۔ مغلوں کی سرکشی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ہندوستان کے اکثر شہر جو مغلوں کے قبضے میں آ چکے تھے' شاہی حکومت کے زیر اثر آ گئے اور مالوہ کا علاقہ فسادیوں اور شورش پسندوں سے کچھ ایسا پاک ہوا کہ آنے جانے کے تمام راستے کھل گئے۔ تاجر اور دیگر پیشہ وروں کو آزادانہ تجارت اور کاروبار کا موقع ملا۔ ملک میں پورے طور امن و امان ہو گیا اور علاؤالدین خلجی دہلی میں اپنے تخت پر بیٹھ کر دور دراز ملکوں کو فاتحانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ علاؤالدین جس علاقے کی طرف نظریں اٹھاتا اسے فتح کر لیتا اور جس غیر ملک کو پسند کرتا اسے بغیر کسی محنت کے اپنے قبضے میں کر لیتا۔ علاؤالدین نے جس انداز سے اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیابی حاصل کی اور مختلف مہمات میں جس طرح حسن اتفاق سے قسمت نے اس کی یاوری کی' انہیں دیکھ کر تو بعض لوگ اس کی کرامت کے دل و جان سے معتقد ہو گئے اور اس کے ارادوں کو کشف و الہام کا درجہ دینے لگے۔ کچھ لوگوں نے بادشاہ کی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کو ایک لحاظ سے بادشاہ کا امتحان سمجھا ایک بڑی جماعت ان کامیابیوں کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے فیضان کا نتیجہ سمجھتی رہی۔

دکن پر حملہ

دیوگڑھ کے حاکم راجہ دیو نے تین سال سے خراج ادا نہ کیا تھا۔ اور اس کے افعال و کردار سے بغاوت کی بو آنے لگی تھی۔ علاؤالدین نے ملک نائب کافور ہزار دیناری کو بہت سے نامی گرامی امراء کے ساتھ جنوبی ممالک کی فتح کے لیے جنہیں اہل ہند کی زبان میں دکن کہا جاتا ہے' روانہ کیا۔ بادشاہ طلب [illegible]

کافور پر ایسی نوازشات کی جائیں کہ بقیہ امراء میں جو کہ اسکے ساتھ جائیں وہ ممتاز و نمایاں نظر آئے۔ تاکہ اس کے تمام ہمراہی اس کا زیادہ سے زیادہ لحاظ کریں اور اس کی ہربات مانیں۔ علاؤالدین نے ملک نائب کو سایہ بان اور سراپردہ جو صرف بادشاہوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ دوران سفر میں ہرامیر اور درباری روزانہ ملک نائب کی خدمت میں آداب بجا لانے کے لیے حاضر ہو نیز جتنے بھی کام ہوں وہ ملک ہی کے حکم سے سرانجام پائیں۔ امراء کو یہ حکم دیا کہ ملک نائب کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور جو کچھ وہ کہے اس پر عمل کریں۔ نائب عرض ممالک خواجہ حاجی کو' جو بہت ہی نیک طبیعت اور پاکیزہ نفس انسان تھا' ملک نائب کے ہمراہ روانہ کیا گیا۔ خواجہ حاجی کو مال غنیمت کی حفاظت اور لشکر کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا گیا۔ غرض علاؤالدین نے ان دونوں کو مع لشکر کے بڑے تزک و احتشام سے روانہ کیا۔ "تاریخ جہاں آرا" کے مولف قاضی احمد غفاری کی روایت کے مطابق علاؤالدین نے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو ۷۰۶ھ کے شروع میں ایک لاکھ سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ مالوہ کے حاکم عین الملک ملتانی اور گجرات کے حاکم الغ خاں کے نام اس مضمون کے شاہی احکام بھیجے گئے کہ ملک نائب کی ہر طرح مدد کریں اور ہر موقع پر اس کا ساتھ دیں' نیز جو وہ رائے دے اسی کے مطابق عمل کریں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے ملک نائب یا اس کے ہمراہی امراء کو شکایت کا موقع ملے۔

دیولدی کا قصہ

اسی دوران میں رانی کنولا دیوی نے جو اپنے حسن و جمال کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی بادشاہ سے عرض کی۔ "میری دو بیٹیاں میرے ساتھ ہی راجہ رائے کرن کے محل میں پرورش پاتی تھیں میں تو حضور کے حرم میں داخل ہو گئی لیکن میری دونوں بیٹیاں حسب سابق رائے کرن کے محل ہی میں رہیں۔ مجھے اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ میری بڑی بیٹی کا انتقال ہو چکا ہے' البتہ چھوٹی لڑکی' جسے میں چار برس کا بچہ چھوڑ کر آئی تھی اور جس کا نام دیولدی ہے' زندہ ہے۔" کنولا دیوی نے اپنی بیٹی کی جدائی کے درد سے علاؤالدین کو آگاہ کیا اور اس سے التجا کی کہ "جس طرح بھی ہو سکے' میری بیٹی دیولدی کو میرے پاس پہنچایا جائے تاکہ اس کے دیدار سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔" کنولا دیوی کی یہ التجا سنتے ہی علاؤالدین نے ملک نائب اور الغ خاں کے نام حکم بھیجا کہ جس طرح بھی ہو دکن کے مشہور راجہ رائے کرن کی بیٹی دیولدی کو جلد از جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اس سلسلے میں چاہے سختی سے کام لیا جائے چاہے نرمی سے' لیکن یہ کام بہرحال ہونا چاہیے۔" ملک نائب دکن سے مالوہ پہنچا اور اس نے بادشاہ کا پیغام رام دیو راجہ کرن اور دیگر راجگان دکن کے نام بجھوایا۔

"ملحقات" کی عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے ندربار اور سلطان پور کے قصبات اسی زمانے میں آباد کیے گئے۔ متذکرہ بالا راجاؤں نے بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ملک نائب نے سلطان پور سے کوچ کیا اور سرحد دکن میں داخل ہوا۔ الغ خاں بھی گجرات سے ایک زبردست لشکر کے ساتھ بگلانہ کی طرف بڑھا۔ راجہ رائے کرن نے اپنے علاقے کو فوج اور دیگر حفاظتی تدابیر سے مضبوط کر لیا۔ الغ خاں اور راجہ کرن میں کئی لڑائیں ہوئیں' راجہ نے ہر لڑائی میں بڑی جانبازی سے کام لیا اور ہر بار بغیر شکست کھائے ہوئے واپس ہوا۔ رام دیو کا بیٹا سنگدیو' دیولدی کا عاشق زار تھا اور اس سے شادی کرنے کا خواہاں تھا' وہ قوم کا مرہٹہ تھا۔ اس لیے رام دیو کو یہ پسند نہ تھا کہ راجپوت گھرانے کی لڑکی مرہٹوں کے گھر میں جائے۔ اس لیے وہ سنگدیو کی درخواست کا صاف صاف جواب نہ دیتا تھا۔ سنگدیو نے اس شورش اور ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر اپنے باپ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے بھائی بھیم دیو کو اعلیٰ درجے کے تحفے تحائف کے ساتھ راجہ کرن کے پاس روانہ کیا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "مسلمانوں اور ہندوؤں میں مذہب کی بناء پر جو دشمنی ہے' وہ ظاہر ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنی بیٹی کو' کہ جس کی وجہ سے یہ فساد ہو رہا ہے' میرے ساتھ بیاہ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان مایوس ہو کر تم سے جنگ نہ کریں گے اور واپس اپنے ملک چلے جائیں گے۔" رائے کرن' رام دیو سے مدد کا خواہاں تھا۔ اس نے مجبوراً سنگدیو کی درخواست قبول کر لی اور گویا ایک پری کو دیو کے ساتھ بیاہنے کی حامی بھر لی اور اپنی لڑکی کو بھیم دیو کے ساتھ دیوگڑھ بجھوانے کا ارادہ کر لیا۔ الغ خان کو جب تمام حالات

معلوم ہوئے تو وہ بہت پریشان ہوا اور علاؤالدین کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے فوراً ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا ابھی دیولدی یہیں موجود ہے اسے کہیں اور لے جایا نہیں گیا۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی پوری قوت صرف کر کے اس حسینہ دلربا کو ہندوؤں سے زبردستی چھین لیں اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں اس سرزمین کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دینا چاہیے تاکہ ہم بادشاہ کو اپنا منہ نہ دکھا سکیں۔

راجہ رائے کرن سے معرکہ

تمام امیروں نے الغ خاں کی اس رائے سے اتفاق کیا اور یہ تمام خدا پرست ایک "بت" کے لیے مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے۔ الغ خاں اور اس کے سارے ساتھی کوہستان میں داخل ہوگئے اور ہندوؤں سے جنگ کرنے لگے۔ جس کے نتیجے میں رائے کرن کو شکست ہوئی اور وہ جنگ کے میدان سے دیوگڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ الغ خاں نے اس کے تمام مال و اسباب اور ہاتھیوں وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کے تعاقب میں نکل پڑا۔ الغ خاں جنگلوں اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا برق کی سرعت سے رائے کرن کا پیچھا کرتا رہا اور ایک دن کے سفر کے بعد دیوگڑھ جا پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اسے رائے دیو اور دیولدی کی کوئی خبر نہ ملی۔

دیولدی کا ملنا

الغ خاں بہت مایوس ہوا لیکن اچانک اس مایوسی کے تاریک افق پر امید کی روشنی نمودار ہوئی اور دیولدی ایک انوکھے طریقے سے الغ خاں کے ہاتھ آئی۔ لوگوں نے اس واقعے کو علاؤالدین کے کشف و کرامت کا نتیجہ سمجھا اور علاؤالدین کے اقبال کی دعائیں مانگنے لگے۔ یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب باوجود تعاقب کے رائے کرن اور دیولدی' الغ خاں کے ہاتھ نہ آئے تو وہ مایوس ہو کر دو روز تک دریا کے کنارے مقیم رہا۔ اسلامی لشکر کے کچھ سپاہیوں کو ایلورہ کی سیر کی سوجھی تقریباً تین چار ہزار سپاہی الغ خان سے اجازت لے کر اس عجیب و غریب مقام کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ ان لشکریوں کو ایک دکنی فوج دور سے نظر آئی انہوں نے سمجھا کہ دیورائے کی فوج کا ایک حصہ ان پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ مسلمان سپاہی یک جا ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اتفاق سے یہ نووارد فوج بھیم دیو کی تھی' جو رائے کرن سے دیولدی کو لے کر دیوگڑھ کو جا رہی تھی۔

دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہوگئے ہندو مسلمانوں کے سینہ شگاف تیروں کی تاب نہ لا سکے اور میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اسی دوران میں ایک تیر اس گھوڑے کو بھی لگا جس پر دیولدی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس تیر نے گھوڑے کو بالکل بیکار کر دیا اور مسلمان لشکریوں کی ایک جماعت اس کے قریب پہنچ گئی اور دیولدی کو تلاش کرنا شروع کر دیا دیولدی کی ایک ملازمہ یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ "اس کی عزت کرو یہ رانی دیولدی ہے اور اسے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔" مسلمانوں نے جونہی دیولدی کا نام سنا وہ اسے اپنی سردار الغ خاں کے پاس لے گئے۔ الغ خاں' دیولدی کو پا کر خوشی سے دیوانہ ہوگیا اس نے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فوراً گجرات کی طرف روانہ ہوگیا۔

الغ خاں نے دیولدی کو ایک پالکی میں بٹھا کر دہلی کی طرف روانہ کر دیا۔ ۷۰۶ھ کے آخر میں دیولدی علاؤالدین کے پاس پہنچی۔ دیولدی کی ماں کنولا دیوی اپنی بچی کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی۔ علاؤالدین کو خضر خاں کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ دیولدی کے حسن پر فریفتہ ہو چکا ہے لہٰذا اس نے انصاف سے کام لے کر دیولدی کو اس کے حوالے کر دیا۔ حضرت امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی "خضر خانی و دیولدی" میں ان دونوں کے عشق کے قصے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ناظرین کرام اس کتاب کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔"

دیوگڑھ کی تسخیر

لے کر بڑے تک کسی کو کسی قسم کی زحمت نہ ہوئی۔ ملک نائب نے حسن تدبیر سے کام لے کر اپنی فیاض طبعی کے جوہر دکھائے اور ہر حاجت مند کی حاجت کو پورا کیا۔ اس طرح اس نے لشکر اور رعایا دونوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جب ملک نائب کو انتظامات حکومت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے مرہٹواڑی کو اپنے امراء میں تقسیم کیا اور خود دیوگڑھ کے قلعے کو جو اس زمانے سے دولت آباد کے نام سے مشہور ہے' تسخیر کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دیوگڑھ کے والی راجہ رام دیو کو اپنی جان خطرے میں نظر آئی تو اپنے بڑے بیٹے سنگل دیو کو قلعے ہی میں چھوڑ کر خود اپنے عزیزوں' بیٹوں اور ساتھیوں وغیرہ کے ساتھ ملک نائب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے ساتھ بیش بہا تحفے تحائف بھی لیتا گیا۔ ملک نائب نے پہلے تو فتحنامہ دہلی روانہ کیا اور پھر خود رام دیو کو مع اس کے پیش کردہ تحائف اور بیٹوں کے ہمراہ دہلی کی طرف چل پڑا۔

رام دیو کی عزت افزائی

ملک نائب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا علاؤالدین اس کی کارگزاری سے بے انتہاء خوش ہوا اور اس کا مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ کر دیا الغرض ملک نائب کے مرتبے میں کوئی فرق نہ رہا۔ چونکہ رام دیو کو ملک نائب سے بہت لگاؤ تھا اس لیے ملک نائب بھی علاؤالدین سے رام دیو کی خلوص اور محبت کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ علاؤالدین پہلے ہی سے رام دیو کی طرف التفات کی نظروں سے دیکھتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ رام دیو ہی کا خزانہ اس کے کام آ رہا ہے اور اب جبکہ ملک نائب نے اس کی سفارش کرنی شروع کی تو علاؤالدین اس پر اور زیادہ مہربان ہوا اور اسے چتر سفید اور رائے رایاں کا خطاب عطا کیا۔ دیوگڑھ اور دیگر قدیم ممالک کی حکومت اس کے سپرد کی اور گجرات کا قصبہ نوساری بھی اسے بطور تحفہ عطا کیا۔ علاؤالدین نے راجہ اور اس کے بیٹوں اور رشتہ داروں کو ایک لاکھ تنکے دے کر بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ رام دیو اپنے وطن واپس ہوا اور علاؤالدین کے عطا کردہ علاقوں پر حکمرانی کرنے لگا۔ رام دیو جب تک زندہ رہا' علاؤالدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرتا رہا۔

قلعہ سیوانہ پر حملہ

جس زمانے میں ملک نائب نے دکن پر حملہ کیا تھا' ان دنوں علاؤالدین نے سیوانہ کے قلعہ پر چڑھائی کی تھی یہ قلعہ دہلی سے جنوب میں واقع ہے اور اسے فوج دہلی کئی سال تک محاصرہ رکھنے کے باوجود فتح نہ کر سکی تھی۔ علاؤالدین نے اس قلعے کو سختی کے ساتھ چاروں طرف سے گھیر لیا اور اہل قلعہ کی زندگی اجیرن کر دی۔ حاکم سیوانہ' راجہ سیتل دیو نے جب کوئی راہ نجات نہ دیکھی تو اس نے اپنا ایک سونے کا بت بنوایا۔ اسکے گلے میں ایک سنہری رسی ڈال کر' یہ بت اس نے علاؤالدین کے پاس بھیج دیا اس سے اس کی مراد اپنی عاجزی کا اظہار تھا۔ اس کے بت کے ساتھ سیتل دیو نے ایک سو ہاتھی اور دوسری بہت سی نادر اور گراں قدر چیزیں بھی علاؤالدین کی خدمت میں بھجوائیں اور اپنے قصور کی معافی کا طالب ہوا۔ علاؤالدین نے خوش مذاقی کے طور پر اس بت کو تو قبول کر لیا اور راجہ کو یہ کہلوا بھیجا کہ "جب تک تم خود حاضر نہ ہو گے کوئی بات نہ مانی جائے گی۔"

راجہ سیتل دیو یہ جواب سن کر مجبوراً قلعے سے باہر نکلا اور علاؤالدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے قلعے کی تمام اشیاء یہاں تک کہ سوئیاں اور چاقو تک ضبط کر لیے۔ اس ضبط شدہ سامان میں جو اشیاء قیمتی تھیں' انہیں تو بادشاہ نے شاہی استعمال کے لیے رکھ لیا اور باقی اشیاء کو سپاہیوں اور دیگر کارکنوں میں تقسیم کر دیا۔ علاؤالدین نے سیوانہ کو تو امراء میں بطور جاگیر کے تقسیم کر دیا اور خالی قلعے کا انتظام سیتل دیو کے ذمے رہنے دیا۔

قلعہ جالور کی فتح

اسی زمانے میں قلعہ جالور کی فتح بھی عمل میں آئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ جالور کا راجہ' جس کا نام کانیر دیو تھا' علاؤالدین سے ملنے کے

لیے دہلی آیا ہوا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے کہا "اب ہندوستان کے کسی راجہ میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ وہ میرے لشکر کے ساتھ جنگ کر سکے۔" کانیر دیو اس وقت بادشاہ کے دربار میں موجود تھا۔ اس نے علاؤالدین کا یہ جملہ سن کر کہا۔ "اگر میں آپ سے مقابلہ کروں اور فتح حاصل نہ کروں تو پھر میں زندہ رہنا پسند نہ کروں گا۔" علاؤالدین کو راجہ کی یہ بات بہت بری لگی اس وقت تو اس نے راجہ سے کچھ نہ کہا اور چند روز بعد راجہ کو جالور کے لیے رخصت کر دیا۔ دو تین ماہ کے بعد علاؤالدین نے اپنی قوت کا مظاہرہ اس طور سے کیا کہ ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا' فوج کے ساتھ جالور روانہ کیا۔ گل بہشت نے جالور پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور بڑی بہادری کے ساتھ راجہ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اس کی حالت تباہ کر دی۔ اہل قلعہ محاصرے کی شدت کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے عین قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جاتا کہ گل بہشت بیمار پڑ گئی اور چند روز کے بعد اسی بیماری کے ہاتھوں راہی ملک بقا ہوئی۔ گل بہشت کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہین نے اپنی ماں کی جگہ سنبھالی اور اسی کے نقش قدم پر چل کر اہل قلعہ کا جینا عذاب کر دیا۔

کانیر دیو کا قتل

کانیر دیو' علاؤالدین کے مزاج کی درشتی سے پوری طرح واقف تھا' اس نے تمام امور کو نظر انداز کیا اور اپنے رشتہ داروں اور فوج کو ساتھ لے کر قلعے سے باہر نکلا۔ کانیر دیو اور شاہین ایک دوسرے کے مقابل آئے' دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں شاہین مارا گیا۔ دوسرے شاہی امراء بھی کانیر دیو کا مقابلہ نہ کر سکے اور چند منزل پیچھے ہٹ گئے۔ علاؤالدین کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت غصے میں آیا اور اس نے ایک شخص کو جس کا نام کمال الدین تھا' ایک زبردست لشکر کے ساتھ سیوانہ روانہ کیا۔ کمال الدین نے بڑی مردانگی اور بہادری کے ساتھ قلعہ تسخیر کر لیا اور کانیر دیو کو مع اس کے ہمراہیوں اور رشتہ داروں وغیرہ کے قتل کر دیا اور خود اس کے خزانے پر قابض ہو گیا۔ جب فتح نامہ دہلی پہنچا تو اہل دہلی خوشی میں اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔

ورنگل کی تسخیر کا عزم

علاؤالدین نے کچھ عرصہ قبل ایک فوج بنگالہ کی راہ سے ورنگل بھیجی تھی' لیکن یہ فوج بغیر کوئی کارنامہ سرانجام دیے ہوئے' پریشان و خستہ حال ہو کر واپس آ گئی تھی۔ اس وجہ سے علاؤالدین نے ۷۰۹ھ میں دوسری فوج' جو قوت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی' ملک نائب کی نگرانی میں ورنگل روانہ کی۔ ملک نائب جب فوج کے ہمراہ روانہ ہونے لگا تو بادشاہ نے اسے تاکید کی۔ "اگر ورنگل کا راجہ لدر دیو دولت و مال اور ہاتھی نذر کر کے سال بسال خراج ادا کرنے کا عہد کرے تو اسے منظور کر لینا چاہیے اور پھر معاملے کو آگے بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں اور حکومت تلنگانہ کی فتح اور قلعہ ورنگل کی تسخیر میں جان و مال کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں چاہیے کہ اس معاملے میں خواجہ حاجی کے مشورے پر عمل کرو اور چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر امراء کو سزا نہ دو۔ اگر جنگ میں کسی لشکری کا گھوڑا بیکار ہو جائے' یا کوئی چور لے جائے یا کسی اور وجہ سے گھوڑا کام کے قابل نہ رہے تو تم اس سپاہی کو لشکر سے گھوڑا دے دینا۔"

راجہ رام دیو کی مہمان نوازی

ملک نائب اور خواجہ حاجی جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دیو گڑھ پہنچے رام دیو نے ان امراء کا بہت شاندار طریقے سے استقبال کیا' بہت سے تحفے تحائف ملک نائب کی خدمت میں پیش کیے' نیز شاہی لشکر کی بڑے اچھے طریقے سے مہمان داری کی۔ جب ملک نائب آگے بڑھا تو راجہ رام دیو نے اپنی فوج اور منڈی کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا اور پنساریوں اور دیگر تاجروں کو ہدایت کر دی کہ وہ تمام اشیاء شاہی نرخ کے مطابق فروخت کریں۔ خود راجہ روزانہ سایہ بان لعل کے پاس آ کر حق خدمت ادا کرتا۔ جب ملک نائب دیو گڑھ سے تلنگانہ کی طرف روانہ [illegible] حفاظت

سوداگروں کو اچھی طرح نصیحت کر دی کہ غلہ اور ضروریات کی دیگر اشیا باقاعدگی کے ساتھ لشکر کو فراہم کرتے رہیں اور اس امر کا پورا پورا خیال رکھیں کہ اہل لشکر کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

بیرونی قلعے کی فتح

ملک نائب نے تلنگانہ کے سرحدی علاقے یعنی قصبہ اندور میں قدم رکھتے ہی تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا بہت سے لوگوں کو قتل کردیا اس قتل و غارت گری نے اندور کے باشندوں کو بہت خوفزدہ کر دیا۔ آس پاس کے راجہ مسلمانوں کی فوج سے ڈر کر راجہ لدر دیو کے پاس چلے گئے اور جونہی مسلمانوں کی فوج لدر دیو کے قریب پہنچی وہ ورنگل کے قلعے میں جو پتھر کا بنا ہوا تھا' مقیم ہوگیا۔ دیگر راجاؤں نے اس کچے قلعے میں جو شہر کے باہر واقع تھا اور بہت وسیع تھا قیام کیا۔ ملک نائب نے قلعے کا محاصرہ کر کے آنے جانے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلے پر کمر باندھی اور روانہ ہزاروں ہندو سپاہی مسلمانوں سے معرکہ آراء ہو کر اپنی جانوں کو کھونے لگے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود بیرونی قلعہ ہندوؤں کے قبضے میں نہ رہ سکا اور اسے مسلمانوں نے تسخیر کر ہی لیا۔ مسلمانوں نے اکثر ہندو راجاؤں کو مع ان کے بال بچوں کے قید کر لیا اور بہت سے ہندو سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

لدر دیو کی اطاعت

بیرونی قلعے کی تسخیر سن کر راجہ لدر دیو کی ہمت پست ہوگئی' اوسان خطا ہوگئے اور اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اطاعت گزاری کا اعلان کر دیا جائے۔ لدر دیو نے تین سو ہاتھی' سات ہزار گھوڑے اور بے حد و بے شمار دولت اور زر و جواہر وغیرہ ملک نائب کی خدمت میں پیش کیے اور ہر سال خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کرلی۔ ملک نائب یہ تمام مال و اسباب ساتھ لے کر دہلی واپس آیا۔ علاؤالدین نے جب اس کامیابی کی خبر سنی تو وہ فوراً خداوند تعالیٰ کا شکر بجالایا اور اس خوشی میں فتح کے شادیانے بجوائے۔ فتح نامہ سر منبر پڑھوا کر سنایا گیا۔ ملک نائب کی آمد کے بعد علاؤالدین نے شہر سے نکل کر چبوترہ ناصری پر جو بدایوں دروازے کے قریب واقع ہے' جلوس کیا۔ ملک نائب نے تمام مال غنیمت بادشاہ کی خدمت میں ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ بادشاہ نے یہ سب کچھ دیکھ کر ملک نائب پر پہلے سے زیادہ شاہی عنایات کیں۔

ڈاک کا انتظام

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤالدین جب کہیں اپنی فوج کو روانہ کرتا تھا تو وہاں سے لشکر کی فرودگاہ تک ڈاک چوکی بٹھائی جاتی تھی' جسے قدیم زمانے کے لوگ "یام" کہتے تھے۔ ہر ایک کوس کے فاصلے پر دو پیادے کھڑے کیے جاتے تھے۔ جنہیں ہندی میں "پایک" کہا جاتا تھا۔ اس راستے کے تمام قصبوں اور شہروں میں وقائع نویس مقرر کیے جاتے تھے' تاکہ میدان جنگ کے حالات روزانہ ضبط تحریر میں لائے جا سکیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ جس زمانے میں ملک نائب نے ورنگل پر لشکر کشی کی' ان دنوں تلنگی سواروں کی کثرت اور ان کے جا بجا گھومنے پھرنے کی وجہ سے راستے غیر محفوظ ہوگئے تھے اور شاہی تھانوں کا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ ان حالات کی وجہ سے چند روز تک علاؤالدین کو اپنے لشکر کے حالات کا علم نہ ہوسکا جس کی وجہ سے اسے بہت پریشانی ہوئی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد

آخر کار بادشاہ نے قاضی مغیث اور ملک قرابیگ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ کہلوایا "مذہب اسلام کا خیال حضور کو مجھ سے زیادہ ہے اگر آپ کو اپنے کشف باطن کی وجہ سے لشکر اسلامی کا حال معلوم ہو تو ازراہ عنایت مجھے بھی اس سے آگاہ فرمائیں۔ ورنگل کی طرف جو لشکر روانہ کیا ہے اس کی خیر خیریت کی کوئی خبر نہیں ملی' اس وجہ سے میں سخت پریشان ہوں۔" علاؤالدین نے قاضی مغیث کو تاکید کر دی تھی کہ حضرت نظام الدین اولیاء جواب میں جو کچھ فرمائیں وہ بغیر کسی کمی بیشی کے اس کے

روبرو بیان کیا جائے۔ قاضی مغیث اور ملک قرابیگ شاہی حکم کے مطابق حضرت محبوب آلہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کا پیغام ان سے کہا انہوں نے جواب میں پرانے زمانے کے ایک بادشاہ کی فتح کی داستان بیان کی اور اس کے ساتھ یہ کہا اسکے علاوہ مزید فتوحات کی بھی خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے۔" قاضی مغیث اور ملک قرابیگ حضرت محبوب آلہیؒ سے رخصت ہو کر علاؤالدین کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ حضرتؒ نے کہا تھا وہ حرف بحرف بادشاہ سے بیان کر دیا علاؤالدین حضرت محبوب آلہی کی گفتگو سن کر بے حد خوش ہوا اور اسے یقین ہوگیا کہ درنگل کا معرکہ سر ہوگیا ہے۔

حضرت محبوب آلہی سے عقیدت

خدا کی قدرت کہ اسی روز عصر کے وقت قاصد آئے اور انہوں نے درنگل کا فتح نامہ علاؤالدین کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علاؤالدین' حضرت محبوب آلہی کی روحانی بلندی کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا۔ علاؤالدین نے اگرچہ محبوب آلہیؒ سے کبھی ملاقات نہیں کی' لیکن ان سے خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا اور اپنے خطوط میں ہمیشہ خلوص و محبت کا اظہار کر کے ان کے انوار باطنی سے طالب مدد رہا۔

علاؤالدین کی سلطنت جب کابل و سندھ کی سرحد سے لے کر بنگالہ' دکن اور گجرات کی حدود تک پہنچ گئی اور سارے ہندوستان کے شہر اور علاقے اور تمام راجاؤں کے محل اور خزانے بادشاہ کے قبضے میں آگئے اور سارے ہندوستان میں کہیں دس بیگہ زمین بھی ایسی نہ رہی جہاں علاؤالدین کے نام کا خطبہ و سکہ جاری نہ ہو تو اس نے کچھ اور اونچی فضاؤں میں اڑنے کی سوچی اس کی ہمت بڑھی اور وہ دریائے عمان کے ساحلی علاقوں اور دکن کے دور دراز سرحدی خطوں کی طرف متوجہ ہوا۔

دھور سمندر اور معبر کی فتح

۷۱۰ھ میں علاؤالدین نے ملک نائب اور خواجہ حاجی کو دھور سمندر اور معبر کے علاقوں کی فتح کرنے کے لیے روانہ کیا ان علاقوں کے مندر اعلیٰ درجے کے جواہرات سے بھرے ہوئے تھے اور یہاں کے راجوں کی امارت سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔ جب ملک نائب اور خواجہ حاجی دیوگڑھ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ رام دیو کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کے بیٹے نے باپ کی جگہ سنبھالی ہے۔ ان امراء کو یہ اطلاع بھی ملی کہ رام دیو کا بیٹا باپ کی طرح علاؤالدین کی اطاعت اور فرمان برداری کو پسند نہیں کرتا۔ ملک نائب نے بطور احتیاط اپنے ایک امیر کو جالنہ پور نامی ایک قصبے میں' جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے' مقرر کیا اور خود آگے بڑھا۔ اس بار ملک نائب نے غیر مسلموں کے قتل و غارت گری میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے کام لیا اور اسی قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ تین ماہ کے عرصے کے بعد وہ مذکورہ بالا ساحلی علاقوں تک جا پہنچا ملک نائب نے کرناٹک کے راجہ بلا دیو کو گرفتار کر لیا' اس کی سلطنت کو پوری طرح تباہ و برباد کیا۔ تمام مندروں کو مسمار کیا اور بیش قیمت جواہر پر قبضہ کر لیا مسلمان امراء نے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی' چونے اور پتھر سے تعمیر کی اور اس مسجد میں اذان دے کر علاؤالدین کا خطبہ پڑھا یہ مسجد اب تک بندر رامیسر کے قریب کے علاقے میں موجود ہے اور "علائی مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دھور سمندر جو دریائے عمان کے کنارے واقع تھا' اس زمانے میں سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ہندوؤں نے مسجد کے تقدس کا خیال رکھا اور اس کو مسمار نہیں کیا' لیکن دوسروں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام شہر بلکہ روئے زمین کے تمام قصبے اور علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے' اس لیے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں نے اس مسجد کو ڈھانے کا فتویٰ نہیں دیا۔

مال و دولت کی فراوانی

روانہ ہونا تھا' اس سے ایک رات پہلے' برہمنوں کی ایک جماعت میں' جو مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کر چکی تھی' کچھ جھگڑا سا ہو گیا جھگڑا اس دفینے کی تقسیم کے سلسلے میں ہوا جو کہ مندروں کے نیچے گڑا ہوا تھا۔ جب برہمن آپس میں ایک دوسرے سے تکرار کرنے لگے اور ان کی آوازیں بلند ہوئیں تو ایک مسلمان سپاہی نے یہ سب کچھ سن لیا' اس سپاہی نے شہر کے کوتوال کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور کوتوال نے ان ہندوؤں کو گرفتار کر کے ملک نائب کے حوالے کر دیا۔ برہمن پہلے ہی سے ملک نائب کی حکمت عملی سے مرعوب تھے اس لیے انہوں نے اس کے قہرو غضب سے خوفزدہ ہو کر متنازع فیہ دفینے سے جو کچھ حاصل کیا تھا' وہ ملک نائب کی خدمت میں بطور ملاحظہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ چھ اور دفینوں کا پتہ دیا جو جنگل میں مختلف جگہوں پر گڑے ہوئے تھے' ملک نائب نے ان دفینوں کو بھی حاصل کیا اور اس طرح بے شمار مال و دولت اس کے ہاتھ میں آئی۔ یہاں سے وہ مالا بار پہنچا اور بیشمار دولت لے کر واپس ہوا۔

علاؤالدین کی بخشش

۷۱۱ھ میں ملک نائب دہلی پہنچا' اس نے کوشک ہزار ستون کے سامنے بادشاہ کے ملاحظے کے لیے مال غنیمت پیش کیا جو تین سو بارہ ہاتھیوں' بیس ہزار گھوڑوں' چھیانوے من سونا' (جو تقریباً" دس کروڑ تنگہ کی مالیت کا تھا) اور بے حد و حساب اشرفیوں اور موتیوں وغیرہ کے صندوقچوں پر مشتمل تھا۔ بادشاہ اس خزانے کو دیکھ کر جس کے سامنے پرویز اور دارا کے خزانے بھی ہیچ تھے' بہت خوش ہوا۔ اس مرتبہ اس نے معمول کے خلاف اس خزانہ کا منہ کھول دیا۔ امراء میں سونا تقسیم کیا' کسی کو دس من اور کسی کو پانچ من' اسی طرح دوسرے لوگوں' مستحقین اور مشائخ کو بھی ڈیڑھ من یا اس سے کم' حسب حیثیت سونا عنایت کیا' جو سونا باقی بچا اس کی علائی اشرفیاں اپنے سامنے ڈھلوائیں اور شاہی خزانے میں داخل کیں۔

کرناٹک مہم میں جو چاندی ملک نائب کے ہاتھ آئی اس کا کسی مورخ نے تذکرہ نہیں کیا۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس ملک میں چاندی کی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں اس علاقے میں سونا ہی لین دین اور کاروبار کی بنیاد تھا۔ کرناٹک کے غرباء بھی چاندی کے استعمال کو اپنے لیے باعث شرم سمجھتے تھے' پھر بھلا امراء کس طرح چاندی کا استعمال کرتے' وہاں کے متوسط طبقے کے لوگ اب بھی سونے کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔

نومسلم مغلوں کا قتل

سب سے عجیب اور انوکھا واقعہ جو علاؤالدین کے آخری زمانے میں وقوع پذیر ہوا وہ نومسلم مغلوں کا قتل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ علاؤالدین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نومسلم مغلوں کو ملازمت سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے حکم دیا کہ نومسلم مغلوں کو ملازمت سے علیحدہ کیا جاتا ہے اور ان میں جس کا جی چاہے وہ امراء کی ملازمت اختیار کر لے اور اگر کوئی اسے ناپسند کرے تو جہاں چاہے چلا جائے۔ اس فرمان کے بعد بعض مغل تو شاہی ملازمت ترک کر کے امراء کی ملازمتوں میں چلے گئے' لیکن بعض نے امراء کی ملازمت کو اپنے لیے عار سمجھا اور وہ شاہی ملازمت ترک کرنے کے بعد بھی دہلی میں ہی مقیم رہے۔ اس دوسرے گروہ نے کچھ عرصے بعد کم تنخواہوں پر شاہی ملازمت اختیار کر لی اور اسی میں اپنی گزر بسر کرنے لگے اور علاؤالدین کے آئندہ عنایات کا انتظار کرنے لگے۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس واقعے کو ایک زمانہ گزر گیا ہے' لیکن علاؤالدین نے ان کی طرف قطعاً" توجہ نہ کی' ان مغلوں کے ایک گروہ نے جو غربت کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا اور جس کے سب ارکان کمینہ' اور دوں فطرت تھے' یہ ارادہ کیا کہ جب بادشاہ شکار کھیل رہا ہو اس وقت اسے قتل کر دیا جائے۔ ان کی بدقسمتی سے علاؤالدین کو مغلوں کے اس ارادے کی خبر ہو گئی چونکہ وہ ملکی مصالح کے پیش نظر اپنے عزیز سے عزیز شخص یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کی بھی رعایت نہ کرتا تھا اور رحم و کرم سے بیگانہ ہو کر ایسے موقعوں پر مجرموں کو

سخت ترین سزائیں دیتا تھا' اور شرع کا بھی کوئی لحاظ نہ کرتا تھا' اس لیے اس نے حکم دیا کہ مغلوں کو قتل کر دیا جائے جو شخص بھی کسی مغل کو کہیں بھی دیکھے اسے قتل کر ڈالے۔ دہلی کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی یہی حکم دیا گیا۔ الغرض سارے ملک میں یہ فرمان جاری ہو گیا اور مغلوں کے خون کو جائز قرار دے کر قاتلوں کو مقتولوں کے مال و اسباب کا مالک بنا دیا گیا۔ اس حکم کے سنتے ہی شریف' رزیل' اور سپاہی وغیرہ سبھی ہاتھوں میں تلواریں لیے گھومنے لگے' بادشاہی خوف اور مال و دولت کے لالچ میں مغلوں کو قتل اور ان کے خاندانوں کو تباہ کیا جانے لگا۔ پورے مقبوضات علائی میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار مغلوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ان کا مال غصب کر لیا گیا اور ان کی بیوی بچوں کو بھی تہ تیغ کیا گیا الغرض ہندوستان میں مغلوں کی پوری نسل تباہ کر دی گئی۔

اباحیوں کا قتل

اس وجہ سے علاؤالدین کے عہد کے کارناموں کو فرعون اور ضحاک کے سیاسی مظالم سے بھی آگے سمجھا جاتا ہے' جس سال نو مسلم مغلوں کے قتل کا حادثہ پیش آیا اسی سال علاؤالدین کو اطلاع ملی کہ اباحیوں کا ایک گروہ دہلی میں آگیا ہے جو اپنے دستور اور رواج کے مطابق سال میں ایک مرتبہ جشن مسرت منعقد کرتے ہیں اور اس رات تمام محرمات شرعی یعنی ماں بہن وغیرہ کو حلال سمجھتے ہیں۔ علاؤالدین نے اس جماعت کے قتل کر حکم دے دیا اور گویا اس طرح اپنے سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ علاؤالدین کے حکم کی وجہ سے اباحیوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ کے رہ گیا۔

عادات و خصائل

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے علاؤالدین بہت ہی تند خو انسان تھا۔ اس لیے کسی درباری یا مقرب کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی مجرم یا بے گناہ کی بادشاہ سے سفارش کرے۔ اس بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ اگر وہ کسی سے ایک بار رنجیدہ ہو جاتا تو پھر تمام عمر اس سے گفتگو نہ کرتا اور کبیدہ خاطر رہتا۔ اپنے ابتدائی زمانے میں تو علاؤالدین سلطنت کے انتظامی امور میں لوگوں سے مشورہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا اور چند امراء اس کی سیاسی حکمت عملی میں دخل بھی دیتے تھے' لیکن آخری عہد میں (جبکہ اسکی فتوحات کے دامن نے ہندوستان کے ہر خطے کا احاطہ کر لیا تھا) اس کے غرور و تکبر کی انتہا نہ رہی اور اس نے امراء سے مشورہ کرنے کی عادت ترک کر دی۔

مورخین کا بیان ہے کہ علاؤالدین خلجی کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئیں' اتنی ہندوستان کے کسی اور حکمران کو نصیب نہ ہوئیں۔ اس نے جس کثرت سے مسجدیں' تالاب' سرائیں' خانقاہیں اور قلعے وغیرہ تعمیر کروائے اتنے کسی اور بادشاہ نے نہیں بنائے اہل فن اس کے زمانے میں بہت بڑی تعداد میں جمع تھے۔ ان کا اتنا بڑا گروہ کسی اور بادشاہ کے زمانے میں جمع نہیں ہوا۔ علاؤالدین کے عہد میں انصاف اور سچائی کا جو بول بالا ہوا' اطاعت و فرمانبرداری کا جو نام اونچا ہوا' اور بغاوت و سرکشی کا جس طرح قلع قمع ہوا' اس کی مثال کسی اور بادشاہ کے عہد میں نہیں ملتی۔

بزرگان دین

اسی طرح اس دور میں اولیاء اللہ علمائے کرام اور مشائخ کا جیسا گروہ تھا' ویسا مقدس گروہ دہلی میں کسی اور زمانے میں جمع نہیں ہوا۔ ان مشائخ میں حضرت شیخ الاسلام نظام الدین اولیاء بھی تھے جو اپنے تقدس و بزرگی کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ حضرت شیخ علاؤالدین کے عہد میں اپنے انوار باطنی سے خلق خدا کو فیض یاب کرتے رہے۔ ہر سال محرم کی پانچویں سے لے کر دسویں تک حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا عرس ہوتا تھا جس میں ہندوستان کے ہر گوشے اور مقام کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ اس مقدس محفل میں اہل اللہ اور صاحبان دل کے مستانہ نعروں سے در و دیوار گونج اٹھتے تھے۔ اس عہد کے

بڑے متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ آپ عبادت میں اس حد تک مشغول و مصروف رہتے تھے کہ لوگ اس پر آپ کو "فرشتہ سیرت" کہنے لگے۔

علاؤالدین خلجی کے عہد کے تیسرے قابل ذکر بزرگ مولانا رکن الدین بن شیخ صدر الدین عارفؒ تھے۔ آپ ملتان میں طالبان حق کی رہنمائی فرماتے تھے۔ ملتان اور اوچھ کے لوگ آپ ہی کے آستانے سے فیض حاصل کرتے تھے اور آپ ہی کی ہدایات پر عمل کر کے دینی اور دنیاوی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ حضرت شیخ صدرالدین عارف اگرچہ ولی کامل تھے لیکن جود و سخا میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ آپ کو اپنے والد بزرگوار سے جو کثیر دولت میراث میں ملی تھی' اس کے علاوہ بے شمار نذرانے بھی ان کی خانقاہ میں پہنچتے تھے۔ اتنی دولت کے باوجود بھی جود و سخا کی وجہ سے ان کی زندگی قرض ہی میں بسر ہوتی تھی۔ ان بزرگوں کے علاوہ سید تاج الدینؒ بن سید قطب الدین بھی تھے۔ آپ ایک مدت تک بدایوں کے قاضی رہے' سخاوت علم و فضل اور دیگر کمالات انسانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید رکن الدینؒ صاحب قاضی کڑہ بھی اپنے بھائی کی طرح خاص و عام میں مقبول تھے۔ سادات کمل (کھیتل) میں سید نجیب الدین اور ان کے بھائی سید مغیث الدینؒ دونوں اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بہت مشہور و ممتاز تھے۔ ان بزرگوں کو عام طور پر سادات نوایتہ کہا جاتا تھا۔

علمائے کرام

مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ علاؤالدین خلجی کے عہد میں دیگر سادات کرام اور بزرگان دین بھی اس قدر کثیر تعداد میں موجود تھے کہ ان کا تفصیلی تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔ ان حضرات میں قاضی صدر الدین عارف الملک المخاطب بہ صدر جہاں بالخصوص قابل تذکرہ ہیں۔ آپ کے بعد قاضی جلال الدین قاضی الممالک ہوئے اور مولانا ضیاء الدین بیانوی' صدر جہاں مقرر کیے گئے۔ علاؤالدین خلجی کے آخری زمانے میں ملک افتخار حمید الدین ملتانی کو عہدہ قضا پر سرفراز کیا گیا۔ ان بزرگان کے علاوہ چھیالیس دیگر علمائے باکمال جو تمام علوم پر حاوی تھے' اس ملک کو اپنے علمی ذوق سے مستفید کرتے رہے اور ان کی وجہ سے درس و تدریس کا مقدس فریضہ جاری رہا۔ ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قاضی فخرالدین ناقلہ
۲۔ قاضی فخرالدین کرمانی
۳۔ مولانا نصیرالدین غنی
۴۔ مولانا تاج الدین مقدم
۵۔ قاضی ضیاء الدین بیانوی
۶۔ قاضی زین الدین ناقلہ
۷۔ مولانا ظہیرالدین لنگ
۸۔ مولانا ظہیرالدین بھکری
۹۔ مولانا شرافتی
۱۰۔ مولانا نصیرالدین رازی
۱۱۔ مولانا علاؤالدین صدر شریف
۱۲۔ مولانا میراں بابک
۱۳۔ مولانا نجیب الدین بیانوی
۱۴۔ مولانا شمس الدین
۱۵۔ مولانا صدر الدین
۱۶۔ مولانا علاؤالدین لاہوری
۱۷۔ قاضی شمس الدین کارزونی
۱۸۔ مولانا شمس الدین بخشی
۱۹۔ مولانا شمس الدین
۲۰۔ مولانا صدر الدین یادہ
۲۱۔ مولانا معین الدین نولوی
۲۲۔ مولانا افتخار الدین رازی
۲۳۔ مولانا معین الدین پہیتی
۲۴۔ مولانا نجم الدین انتشار

۲۵- مولانا حمید الدین بلھوری

۲۶- مولانا علاؤالدین گرگ

۲۷- مولانا حسام الدین سادہ

۲۸- مولانا محی الدین کاشانی

۲۹- مولانا کمال الدین کولوی

۳۰- مولانا وجہ الدین کابلی

۳۱- مولانا منہاج الدین

۳۲- مولانا نظام الدین کلاتی

۳۳- مولانا نصیرالدین کڑھی

۳۴- مولانا نصیرالدین صدبونی

۳۵- مولانا علاؤالدین تاجر

۳۶- مولانا کریم الدین جوہری

۳۷- مولانا محب ملتانی

۳۸- مولانا حمید الدین مخلص

۳۹- مولانا برہان الدین بھکری

۴۰- مولانا افتخارالدین برنی

۴۱- مولانا حمید الدین ملتانی

۴۲- مولانا گل محمد شیرازی

۴۳- مولانا حسام الدین سرخہ

۴۴- مولانا شہاب الدین ملتانی

۴۵- مولانا فخرالدین ہانسوی

۴۶- مولانا فخرالدین شقاقلی

قاری اور واعظ

علاؤالدین خلجی کے آخری زمانے میں مولانا علیم الدین ملتانی' جو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور علم و فضل کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے' دہلی تشریف لائے اور انہوں نے معقولات اور منقولات کی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ مولانا نشاطی' جو علم قرات کے اساتذہ میں سے تھے' اور جنہوں نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا' جو بے حد مقبول و مشہور ہے' اسی بابرکت عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا علاؤالدین اور خواجہ زکی (حضرت شیخ حسن بصری کے بھانجے) بھی علاؤالدین خلجی کے عہد میں علم قرات کے مستند اساتذہ تھے واعظوں کی جماعت میں مولانا حسام الدین درویش اور ان کے بھائی مولانا جلال الدین اور مولانا شہاب الدین جلیلی اور مولانا کریم اپنے عہد کے مستند خطیبوں میں شمار ہوتے تھے۔

ندیم اور مصاحب

بادشاہ کے ندیموں اور مصاحبوں میں تاج الدین عراقی سپہ سالار' خداوند زادہ چاشنی گیر نبیرہ بلبن بزرگ' ملک رکن الدین' ملک اعزالدین تغال خاں اور نصیرالدین نور خاں جیسے اعلیٰ درجے کے لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ بادشاہ کے ساتھی اور ہم صحبت تھے۔

شعرائے کرام

علاؤالدین خلجی کے عہد حکومت کے شعراء کی شیریں کلامی' جدت طبع اور بلند خیالی پر صرف اہل دہلی ہی نہیں' بلکہ پورا ہندوستان فخر کرتا تھا۔ ان کی سخن دانی کی دل کش اور دل ربا آوازوں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونجتا تھا۔ ان شعرائے عالی مقام میں سے بعض دارالسلطنت دہلی ہی میں مقیم تھے اور شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔

امیر خسرو

دربار کے شعراء کے گل سرسبد حضرت امیر خسرو تھے۔ آپ کو فن شاعری پر پوری پوری قدرت حاصل تھی اور جدت طرازی اور معنی آفرینی میں مہارت تامہ حاصل تھی خسرو کے کمالات محتاج تعارف نہیں ہیں ان کے فضل و کمال کی شہادت ان کی تصانیف نظم و نثر سے ملتی ہے فن شاعری کے علاوہ امیر خسرو بہت بڑے صوفی اور صاحب وجد و حال تھے۔ ان کے وقت کا بیشتر حصہ عبادات یعنی روزہ' نماز

الغرض خاک ہند سے ان کے درجے کا انسان اب تک نہیں اٹھا۔ امیر خسرو کو شاہی خزانے سے ہر ماہ ایک ہزار تنکہ ملتا تھا۔

حسن سنجریؒ

دوسرے معزز درباری شاعر حضرت حسن سنجریؒ تھے۔ آپ کا کلام سلاست اور لطافت بیان کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ آپ کے کلام کی سادگی، شستگی اور پختگی کی وجہ سے آپ کو عام طور پر "حسن سنجری سعدیؒ" کہا جاتا تھا۔ قناعت، گوشہ نشینی، ترک دنیا اور تہذیب الاخلاق میں آپ اپنے عہد میں بے نظیر تھے۔ حضرت حسنؒ کو سلطان الاولیاء نظام الدین سے خلافت ملی تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ مریدی میں سلطان الاولیاء کی زبان سے جو کچھ سنا اسے یک جا کر کے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام "فوائد الفواد" ہے۔ اس کتاب کے علاوہ حضرت حسن کی اور بھی بہت سی تصانیف نظم و نثر، دونوں میں موجود ہیں جو آپ کے فضل و کمال کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔

دیگر شعراء

امیر خسرو اور حضرت حسن سنجریؒ کے علاوہ علاؤالدین کے عہد میں صدر الدین عالی اور فخرالدین قواس، حمیدالدین راجہ، مولانا عارف عبدالحکیم اور شہاب الدین صدر نشین جیسے شیریں بیان شاعر بھی موجود تھے، اور علاؤالدین کی علم پرور طبیعت کی بخشش و سخاوت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ان شعراء کرام میں سے ہر ایک اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے مخصوص انفرادیت کا حامل تھا، جس کا بھرپور اندازہ ان شعراء کے دواوین سے ہو سکتا ہے۔

مورخین اور اطباء

عہد علائی میں چند عدیم المثال مورخ بھی موجود تھے، جو واقعات نویسی میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ طبیبان مسیحا نفس میں مولانا بدرالدین دمشقی کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ انہیں اپنے فن میں اس قدر مہارت حاصل تھی کہ اگر چند جانوروں کا پیشاب ایک ہی برتن میں ملا کر ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو حکیم صاحب فوراً بتا دیتے کہ اس برتن میں فلاں فلاں جانور کا پیشاب ہے۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ چونکہ یہ صاحب بہت بڑے صوفی بھی تھے۔ اس لیے روحانی قوت کے بل پر اس قسم کی بات کہہ دینا ان کے لیے بہت آسان تھا، ورنہ محض علم طب کی رو سے اس قسم کا حکم لگانا بہت دشوار ہے۔

اس عہد میں رمال اور منجم بھی تھے۔ جو اپنے فن پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔ پیشین گوئی کرنے اور دلوں کی باتیں بتانے میں انہیں واقعی کمال حاصل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جادو کر رہے ہوں۔ ان کے علاوہ مطربوں، گویوں اور دیگر ارباب طرب اور ارباب ہنر کی بہت کثرت تھی۔ افسوس کہ اس مختصر کتاب میں ایسے لوگوں کے تفصیلی تذکرے کے لیے گنجائش نہیں نکل سکی۔

علاؤالدین کا زوال

جب علاؤالدین ایک عرصے تک کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت کر چکا اور اس کی خوش قسمتی اپنے عروج کو پہنچ گئی تو مشہور مثل "ہر کمالے را زوالے" کے مصداق اس کے برے دن بھی نزدیک آنے لگے۔ علاؤالدین سے بہت سے ایسے کام سرزد ہونے لگے جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے اور حکومت کے استحکام کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوئے۔

ملک نائب کی محبت

علاؤالدین کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس نے ملک نائب کا والہ شیدا ہو کر حکومت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ ملک نائب کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہوا کہ ملکی مہمات کی انجام دہی میں بھی وہ ملک نائب کی خاطر داری کا پورا پورا لحاظ رکھتا اور اس کی ہربات کو، خواہ وہ کتنی ہی نامعقول کیوں نہ ہو، بغیر حیل و حجت کے مان لیتا تھا۔

بیٹوں کی تربیت کی طرف سے بے توجہی

علاؤالدین کے زوال کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں کی اچھی طرح تعلیم و تربیت نہ کی اور انہیں ادب و اخلاق سے پوری طرح آگاہ کرنے سے پہلے ہی حرم خانے سے نکال کر مطلق العنان کر دیا۔ شہزادہ خضر خاں کی صلاحیتوں کا اندازہ کیے بغیر ہی اسے چتر عنایت کر کے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ علاؤالدین نے کسی تجربہ کار معلم و استاد کو خضر خاں اور دوسرے شاہزادوں کی نگہداشت اور تربیت کے لیے مقرر نہ کیا تاکہ لڑکوں کو عیاشی اور عیش کوشی سے روکا جا سکے اور بری عادتوں سے بچایا جا سکے۔

راجہ تلنگانہ کا خط

اسی زمانہ میں تلنگانہ کے راجہ نے علاؤ الدین کی خدمت میں بیس ہاتھی مع ایک خط کے روانہ کیے۔ راجہ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ "میں نے سایہ بان لعل کے سامنے جو ملک نائب سے وعدہ کیا ہے اس پر اب تک قائم ہوں۔ اس سلسلے میں ایک اقرار نامہ لکھ کر ملک نائب کے حوالے کر چکا ہوں۔ اس اقرار نامے کی رو سے مجھے جو کچھ دینا ہے وہ حاضر کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس کے لیے بھی آپ فرمائیں میں بادشاہی نذرانہ اس کے حوالے کر دوں اور اپنا فرض پورا کروں۔" جونہی راجہ کا خط ملا ملک نائب نے' جو خضر خاں اور ملکہ جہاں سے رنجیدہ اور دل ہی دل میں خوف زدہ تھا۔ علاؤالدین سے کہا کہ یہ خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ ملک نائب نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ میں تلنگانہ کے راجہ سے چند سال کا خراج وصول کر کے دکن کی طرف سے ہوتا ہوا آؤں گا۔ تاکہ رام دیو کے بیٹے کو' جو باپ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا ہے' اور حضور کی اطاعت سے انکاری ہے' خبر لوں اور دوسرے سرکشوں اور باغیوں سے علاقہ دکن کو پاک و صاف کروں۔"

ملک نائب کی مہم دکن

علاؤالدین خلجی نے ملک نائب کی درخواست قبول کر لی اور ۷۱۲ھ میں چوتھی بار دکن کی مہم کے لیے روانہ کیا۔ ملک نائب دیوگڑھ پہنچا اور اس نے راجہ رام دیو کے باغی اور سرکش لڑکے کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ملک نائب نے مرہٹواڑی کے اکثر شہر گلبرگہ اور رائے چور کی حدود تک' دشمنوں سے پاک و صاف کر دیے اور کرناٹک کے مشہور شہروں تلنگ' دبل' جیور' دھور سمندر وغیرہ کو ہندو حکمرانوں کے قبضے سے نکال لیا اور ان کے قلعوں کو فتح کر کے دشمنوں کو ایسا درست کیا کہ پھر کسی کو بغاوت یا سرکشی کی جرات نہ ہوئی۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ملک نائب نے دیوگڑھ میں قیام کیا اور کرناٹک اور تلنگانہ کے راجاؤں سے نذرانہ کی رقم وصول کر کے علاؤالدین کی خدمت میں روانہ کی۔ ملک نائب نے کچھ ہی عرصے میں کرناٹک اور مالابار کے راجاؤں کو اپنی حکمت سے بادشاہی خراج گزار کر دیا۔

علاؤالدین خلجی کی بیماری

اسی زمانے میں عیش و عشرت اور لہو و لعب کی وجہ سے بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ خضر خاں اور ملکہ جہاں اپنے اپنے طور پر مجلس آرائیوں اور عیش و عشرت میں مشغول رہے۔ انہیں اسی قسم کی مصروفیات نے بادشاہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی اور انہوں نے بادشاہ کے علاج اور تیمارداری کی مطلق پروا نہ کی۔ علاؤالدین نے جب اپنی بیوی اور بیٹے کو اپنی حالت سے بے پروا دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا اور اس نے اپنی بیماری کو انہیں دونوں کی غفلت کا نتیجہ سمجھا۔ ہر روز خضر خاں اور ملکہ جہاں سے ضرور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی تھی' جس کی وجہ سے علاؤالدین' ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ بدگمان ہوتا چلا گیا۔

ملکہ جہاں اور خضر خاں [illegible]

ہو کر رہ گیا تھا۔ چوگان بازی اور ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے سے اسے بہت دلچسپی تھی' اور وہ اپنا وقت اس سلسلے میں بھی صرف کرتا۔ ملکہ جہاں کا یہ عالم تھا کہ اسے بیٹوں کی شادی' پوتوں کے عقیقوں اور ختنوں اور دیگر رسوم میں مصروف رہنے کے علاوہ اور کچھ نہ بھاتا تھا۔ وہ ہر وقت اسی قسم کی تقریبات عشرت میں مصروف رہتی تھی۔ الغرض دونوں کو سوائے علاؤالدین کی بیماری کے اور سب کچھ یاد تھا اور وہ شب و روز انہیں غیر اہم کاموں میں الجھے رہتے تھے۔

علاؤالدین خلجی نے جب اپنے بیٹے اور بیوی کا یہ حال دیکھا تو اس نے دکن سے ملک نائب اور گجرات سے الغ خاں کو بلوایا۔ یہ دونوں شاہی حکم کی تعمیل میں جلد از جلد دہلی پہنچ گئے۔ بادشاہ ان دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے ملک نائب کو تنہائی میں بلا کر اس سے خضر خاں اور ملکہ جہاں کی لاپروائی کی شکایت کی۔ ملک نائب نے اس وقت تک بادشاہت کے خواب دیکھنا شروع کر دیے تھے۔ لہٰذا اس موقع کو غنیمت جان کر اس نے بادشاہ سے کہا۔ "میں ان حالات کے پیش نظر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خضر خاں' ملکہ جہاں اور الغ خاں' جو تینوں ہی شاہی خاندان کے افراد ہیں' آپ کی موجودگی انہیں بھلی معلوم نہیں ہوتی' اس لیے وہ تہ دل سے آپ کی موت کے خواہاں ہیں۔"

خضر خاں کی امروہہ کو روانگی

بادشاہ اور ملک نائب میں ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ملکہ جہاں کو جشن مسرت منانے کی ایک نئی تدبیر سوجھی اور اس نے علاؤالدین سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ شہزادہ شادی خاں کو الغ خاں کی بیٹی سے بیاہ دیا جائے۔ یہ سن کر ملک نائب کو بادشاہ کے کان بھرنے کا ایک اور نادر موقع ملا اور اس نے ادھر ادھر کی باتیں لگا کر بادشاہ کو ان لوگوں کی طرف سے اور زیادہ بدگمان کر دیا۔ علاؤالدین نے سوچ بچار کے بعد بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے خضر خاں کو شکار کے بہانے سے امروہہ کی طرف روانہ کر دیا اور چلتے وقت اس سے کہا کہ جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تمہیں بلواؤں گا۔ خضر خاں نے اس وقت یہ منت مانی کہ اگر علاؤالدین صحت یاب ہو گیا تو وہ (خضر خاں) امروہہ سے دہلی تک مشائخ کی زیارت کے لیے پیدل چل کر آئے گا۔"

خضر خاں کی واپسی

جب خضر خاں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی صحت کچھ اچھی ہو رہی ہے تو اس نے اپنی منت پوری کی اور اپنے لشکر خاصہ کے ساتھ امروہہ سے دہلی تک پا پیادہ آیا۔ ملک نائب کو معلوم ہوا تو اس نے بادشاہ کے کان بھرے اور کہا۔ "شہزادہ آپ کی اجازت کے بغیر دارالسلطنت میں آیا ہے اس لیے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ کہیں امیروں کے ساتھ مل کر یہ سازش نہ کرے اور کوئی نیا فتنہ نہ پیدا ہو۔" علاؤالدین کو ملک نائب کی اس بات کا اعتبار نہ آیا اور وہ خضر خاں کو بلا کر اس سے ہم آغوش ہوا اس کے سر اور آنکھوں کو چوما اور اسے اجازت دی کہ حرم سرا میں جا کر اپنی ماں اور بہنوں سے ملاقات کرے۔

خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری

کچھ دنوں بعد خضر خاں پر وہی پہلے کی سی غفلت طاری ہو گئی اور وہ دربار میں حاضری کا بھی پابند نہ رہا۔ ملک نائب نے اس بار بھی خضر خاں کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور اس قسم کی باتیں کیں کہ بادشاہ کو خضر خاں سے بالکل بدگمان کر دیا اور یہ یقین دلایا کہ خضر خاں فلاں فلاں اشخاص سے سازش کر کے' جن میں شادی خاں بھی شریک ہے' آج کل ہی میں بادشاہ کی جان لینے والا ہے۔ ملک نائب نے مکاری اور عیاری سے چند جھوٹے غلاموں کی گواہی بھی پیش کر دی اور بادشاہ سے خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری کا فرمان جاری کروا دیا۔

بغاوتیں

ملک نائب نے ان دونوں شہزادوں کو گوالیار کے قلعے میں قید کروا دیا اور ملکہ جہاں کو محل سے نکلوا کر پرانی دہلی میں نظر بند کر دیا۔ اس

کے ساتھ ساتھ ملک نائب نے بادشاہ سے الغ خاں کی موت کا فرمان جاری کروا لیا۔ الغ خاں جو خضر خاں اور شادی خاں کا خالو تھا اور ابھی حال ہی میں گجرات سے آیا تھا' ملک نائب کی عیاری سے مارا گیا۔ اس کے علاوہ ملک نائب نے سید کمال الدین کرک کو بادشاہ کے حکم کے مطابق جالور روانہ کیا تاکہ وہ جالور کے حاکم نظام الدین کو' جو الغ خاں کا بھائی تھا' قتل کرے۔ خضر خاں اور شادی خاں کی گرفتاری اور الغ خاں اور اس کے بھائی نظام الدین کے قتل سے ملک میں ایک انتشار سا پھیل گیا اور کئی سوئے ہوئے ہنگامے از سرنو جاگ اٹھے۔ گجرات کی فوج نے علم بغاوت بلند کیا اور سارے ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا۔

علاؤالدین کا انتقال

گجرات کی بغاوت کو کچلنے کے لیے بادشاہ نے ملک نائب کی رائے سے سید کمال الدین کرک کو روانہ کیا' لیکن الغ خاں کے حمائتیوں اور طرف داروں نے کمال الدین کو پکڑ کر بڑی بری طرح موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جیتپور کے حاکم نے بھی بغاوت کی اور شاہی ملازموں کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر انہیں قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ دکن میں ہرپال دیو نے' جو رام دیو کا داماد تھا' ہنگامہ کھڑا کیا اور بہت سے شاہی تھانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ علاؤالدین ان خبروں کو سن سن کر دل ہی دل میں بل کھا کر رہ جاتا۔ غم و الم کی اس فضا میں اس کی صحت کی دیوار گرتی ہی چلی گئی اور آخر کار ۶ شوال ۷۱۶ھ کی رات کو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بے شمار زر و جواہر اور دولت جو محمود غزنوی کو بھی میسر نہ ہوئی اور جسے علاؤالدین نے بڑی محنت سے جمع کیا تھا' دوسروں کے لیے چھوڑ گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ کی موت زہر خورانی سے ہوئی تھی' ملک نائب نے اسے زہر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ علاؤالدین خلجی کے زمانے میں چوراسی (۸۴) چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں اور ہر لڑائی میں یہ اقبال مند بادشاہ کامیاب و کامران رہا۔ علاؤالدین کی شان و شوکت کا اندازہ محض اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کے دربار میں ستر ہزار شاگرد پیشہ ملازم تھے۔ ان میں سات ہزار معمار' بیل دار اور گلکار تھے جو بڑی بڑی عمارت بھی دو ہفتے میں تیار کر لیتے تھے اور چھوٹی چھوٹی عمارتیں تو دو تین دن ہی میں تعمیر ہو جاتی تھیں۔ عمارت کی تعمیر کے لیے بادشاہ جتنے عرصے کا تعین کر دیتا تھا اس میں ایک لمحہ کی کمی بیشی نہ ہوتی تھی۔ علاؤالدین پہلا شخص ہے جس نے ہاتھی پر عماری رکھی اور اس پر سوار ہوا' علاؤالدین نے بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک حکمرانی کی۔

شہاب الدین عمر بن علاؤ الدین خلجی

خاندان علائی پر ظلم

علامہ صدر جہاں گجراتی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ علاؤ الدین خلجی کے انتقال کے دوسرے روز ملک نائب نے تمام امرا اور ارکان سلطنت کو جمع کیا اور مرحوم بادشاہ کا وصیت نامہ پڑھ کر سب کو سنایا۔ خلجی کا وصیت نامہ یہ تھا "میں اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو اپنی ولی عہدی سے معزول کرتا ہوں اور اس کی جگہ اپنے چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔" ملک نائب نے شہزادے شہاب الدین کو تخت حکومت پر بٹھادیا اور خود اس سات سالہ فرماں روا کا نائب السلطنت بن بیٹھا۔ ملک نائب نے علاؤ الدین کے امراء کو اپنا ہم خیال سمجھا' جو کہ اس کی عاقبت نا اندیشی تھی۔ جلوس کے پہلے ہی دن ملک نائب نے ملک سہیل کو بار بکی کی عہدے پر مقرر کر کے گوالیار کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ خضر خاں اور شادی خاں کو اندھا کر دے۔ اس نمک حرام نے مرحوم بادشاہ کی عنایات کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور دونوں شہزادوں کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیں پھیر دیں اور ان کی ماں ملکہ جہاں کو قید میں ڈال دیا۔ اس مردود نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ شہاب الدین کی ماں سے نکاح بھی کر لیا۔

شیخ نجم الدین کا فیضان روحانی

ملک نائب یہ چاہتا تھا کہ خضر خاں اور شادی خاں کی طرح شہزادہ مبارک خاں کو بھی اندھا کر دے تاکہ وہ خود (ملک نائب) زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ شہزادہ مبارک کی والدہ بی بی مالک نے ایک شخص کو حضرت نجم الدین کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نجم الدین' حضرت شیخ احمد جامؒ کے بیٹوں میں بہت ہی ممتاز اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ بی بی مالک شیخ صاحب سے امداد کی طالب ہوئی۔ شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "تم کوئی فکر نہ کرو اور غیبی امداد کا انتظار کرو۔" یہ کہہ کر شیخ صاحب نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اسے الٹ کر دوبارہ اپنے سر پر رکھ لیا اور کہا "اب میں اس ٹوپی کو اسی وقت سیدھا کروں گا جب مبارک شاہ تخت حکومت پر بیٹھے گا۔"

ملک نائب کے عزائم

ملک نائب کا معمول تھا کہ وہ ہر روز تھوڑی سی دیر کے لیے شہاب الدین عمر کو محل سے لا کر ہزار ستون کے کوٹھے پر تخت شاہی پر لا بٹھاتا اور امراء و ارکان دولت کو حکم دیتا کہ صف در صف ہاتھ باندھے ہوئے بادشاہ کے سامنے کھڑے رہیں۔ جب دربار ختم ہو جاتا تو ملک نائب شہاب الدین عمر کو اندر محل میں اس کی ماں کے پاس بھجوا دیتا' اور خود ایک خیمے کے اندر' جو ہزار ستون پر نصب کیا گیا تھا' خواجہ سراؤں کی ساتھ چوسر کھیلنے میں مشغول ہو جاتا۔ ملک نائب ہر وقت علاؤالدین خلجی کے خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے منصوبے باندھتا رہتا اور اپنے ساتھیوں سے اسی سلسلے میں مشورے کرتا رہتا۔

شہزادہ مبارک کے قتل کی کوشش

ایک رات ملک نائب نے چند خواجہ سراؤں کو' جو اس رات ہزار ستون کی حفاظت کے لیے متعین تھے' خفیہ طریقے سے مبارک شاہ کی مجلس میں بھیجا تاکہ یہ لوگ مبارک شاہ کو قتل کر دیں۔ جب یہ خواجہ سرا' مبارک شاہ کے پاس پہنچے تو شہزادے نے اپنے گلے سے جڑاؤ گلوبند اتار کر ان کو دیا اور انہیں اپنے باپ کی مہربانیاں یاد دلائیں۔ شہزادے کی گفتگو سے خواجہ سرا بہت نادم ہوئے اور اپنے ارادے سے باز آ گئے اور جیسے گئے تھے ویسے ہی لوٹ آئے۔ واپس آ کر انہوں نے اپنے سرداروں بشیر اور مبشر سے سارا قصہ کہا اور شہزادے کا

جڑاؤ گلوبند ان کے حوالے کر دیا۔ چونکہ مبارک شاہ کی قسمت میں بادشاہت لکھی تھی' اس لیے بشیر اور مبشر اور ان کے تمام ساتھی شہزادے کے قصے سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مبارک شاہ کے دشمنوں کو اسی رات موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ملک نائب کا قتل

جب رات اپنے شباب پر آگئی اور تمام لوگ ادھر ادھر چلے گئے اور بادشاہی محل کے تمام دروازے بند ہوگئے تو بشیر اور مبشر ملک نائب کی خواب گاہ میں جا گھسے اور انہوں نے ملک نائب اور اسکے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ علاؤ الدین خلجی کی وفات کے پینتیس (۳۵) روز بعد پیش آیا۔ ملک نائب کے قتل کے بعد ان خواجہ سراؤں نے مبارک کو قید سے آزاد کیا اسے شہاب الدین عمر کی نیابت پر مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے دو (۲) ماہ تک تو اپنے چھوٹے بھائی کی نیابت کی' لیکن آخر کار اس نے امراء اور ارکین سلطنت سے مشورہ کر کے شہاب الدین عمر کو بادشاہت سے معزول کر دیا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

مبارک شاہ نے شہاب الدین عمر کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں اور اسے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ شہاب الدین عمر نے تین مہینے سے کچھ زیادہ عرصے تک حکمرانی کی۔ جس زمانے میں علاؤالدین خلجی کی اولاد پر اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں مظالم ہو رہے تھے ان دنوں کسی شخص نے شیخ بشیر مجذوب سے سوال کیا۔ علاؤالدین خلجی کے خاندان کی تباہی و بربادی کا سبب کیا ہے؟ بشیر مجذوب نے جواب دیا "یہ سب اسی نمک حرامی کا وبال ہے جو علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا اور مہربان آقا جلال الدین خلجی سے کی تھی۔"

قطب الدین مبارک شاہ خلجی

قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی ۸ محرم ۷۱۷ھ کو عمل میں آئی۔ ملک نائب کے قتل کے بعد بشیر اور مبشر نے جو خواجہ سراؤں کے سردار تھے' میدان خالی پا کر بڑی شورش بپا کی اور ان خود سروں سے کچھ ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوئیں کہ مبارک شاہ نے مجبور ہو کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے ساتھیوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر ان کی جماعتی قوت کو منتشر کر دیا۔ خواجہ سراؤں کے ہنگامے سے نجات حاصل کرنے کے بعد مبارک شاہ نے امرا و اراکین سلطنت کو اپنا بنانے کی کوشش کی۔ اس نے ہر امیر کو اس کی حیثیت کے مطابق خلعت اور انعام سے سرفراز کیا اور بہت سوں کو طبل و علم سے بھی نوازا' مبارک شاہ نے اپنی قدیم نمک خواروں کو ان کی پرانی خدمتوں پر حسب سابق بحال رکھا اور ان کو بھی جاگیریں وغیرہ عطا کیں۔

خطابات اور عہدوں کی تقسیم

اس کے بعد مبارک شاہ نے امراء میں خطابات اور عہدے تقسیم کیے۔ ملک دینار شحنہ پیل کو "ظفر خاں" کا خطاب دیا گیا۔ مبارک شاہ کے چچا محمد مولائی کو "شیر شاہ" اور مولانا شہاب الدین کے مشہور بیٹے مولانا ضیاء الدین کو "صدر جہاں" کے خطابات دیے گئے۔ ملک قرابیگ کو مبارک شاہ نے اپنا مقرب خاص بنایا۔ پردار قوم کے ایک شخص کو جس کا نام حسن تھا اور جو گجرات کا مشہور پہلوان تھا' اس پر بادشاہ نے عنایت کی خاص نظر کی۔ نیز ملک شادی' نائب خاص جو علاؤالدین خلجی کا پروردہ پرداختہ تھا' اسے "خسرو خاں" کا خطاب دیا گیا۔ مبارک شاہ حسن پر بہت مہربان ہوا اور اس سے ایسی محبت کرنے لگا کہ اسے بڑے بڑے اعزازات سے نوازا اور یہ دیکھے بغیر کہ اس نوجوان شخص میں انتظامی امور کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے بھی یا نہیں' وزارت کا اہم عہدہ بھی اسی کے سپرد کر دیا۔

قیدیوں سے ہمدردی

قطب الدین مبارک شاہ کی زندگی کا ابتدائی حصہ چونکہ قید خانے میں بسر ہوا تھا اور اس وقت اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا' اس لیے جب اس نے عنان حکومت سنبھالی تو اسے قیدیوں سے خاص ہمدردی پیدا ہوئی۔ نیز وہ اپنی رعایا اور اراکین سلطنت کے ساتھ انتہائی مہر و مروت اور اخلاق کے ساتھ پیش آتا۔ مبارک شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ حکم دیا کہ ستر (۷۰) ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ جلال الدین خلجی کی جو تھوڑی بہت اولاد باقی رہی تھی' مبارک شاہ نے اسے ملک کے چاروں اطراف سے طلب کیا اور ان لوگوں کو گراں بہا عطیوں اور وظیفوں سے نوازا۔ اس نے اپنے تمام ملازمین اور خدمت گزاروں کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی۔

رعایا پر لطف و کرم

مبارک شاہ نے امراء اور باجگذاروں فرمانرواؤں کے مناصب اور ان کی جاگیروں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا۔ جو لوگ غربت و ناداری کی وجہ سے در در بھیک مانگتے پھرتے تھے' ان پر شاہی عنایات اس قدر ہوگئیں کہ وہ خود صاحب بخشش بن گئے۔ الغرض ایک مدت کے بعد لوگوں نے دولت کا منہ دیکھا' ضرورت مند لوگ بادشاہ کی خدمت میں تحریری گزارشات پیش کرتے' بادشاہ ان عرضیوں کو پڑھ کر لوگوں کی ضروریات پوری کر دیتا۔ علماء و فضلاء اور صوفیوں' درویشوں وغیرہ کے روزینوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔ علاؤالدین خلجی کے عہد میں جن دیہاتوں کو زمینداروں اور جاگیرداروں کی ملکیت سے نکال کر شاہی ملک بنا دیا تھا' مبارک شاہ نے انہیں اصل مالکوں کو واپس کر دیا۔ خراج اور دیگر مطالبات کی زیادتی جو علاؤالدین کے عہد سے چلی آ رہی تھی اسے ختم کر دیا گیا۔ جاہ و منصب کی محبت اور دنیاوی

لذائذ کی ہوس' جو علاؤالدین کی سخت گیری کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی' اسے نئی زندگی ملی- الغرض مبارک شاہ نے اپنے باپ کے قائم کردہ تمام سخت قاعدوں کو اپنی نرمی سے ختم کر دیا-

علاؤالدین خلجی نے (جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے) ملکی مصالح کے پیش نظر ہر چیز کا نرخ مقرر کر دیا تھا' لیکن مبارک شاہ کے عہد حکومت میں ایسا نہ ہو سکا اور اشیاء کے نرخوں کا سرکاری طور پر تعین نہ کیا جا سکا- بظاہر شراب نوشی ممنوع تھی' مگر چونکہ خود بادشاہ کی محفل شراب و ساقی سے گرم رہتی تھی اس لیے رعایا کو بھی اس ممانعت کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی- کیا امیر اور کیا غریب' سبھی فسق و فجور میں مبتلا تھے' شرع کے خلاف عمل کرنے میں علاؤالدین خلجی نے جو کمی کی تھی' مبارک شاہ نے اس کی پوری پوری تلافی کر دی-

گجرات میں بغاوت

اسی زمانے میں گجرات کا واقعہ پیش آیا اس تمام علاقے میں بغاوت پھیل گئی اس بغاوت کو کچلنا بہت ضروری تھا ورنہ سلطنت کا استحکام خطرے میں تھا- مبارک شاہ نے عین الملک ملتانی کو جو علاؤالدین خلجی کے معتبر سرداروں میں سے تھا' ایک زبردست فوج کا سردار بنا کر گجرات روانہ کیا- عین الملک نے علائی عہد میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے- اس نے گجرات پہنچ کر باغیوں کو شکست دی اور نہروالہ اور گجرات کے علاقوں کو از سر نو مبارک شاہ کی سلطنت میں شامل کیا- اس علاقے کے قرب و جوار کے زمینداروں کو بادشاہ کا اطاعت گزار بنا کر عین الملک واپس دہلی آیا-

عین الملک کی واپسی کے بعد قطب الدین مبارک شاہ نے ظفر خاں کی بیٹی سے شادی کر لی اور ظفر خاں کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر دیا- ظفر خاں نے گجرات پہنچ کر تین چار ماہ کے اندر ہی تمام فسادوں اور فتنہ انگیزوں کے چھکے چھڑا دیے اور انہیں ایسا تباہ و برباد کیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا- ظفر خاں نے اس علاقے کے راجاؤں اور زمینداروں سے بے شمار زر و جواہر اور مال حاصل کیا اور یہ سب مال و دولت شاہی غنیمت خانے میں بھجوا دیا- علاؤالدین کی وفات کے بعد راجہ رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے دکن کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر مرہٹواڑی پر قبضہ کر لیا تھا- مرہٹ پر قابض ہو جانے کے بعد ہرپال دیو نے شاہی عہدہ داروں کو شہر سے نکال دیا اور خود دیوگڑھ کے قلعے کے محاصرے میں مشغول ہو گیا-

دیوگڑھ پر حملہ

قطب الدین مبارک شاہ کو جب ہرپال دیو کی ان ناشائستہ حرکات کا علم ہوا تو اس نے ایک دانشمند غلام بچے کو' جس کا نام شاہین تھا- "وفا بیگ" کا خطاب دیا اور اسے اپنا نائب بنا کر دہلی میں چھوڑا اور خود ایک زبردست لشکر لے کر دیوگڑھ پر حملہ آور ہوا- یہ واقعہ مبارک شاہ کی تخت نشینی کے دوسرے سال کا ہے- جب شاہی فوج دیوگڑھ کے قریب پہنچی اور ہندوؤں نے اسلامی فوج کی کثرت اور متعلقہ سامان کی فراوانی کا حال سنا تو ہرپال دیو اور اس کے ساتھی' بادشاہ کے مقابلے کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے- مبارک شاہ نے جب میدان خالی دیکھا تو اس نے اپنے چند امراء کو ہندو راجاؤں کے پیچھے دوڑایا' ان امیروں نے بڑی محنت اور کوشش سے ہندوؤں کی بھاگتی ہوئی فوج کو قتل کیا اور ہرپال دیو کو زندہ گرفتار کر کے مبارک شاہ کے سامنے پیش کیا- بادشاہ نے حکم دیا کہ ہرپال کی کھال کھینچ کر اس کا سر دیوگڑھ کے قلعے کے دروازے میں لٹکا دیا جائے-

خسرو خاں کا اعزاز

اس دوران برسات کا موسم آ گیا اور مبارک شاہ کو مجبوراً کچھ عرصہ تک دیوگڑھ ہی میں ٹھہرنا پڑا' بادشاہ نے اپنے دوران قیام میں مرہٹواڑی پر پوری طرح قبضہ کر لیا اور دیوگڑھ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کروائی جو آج تک موجود ہے- کلبہ گہ' ساغر' دسور اور سمندر

علاؤالدین کے ممتاز غلاموں میں سے تھا' دکن کا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس کے بعد مبارک شاہ نے مرہٹواڑی کو اپنے امراء میں بطور جاگیر تقسیم کیا اور اپنے باپ کی طرح معشوق پرستی میں مشغول ہو کر خسرو خاں کے ناز اٹھانے لگا۔ مبارک شاہ نے خسرو خاں کو لوازمات شاہی یعنی چترو دور باش وغیرہ عطا کر کے اور اپنے معتبر امراء کا سردار بنا کر مالابار کی طرف روانہ کیا اور خود دہلی واپس روانہ ہوا۔

قتل کی سازش

راستے میں مبارک شاہ نے خوب جی بھر کر شراب نوشی کی اور اپنی اس عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ جان و مال سے بے نیاز مستی و کیف میں غفلت کی زندگی گزارنے لگا۔ علاؤالدین کے چچا زاد بھائی ملک اسدالدین نے جب بادشاہ کو اس عالم میں دیکھا تو اس کے دل میں بادشاہت کا خیال آیا اور وہ اسی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے بادشاہی چوبداروں سے مل کر سازش کی اور یہ طے پایا کہ جب مبارک شاہ کاتی ساگون سے گزر کر حرم سرا میں داخل ہونے لگے تو اس وقت اس کو قتل کر دیا جائے۔ جب بادشاہ حرم سرا میں داخل ہوگا تو اس وقت کوئی محافظ اور چوبدار ساتھ نہ ہوگا ایسے عالم میں اسے قتل کرنا آسان ہوگا۔ جس رات بادشاہ کاتی ساگون سے گزرنے والا تھا اسی رات ملک اسدالدین کے ایک اہم راز دار نے ساری بات بادشاہ کو بتا دی اور سازش کا تمام پول کھول دیا۔ اسی وقت بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دیا واقعہ سچا تھا اس لیے مبارک شاہ پر واضح ہوگیا کہ مخبر نے صحیح اطلاع دی ہے۔ اسدالدین کو گرفتار کر کے بادشاہی حکم سے قتل کیا گیا۔ اس کے علاوہ بیس دوسرے افراد بھی' جو اس کے ساتھی تھے' موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ ان لوگوں میں کچھ بے گناہ بھی تھے اور وہ دہلی سے کبھی باہر بھی نہ نکلے تھے۔

شہزادوں کا قتل

مجرموں کو سخت سزائیں دینے کے بعد مبارک شاہ نے کاتی ساگون کا سفر کیا اور جھائن پہنچا۔ یہاں پہنچ کر بادشاہ نے سلاحداروں کے سردار شادی کہنہ کو گوالیار کی طرف روانہ کیا۔ شادی کہنہ نے گوالیار پہنچ کر دونوں اندھے شہزادوں خضر خاں اور شادی خاں اور ملک شہاب الدین کو قتل کیا' اور ان کے بیوی بچوں کو لے کر دہلی آگیا۔ خضر خاں کی بیوی دیولدی (جس کا قصہ بیان کیا جا چکا ہے) مبارک شاہ کے حرم میں داخل کی گئی۔

مبارک شاہ کی عاقبت نااندیشی

جب مبارک شاہ نے دیکھا کہ گجرات اور دکن' بلکہ تمام ہندوستان اس کے قبضے میں آگیا ہے۔ تمام امراء اور بااقتدار حکام اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرنے لگے ہیں اور حکومت کے تمام مدعی قتل کیے جا چکے ہیں تو اس نے احتیاط اور عاقبت اندیشی کا دامن چھوڑ کر بے احتیاطی اور غفلت کو اپنا شعار بنایا۔ شراب اور غرور کے نشے میں وہ کچھ ایسا مست ہوا کہ اسے کسی کی پروا نہ رہی۔ نہ کسی ہمدرد اور بہی خواہ کے کسی مشورے پر عمل کرتا اور نہ ہی کسی وفادار امیر کی کوئی گزارش سنتا۔ اگر کوئی امیر بادشاہ کی خیر خواہی میں کوئی بات بادشاہ کی رائے کے خلاف کہتا تو مبارک شاہ نہ صرف یہ کہ اس کی رائے کو رد کر دیتا بلکہ اسے خوب جی بھر گالیاں بھی دیتا۔ اس بنا پر کسی حاشیہ نشین کو یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ محض اشارے کنائے ہی سے بادشاہ کی خیر خواہی کا دم بھر سکے۔

بے گناہوں پر ظلم

الغرض مبارک شاہ نے ایک دم اپنی تمام اچھی عادتوں کو ترک کر دیا اور ان کی جگہ قبیح عادات اختیار کر لیں' اس کا غصہ اور ظلم پسند سرشت اپنے شباب پر آگئی اور اپنے باپ کی طرح اس نے بھی بے گناہوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ گجرات کا حاکم ظفر خاں' جو حکومت کا ایک اہم ستون تھا' بے گناہ مارا گیا۔ اس کے بعد ملک شاہین کے برے دن آئے یہ وہی امیر تھا جسے خود مبارک شاہ نے "وفا بیگ" کا خطاب دیا تھا' افسوس کہ اسے بھی مطلب پرستوں نے چغلیاں کھا کر مبارک شاہ کے فرمان سے قتل کروا دیا۔ مختصر یہ کہ

بادشاہ کا ہر عمل اس کے زوال کا پیش خیمہ نظر آنے لگا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے عداوت

مبارک شاہ کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی عداوت ہو گئی' اس کی وجہ یہ تھی کہ مبارک شاہ کے مقتول بھائی خضر خاں کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے بڑی عقیدت تھی' مبارک شاہ حضرتؒ کی شان میں گستاخانہ حرکتیں کرنے لگا۔ شیخ زادہ جام کو بادشاہ نے اپنے مقربین خاص میں شامل کر لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ زادہ جام حضرت محبوب الٰہیؒ کے مخالفین میں سے تھے۔ شیخ زادہ جام کی درخواست پر حضرت رکن الدین کو ملتان سے بلوایا گیا وہ جب آئے تو شاہی دربار میں ان کی بہت عزت کی گئی۔

بازاری عورتوں کی فراوانی

مبارک شاہ کی بری حرکتیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ وہ اکثر اوقات عورتوں کی طرح زیور پہن لیتا تھا اور اسی عالم میں مجمع میں آکر لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ بادشاہ کے محل میں بازاری اور گھٹیا عورتیں ہر وقت جمع رہتی تھیں اور بادشاہ کے اشارے سے عین الملک اور قراء بیگ جیسے نامی گرامی اور ممتاز معزز امراء سے ہنسی مذاق کر کے ان کی بے عزتی کیا کرتی تھیں۔ مبارک شاہ اس انداز سے اپنے امراء کو ناراض کر کے بہت خوش ہوتا تھا۔ یہ عورتیں مبارک شاہ کی حکومت اور اس کے خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے تمام اسباب مہیا کرتی تھیں۔

حسام الدین کا حاکم گجرات ہونا

ظفر خاں کے قتل کے بعد گجرات کی حکومت حسام الدین کے سپرد کی گئی' جو ماں کی طرف سے خسرو خاں کا بھائی تھا۔ اپنے بھائی کی طرح حسام الدین بھی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑا رسوخ پا گیا۔ جب کبھی خسرو خاں موجود نہ ہوتا تو اس کی جگہ حسام الدین ہی بادشاہ کا دل خوش کرتا۔ جب حسام الدین گجرات پہنچا اور اس کے رشتہ دار اور بہی خواہ پٹن اور دیگر علاقوں سے آ آکر اس کے گرد جمع ہونے لگے تو اس کے ذہن میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ گجرات کے اراکین سلطنت کی مخالفت کرنے لگا۔ ان امراء کے اقتدار اور قوت میں چونکہ ابھی تک کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی' اس لیے وہ حسام الدین کی مخالفت برداشت نہ کر سکے' ان سب نے آپس میں مل کر حسام الدین کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ حسام الدین اسی قید کی حالت میں شاہی دربار میں پہنچا۔ بادشاہ کی نظر جونہی اس کے چہرے پر پڑی تو بادشاہ کے دل میں محبت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس نے اسی وقت حسام الدین کو رہا کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مبارک شاہ حسام الدین سے پوچھ گچھ کرتا لیکن اس نے اس کی بجائے اسے عنایات شاہی سے سرفراز کیا اور گجرات کے امراء کی شکایات کو نظر انداز کر دیا۔ گجراتی امراء کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مبارک شاہ کے حالات پر بہت افسوس کیا۔ حسام الدین کے بعد گجرات کا حاکم ملک وجیہ الدین قریشی کو بنایا گیا۔

ملک قریشی کو اگرچہ گجرات کی حکومت کا بندوبست کرنے اور ملک میں امن و امان بحال کرنے میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پھر بھی اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا اور گجرات ایک بار پھر امن و امان کا گہوارہ بن گیا۔

دکن میں بغاوت

انہیں ایام میں خبر ملی کی دکن میں ملک بیگ لکھی نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے چند قابل امراء کی نگرانی میں ایک بہت فوج ملک بیگ لکھی کی سرزنش کے لیے دیوگڑھ روانہ کی۔ ان امراء نے بڑی ہمت اور محنت سے کام لیا اور ملک بیگ لکھی اور دوسرے باغیوں کو زندہ گرفتار کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے۔ بادشاہ نے ملک بیگ کو تو یہ سزا دی کہ اس کے کان اور ناک کاٹ کر اسے رہا کر دیا' لیکن اس کے ساتھیوں کو بڑی بری طرح [illegible] کر کے قتل کرا

ملک بیگ کو ٹھکانے لگانے کے بعد مبارک شاہ نے دیوگڑھ کی حکومت عین الملک ملتانی کے سپرد کی اور ملک تاج الدین ابن خواجہ علاؤالدین کو اس صوبے کا مشرف مقرر کیا۔ مبارک شاہ نے ملک وجیہ الدین کو گجرات سے بلا کر "تاج الملک" کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے وزیر السلطنت بنایا۔

خسرو خاں کا مالا بار پہنچنا

خسرو خاں جب ملا بار پہنچا تو وہاں کے حاکم شاہی فوج کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور اپنا خزانہ و مال و اسباب لے کر کسی سمت فرار ہو گئے۔ ایک سوداگر جس کا نام علی نقی تھا وہ کہیں نہ گیا اور اس خیال سے کہ شاہی فوج کا سردار مسلمان ہے اور لشکری بھی ہم مذہب ہیں' اس لیے وہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے' علی نقی مالا بار ہی میں رہا' لیکن بے چارے کا یہ خیال غلط نکلا۔ خسرو خاں نے اس سے زبردستی بے شمار دولت حاصل کی اور آخر میں اسے تہ تیغ کر دیا' مالا بار سے شاہی لشکر تلنگانہ پہنچا۔

حاکم تلنگانہ پر تشدد

راجہ تلنگا بھی شاہی لشکر کے مقابلے پر نہ آ سکا اور قلعہ بند ہو گیا۔ خسرو خاں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگا۔ جب خسرو خاں کا تشدد حد سے بڑھ گیا تو راجہ نے مجبور ہو کر ایک سو ایک ہاتھی اور دیگر گراں قدر تحائف خسرو خاں کی خدمت میں بھیج کر اپنی اور اپنی رعایا کی جان بچائی۔ تلنگانہ سے خسرو خاں کتلی کی طرف آیا اور یہاں سے بھی ایک (چھ) درم وزن کا الماس اور بیں ہاتھ حاصل کرتا ہوا مالا بار واپس پہنچا۔ برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا' خسرو خاں نے یہ پورا موسم یہیں بسر کیا۔

خسرو خاں کا خیال خام

مالا بار کے قیام کے دوران میں خسرو خاں بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا اور بغاوت و سرکشی کا سودا اس کے سر میں سما گیا۔ اس نے اپنے تمام نامی گرامی امراء کو موت کے گھاٹ اتار کر زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کی سوچی اور سارے ملک پر قابض ہونے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے کہ خسرو خاں اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا امراء کو اس کے ارادوں کی اطلاع ہو گئی۔ گووا نامی جزیرے کے حاکم ملک تلیغہ' چندیری کے حاکم ملک تیمور اور ملک کل افغان وغیرہ نامی گرامی امراء نے آپس میں مل کر خسرو خاں کو یہ پیغام دیا کہ اس ناممکن خیال کو اپنے دل سے نکال دو اور اس سے پہلے کہ تمہارا یہ راز فاش ہو جائے تمہیں جلد از جلد دہلی واپس چلے جانا چاہیے۔ جب خسرو خاں کو یہ پتہ چلا کہ اس کا راز وقت سے پہلے ہی طشت ازبام ہو گیا ہے اور مالا بار میں اب ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے تو اس نے مجبور ہو کر یہاں کی حکومت چند امیروں میں تقسیم کی اور دہلی کی طرف چل پڑا۔ مالابار کے امراء نے یہ سوچ کر کہ بادشاہ ان کی کارگزاری اور حق شناسی کی داد دے گا' تمام حالات لکھ کر مبارک شاہ کی خدمت میں بھجوا دیے' لیکن مبارک شاہ تو خسرو خاں کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ امیروں کا معروضہ پڑھتے ہی اس نے جواب لکھا کہ خسرو خاں جس جگہ پہنچے اسے فوراً پالکی میں سوار کر کے دوسری منزل تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد دہلی پہنچ جائے۔

خسرو خاں کی عیاری

تمام امراء نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور خسرو خان کو سات روز میں دیوگڑھ سے دہلی پہنچا دیا۔ خسرو خاں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور یہ دیکھ کر کہ بادشاہ حسب سابق اس پر مہربان ہے' مکاری سے کام لیا اور زار و قطار رونے لگا اور کہا "چونکہ امراء شاہی میری شان و شوکت کو اپنی توہین کے مترادف سمجھتے ہیں' اس لیے انہوں نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے مجھ پر نمک حرامی کا زبردست الزام لگایا ہے۔ مبارک شاہ نے خسرو کے اس جھوٹ کو جوش محبت میں آ کر سچ سمجھا اور اپنے بہی خواہ امراء سے ناراض ہو گیا۔ خسرو خاں کے پہنچنے کے دو ایک روز بعد یہ امراء بھی دہلی پہنچے اور دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ ان امیروں نے بادشاہ خسرو کے فاسد خیالات اور غلط ارادوں

ن شکایت کی اور اپنی تائید میں بہت سے معتبر گواہ بھی پیش کیے' لیکن بادشاہ نے سچے امیروں کی کوئی بات نہ سنی اور الٹا ان سے لڑنے لگا۔ مبارک شاہ نے ناراض ہو کر ان امیروں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور سلسلہ سلام بند کر دیا۔

امراء پر عتاب

مبارک شاہ نے چندیری کے حاکم کو صوبہ داری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے کو حاکم چندیری مقرر کیا۔ ملک تلیغہ کی تمام جاگیر ضبط کر لی اور اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا۔ جن لوگوں نے خسرو خاں کے خلاف گواہیاں دی تھیں' ان پر بہت مظالم توڑے گئے اور خوب مارا پیٹا گیا اور طرح طرح سے ان کی رسوائی کی گئی۔ الغرض ان تمام حالات سے یہ روشن ہوگیا کہ خسرو خاں کے خلاف منہ سے کوئی بات نکالنا اپنے آپ کو کنویں میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ درباری امراء نے جب یہ عالم دیکھا تو ان میں سے کئی امراء کسی نہ کسی بہانے سے رخصت لے کر دور دراز کے علاقوں میں چلے گئے اور بعضوں نے خسرو خاں کی حلقہ بگوشی ہی میں خیریت دیکھی اور وہ اسی کے ہمنک سے زندگی بسر کرنے لگے۔

خسرو خاں کی حرکات

مبارک شاہ کا یہ عالم تھا کہ وہ خسرو خاں کی محبت میں بالکل دیوانہ ہوا جا رہا تھا اس کے بغیر اسے ایک ایک لمحہ بھاری گزرتا تھا۔ خسرو خاں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ اس کی محبت میں بالکل اندھا ہو گیا ہے تو اس کے دل میں بادشاہت کرنے کا خیال از سر نو بیدار ہوا اور اپنے اس ارادے کی عملی تشکیل کے لیے اس نے کاروائیاں شروع کر دیں۔ بہاء الدین دبیر نے خسرو خاں کا ساتھ دیا یہ امیر بادشاہ سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ ایک بار بادشاہ نے اس کی بے عزتی اور توہین کی تھی۔ ایک روز خسرو خاں نے تنہائی میں موقع پا کر بادشاہ سے کہا۔ "حضور کبھی کبھی مجھ نمک خوار پر مہربانی فرما کر دور دراز کے ممالک کی فتح کا اہم فریضہ سونپتے ہیں' اس قسم کی مہمات میں چونکہ یہ خادم لشکر کا سردار ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر درباری امراء اپنی شرافت نسبی اور عالی خاندانی کے پیش نظر میری سرداری کو اپنی توہین سمجھتے ہیں' اگر حضور اجازت دیں تو میں اپنے خاندان کے ان گنت لوگوں کو جمع کر کے ایک زبردست لشکر تیار کر لوں جو میری ماتحتی میں اس قسم کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے سکے۔"

خسرو خاں کی قوت

مبارک شاہ نے خسرو خاں کی درخواست کو بڑی محبت کے ساتھ اسی وقت منظور کر لیا۔ اس کے بعد خسرو خاں نے گجرات کے بے شمار خانہ بدوش ہندوؤں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے لشکر میں بھرتی کر لیا۔ اس نے بیس (۲۰) ہزار گجراتیوں کا ایک زبردست لشکر تیار کر کے اپنے نقد روپے سے اس لشکر کے گھوڑے اور سامان اسلحہ وغیرہ خریدا اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔ ان گجراتیوں کے علاوہ خسرو خاں کے دوسرے بہی خواہ اور ہمدرد بھی اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس طرح اس کا لشکر چالیس (۴۰) ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہو گیا

یوسف صوفی کا مشورہ

خسرو خاں نے قوم قبار اور یوسف صوفی جیسے دہلی کے بدمعاشوں اور مفسدوں کو اپنے ساتھ ملا کر مبارک شاہ کے قتل کا پکا ارادہ کر لیا۔ ان دنوں بادشاہ نے سامانہ کی طرف شکار کھیلنے کے لیے گیا۔ خسرو خاں نے سوچا کہ اس موقع پر اپنا مقصد پورا کیا جائے اور بادشاہ کو عین شکار کے دوران قتل کر دیا جائے' لیکن یوسف صوفی نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا "اگر ہم نے راستے میں بادشاہ کو قتل کیا تو شاہی لشکر ہم سے مخالف ہو جائے گا اور [illegible] بادشاہ کو شاہی محل [illegible]

داخل ہو جائیں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے' ورنہ انہیں بھی بادشاہ کی طرح قتل کر دیا جائے۔"

ایک نئی تدبیر

یوسف صوفی کا یہ مشورہ خسرو خاں کو بہت پسند آیا اور اس نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوششوں کا آغاز کر دیا۔ قطب الدین شکار سے واپس آیا اور حسب عادت عیش پرستی اور لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ خسرو خاں اس سے جو بات بھی کہتا تھا وہ فوراً" بلا چون و چرا مان لیتا تھا۔ ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا "میں اکثر اوقات بہت رات گئے تک حضور کے ساتھ رہتا ہوں جب رخصت ملتی ہے تو اس وقت اپنے مکان پر جانا بہت مشکل نظر آتا ہے' اس لیے مجبور ہو کر یہیں حضور کے محل کے کسی کونے میں پڑا رہتا ہوں اور رات کا باقی حصہ بسر کر دیتا ہوں۔ میرے عزیز اور رشتہ دار جو مجھ سے ملاقات کرنے اور مجھے دیکھنے کے لیے دور دراز مقامات سے یہاں آتے ہیں وہ کئی کئی دن میرا انتظار کرتے ہیں' مگر پھر بھی ان سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ اگر حضور اس امر کی اجازت دیں کہ میرے ملاقاتی رات کے وقت بغیر کسی روک ٹوک کے شاہی قصر میں چلے آیا کریں تو بڑی نوازش ہو گی' اگر ایسا ہو گیا تو پھر میں بھی تمام رات حضور کی خدمت میں حاضر رہا کروں گا۔"

خسرو خاں کا شاہی حرم سرا کی چابیاں حاصل کرنا

قطب الدین نے بغیر کسی حیل وحجت کے اس درخواست کو منظور کر لیا اور شاہی حرم سرا کی چابیاں خسرو خاں کے سپرد کر دیں اور اس سے کہا۔ "بھلا تجھ سے اور تیرے ہم قوم جوانوں سے بڑھ کر میرے لیے اور کون صاحب اعتبار ہو سکتا ہے میں آج سے شاہی دولت خانے کے تمام انتظام تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔" شاہی حرم سرا کے دروازوں کے چابیاں حاصل کرتے ہی خسرو خاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ شاہی تخت پر بیٹھنے کے دن اب قریب آ گئے ہیں۔ جب شاہی بارگاہ پوری طرح خسرو خاں کے قبضے میں آ گئی تو اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گروہ کے گروہ اسلحہ سے آراستہ ہو کر رات دن خسرو خاں کے شبستان میں چکر لگانے لگے۔ بادشاہ کی بہی خواہوں اور ہمدردوں نے خسرو خاں کے تیور پہچان لیے' لیکن کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ بادشاہ سے کچھ کہہ سکے۔ کیونکہ سبھی کو معلوم تھا کہ خسرو خاں کی محبت میں بادشاہ بالکل اندھا ہو چکا ہے اور وہ اس کے خلاف کوئی بات سننے پر تیار نہ ہو گا۔

قاضی خاں کی حق گوئی

جب یہ خطرناک فضا پوری طرح جم گئی اور بادشاہ کے قتل میں دو روز باقی رہ گئے تو قاضی ضیاء الدین عرف قاضی خان نے بادشاہ سے ملاقات کی۔ قاضی خاں اپنے علم و فضل کی وجہ سے سارے ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کی بہت عزت کی جاتی تھی وہ مبارک شاہ کے استاد ہونے کا فخر بھی رکھتے تھے۔ وہ شاہی حرم سرا کے اندرونی اور بیرونی دروازوں کے کلید بردار بھی تھے' انہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بادشاہ کے حضور میں درخواست کی کہ "خسرو خاں کے دغاباز اور اس کے مفسدانہ ارادوں سے تمام اہل دربار پوری طرح واقف ہو گئے ہیں۔ ہم بھی خواہاں سلطنت کی یہ خواہش ہے کہ حضور اس بات کی تحقیقات فرمائیں۔ اگر ہمارا بیان غلط ہو تو خسرو خاں کے مرتبے اور اعزاز میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیجئے' لیکن اگر ہم جان نثاروں کا کہنا درست ہو تو پھر آپ اپنی جان کی حفاظت کیجئے۔ سلطنت کے انتظامات احتیاط اور دور اندیشی کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتے۔ چونکہ ان دنوں خسرو خاں ہر وقت حضور کے پاس موجود رہتا ہے اس وجہ سے حضور اپنے انجام سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔" قاضی صاحب نے اگرچہ بڑی خوش اسلوبی سے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کیا تھا لیکن بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے قاضی صاحب کی کوئی بات نہ مانی بلکہ ان کو سختی سے ڈانٹ دیا۔

اسی دوران میں خسرو خاں عورتوں کا لباس پہنے ہوئے بادشاہ کے سامنے آیا۔ قاضی صاحب تو مایوس ہو کر بادشاہ کے سامنے سے چلے گئے اور مبارک شاہ نے سارا واقعہ خسرو خان سے بیان کر دیا یہ سن کر خسرو خاں نے چالاکی سے کام لیا اور مکر سے رونے لگا اور کہا۔

"چونکہ حضور کی عنایات میرے حال پر بہت زیادہ ہیں' اس لیے تمام درباری مجھ سے حسد کرنے لگے ہیں اور اس وجہ سے میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک یہ درباری میری جان نہ لے لیں گے اس وقت تک انہیں چین نہ آئے گا۔" خسرو خاں کو روتا دیکھ کر بادشاہ کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔ بادشاہ نے خسرو خاں کو گلے سے لگالیا اور کہا "تم بالکل فکر نہ کرو اور اپنی جگہ مطمئن رہو۔ میں اپنی تمام شان و شوکت' مال و دولت اور سلطنت تیرے ایک ایک موئے بدن پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میں ان چغل خور امراء کی بدگوئی کو قطعاً خیال میں نہیں لاتا۔" اس گفتگو کے بعد مبارک شاہ نے خسرو خاں کو رخصت کر دیا اور خود شاہی حرام سرا میں داخل ہوگیا۔

قاضی خاں کا قتل

اس واقعے کی دوسری رات خسرو خاں کے تمام نمک حرام ساتھی' دربار شاہی کے انعقاد کے بہانے سے ہزار ستون میں آئے اور کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب رات کچھ گزر گئی اور ہر طرف ایک سناٹا سا چھاگیا اور ہر شخص سونے کے لیے اپنے بستر پر دراز ہوگیا اور ان امراء کے علاوہ کہ جن کی پاسبانی ہزار ستون پر تھی' اور کوئی محافظ نہ رہا تو قاضی خاں پاسبانوں کی حاضری لینے کے لیے ہزار ستون میں داخل ہوئے۔ صندل نام کے ایک شخص نے جو خسرو خاں کا چچا تھا' قاضی صاحب کو باتوں میں لگا لیا اس نے قاضی صاحب کو اپنے ہاتھوں سے ایک گلوری پان کی دی' چونکہ قاضی صاحب کا آخری وقت آن پہنچا تھا اس لیے وہ اس عیار شخص کی باتوں میں آگئے اور ہر قسم کے خطرات سے غافل ہو کر اس سے گفتگو کرتے رہے۔ قاضی صاحب کے قتل کی تجویز پہلے سے باقاعدہ سوچی سمجھی تھی' جاہر نام کا ایک پرواری شخص اس کام پر متعین تھا' جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ جاہر کمین گاہ سے نکل کر آیا اور اس نے پیچھے کی طرف سے قاضی صاحب پر حملہ کر دیا۔ اس نے تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ قاضی صاحب پر مارا کہ ان کا جسم دو ٹکڑے ہوگیا قاضی صاحب لڑکھڑا کر گر پڑے۔ ان کی زبان سے صرف یہ الفاظ ادا ہوئے۔ "بس مکاری ظاہر ہوگئی" وہ دو تین شخص جو قاضی صاحب کے ساتھ تھے یہ منظر دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ "پرواریوں نے قاضی صاحب کو قتل کر دیا۔" یہ شور سن کر دوسرے پہرے دار تحقیقات کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے۔ خسرو خاں کے آدمیوں نے جونہی یہ ہنگامہ دیکھا وہ پہلے کی سوچی سمجھی تجویز کے مطابق تلواریں سونت کر کمین گاہ سے باہر آئے اور ہزار ستون میں داخل ہوگئے اور اس طرح قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔

ہنگامہ

اس وقت قطب الدین مبارک شاہ اپنے خلوت خانے میں خسرو خاں کے ساتھ عیش و عشرت کے ہنگامے میں مصروف تھا اس نے یہ شور شرابہ سنا اور خسرو خاں سے اس کا سبب پوچھا۔ خسرو خاں بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا' اور چند لمحے باہر کھڑا رہ کر واپس اندر آگیا اور بادشاہ سے کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں' نوبت کے وہ گھوڑے جو ہزار ستون میں آئے تھے' جلوہ داروں کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں لوگ ان کو پکڑنے کے لیے دوڑ رہے ہیں اور اسی بناء پر یہ شور ہو رہا ہے۔" اسی اثناء میں جاہر اور اس کے ساتھی ہزار ستون کے دروازے سے کوٹھے پر پہنچے اور ان ظالموں نے خاص شاہی چوبداروں کو بھی اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا جب محل کے خاص چوبدار ابراہیم اور اسحاق مارے جا چکے تو شور اور بلند ہوا۔

مبارک شاہ کا قتل

اب ہنگامہ شاہی خلوت گاہ کے بہت قریب پہنچ چکا تھا اس لیے بادشاہ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور یہ سمجھ گیا کہ قضا آ چلی ہے۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے حرم سرا کی طرف بھاگنا چاہا جب خسرو خاں نے بادشاہ کو اس طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ اگر بادشاہ حرم سرا میں چلا گیا تو پھر اس کو قتل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس خیال کے پیش نظر نمک حرام خسرو نے بادشاہ کی طرف [illegible]

ہوئے دیکھا تو اس نے خسرو خاں کو اپنی بغل میں دبوچ لیا- لیکن اس بدکردار نے بادشاہ کے بال اپنی گرفت سے نہ نکالے اور اسی دوران خسرو خاں کے باغی ساتھی بھی خلوت گاہ میں داخل ہوگئے- خسرو خاں نے جب اپنے ساتھیوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا۔ "جلدی آؤ اور مجھے اس سے چھڑاؤ-" جاہر نامراد شقی نے قریب آکر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ بادشاہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا- جاہر نے بادشاہ کی لاش کو سر کے بالوں گھسیٹ کر خسرو خاں کے سینے سے علیحدہ کیا اور زمین پر پھینک دیا اس بے مذہب بادشاہ کا سر تن سے جدا کر کے ہزار ستون سے نیچے پھینک دیا گیا-

بادشاہ کے بیٹوں کا قتل

چوکیداروں اور چوبداروں وغیرہ نے جب بادشاہ کا سر دیکھا تو وہ خوف کے مارے ادھر ادھر بھاگ گئے- حسام الدین اور جاہر شاہی حرم سرا میں داخل ہوئے اور وہاں انہوں نے بادشاہ کے بیٹوں فرید خاں' عمر خاں اور علی خاں کے علاوہ دیگر نوجوان لڑکوں اور فرید خاں کی ماں کو موت کے گھاٹ اتارا- ان ظالموں نے خوب جی بھر کر اہل حرم کی بے عزتی اور توہین کی-

امراء کی گرفتاری

خسرو خاں نے اس کے بعد اسی وقت روشنی کروائی' چراغ اور مشعلیں جلائی گئیں- اپنے آدمیوں کو امراء کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا- عین الملک ملتانی' جو اس زمانہ میں دیوگڑھ سے آیا ہوا تھا' ملک جونا جو بعد میں محمد شاہ تغلق کے نام سے مشہور ہوا- وجیہ الدین قریشی اور قرابیگ کے بیٹوں وغیرہ نامی گرامی امراء کو اس واقعے سے بالکل بے خبر تھے اور اپنے گھروں میں سو رہے تھے' گرفتار کر کے ہزار ستون میں لایا گیا- خسرو خاں نے ان امراء کو بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے پاس نظربندی کی حالت میں رکھا' الغرض جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے ساتھ علاؤالدین خلجی نے جس طرح بے وفائی اور نمک حرامی کی تھی' اس کا وبال علاؤالدین خلجی کے خاندان پر ایسا پڑا کہ اس خاندان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا- قطب الدین کے قتل کا واقعہ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ کو پیش آیا-

خسرو خاں کی تخت نشینی

قطب الدین کے قتل کے دوسرے روز ہمدردوں اور پرداروں کی ایک بہت بڑی تعداد خسرو خاں کے گرد جمع ہوئی- خسرو خاں نے اس موقع پر گرفتار امراء کو بھی طلب کیا اور ان سب لوگوں کے سامنے سلطان ناصرالدین کا لقب اختیار کر کے تخت سلطنت پر بیٹھ گیا- اس رذیل و کم ظرف پرواز بچے نے بڑے بڑے معزز امراء کو جن میں عین الملک اور ملک جونا بھی شامل تھے' اپنے سامنے مودب کھڑا رکھا- زمام حکومت سنبھالتے ہی خسرو خاں نے گزشتہ دو بادشاہوں علاؤالدین خلجی اور قطب الدین مبارک شاہ کے ہمدردوں اور معتبر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گجرات کے ہندوؤں کے حوالے کر دیا-

خسرو خاں نے اپنے بھائی کو خان خاناں کا خطاب دیا اور علاؤالدین خلجی کی بیٹی اس کے حوالے کی اور قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی کو اپنے محل میں داخل کر لیا- علاؤالدین خلجی اور مبارک شاہ کی بیویوں اور ان سے متعلقہ عورتوں کو خسرو خاں اور اس کے لشکریوں نے آپس میں تقسیم کر لیا- قاضی خاں اور مبارک شاہ کے قاتل جاہر کو بے شمار زر و جواہر عطا کر کے مالا مال کر دیا گیا- مندل کو "رائے رایاں" کا خطاب دے کر قاضی خاں کی تمام جاگیر اور مال و اسباب کا مالک بنا دیا گیا-

ملک مسرت کا قتل

تخت نشین ہوتے ہی خسرو خاں نے علاؤالدین خلجی اور قطب الدین مبارک شاہ کے خزانوں کو بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا- اس نے اپنے تمام ملازموں اور خدمت گزاروں کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی- خسرو خاں نے ان بدمعاشوں اور دون فطرت لوگوں کو بھی قتل کروا دیا- جو محض روپے پیسے کے لالچ میں اس کے ہمدرد اور بہی خواہ بن گئے- علاؤالدین خلجی کا بھانجہ ملک مسرت جو ایک عرصے سے

تارک الدنیا ہو کر ایک گوشے میں زندگی کے دن گزار رہا تھا' خسرو خاں کے ہاتھوں وہ بھی نہ بچا۔ خسرو نے اسے قتل کر کے خاندان خلجی کا چراغ گل کر دیا۔

مذہبی حالت

اس زمانے میں مذہب کی بہت بری حالت تھی۔ غیر مسلموں کے حوصلے اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ وہ قرآن پاک سے وہی کام لیتے تھے (نعوذ باللہ) جو بیٹھنے کی کسی جگہ سے لیا جاتا' وہ اس مقدس کتاب کو زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھا کرتے تھے' علاؤالدین کے عہد کے امیروں میں سے یسر قمرہ کو "قمار اعظم الملک شائستہ خاں" کے خطاب سے نوازا گیا' اور عارض ممالک مقرر کیا گیا۔ عین الملک ملتانی کو "عالم خانی" کا خطاب ملا اور اسے امیرالامراء کا مرتبہ دیا گیا۔ ملک وجیہ الدین کو تاج الملک کا خطاب ملا اور اسے وزیر مملکت بنا لیا گیا اسکے بیٹوں کو بھی مختلف عہدے دیے گئے۔ خسرو خاں ملک جونا کا بہت خیال کرتا تھا یہاں تک کہ اسے اخور بیگی کا منصب دیا گیا' اور بے شمار دولت و مال سے نوازا گیا۔ ملک جونا کو اعزاز و اکرام سے نوازنے سے خسرو خاں کا مقصد یہ تھا کہ اس کا باپ' غازی ملک جو لاہور اور دیپالپور کا حاکم تھا' اپنے بیٹے کی عزت افزائی دیکھ کر خسرو خاں کے حلقہ اطاعت میں آ جائے گا۔

ملک فخرالدین جونا کا فرار

ملک فخرالدین جونا خاں بظاہر تو خاموش نظر آتا تھا لیکن بباطن وہ خسرو خاں کی نمک حرامی دیکھ دیکھ کر جی ہی جی میں جلا جاتا تھا' غازی ملک بھی ایک وفادار اور عاقبت اندیش امیر تھا' اس نے بھی خسرو خاں کی ناشائستہ حرکات دیکھ کر یہ ارادہ کر لیا کہ خسرو خاں سے قطب الدین مبارک شاہ کا انتقام لیا جائے۔ خسرو خاں کو زمام اقتدار سنبھالے ہوئے ابھی دو تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ جونا خاں موقع پا کر ایک روز آدھی رات کے وقت بھاگ نکلا اور اپنے چند قابل اعتبار ملازموں اور خدمت گاروں کو ساتھ لے کر دیپالپور جا پہنچا۔ ملک جونا کا فرار خسرو خاں کے لیے بڑی پریشانی کا باعث ہوا اور اسے اپنے زوال کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے قمرہ قمار اور اپنے دیگر نامی گرامی امراء کو ملک جونا کے پیچھے دوڑایا' لیکن یہ کم ہمت اور بزدل امیر ملک جونا کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور سرتی کے قصبے کے قریب تک جا کر مایوس و نامراد واپس لوٹ آئے۔

ملک جونا اور غازی ملک کی ملاقات

غازی ملک بڑا عاقبت اندیش اور راست فہم انسان تھا۔ اس نے اس واقعے سے دو روز قبل ہی اپنے دو سو سوار سرتی کے قلعے میں متعین کر دیے تھے۔ ملک جونا نے ان سواروں میں سے چند نوجوانوں کو اپنے ہمراہ لیا اور دیپالپور کی طرف چل پڑا۔ دیپالپور پہنچ کر ملک جونا نے اپنے باپ سے ملاقات کی۔ غازی ملک اپنے بیٹے کی آمد سے بہت خوش ہوا۔ جب غازی ملک کو اپنے بیٹے کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو گیا تو اس نے خسرو خاں سے قطب الدین مبارک شاہ کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کر دیں اور آس پاس کے علاقوں کے امراء اور صوبہ داروں کو خطوط لکھے اور انہیں علاؤالدین خلجی کے خاندان کی عنایات کا حق ادا کرنے کے لیے اکسایا۔ تقریباً تمام امیروں نے اس کام میں غازی ملک کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔

عالم ملتان کا قتل

ملتان کے حاکم نے' جس کا نام مغلطی تھا' غازی ملک کا ساتھ نہ دیا اور جواب میں غازی ملک کو لکھا۔ "تو دیپالپور کا امیر ہے اور میں ملتان کا حاکم ہوں' ہم دونوں کو اپنی حیثیت سے اور حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ بادشاہ دہلی خسرو خاں کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔" غازی ملک کو جب عالم ملتان کا یہ جواب ملا تو اس نے اپنے ایک قابل دوست کو جس کا نام بہرام تھا' اس مضمون کا خط لکھا۔ "تو مغلطی

دیپالپور پہنچو۔" بہرام نے ایسا ہی کیا اور حاکم ملتان کو قتل کر کے اس کے لشکر کو اپنے قابو میں کر لیا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

ملک بیگ لکھی کا حشر

ملک بیگ لکھی نے بھی غازی ملک کا ساتھ نہ دیا اور باوجود اس کے کہ قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں خسرو خاں کے حکم سے اس کا ناک اور کان کاٹ دیے گئے تھے' اس نے غازی ملک کا خط خسرو کے پاس بھیج دیا اور خود اپنے لشکر کے ہمراہ غازی ملک پر حملہ کر دیا۔ چونکہ غازی ملک سچائی پر تھا' اس لیے ملک بیگ لکھی کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور سمانہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ ملک بیگ کی خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح خسرو خاں کے پاس پہنچ جائے' مگر سمانہ کے زمینداروں نے اس کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

خسرو خاں کے لشکر اور غازی ملک میں جنگ

خسرو خاں نے اپنے بھائی خان خاناں کو چتر و دورباش عطا کیا اور یوسف صوفی کو جسے صوفی خاں کا خطاب دیا گیا تھا' اپنے جان نثاروں کے ایک قابل اعتماد گروہ کے ساتھ غازی ملک کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اسی اثناء میں ملک بہرام ابیہ ایک زبردست لشکر لے کر اچھ اور ملتان کے علاقوں سے ہوتا ہوا غازی ملک سے آملا۔ سرستی کے میدان میں طرفین کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ غازی ملک اور اس کے تمام ساتھی تجربہ کار تھے اور انہیں معرکہ آرائیوں کے آئین سے پوری واقفیت تھی۔ اس کے برعکس خسرو خاں کے خدمت گار بالکل ناتجربہ کار تھے' اس سبب سے غازی ملک پہلے ہی حملے میں کامیاب ہوا اور خسرو کے دون فطرت طرفدار حواس باختہ ہو گئے اور شکست کھا کر میدان جنگ سے ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ یہ لوگ اپنا تمام خزانہ اور ہاتھی اور گھوڑے میدان جنگ ہی میں چھوڑ گئے۔ غازی ملک نے اس کامیابی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جو مال غنیمت ہاتھ آیا اسے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر کے بڑی شان و شوکت کے ساتھ منازل سفر طے کرتا ہوا دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

غازی ملک کا دہلی آنا

غازی ملک کی آمد کی خبر سن کر خسرو خاں بہت پریشان ہوا اس نے دہلی سے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے علائی حوض کے قریب ہی ایک جگہ پر قیام کیا۔ اس کے پیچھے کی طرف قلعہ تھا' اور سامنے باغات اس جگہ کو وہ خوب مستحکم کر کے غازی ملک کی راہ تکنے لگا۔ غازی ملک بڑی شان و شوکت سے دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خسرو خاں نے غازی ملک کے آنے کی خبر سن کر اپنے سپاہیوں کو پیشگی تنخواہیں دیں۔ کسی کو چار سال کی اور کسی کو تین یا اڑھائی سال کی' فوجیوں کے علاوہ مشائخ کو بھی اس نے بہت کچھ دیا۔ مختصر یہ کہ خسرو خاں نے اس قدر فراخ دلی سے کام لیا کہ اپنے خزانے میں ایک کوڑی بھی باقی نہ رہنے دی' جواہرات بھی سپاہیوں میں تقسیم کر دیے۔

غازی ملک اور خسرو خاں کی جنگ

جس روز جنگ ہونا تھی' اس سے ایک رات پہلے عین الملک ملتانی نے خسرو خاں کو خیرباد کہا اور منڈو کی طرف روانہ ہو گیا۔ عین الملک کی روانگی سے خسرو خاں کا دل ٹوٹ گیا اور اس کی پریشانی حد سے تجاوز کر گئی' لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس نے اندریت کے میدان میں غازی کا مقابلہ کیا۔ خسرو خاں کے لشکر کا مقدمہ یعنی تلیغہ ناگواری اور شائستہ خاں نے بڑی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائے اور آخر کار مارے گئے۔ یہ حادثہ کچھ کم نہ تھا' لیکن خسرو خاں نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا اور عصر کے وقت تک مقابلہ جاری رکھا' لیکن کب تک؟ آخر کار تھک کر پرواریوں کے ایک گروہ کے ساتھ میدان جنگ سے تلپت کی طرف بھاگ نکلا اس کے ساتھیوں نے راستے میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے خسرو خاں" غازی ملک کے ہاتھ آ گیا۔ ہوا یوں کہ ساتھیوں سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ

رات بھر تنہا ادھر ادھر چھپنے کی کوشش میں پھرتا رہا اور آخر کار اپنے پرانے آقا ملک شادی کے پاس پناہ گزین ہوا- دوسرے روز لوگوں نے گرفتار کر کے اس کو غازی ملک کے سپرد کر دیا' غازی ملک نے اسے قتل کر دیا- خسرو خاں کے بھائی خان خاناں کو بھی' جو باغ میں چھپا ہوا تھا' غازی ملک نے موت کے گھاٹ اتار دیا-

غازی ملک کی فتح اور تخت نشینی

اس واقعہ کے دوسرے روز یعنی یکم شعبان ۷۲۱ھ کو شہر کے تمام امراء روسا اور معززین غازی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے اسے اس کی فتح و کامیابی پر مبارک باد دی اور شہر کے تمام دروازوں کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں- غازی ملک سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا اور ہزار ستون کے قریب پہنچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے- غازی ملک نے سلطان قطب الدین کے بیٹوں کی تعزیت کے بعد حاضرین سے بلند آواز میں کہا- "میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک امیر ہوں' خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے نمک حراموں سے اپنے آقا کے خون کا بدلہ لے لیا ہے- اب اگر ہمارے آقاؤں کی نسل سے کوئی فرد موجود ہو تو آپ اسے بلا تکلف تخت سلطنت پر بٹھا دیں' ہم سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھریں گے اور اگر علائی خاندان' بالکل تباہ ہو چکا ہو اور اس کا کوئی فرد باقی نہ رہا ہو تو آپ لوگ جس کو چاہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں' میں بھی تہہ دل سے اس کی اطاعت کروں گا-" یہ سن کر حاضرین نے یک آواز ہو کر کہا- "شاہی خاندان بالکل تباہ و برباد ہو چکا ہے تم ایک عرصے سے مغلوں کے ہم نشین چلے آ رہے ہو پہلے بھی تم نے کئی بار اہل ہند کی سپر بن کر ان پر احسانات کیے ہیں اب جبکہ تم نے ہمارے بادشاہ کا بدلہ لے کر ہم پر اور زیادہ احسان کیا ہے ایسی صورت میں تم سے زیادہ بادشاہت کا کوئی اور حقدار نہیں ہے-" یہ کہنے کے بعد امیروں نے غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت شاہی پر بٹھا دیا اور سلطان غیاث الدین کے نام سے اسے اپنا بادشاہ مان لیا-

قطب الدین مبارک شاہ نے چار سال چار ماہ تک حکومت کی- خسرو خاں کی مدت حکمرانی کچھ دن کم پانچ ماہ ہے-

خاندان تغلق

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ

ہندوستان کے نئے اور پرانے مورخین میں سے کسی نے بھی خاندان تغلق کے حسب و نسب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی اور نہ ہی اس نامور خاندان کے آباؤاجداد کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب سلطان عصر ابراہیم عادل شاہ نے مورخ فرشتہ کو بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے ابتدائی دور حکومت میں لاہور بھیجا تو اس نے وہاں کے ان اہل علم اور باذوق لوگوں سے جو خاندان شاہی سے متعلق رہے تھے اور دلچسپی رکھتے تھے خاندان تغلق کے حسب و نسب کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں۔ لیکن اسے بھی صرف یہی معلوم ہو سکا کہ کسی تاریخ میں بھی اس خاندان کا حال مفصل طور پر نہیں لکھا گیا۔ یہ عام روایت ہے کہ ملک سلطان غیاث الدین بلبن کا ترکی غلام تھا اور غیاث الدین تغلق اس کا بیٹا' ملک تغلق نے خاندان بھٹ سے رشتہ ازدواج قائم کیا اور اسی خاندان کی لڑکی سے شادی کی جو غیاث الدین کی ماں تھی۔

لفظ تغلق کا ماخذ

جیسا کہ "ملحقات ناصری" میں بیان کیا گیا ہے کہ لفظ "تغلق" ترکی لفظ قتلغ سے نکلا ہے بلکہ یہ کہہ دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہندوستانیوں نے کثرت استعمال سے قتلغ لفظ کو توڑ موڑ کر تغلق بنا دیا اور بعض لوگ اس لفظ کا تلفظ "قتلو" ادا کرتے ہیں۔

غیاث الدین کا کردار

غیاث الدین' خسرو خاں اور اپنے ولی نعمت کے دیگر قاتلوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود تخت پر بیٹھا۔ ہندوستان (جو اندرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگیا تھا) میں غیاث الدین نے اپنی خوش انتظامی سے زندگی کی نئی لہر دوڑا دی اور عوام کے دلوں میں بھی اسی وجہ سے اپنے لیے جگہ پیدا کر لی۔ یہ بہت ہی خدا ترس' نیک اور پرہیز گار تھا۔ سنجیدگی' حلم اور بردباری اس کی طبیعت کے نمایاں جوہر تھے' عقل و فہم اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قوانین مذہب کی پابندی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ ملکی انتظام میں بڑی مہارت رکھتا تھا' دیوان عام میں بیٹھ کر رعایا کے حالات سنتا' ان کی معاشی بدحالی کی طرف توجہ کرتا اور ان کی معاشی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرتا' یہ عام بادشاہوں کی طرح "مسند نشینی" کا قائل نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو رعایا کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا تھا۔

علائی خاندان کے پسماندگان کی عزت کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا اس نے ان لوگوں کو بھی سخت سزائیں دی تھیں جنہوں نے قطب الدین کی زوجہ کا نکاح ثانی خسرو خاں سے زمانہ عدت کے اختتام سے پہلے ہی کر دیا تھا۔

جاگیریں اور عہدے بخشنا

اس کے پانچ بیٹے تھے جنہیں اس نے اونچے عہدوں اور خطابات سے سرفراز کیا۔ بڑے بیٹے ملک فخرالدین جونا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اس کو الغ خاں کا خطاب دیا' اس کے علاوہ اپنے دوسرے بیٹوں کو بہرام خاں' ظفر خاں' محمود خاں اور نصرت خاں کے خطابات سے سرفراز کیا اور اپنے منہ بولے بیٹے کو "تاتار خاں" کا خطاب اور ظفر آباد جاگیر میں دیا۔ اپنے منہ بولے بھائی بہرام ابیہ کو کشلو خاں کا

خطاب اور ملتان کی حکومت عطا کی' اپنے بھتیجے ملک اسدالدین کو باربک کی جاگیر دی اور ملک بہاء الدین کو عارض مملکت مقرر کیا اور "سمانہ" بطور جاگیر عطا کیا' عہدہ وزارت پر ملک شادی کا تقرر کیا جو اس کے داماد کا بھائی تھا' قتلغ خاں کو دیوگڑھ کی وزارت عطا کی اور قاضی صدر الدین کو "صدر جہاں" مقرر کیا اور دہلی میں قاضی شہر کے عہدہ پر قاضی سماء الدین کو رکھا۔ گجرات کا نائب عارض الممالک ملک تاج الدین جعفر کو مقرر کیا۔ غرض یہ کہ ہر شخص ذہنی اور عقلی اپج اور استعداد و قابلیت کے لحاظ سے عہدے دیے گئے۔ غیاث الدین کی یہ خصوصیت ناقابل فراموش ہے کہ وہ عہدوں کی تقسیم میں ذاتی اہلیت کا بہت خیال رکھتا تھا اور حسب استعداد عہدے عطا کرتا تھا۔

غیاث الدین کے پاس جب کوئی فتح نامہ آتا یا اور کوئی خوشی کی تقریب شادی' بیاہ' بچہ کی ولادت وغیرہ ہوتی تو دل کھول کر روپیہ خرچ کرتا۔ علماء' مشائخ' ارکان دولت اور امرائے سلطنت کو انعام و اکرام اور خلعت شاہانہ سے ہمیشہ سرفراز کرتا' گوشہ نشین فقیروں اور درویشوں کی نہ صرف فکر رکھتا تھا بلکہ ان کے حالات معلوم کرتا اور انہیں ہر طرح کا آرام پہنچاتا' رعایا کی بدحالی کو حتی الوسع دور کرتا۔ اس نے مغلوں کے حملوں کا مکمل طور پر سدباب کیا۔ غیاث الدین کے عہد حکومت میں کبھی مغلوں نے ہندوستان کا رخ نہ کیا۔ غیاث الدین کو تعمیرات کا بھی شوق تھا' تغلق آباد کا مشہور قلعہ اور سربفلک ایوانات اس کے بلند ذوق کا بین ثبوت ہیں' اس کو شراب نوشی سے سخت نفرت تھی اور ملک میں شراب پینے کی بہت سختی سے ممانعت تھی' اپنے خاندان والوں' غلاموں اور پرانے نوکروں سے اس کا جو سلوک امارت اور خانی کے زمانہ میں تھا' وہی بدستور حکمرانی کے عہد میں قائم رکھا۔ علائی امیروں کی بہت عزت کرتا اور انہیں باقاعدہ جاگیریں عطا کیں۔ ملک اختیار الدین مصنف "بساتین الانس" جس کا راقم الحروف فرشتہ نے خلاصہ کیا ہے اس کو منصب انشا عطا کیا گیا۔ سابق بادشاہوں کے حاشیہ نشین اور ارکان دولت مثلاً خواجہ خطیر' ملک انور جنیدی اور خواجہ مہدی کو شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا اور ان بزرگوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی عزت عطا فرمائی۔ وہ قوانین اور ضابطے جو پرانے بادشاہوں نے ملک کی فلاح و بہبود کے لیے منضبط کیے تھے۔ غیاث الدین ان بزرگوں سے معلوم کرتا اور پھر انہیں پر عمل پیرا ہوتا۔ جو امیر عوام کو تکلیف پہنچاتا۔ غیاث الدین اس کا مطلق لحاظ نہیں کرتا تھا اور جس کو اپنی اور رعایا کی فلاح کی فکر میں دیکھتا اس کو اعلیٰ عہدہ عطا کرتا۔ جو شخص کوئی اہم کارنامہ سرانجام دیتا اس پر لطف و کرم کر کے اس کو ہم چشموں میں ممتاز کرتا۔

ملکی انتظام اور قوانین سلطنت بروئے کار لانے میں بہت میانہ روی سے کام لیتا' احکامات و قواعد میں کبھی کوئی افراط و تفریط نہ ہوتی' پریشانی اور مصیبت کے زمانہ میں خسرو خاں نے علائی خزانے سے بہت سا روپیہ لوگوں میں تقسیم کیا تھا۔ غیاث الدین نے حسن تدبیر اور سلیقہ مندی سے یہ روپیہ واپس لے لیا اور خزانہ کو حسب سابق معمور کر دیا۔ رعایا پر جو حکومت کی طرف سے بقایا رقم ہوتی غیاث الدین اس کے وصول کرنے میں کبھی کوئی سختی نہ کرتا۔ عاملوں کو یہ سختی سے ہدایت تھی کہ وہ مزدوروں اور رعایا پر کبھی ظلم نہ کریں۔

الغ خاں کا تلنگانہ پر پہلا حملہ اور اس کے اسباب

غیاث الدین کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال لدر دیو حاکم ورنگل نے خراج (چوتھ) دینے سے انکار کر دیا اور دیوگڑھ میں بھی نظام حکومت میں بہت ابتری پھیل گئی۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر الغ خاں کو اپنے چند قدیم رفیقوں کے ہمراہ تلنگانہ پر لشکر کشی کرنے کے لیے بھیجا۔ الغ خاں' چندیری' بدایوں اور مالوہ کا لشکر عظیم لے کر بڑی شان و شوکت سے تلنگانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ لدر دیو بھی ہیٹا نہ تھا اس نے بھی الغ خاں کے مقابلہ پر ڈٹ کر کئی خونریز لڑائیاں لڑیں۔ راجہ نے خلاف عادت لشکر دہلی کا جم کر مقابلہ کیا اور اپنی پچھلی ناکامیوں کی تلافی کرنی چاہی لیکن لدر دیو کا یہ وار بھی خالی گیا اور مجبور ہو کر قلعہ ورنگل میں پناہ لی۔ راجہ نے چونکہ قلعہ کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا اس لیے محاصرہ قلعہ کے بعد بھی وہ باز نہ آیا اور برابر آمادہ پیکار رہا اور مفت میں رعایا کا

الغ خاں نے عاجز آ کر ایک طرف قلعہ میں نقب زنی کا حکم دیا دوسری طرف حملہ شروع کر دیا اب راجہ کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا اسے قلعہ ورنگل ہاتھ سے نکلتا ہوا معلوم ہوا تو اس نے دوسری تدبیر کی اور الغ خاں کی خدمت میں ہاتھی اور بیش بہا جواہرات اور تحفہ تحائف بھیجے اور وعدہ کیا کہ جو رقمیں اور ہدیے وغیرہ علاؤالدین خلجی کی عہد حکومت میں دیا کرتا تھا وہ بدستور جاری رکھے گا۔ لیکن الغ خاں نے ان شرائط کو منظور نہ کیا اور قلعہ ورنگل کی فتح میں اور سرگرمی دکھائی' لیکن جیسے ہی محاصرے پر سختی ہوئی اور اضافہ ہوا تو قرب جوار کی آب و ہوا خراب ہوگئی گندگی بڑھ گئی اس سے مسلمانوں کی فوج میں بیماری پھیل گئی ہاتھی اور بے شمار سپاہی اس وبا کی نذر ہوگئے۔

جھوٹی افواہیں اور فوج میں بدامنی

فوجی سپاہی ان پریشانیوں سے گھبرا گئے اور آخر کار عاجز آ کر وحشتناک خبریں اور جھوٹی افواہیں لشکر میں پھیلانا شروع کیں۔ اس کے علاوہ راستہ بند ہونے کی وجہ سے مسلسل ایک مہینہ تک دہلی سے بادشاہ کی طرف سے کوئی خبر نہ ملی' ڈاک بالکل بند تھی ورنہ اس سے قبل ایک ہفتہ میں دو مرتبہ ڈاک دہلی سے آتی تھی۔ الغ خاں کے مصاحبین شیخ زادہ دمشقی اور عبید شاعر نے (جو نئے نئے ہندوستان آئے تھے اور اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے) یہ خبر اڑا دی کہ غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوگیا ہے اور دارالسلطنت دہلی میں فتنہ و فساد بپا ہے اور تخت دہلی پر ایک دوسرے حکمران نے قبضہ کر لیا ہے۔ ان بدطینت امیروں نے نہ صرف اسی بات پر اکتفا کی بلکہ نامی امرائے لشکر ملک تیمور' ملک گل افغان' ملک کافور مہرداد اور ملک تگین وغیرہ سے بھی بہت سی باتیں اپنے دل سے گھڑ کر بیان کیں کہ دہلی میں افراتفری پھیل رہی ہے اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ الغ خاں انہیں اپنا علاقائی مشیر سمجھ کر ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور گرفتار کر کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ چاروں امیران کی وحشتناک گفتگو سن کر سراسیمہ ہوگئے۔ سارے لشکر اسلامی پر خوف و دہشت طاری ہوگیا اور ہر ایک کو اپنی جان کی فکر ہوئی ہر ایک نے راہ فرار اختیار کی۔ الغ خاں لشکر کی افراتفری سے پریشان ہوگیا اور واپس دیوگڑھ آ گیا۔ ادھر قلعہ بندوں کا محاصرہ ختم ہوگیا اور انہوں نے پھر مسلمانوں کا تعاقب کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

اسی دوران میں دہلی سے ڈاک جسے اصطلاح میں "آلاغ" کہتے ہیں پہنچی۔ شاہی فرمان سے بادشاہ کی صحت و سلامتی و دہلی کی بحالی کا حال معلوم ہوا اور الغ خاں بھی مطمئن ہو کر اپنا بکھرا ہوا لشکر جمع کرنے کی فکر میں دیوگڑھ پہنچا اور لشکر جمع کیا۔ اس کے چاروں سردار جو بھاگ گئے تھے ایک ساتھ نہ رہے' بلکہ ان کا انجام بھی بہت برا ہوا۔ ان کا سارا مال اور اسلحہ جات وغیرہ ہندوؤں کے ہاتھ آئے حتیٰ کہ انہیں زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ ملک تیمور تلنگانہ پہنچا اور مع اپنے ہمراہیوں کے وہیں فوت ہوگیا۔ ملک تگین کو مرہٹواڑی کے ہندوؤں نے قتل کیا اور اس کی کھال الغ خاں کے پاس بھیج دی' ملک گل افغان' عبید شاعر' ملک کافور اور دوسرے سرکش سرداروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ الغ خاں نے بھی ان امیروں کو اسی طرح حراست میں دہلی بھیجا۔ جہاں غیاث الدین نے انہیں زمین میں زندہ گاڑ کر ان کی خوش طبعی کا پورا پورا صلہ انہیں عطا کیا۔ ان کے وارثوں کو ہاتھی کے پیر کے نیچے روند ڈالا۔ الغ خاں دو یا تین ہزار سواروں کا لشکر لے کر دہلی واپس آیا۔

تلنگانہ پر دوسرا حملہ اور فتح

الغ خاں نے چار مہینے کے بعد لشکر عظیم لے کر دیوگڑھ کے راستہ پھر ورنگل پر چڑھائی کی۔ پہلے بیدر کا قلعہ فتح کیا جو تلنگانہ کی سرحد اور راجہ ورنگل کے زیر حکومت تھا اور راستے کے دیگر قلعے بھی فتح کرتا ہوا آگے بڑھا۔ ان مقبوضہ قلعوں کی حکومت کی باگ ڈور اپنے معتمد امراء اور سرداروں کے ہاتھ میں دی اور راستہ کا انتظام ٹھیک کر کے خود نہایت خوش اسلوبی سے ورنگل پہنچا۔ بہت کم مدت میں اس نے ورنگل کا قلعہ فتح کر لیا اور جوش انتقام میں بہت سے ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ لدر دیو کو مع اسکے بیٹے اور بیوی کے قید کیا اور

راجہ کے کوہ پیکر ہاتھیوں اور لاتعداد خزانہ ملک بیدر المخاطب بہ قدر خاں اور خواجہ حاجی نائب عارض مملکت کی سرکردگی میں دہلی بھیجا اور اپنی فتح کی خبر بھی۔ دہلی میں فتح تلنگانہ کی بہت خوشی منائی گئی' چراغاں ہوا اور سارے شہر میں آئینہ بندی ہوئی۔ اس کے بعد اس نے تلنگانہ کی حکومت بھی اپنے معتمد امراء کے ہاتھ میں دے دی۔ درنگل کا نام بدل کر سلطان پور رکھا اور خود سیر و سیاحت کرتا ہوا جاج نگر پہنچا اور وہاں کے راجہ سے بھی بطور ہدیہ چالیس ہاتھی وصول کر کے باپ کی خدمت میں روانہ کر دیے اس کے بعد خود شہر درنگل واپس آیا اور یہاں کا انتظام حکومت حسب مرضی درست کر کے دہلی واپس آ گیا۔

لکھنوتی اور سنار گاؤں کی بغاوتیں

۷۲۴ھ میں لکھنوتی اور سنار گاؤں کے باشندوں نے دہلی میں یہ عرضیاں بھیجیں کہ وہاں کے حاکم رعیت پر ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ غیاث الدین تغلق نے الغ خاں کو دہلی میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود مشرقی ہندوستان کی طرف روانہ ہوا بادشاہ ترہٹ پہنچا۔ لکھنوتی میں سلطان ناصر الدین جو سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا تھا' حکمرانی کر رہا تھا۔ یہ اپنی سلامت روی اور مصلحانہ تدابیر کی وجہ سے علائی عہد میں بھی بدستور اسی عہدہ پر قائم تھا۔ یہ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتا تھا لہٰذا اس میں غیاث الدین تغلق سے مقابلہ کرنے کی سکت کہاں تھی' اس نے تحفے تحائف بطور نذرانہ پیش کیے۔ غیاث الدین نے اپنے منہ بولے بیٹے تاتار خاں کو سنار گاؤں کا حاکم مقرر کیا اور یہاں کے پرانے حاکم و جاگیردار بہادر شاہ کو (جو علائی عہد میں سنار گاؤں کا حاکم تھا اور غیاث الدین تغلق سے ہمیشہ برسرپیکار رہتا) گرفتار کر لیا۔ ناصر الدین بغرا خاں کو چتر دورباش عطا کیا اس کو بحیثیت حاکم لکھنوتی میں چھوڑا۔ یہی نہیں بلکہ سنار گاؤں کی حفاظت اور بنگالہ کی حکومت کی ذمہ داریاں بھی اس کے کاندھوں پر ڈالیں۔

قلعہ ترہٹ کی فتح

"فتوح السلاطین" میں لکھا ہے کہ واپسی پر غیاث الدین پھر ترہٹ سے گزرا بادشاہ کے خوف سے یہاں کا راجہ جنگل میں جا چھپا۔ بادشاہ نے بھی جنگل میں اس کا پیچھا کیا جنگل کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا اس کی دیکھا دیکھی سارے سپاہی اسی کام میں مصروف ہو گئے' دیکھتے ہی دیکھتے سارا جنگل ایک چٹیل میدان بن گیا۔ تین دن کی مسلسل تگ و دو کے بعد ترہٹ تک پہنچا۔ وہاں کے قلعے کے گرد سات خندقیں لبالب پانی سے بھری ہوئی نظر آئیں۔ بادشاہ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری قلعہ تک پہنچنے کا راستہ صرف ایک باریک خط کی صورت میں نمودار ہو رہا تھا۔ دو تین ہی ہفتوں میں قلعہ کو غیاث الدین نے فتح کر لیا اور راجہ کو قید کر لیا۔ ترہٹ کی حکومت ملک تلیغہ کے بیٹے احمد خاں کے سپرد کی اور خود دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ چند منازل طے کر کے لشکر تو راستہ میں چھوڑا اور خود دارالسلطنت کی طرف نہایت تیزی سے بڑھا۔ بادشاہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کو دہلی کی طرف موت کشاں کشاں لیے جا رہی ہے۔

غیاث الدین تغلق کی وفات

الغ خاں نے جب سنا کہ اس کا باپ مع لشکر کے دہلی واپس آ رہا ہے تو اس نے افغان پور کے پاس ایک نیا محل بنوایا یہ محل صرف تین دن کے عرصے میں تیار کرایا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا باپ اسی محل میں رات بسر کرے اور اس وقت جبکہ شہر میں اس کی آمد کی خوشی میں ہر طرف آئینہ بندی ہو جائے۔ طرح طرح کے لوازمات مسرت فراہم کر لیے جائیں تب اس کا باپ بڑی شان و شوکت سے شہر میں داخل ہو۔ غیاث الدین تغلق افغان پور کے نزدیک پہنچا اور نئی عمارت کے بنوانے کا سبب پوچھا اور جب بیٹے کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو اس کا دل رکھنے کے لیے اسی محل میں مقیم ہو گیا۔ تغلق آباد میں اس کی آمد پر شادیانے بجے اور سارے شہر میں خوشیاں منائی گئیں۔ دوسرے روز الغ خاں مع اپنے ارکان دولت کے بادشاہ کی قدم بوسی کے لیے آیا۔ بادشاہ مع استقبالیوں کے اس کے دستر خوان پر بیٹھا کھانا

دھوئے۔

الغ خاں جس کی زندگی باقی تھی وہ بھی گھوڑوں' ہاتھیوں اور دوسرے لوازمات شاہی کی ترتیب کے لیے باہر چلا آیا جنہیں وہ بادشاہ کی خوشنودی کے لیے لایا تھا۔ الغ خاں کے باہر آتے ہی اس کمرے کی چھت گر پڑی جہاں غیاث الدین مع اپنے مصاحبین کے بیٹھا تھا وہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ اس کی وفات کا باعث کیا ہوا۔ بہرکیف یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ غیاث الدین کی موت کا باعث اس کا بیٹا نہیں ہے کیونکہ یہ الزام پوری طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے عمداً اس قسم کا محل بنوا کر اپنے باپ کی جان لی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ چھت بالکل نئی تھی اور ہاتھیوں کے دوڑنے کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور گر پڑی۔ اس کے برعکس بعض کا خیال ہے کہ الغ خاں کا اتنی کم مدت میں محل تعمیر کرانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قصداً باپ کی جان لی۔

مورخ برنی جو عصر فیروز شاہی کا ایک معزز رکن اور سلطان محمد تغلق (الغ خاں) کا دل سے معتقد تھا اس نے قصداً اس ذکر کو چھوڑ دیا۔

راقم الحروف مورخ فرشتہ کا خیال ہے کہ جو لوگ الغ خاں کو غیاث الدین کی موت کا باعث سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ وہ خود دستر خوان پر باپ کے ساتھ موجود تھا۔ اس میں یہ کرامت کہاں سے آئی کہ اس کے باہر نکلتے ہی چھت نیچے آ رہی اور بادشاہ کی موت واقع ہوئی۔ صدر جہاں گجراتی اپنی تاریخ میں اور ہی حیرت انگیز طریقے سے اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ الغ خاں نے یہ محل جادو کے زور سے بنوایا تھا اور یہ طلسمی اثر ہی تھا کہ اس کے باہر آتے ہی چھت گر پڑی۔ حاجی محمد قندھاری لکھتے ہیں کہ بادشاہ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو رہا تھا کہ آسمان سے بجلی گری اور چھت کو توڑتی ہوئی بادشاہ کے سر پر آ رہی۔ مورخ قندھاری کا بیان اگر ٹھیک ہے تو یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بادشاہ کی وفات ۷۲۵ھ میں ہوئی اس نے کچھ مہینے چار سال تک حکومت کی۔ امیر خسرو جو علائی عہد میں ایک ہزار تنکہ ماہوار پاتے تھے۔ غیاث الدین کے عہد حکومت میں اور بھی زیادہ خوشحال اور فارغ البال زندگی گزارتے تھے انہوں نے تغلق نامہ اسی بادشاہ کے نام سے معنون کیا جو اب مشکل سے ملتا ہے۔

سلطان محمد شاہ تغلق

تخت نشینی

غیاث الدین تغلق کی وفات کا غم تین دن تک دارالسلطنت میں منایا گیا اور بیٹے نے چوتھے دن کے بعد تاج و تخت سنبھالا ہر طرف خوشی اور مسرت کے شادیانے بجائے گئے۔ الغ خاں نے اپنے کو محمد شاہ کے نام سے موسوم کیا اور جب تخت نشینی کو پورے چالیس دن ہوگئے' تو وہ نیک گھڑی میں تغلق آباد سے دہلی آیا۔ دہلی میں بچہ بچہ خوشیاں منا رہا تھا' قدم قدم پر آرائش و زیبائش سے ایک عجیب ہی عالم تھا' ہاتھیوں پر روپیہ اور اشرفیاں لادی گئی تھیں۔ امراء بادشاہ کے دوش بدوش چل رہے تھے' راستہ میں روپیہ اور اشرفیوں کو بادشاہ پر سے صدقہ کر کے ہر گلی' کوچے اور کوٹھوں پر پھینکا جاتا تھا۔ عام روایت ہے کہ اس قدر روپیہ اور اشرفیاں اس بادشاہ کے اوپر سے نچھاور کی گئیں تھیں کہ فقیروں نے بھیک مانگنا چھوڑ دیا تھا۔

سلطان محمد شاہ تغلق کا کردار

محمد تغلق بہت ہی بلند ہمت حکمران تھا اس کی یہ خواہش تھی کہ ساری دنیا کے باشندے اس کے زر خرید غلام ہو جائیں اور اس کے احکامات کی تعمیل کریں مذہب اسلام بھی اس کو سلطنت کی طرح ورثہ میں ملا تھا۔ ورنہ شاید یہ بادشاہ بھی فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا اور اپنی خدائی کا بول بالا کرتا۔ وہ بہت زیادہ سخی تھا ایک معمولی فقیر کو اپنا شاہی خزانہ دے کر مطمئن نہ ہوتا اور یہی سمجھتا کہ ابھی کچھ نہیں دیا ہے۔ حاتم کی سخاوت اس کے سامنے بے حقیقت نظر آتی تھی جب وہ سخاوت پر اتر آتا تو امیر' غریب' ادنیٰ' اعلیٰ اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرتا۔

مراعات اور عطائے جاگیر

محمد تغلق نے تاتار خاں کو "بہرام خاں" کا خطاب دیا۔ یہ غیاث الدین تغلق کا منہ بولا بھائی اور سنار گاؤں کا حاکم تھا اس کو سو زنجیر ہاتھی' ایک ہزار گھوڑے' ایک ہزار اشرفیاں اور چتر و دورباش مرحمت کر کے سنار گاؤں اور بنگالہ کا حاکم مقرر کیا اور بہت ہی تعظیم و تکریم سے اس کو رخصت کیا۔ ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ اور ملک الملوک عمادالدین ریحانی کو ستر لاکھ اور مولانا عضدالدین کو جو اس کا استاد تھا چالیس لاکھ ٹنکے ایک ہی مرتبہ دے دیے۔ ملک الندماء مولانا ناصرالدین کو ہر سال لاکھوں ٹنکے دیا کرتا تھا۔ قاضی غزنین کو بھی ہر سال حوصلے سے زیادہ انعام و اکرام دیتا تھا۔ نظام الدین احمد بخشی نے بہت تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ ٹنکے سے مراد چاندی کا ایک سکہ ہوتا ہے جس میں تانبہ بھی شامل تھا اور جس کی قیمت سولہ پول متی کے برابر سمجھی جاتی تھی۔

علم نوازی

محمد تغلق کے دور حکومت میں یہ سلسلہ برابر جاری رہا کہ عراق خراسان' ماوراء النہر' ترکستان' روم اور عرب سے علماء فضلا اور باکمال لوگ نیز غربت زدہ مسافر جب انعام و اکرام کے لیے اس کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ اپنے حوصلے سے زیادہ پاتے تھے۔ بیواؤں' معذوروں' محتاجوں اور فقراء کو بھی اس کے دربار سے برابر مالا مال کیا جاتا تھا۔ مسافروں میں سے جو لوگ اپنے وطن جانا نہیں چاہتے تھے اور یہیں کی سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے ان کو دربار سے وظیفہ ملتا تھا۔ محمد تغلق بہت اچھا مقرر تھا اس کی تقریروں میں شیرینی اور فصاحت

کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ یہ اتنا خوشنویس تھا کہ چوٹی کے کاتب بھی اسکی پاکیزہ خطاطی اور خوشنویسی کا لوہا مانتے تھے۔ انتظام سلطنت اور وضع قوانین میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا' فہم و ادراک کی تیزی اور ذکاوت میں یہ اپنے تمام ہم عصر حکمرانوں میں امتیاز رکھتا تھا۔ مردم شناس اتنا کہ صورت دیکھتے ہی اچھائی اور برائی بتا دیتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ سائل کی صورت دیکھ کر اس کے دل کی بات بتا دی اور سائل سے دریافت کرنے پر بادشاہ کا خیال بالکل صحیح نکلتا' اس کا حافظہ غضب کا تھا۔ ایک بار جو بات سن لیتا اس کو کبھی نہ بھولتا تھا' اس کو تاریخ سے نہ صرف دلچسپی ہی تھی بلکہ وہ علم تاریخ کا بہت بڑا ماہر تھا' شاہ نامہ کے تمام قصے' ابو مسلم اور امیر حمزہ کی داستانیں اس کو ازبر تھیں' منطق اور معقولات سے بھی دلچسپی تھی۔

اس کے علاوہ اسے طب' حکمت' نجوم اور ریاضی سے خصوصیت کے ساتھ لگاؤ تھا اور وہ خود ان علوم کا بڑا ماہر تھا۔ اکثر اوقات بیماروں کی تشخیص اور علاج کرتا اور بعض اوقات علماء طب سے بحثیں کرتا اور انہیں قائل کر دیتا تھا۔ دوران حکومت میں بھی زیادہ وقت معقولات کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ اس کے ہم صحبت اور جلیسوں میں سعد منطقی اور عبید شاعر' نجم الدین انتشار اور علیم الدین شیرازی وغیرہ مشہور علماء' حکم اور طبیب تھے۔ راقم الحروف فرشتہ کا خیال ہے کہ اس شاعر عبید سے مراد عبید شاعر نہیں جو تمام دنیا میں مشہور تھا بلکہ کوئی دوسرا عبید ہے۔

محمد تغلق کو منقولات سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ اسی باعث فقیہوں اور منقولی علماء کو اس کے دربار میں رسائی نہ تھی' منقولات کا جو مسئلہ علم معقول کے مطابق ہوتا اس کو محمد تغلق ہمیشہ مان لیا کرتا وہ خود بھی فارسی کا بہت اچھا شاعر تھا' قدیم استادوں کے کلام کو خوب سمجھتا اور ہر شعر کی جی بھر کر داد دیتا تھا' یہ بہت جری اور بہادر تھا۔ اسی لیے ہروقت تسخیر ممالک کا خیال دل میں رہتا۔ یہی سبب ہے کہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ لشکر کشی اور جنگجوئی میں گزرا ہے۔ مورخین اس کو "عجائب المخلوقات" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہ بات کسی حد تک درست بھی ہے۔ اس کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیک وقت نیکی اور بدی دونوں صفتوں کا مالک تھا۔ ایک طرف اس کی خواہش تھی کہ بادشاہت کے ساتھ مرتبہ نبوت بھی اس کو مل جائے۔ دوسری طرف اس کی یہ حالت تھی کہ اسلام کے قوانین اور احکامات پر پوری طرح عمل کرتا۔ مسکرات سے دور بھاگتا تھا' فسق و فجور سے ہمیشہ الگ رہتا۔ حرام چیزوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا' لیکن طرفہ یہ کہ اس کو بندگان خدا کا ناحق خون کرنے میں اور ان پر طرح طرح کے ظلم توڑنے میں کوئی برائی نظر نہ آتی تھی۔ ایسے کام کرتے ہوئے نہ اس کے سامنے معقولات کے مسائل رہتے تھے اور نہ شرع ہی ان افعال بد میں مانع ہوتی' طبیعت کی دو رنگی کا یہ عالم تھا کہ جہاں بخشش و کرم میں حاتم و معن سے بھی آگے بڑھ جاتا' وہاں ظلم و ستم میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور کوئی ہفتہ ایسا نہ جاتا کہ جس میں مشائخ و سادات' صوفی' قلندر' اہل قلم اور سپاہی اسکی سیاسی حکمت عملی کا شکار نہ ہوتے ہوں۔

محمد تغلق نے اپنی حکومت کے ابتدائی عہد میں اپنے امیروں اور مددگاروں کو جو اس کی رائے پر چلتے تھے ہمیشہ حسب دلخواہ عہدے اور جاگیریں عطا کیں۔ اپنے چچا زاد بھائی ملک فیروز کو باربک کا نائب مقرر کیا اور شاہ ناصرالدین کی وفات کے بعد ملک بیدار خلجی کو قدر خاں کا خطاب دے کر لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور وکیل داری کا عہدہ اپنے استاد قتلغ خاں کو دیا جنھوں نے اس کو قرآن شریف حفظ کرایا تھا اور کچھ فارسی کی کتابیں پڑھائی تھیں۔ ملک مقبول کو عماد الملک کا خطاب دے کر وزیر الممالک کا عہدہ دیا۔ گجرات کا سپہ سالار احمد ایاز کو مقرر کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب بھی دیا۔ ملک مقبل خاں کو "خاں جہاں" کا خطاب دیا۔ گجرات کی وزارت سپرد کی اور گجرات کے ایک حصہ کا جاگیردار بنایا۔ قتلغ خاں کا بیٹا محمد خاں "الپ خاں" کے خطاب سے نوازا گیا' ملک شہاب الدین "ملک افتخار" کے نام سے نوساری کا صوبہ دار بنایا گیا۔

مغلوں کا حملہ

محمد تغلق کے ابتدائی دور حکومت میں جبکہ ابھی اس کے قدم اچھی طرح نہ جمے تھے' ایک مسلمان حاکم جس کا نام ترمہ شیریں تھا اور جو داؤد خاں کا بیٹا تھا' اپنے دور کا ایک جری اور باہمت انسان تھا۔ اس کی سخاوت بھی بہت مشہور ہے' اس نے ایک بڑا لشکر لے کر ہندوستان پر چڑھائی کی ۷۲۷ھ میں اس چغتائی حکمران نے لمغان اور ملتان سے لے کر دہلی دروازے تک بعض مقامات کو بالکل تباہ و برباد کر دیا اور بعض شہروں پر قابض ہو گیا' نیز حوالی شہر کو اپنی لشکر گاہ بنا لیا۔ محمد تغلق میں مقابلہ کی تاب نہ تھی لہٰذا وہ بہت عاجزی اور نیاز مندی سے پیش آیا اور اپنے امراء کے ذریعہ نقد' جواہرات' بیش قیمت تحائف اس کو بھیجے اور اس صورت سے اپنی اور اپنی رعایا کی جان بچائی۔ ترمہ شیریں خاں نے دہلی اور اطراف میں تو کچھ نہ کیا' لیکن دہلی سے لوٹتے ہوئے چونکہ گجرات کا شہر راستہ میں پڑتا ہے۔ اس لیے اس نے خوب جی بھر کر گجرات کو تاخت و تاراج کیا اور بہت سا مال غنیمت اور لاتعداد قیدی گرفتار کر کے سندھ اور ملتان سے ہوتا ہوا اپنے وطن پہنچا۔

ترمہ شیریں کے اس حملے کے بعد محمد تغلق نے سلطنت کے انتظام اور فوج کی ترتیب و تنظیم کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔ اس نے قرب و جوار کے تمام ملکوں کو فوج اور اسلحہ جات سے آراستہ کیا اور دھور سمندر' کنپلہ' درنگل' لکھنوتی' حبیب گاؤں' سنار گاؤں اور دہلی کے کئی مقامات کو خوب مستحکم اور مضبوط بنایا۔ اسی زمانہ میں دریائے عمان تک کرناٹک کے تمام ملکوں پر قبضہ کر لیا اور کرناٹک کے بعض حصے بلاواسطہ سلطنت میں شامل کر لیے گئے۔ بعض جگہوں کے حکمران خود بخود مغلوب ہو گئے اور تغلقی خراج گزار بن کر ہر سال رقم مقررہ شاہی خزانے میں جمع کرنے لگے۔ بادشاہ کی خوش انتظامی کی وجہ سے کوئی شخص دیوانی علاقے کے ایک پیسہ کی بھی بے ایمانی نہیں کر سکتا تھا اور نہ رقم ادا کرنے سے انکار کر سکتا تھا۔ وہ تمام ممالک جو بادشاہ کے تحت آ گئے تھے ان کے راجہ' چودھری اور زمیندار بادشاہ کے فرمانبردار ہو کر رقم مقررہ شاہی خزانہ میں داخل کرنے لگے۔ اس انتظام مالیات کی وجہ سے محمد تغلق کی دن رات کی بخشش اور عنایات کے باوجود بھی خزانہ ختم نہ ہوتا تھا۔ تھوڑے عرصے تک تو یہ کیفیت رہی کہ جیسے دارالسلطنت میں ہن برس رہا ہے' لیکن پھر خزانہ میں کمی ہونے لگی اور فوج کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے امور سلطنت میں بدانتظامی پیدا ہونے لگی۔ چنانچہ محمد تغلق کے عہد حکومت کے درمیانی اور آخری حصہ بہت ہی بد انتظامی اور اندرونی خلفشار کا گزرا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علاوہ گجرات اور کوئی حصہ سلطنت کے ماتحت نہ رہا۔

زوال سلطنت کے اسباب

۱۔ دو آب کے درمیان خراج (چوتھ) بہت وصول کیا جاتا تھا۔

۲۔ سونے اور چاندی کے سکوں کے بجائے تانبے اور پیتل کے سکے استعمال ہو رہے تھے۔

۳۔ خزانہ علائی کے خالی ہو جانے کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ خراسان اور ماوراء النہر کو فتح کرنے کے لیے تین لاکھ ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر مرتب کیا گیا تھا۔

۴۔ کوہ ہماچل کے لیے محمد تغلق نے اپنے بھانجے خسرو ملک کی سرکردگی میں ایک لاکھ سوار تیار کر کے بھیجے۔

۵۔ بلا تفریق مذہب قتل عام کا رواج بھی اس کا ایک سبب تھا۔

ان وجوہات کی تفصیل یہ ہے۔

خراج کی زیادتی: خراج زیادہ وصول کرنے کے بارے میں تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ محمد تغلق نے محض چند خیالی باتیں اپنے ذہن میں

بغاوت کے جذبات پیدا ہوگئے' کاشتکاری میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی' کاشتکاری کے کاموں میں خلل پڑتے ہی قہر خداوندی بھی نازل ہوا' بارش اتنی کم ہوئی کہ دو تین سال تک برابر قحط پڑتا رہا' قحط سالی سے ہزاروں گھر برباد ہوگئے اور فوجی لشکر کا شیرازہ بکھر گیا۔

خزانے کی تباہی: تانبے اور پیتل کے سکے رائج کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ محمد تغلق کو سکندر کی طرح ہوس ملک گیری نے ہفت اقلیم کو فتح کرنے کا شوقین بنا دیا تھا وہ ساری دنیا میں اپنا بول بالا کرنا چاہتا تھا۔ دہلی کا موجودہ خزانہ ان فضول اخراجات کے لیے کافی نہ تھا اس نے تسخیر ممالک کے نظریہ کو سامنے رکھا اور موروثی سلطنت کی تباہی و بربادی کا خیال دل سے نکال کر اس کی حفاظت اس طرح کرنی چاہی کہ خزانہ سونے اور چاندی کے سکوں سے معمور ہوگیا اور ملک میں تانبے اور پیتل کے سکوں کا رواج کر دیا۔ محمد تغلق نے اپنی حد تک تو یہی سوچا کہ وہ چین کی پیروی کر رہا ہے اور جیسے چین میں کاغذ کا سکہ رائج ہے اسی طرح ہندوستان میں تانبے اور پیتل کے سکوں کا رواج ہوگیا۔ چین کے سکہ کا نام جاد ہے جو کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے اور جس کے اوپر چین کے بادشاہوں کے القاب نقش کر دیے جاتے ہیں۔ چین کے لوگ اپنے روزانہ کے کاروبار میں یہی کاغذی سکے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستان میں یہ طریق کار کامیاب ثابت نہ ہوا اور یہاں کے ہندو بے حساب تانبہ اور پیتل دارالضرب میں لانے لگے اور اس سے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں سکے ڈھلوا کر ان سے سامان اور ہتھیار خریدنے لگے اور پھر اس مال کو دوسرے ملکوں میں چاندی اور سونے کے سکوں کے عوض فروخت کرتے اور اسی طرح سنار بھی شاہی سکہ کی ہوبہو نقل کر کے اپنے گھروں میں سکے ڈھالنے لگے۔ اس بد انتظامی کی وجہ سے بادشاہی فرمان دور دراز ملکوں میں اپنی اہمیت قائم نہ رکھ سکا اور منسوخ ہوگیا اور لوگ بغاوت و سرکشی کرنے لگے۔ یہ سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ خود دارالسلطنت اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں تانبہ اور پیتل کے سکے کوڑیوں کے بھاؤ بھی نہ خریدتے تھے۔

بادشاہ کو اس بغاوت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے حکم دیا کہ تمام تانبہ اور پیتل کے سکے خزانہ شاہی میں جمع کر دیے جائیں اور اس کے عوض چاندی اور سونے کے سکے لوگوں کو دے دیے جائیں۔ بادشاہ نے اس خیال کے تحت یہ حکم نافذ کیا تھا کہ شاید اس طرح پیتل اور تانبہ کے سکوں کی لوگ قدر کرنے لگیں لیکن اس کا اثر بادشاہ کی توقع کے خلاف الٹا ہوا اور لوگ بوریوں میں بھر بھر کر تانبہ اور پیتل کے سکے لاتے اور خزانہ شاہی میں داخل کر دیتے اور اس کے عوض سونے چاندی کے سکے وصول کر لیتے۔ اس تبادلے سے رعیت تو مالا مال ہوگئی لیکن خزانہ شاہی تانبہ اور پیتل کے سکوں کی آماجگاہ بن گیا' خزانہ کی تباہی کا اثر انتظام سلطنت پر پڑنا لازمی تھا۔ نتیجہ میں سلطنت کا نظام بگڑ گیا اور ملک میں ابتری پھیل گئی۔

ملک گیری کا سودا: بادشاہ کے سر میں ملک گیری کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امیر نوروز (ترمہ شیریں خاں کا داماد جو چغتائی نسل کا شاہزادہ تھا) بہت سے امیروں کے ساتھ ہندوستان آیا۔ محمد تغلق کے دربار میں رسائی حاصل کی اور ملازم ہوگیا۔ اس کے علاوہ ایران اور خراسان کے بھی کچھ شاہزادے' امرا اور اراکین دولت اپنے اپنے وطن سے بیزار ہو کر ہند میں آئے اور بادشاہ سے قربت حاصل کی۔ دربار میں ان کا عمل دخل شروع ہوگیا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کو یقین دلایا کہ ایران و توران کو سر کرنا بہت آسان ہے۔

محمد تغلق نے جہاں گیری کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ان ایرانی اور خراسانی امراء اور شاہزادگان کو بادشاہ نے انعام و اکرام اور خلعت شاہانہ سے سرفراز کرنا شروع کیا تاکہ وہ حکومت سے بد دل نہ ہوں۔ لشکر میں سرحدی فوج کے علاوہ تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا اضافہ کیا اور ان فوجیوں کے لیے گھوڑے اور دیگر ساز و سامان فراہم کیا۔ پہلی مرتبہ تو ان نئے سپاہیوں کو سالانہ تنخواہ خزانہ شاہی سے دی گئی لیکن مستقل طور پر ان سپاہیوں کو مطمئن کرنا بہت دشوار تھا۔ کیونکہ انہیں جس مقصد کے تحت رکھا گیا تھا وہ پورا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا ان ملازمین سے کوئی کام بھی نہ لیا گیا اور جب نئے ملک تسخیر نہیں کیے گئے تو مال غنیمت بھی نہیں ملا ان وجوہ کی بنا پر سپاہیوں کے حسابات چکانا مشکل

ہو گیا۔ اخراجات کے بوجھ سے خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ ساری فوج میں بد انتظامی پھیل گئی اور سیاسی بساط بالکل ہی پلٹ گئی۔

کوہ ہماچل کی تسخیر کا ارادہ: بادشاہ نے کوہ ہماچل کو فتح کرنے کے لیے ایک لشکر عظیم روانہ کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کو چین اور ہماچل (جو ہندوستان اور مملکت چین کے مابین واقع ہے) فتح کرنے کی دھن سمائی للذا اس نے اپنے بھانجے خسرو ملک کی سرکردگی میں ۷۳۸ھ میں ایک لاکھ تجربہ کار سوار' درباری امراء اور اراکین دولت کو اس مہم پر روانہ کیا۔

خسرو ملک کو بادشاہ نے بطور خاص ہدایت و تنبیہہ کر دی تھی کہ پہلے ہماچل کو تسخیر کرے اور جہاں کہیں ضرورت ہو قلعہ بنوائے اور اس حصار کی حفاظت کے لیے فوجیوں کا تعین کرے۔ بعد ازاں چین کی حدود میں داخل ہو کر اس کی سرحد پر بہت ہی مضبوط اور پائیدار قلعہ بنوائے اور وہیں رہے۔ وہاں پہنچ کر تمام تفصیلات بادشاہ کی خدمت میں بھیجے اور اس عریضہ کے جواب کا انتظار کرے۔ جب بادشاہ کا جواب اور دارالسلطنت دہلی سے کمک بھی پہنچ جائے' تب سرحد سے ہوتا ہوا شہر میں قدم رکھے اور رفتہ رفتہ ممالک چین کو اپنے قبضے میں لائے۔ اراکین دولت نے بارہا اشارۃ" بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ کام مشکل ہے کیونکہ آج تک کسی بادشاہ ہند نے چین پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی' لیکن محمد تغلق کا ارادہ بڑا ہی مستحکم تھا اور اس نے اس سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ آخر کار مجبورا" خسرو ملک اور اس کے ساتھی کمربستہ ہوئے اور دہلی سے چل کر کوہ ہماچل پر جا پہنچے۔ خسرو ملک نے بادشاہ کی ہدایات پر عمل کیا۔ بعض مقامات پر قلعے بنوائے اور کچھ لشکر وہاں چھوڑ کر آگے چل کھڑا ہوا۔ جب خسرو ملک مع لشکری چین کی سرحد پر پہنچا تو وہاں کی آبادی' امرا چین کی شوکت و عظمت' جاہ و جلال' شہر کے قلعوں کی اونچائی' راستوں کی تنگی' رسد رسانی کی مشکلوں کا تصور کر کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور یہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ بغیر لڑائی کیے ہوئے ہی واپس لوٹ جائے۔

آلام و مصائب کی یورش: اسی دوران برسات کا موسم آ گیا تھا اور اس سفر میں مسلمان جن راستوں سے سرحد تک پہنچے تھے وہ بارش کی وجہ سے مٹ گئے ان کی نشاندہی مشکل تھی۔ اس لیے اسلامی لشکر کو واپسی میں بے حد مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ دامان کوہ کا سہارا لیتے ہوئے سرگرداں اور پریشان حال سپاہی راستہ تلاش کرتے ہوئے چل رہے تھے پہاڑی لوگوں کو بھی موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے اسلامی لشکر میں قتل و غارت گری شروع کر دی اور طرفہ ستم یہ کہ قحط کی بلا نے آ گھیرا اور اس طرح مصیبتوں اور تکلیفوں کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک ہفتہ کی تگ و دو کے بعد خدا خدا کر کے اس بلائے ناگہانی اور سیلاب کی مصیبت سے نجات حاصل ہوئی اور اسلامی لشکر اسی میدان میں پہنچا کہ جس کو تہہ کرتا ہوا یہ لڑائی کے لئے روانہ ہوا تھا اس جگہ کو غنیمت جانا اور سپاہی آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔ مگر آلام و مصائب نے ابھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اسی رات بہت زوروں کی بارش ہوئی اور سیلاب نے سارے لشکر کو اس بری طرح گھیر لیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر چلنا اور تیرنا بھی دشوار ہو گیا۔ تمام فوج مسلسل پندرہ دن سے بھوک سے پریشان ہو کر راہی ملک عدم ہوئی۔ گنتی کے چند سپاہی اور بعض وہ لوگ جو لشکر سے تھوڑی دور نکل آئے تھے زندہ بچے اور اس بلائے ناگہانی سے بچ کر ہندوستان واپس لوٹ آئے۔

دہلی کی تباہی اور بربادی

چونکہ محمد تغلق کے ظلم و تشدد اور جبر و استعداد کا ذکر گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں تفصیل سے آ چکا ہے اس لیے اس کو ایک خاص عنوان کے تحت بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اب دہلی کی تباہی و بربادی کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

بغاوتیں

ملک بہاء الدین کی بغاوت

یہ محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا اور اس کا لقب گرشاسپ تھا۔ جو تغلق کے عہد حکومت میں ایک مشہور امیر اور دکن کے صوبیداروں میں ولایت ساغر (ساغر کا مقام گلبرگہ میں اب بھی موجود ہے) کا جاگیردار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ ایک طرف تو محمد تغلق سے رعایا بیزار ہوگئی ہے اور نفرت کرنے لگی ہے اور دوسری طرف سلطنت کے انتظام کا ڈھانچہ بالکل بگڑ رہا ہے تو اسے ہوس ملک گیری اور حکمرانی نے ستانا شروع کیا، مگر گرشاسپ نے اپنے قلعہ ساغر کو بہت مضبوط کرلیا اور لشکر کی تنظیم میں حد درجہ سرگرمی دکھانے لگا۔ اس نے خود کو محمد تغلق کی سیاسی گرفت سے علیحدہ سمجھا اور بادشاہ سے باغی ہوگیا۔ دکن کے دیگر امراء کو اپنا ہم خیال بنا کر ملک کے بہت سے حصوں پر قبضہ کرلیا۔ جو امراء اس کی حکمت عملی پر نہ چلے انہیں وہاں سے جان بچا کر بھاگنا پڑا کیونکہ اس کا اقتدار شدت سے بڑھتا جا رہا تھا۔ ان امراء نے مندو اور ساوی میں جا کر سر چھپایا۔ محمد تغلق نے جب ملک گرشاسپ کی سرکشی کی خبر سنی تو دارالسلطنت کے نامی امراء اور گجرات کے تمام لشکر کو بھیجا تاکہ اسے کیفر کردار تک پہنچائیں اس نے بھی ہمت نہ ہاری اور لشکر شاہی کے مقابلہ میں اپنی فوج بھیجی اور خواجہ جہاں سے لڑائی شروع کی۔ جنگ کے دوران میں ملک بہاء الدین کا ایک فوجی سردار خضر بہرام نامی خواجہ جہاں سے آملا اور اپنے حاکم کیخلاف ہوگیا۔ خضر بہرام کے منحرف ہونے سے ساری فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ خواجہ جہاں کی فوج کو اس سردار کی بغاوت سے بہت مدد ملی۔ گرشاسپ کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور دیوگڑھ سے جا کر ساگر میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد اس کو خبر ملی کہ خواجہ جہاں اسے قتل کرنے کے لیے ساگر کی طرف بڑھ رہا ہے لہٰذا یہ لشکر شاہی کے عتاب سے ڈر گیا اور ساگر سے اپنے بال بچوں سمیت کرناٹک کے مشہور شہر کنپلہ جا پہنچا یہاں کا راجہ اس کا طرف دار تھا۔ اسی دوران میں محمد تغلق بھی دولت آباد تک پہنچ گیا اور اس نے خواجہ جہاں کی سرکردگی میں ایک لشکر شاہی تیار کر کے کنپلہ روانہ کیا۔ خواجہ جہاں کو گرشاسپ نے دوبارہ شکست دی لیکن جب تیسری بار دیوگڑھ سے اس کو کمک پہنچ گئی تو اس نے بہ آسانی فتح پالی اور کنپلہ کے راجہ کو بھی پکڑ لیا گیا۔ گرشاسپ نے بلال دیو کے پاس پناہ چاہی مگر بلال دیو کو معلوم تھا کہ شاہی لشکر اس کا پیچھا کر رہا ہے لہٰذا وہ بہت ڈرا اور اس نے گرشاسپ کو پکڑ کر خواجہ جہاں کے پاس بھیجا اور خود بادشاہ کا اطاعت گزار بن گیا۔ خواجہ جہاں نے گرشاسپ کو قیدی بنا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ محمد تغلق نے حکم جاری کیا کہ "اس باغی کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھرا جائے اور تمام شہر میں اس کی شہرت اور منادی کرا دی جائے کہ حکومت کے سیاسی باغیوں اور مجرموں کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

مرکز کی تبدیلی

مندرجہ بالا واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے بادشاہ کو اچانک یہ خیال آیا کہ غالباً سارا ہندوستان دہلی کی شہنشاہیت سے منحرف اور باغی ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اب پایہ تخت کے لیے کسی ایسے مقام کو منتخب کیا جائے جو ان ملکوں کے جن پر بادشاہ کا قبضہ و تصرف تھا، نزدیک ہو۔ اور ان ملکوں اور پایہ تخت وہی تعلق رہے جو دائرہ کے خطوط کو اپنے مرکز سے، اس میں خاص مصلحت یہ پوشیدہ تھی کہ سلطنت کے خراب اور اچھے تمام حالات سے بادشاہ کو خبر ہوتی رہے اور ساری رعایا کی حفاظت بوجہ احسن ہو سکے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ ہر نئے حادثے کی اطلاع بادشاہ کو فوراً ہو جائے اور رونما ہوتے ہی اس کے سدباب کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔ عقلمند امرائے سلطنت نے اجین کو پایہ تخت منتخب کرنے کی صلاح دی۔ اس جماعت نے یہ دلیل پیش کی کہ شہر اجین طول و عرض کے لحاظ سے ہندوستان کے بالکل وسط میں واقع ہے اور ہند کے مشہور حکمران کھتری راجہ بکرماجیت نے اسی خیال کو مدنظر رکھ کر اجین کو اپنا پایا تخت بنایا تھا۔

چند ارکان سلطنت نے دیوگڑھ کی طرف بادشاہ کا رجحان دیکھ کر اسے مرکز سلطنت بنانے کا مشورہ دیا بادشاہ پہلے ہی سے دیوگڑھ کا دل

سے گرویدہ تھا للذا اسے ان امراء کا مشورہ پسند آیا اور فرمان جاری کر دیا کہ وہ دلی جس پر مصر بھی رشک کرتا تھا ویران اور سنسان کر دی جائے اور تمام شہری عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سب دیوگڑھ منتقل ہو جائیں۔ جو غریب ہوں اور جن کے پاس سفر خرچ نہ ہو اسے خزانہ شاہی سے روپیہ دیا جائے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ دہلی سے لے کر دیوگڑھ تک ہر ہر منزل پر مسافروں کے لیے سرائیں بنائی جائیں اور سڑک کے آس پاس سایہ دار درخت لگائے جائیں تاکہ مسافر سایہ دار درختوں کے نیچے آرام سے سفر طے کریں۔ دیوگڑھ کا نام "دولت آباد" رکھا اور اس میں بہت عظیم الشان عمارتیں بنوانا شروع کیں۔ قلعہ دیوگڑھ کے آس پاس خندق کھود کر دولت آباد گھاٹ اور یلورہ کے پاس بڑے بڑے حوض بنوائے اور خوبصورت باغات لگوائے۔

نقل مرکز سے رعیت کی حالت بھی بدلی اور سلطنت کی مہمات میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی زمانہ تغیر و تبدل میں خواجہ حسن بصری دہلوی کا انتقال ہو گیا اور ان کا مدفن بھی دولت آباد ہوا۔ جس کی آباد کاری کی کہیں اور مثال نہیں ملتی، اس طرح دنیا میں اور کوئی شہر آباد نہ کیا گیا ہوگا۔ اگرچہ آب و ہوا کے لحاظ دولت آباد اچھا شہر ہے لیکن سب سے بڑی مشکل یہ کہ ایران و توران سے بہت دور تھا۔ محمد تغلق کو جب گرشاسپ کی بغاوت سے نجات ملی اور ادھر تمام دہلی کی رعیت منتقل ہو کر دولت آباد آ گئی تو بادشاہ نے کندہانہ پر حملہ کرنا چاہا۔

قلعہ کندھانہ کی فتح

ناگ نایک نامی سردار نے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا اور تغلق جیسے عالی مرتبت بادشاہ کے ساتھ صف آرا ہو کر ایسی جانبازی سے لڑا کہ دوست اور دشمن سب بے ساختہ اس کی تعریف کرنے لگے۔ کندہانہ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور اس قدر مضبوط اور مستحکم بنایا گیا تھا کہ اسے فلک البروج سے تشبیہ دینا نامناسب نہ ہوگا۔ بڑے سے بڑے عالی رتبہ اور بلند ہمت بادشاہ کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس فلک نما قلعہ کے کنگرہ کو آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ محمد تغلق نے مسلسل آٹھ ماہ تک قلعہ کو گھیرے رکھا اور قلعہ کے آس پاس پاساط بنانے میں اتنا مصروف ہوا کہ ناگ نایک اس کی ہمت شاہانہ سے بہت مرعوب ہوا اور بد حواس اور پریشان ہو گیا اور قلعہ محمد تغلق کے قبضہ میں دے کر جان کی امان طلب کی اور بادشاہ کے درباریوں میں شامل ہو گیا۔ بادشاہ کامیاب ہو کر خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا دولت آباد واپس لوٹا اور نہایت عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

بہرام ابیہ کی بغاوت

تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد تغلق کو اطلاع ملی کی بہرام ابیہ سرکش ہو گیا ہے اور پنجاب و ملتان کے مقامات میں لوٹ مار کر رہا ہے۔ اس نے اچھی خاصی فوج فراہم کر لی تھی اور حکمرانی کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی سرکشی کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ نے دولت آباد کو پایہ تخت بناتے ہی تمام امراء اور حکمرانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال بچوں کے لیے دولت آباد میں نئے مکانات بنوائیں اور مستقل سکونت اختیار کریں۔ اس فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے علی نام کا ایک مغل بہرام ابیہ کے اہل و عیال کو لینے کے لیے ملتان پہنچا اور جیسا کہ مغل فرقہ کی عادت ہے کہ وہ بہرام ابیہ اور اس کے رشتہ داروں سے بہت بد اخلاقی سے پیش آیا اور انہیں بادشاہ کے غیظ و غضب کے خود تراشیدہ قصے سنا سنا کر ڈرایا۔ ایک دن بہرام ابیہ کا داماد مکان سے دیوانخانہ جا رہا تھا علی نے اس کے نزدیک جا کر کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اپنے بال بچوں کو دولت آباد کیوں نہیں بھیجا۔ کیا تم حکومت سے نمک حرامی اور غداری کرنا چاہتے ہو۔ یہ سن کر اس کا داماد آگ بگولا ہو گیا اور کہا تم گالی کیوں دے رہے ہو۔ علی نے جواب دیا کہ بے شک تم گالیوں کے لائق ہو کیونکہ اپنے گھر میں اطمینان سے بیٹھے ہو اور بادشاہ کے فرمان کی تمہیں پرواہ نہیں ہے۔ دونوں میں ذرا بلند آواز سے بحث ہونے لگی اور بہرام ابیہ کے داماد کے بال علی نے پکڑ لیے۔ لڑائی ہونے لگی اس نے علی کو زمین پر گرا دیا اور ایک ملتانی سلاحدار نے علی کا سر تن سے جدا کر دیا

بادشاہ نے جب اس کی بغاوت کا حال سنا تو سوچا کہ اس وقت تک ملتان اور پنجاب کی آگ مدہم نہ پڑے گی جب تک بادشاہ خود بنفس نفیس نہ جائے گا لہٰذا یہ سوچ کر وہ ملتان کی طرف روانہ ہوگیا اور ادھر بہرام ابیہ بھی ایک بڑا لشکر لے کر بادشاہ کے مقابلہ پر آ گیا۔ جنگ میں ہزاروں بندگان خدا کا خون بہا اور لاکھوں بے گناہ مارے گئے۔ بہرام ابیہ بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا وہ شکست کھا کر میدان چھوڑ کر بھاگا اور بادشاہ نے قتل عام کا حکم جاری کرنے کا ارادہ کیا' لیکن حضرت شیخ رکن الدین نے اہل ملتان کے لیے سفارش کی اور بادشاہ ان کے خیال سے اپنے اس ارادے سے باز آیا۔ اب ملتان کا حاکم قوام الملک کو بنایا گیا اور وہ لوگ جو بہرام ابیہ کا ساتھ دے رہے تھے ان کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ محمد تغلق بہرام کے فتنہ کو ختم کر کے اطمینان سے دہلی واپس آیا چونکہ وہ دولت آباد یا آباد ہوا تھا اس لیے یہاں بہت گڑ بڑ تھی اور خاص توجہ شاہی کی ضرورت تھی۔ اس لیے محمد تغلق نے مسلسل دو سال تک دہلی میں قیام کیا اور نئے پایہ تخت کو آباد کرانے کے کوشش میں لگا رہا۔ اسی دوران میں بادشاہ نے اپنی ماں مخدومہ جہاں کو امراء اور افواج اور حرم و محلات کے ہمراہ دولت آباد بھیج دیا۔ بادشاہ کو دولت آباد کو آباد کرنے کی دھن میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ بعض لوگوں کے لیے وہاں کی آب و ہوا موافق نہ ہوگی اور بلا تامل سب کو دولت آباد جانے کا حکم دے دیا۔ ادھر دہلی ویران و بیابان ہوگئی چاروں طرف علاوہ جنگلی جانوروں کی آوازوں کے کسی انسان کی آواز کانوں میں نہ آتی تھی۔

علاقہ دو آبہ میں بغاوت

چونکہ اسی عرصہ میں بادشاہ نے میان دو آبہ کی رعیت سے بڑی سختی سے لگان طلب کیا تھا اس لیے رعیت نے تنگ آ کر اپنے گھروں اور کھیتوں اور کھلیانوں میں آگ لگا دی۔ اپنے مویشیوں کو لے کر جنگل کی طرف نکل گئے اور سنسان جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنے لگے۔ میان دو آبہ کی رعایا کی یہ حرکت بادشاہ نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھی اور ضلع داروں کو حکم دے دیا کہ قتل و خونریزی سے کام لے اور آگ لگانے والے لوگوں میں جو جہاں ملے اس کو وہیں پر قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ کے اس فرمان سے میان دو آبہ کا زرخیز خطہ بالکل ویران اور غیر آباد ہوگیا۔ راستہ پر امن نہ پا کر مسافروں نے سفر کرنا چھوڑ دیا اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ جن فوجیوں کے اہل و عیال دولت آباد میں تھے وہ بے چین اور پریشان ہوگئے۔

قتل و غارت گری کا شوق

محمد تغلق کے دور حکومت کا احوال عجیب و غریب ہے کسی بادشاہ کے حالات میں ایسے واقعات نہ لکھے گئے جیسے اس کا نامہ سیاہ ہے' یہ صرف غیاث الدین کے اس عجب الخلقت جانشین ہی کا حصہ ہے۔ بادشاہ نے انہیں دنوں خود شکار کھیلنے جاتا تھا اور بجائے جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کے ہزاروں انسانوں کے خون سے اپنے تیر و خنجر کی پیاس بجھاتا اور پھر ان تمام مقتولوں کے سر کاٹ کر حصار کے کنگرہ پر لٹکاتا اس سے بھی دل نہ بھرا۔ اپنی سفاکی اور ظلم دکھاتا ہوا قنوج پہنچا اور حدود قنوج سے لے کر صوبہ تک قتل و غارت گری' خونریزی کا بازار گرم کیا اور بے گناہوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔

فخرالدین کی بغاوت

ادھر لکھنوتی میں پھر بغاوت کا بازار گرم ہوا اور بہرام خاں کے بعد قدر خاں کے ملازم نے سرکشی کی اس کا نام ملک فخرالدین تھا۔ اس نے قدر خاں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود لکھنوتی کے خزانہ کا مالک بن بیٹھا۔ ابھی بادشاہ کے ہاتھ قنوج کی رعایا کے خون سے رنگے ہی ہوئے تھے کہ مالا بار سے بغاوت کی یہ خبر آئی کی سید ابراہیم خریطہ دار کا باپ سید حسین سرکش باغی ہوگیا ہے اور امیروں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود حکمران بن گیا ہے۔ بادشاہ نے لکھنوتی کی بغاوت کو فرو کرنے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا اور شہر پہنچ کر سید ابراہیم خریطہ اور سید حسین کے تمام رشتہ داروں کو قید کر لیا۔ پھر ایک لشکر عظیم کے ساتھ ۷۴۲ھ میں مالا بار کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ دیوگڑھ پہنچا

اور وہاں کے لوگوں سے شاہی مطالبات بہت سختی سے لینا شروع کر دیے۔

بعض غریبوں نے اس سختی سے تنگ آ کر خود کشی کر لی۔ بادشاہ نے یہاں بھی خراج کی رقم بہت زیادہ مقرر کر دی اور بہت ہی ظالم، سفاک گماشتوں کو خراج وصول کرنے کے کام پر مامور کیا۔ یہاں سے فرصت پا کر بادشاہ نے خواجہ جہاں کو تو دہلی جانے کا حکم دیا اور خود سید حسین کو قتل کرنے کی نیت سے مالابار کی طرف چل دیا۔ تلنگانہ ہوتے ہوئے مالابار کا سفر کیا اور پہلے ورنگل پہنچا۔ ورنگل میں بادشاہ کے پہنچنے سے دس دن پہلے ہی سے بیماری پھیلی ہوئی تھی اور اس بیماری نے فوجیوں پر بھی اپنا اثر کرنا شروع کیا۔ کئی بہادر اور مشہور امراء اس وبا کا شکار ہوگئے، اور خود بادشاہ کی طبیعت بھی خراب ہو گئی۔ اس نے مجبوراً سفر کرنے کا ارادہ ترک کیا۔ ملک نائب و عماد الملک کو تو ورنگل ہی میں رہنے دیا اور خود دولت آباد کا رخ کیا۔

بادشاہ جب بئیر تک پہنچا تو اس کے دانتوں میں سخت درد اٹھا اور ایک دانت گر بھی گیا۔ دانت کا مدفن وہیں بنایا اور اس پر گنبد بنوایا جو آج بھی "گنبد دندان تغلق" کے نام سے مشہور ہے اس کے بعد آگے چلا اور پٹن میں قیام کیا اور اپنے علاج کی طرف توجہ کی۔ پٹن کے قیام ہی میں شہاب الدین کو نصرت خاں کا لقب عطا کیا اور بیدر کی صوبہ داری مرحمت فرمائی۔ بیدر کے گرد و نواح کی تمام جاگیریں ایک کروڑ ٹکے پر ٹھیکہ میں دے دیں اور شہاب الدین کے سپرد کر دیں اور اپنے استاد قتلغ خان کو دولت آبا اور مرہٹواڑی کے سارے علاقہ کا حاکم بنایا۔ ادھر شاہو افغان کے باغی ہونے کی خبریں برابر موصول ہو رہی تھیں۔ لہٰذا بادشاہ نے اپنے اچھے ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور اسی طرح بیماری کی حالت میں پالکی میں سوار ہو کر دہلی کی طرف چل پڑا۔ روانہ ہوتے ہوئے عام منادی کرا دی کہ دہلی کے باشندوں میں سے جو چاہے وہ دولت آباد میں رہے اور جس کی مرضی ہو وہ بادشاہ کے ساتھ چلا جائے۔

ویرانی و تباہی کا دور دورہ

اس منادی کے فوراً بعد ہی کچھ لوگ تو بادشاہ کے ساتھ ہی روانہ ہوگئے۔ ایک گروہ کو مرہٹواڑی کا مقام اتنا پسند آیا کہ وہ لوگ وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ اس سفر میں محمد تغلق نے صوبہ مالوہ اور دوسرے مقامات کو جو راستے میں تھے بالکل ویران اور تباہ و برباد پایا، بارش کی کمی کی وجہ سے ہر طرف خوش سالی چھائی ہوئی تھی۔ محمد تغلق کو یہ بھی احساس ہوا کہ تھانے اور چوکی کے پیادوں کو بھی ہٹا دیا گیا ہے اور اس طرح سارے ملک میں ایک عام انتشار پھیلا ہوا ہے۔ یہ سب کرشمے دیکھتا ہوا دہلی تک گیا یہاں کا عالم اور بھی عبرت انگیز تھا ہر طرف ویرانی اور ادبار کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ نکبت اور مفلسی نے دہلی کو گھیر لیا، قحط کی ہمہ گیری نے ہزاروں جانیں لے لی تھیں اور یہ عالم تھا کہ سترہ روپیہ کو بھی ایک سیر غلہ نہ ملتا تھا، جانور اور انسان سب بھوکوں مر رہے تھے۔

سلطنت کی یہ بربادی دیکھ کر بادشاہ نے اپنی توجہ اس طرف کی اور چند دنوں کے لیے تلوار کو میان میں رکھا اور بندگان خدا کے حال خراب کو سدھارنے کی سعی میں لگ گیا، بادشاہ نے رعایا کو خزانہ شاہی سے روپیہ دیا، کسانوں کو تاکید کی گئی کہ کنویں کھودیں اور ہل چلائیں چونکہ لوگ بہت خستہ حال ہو رہے تھے۔ لہٰذا انہیں جو تقاوی وصول ہوئی وہ تمام کی تمام کھانے پینے میں صرف ہوگئی اور زندگی کی دیگر ضروریات سے جو تھوڑا بہت روپیہ بچا وہ کاشتکاری پر لگایا۔ بارش بالکل نہ ہوئی تھی اور خشک سالی ملک کو برباد کر رہی تھی۔ اسلیے کنوئیں کا پانی بھی کاشت کاری کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں بھی بادشاہ کی سیاسی حکمت عملی کی بدولت ہزاروں جانیں ختم ہو گئیں

الغرض گرد و نواح میں حقیقی اور مجازی دونوں خداؤں کی تلواریں نیام سے باہر تھیں غیظ و غضب کا شکار سارا ملک ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں سرزمین ملتان بھی انسانوں کے خون کی پیاسی ہوئی۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بہزاد نائب ملتان کو شاہو افغان نے پنجاب میں بغاوت

ہی میں خبر ملی کی اس کی ماں جن کا لقب مخدوم جہاں تھا ان کا انتقال ہوگیا' ان کے دم سے شاہی خاندان کا انتظام قائم تھا۔ بادشاہ کو ماں کی وفات کا بہت غم ہوا' مگر اس نے سفر جاری رکھا اور حکم دیا کہ قاعدے کے مطابق ایصال ثواب کی تمام رسمیں ادا کی جائیں۔ محمد تغلق ملتان کے نزدیک پہنچ گیا اور شاہو نے بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سنتے ہی خوفزدہ ہو کر ایک عریضہ شاہی خدمت میں بھیجا۔ اس میں لکھا کہ "میں اپنے پچھلے جرموں پر بہت شرمندہ ہوں۔" بعد ازاں وہ ملتان کو چھوڑ کر افغانستان بھاگ گیا۔ اس صورت میں بادشاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور دہلی کی طرف مراجعت کی یہاں کا حال اس کو پہلے سے بھی زیادہ خراب ملا۔ سارے شہر پر نکبت و ادبار چھایا ہوا تھا قحط بہت بڑھ گیا تھا آدمی آدمی کے خون کے پیاسے تھے' لیکن پھر بھی پیٹ کی آگ نہ بجھتی تھی۔ ایک بار پھر بادشاہ نے دریائے سخاوت جاری کیا' خزانہ شاہی سے رقمیں دیں۔ کھیتی باڑی کرنے کی خاص ہدایت کی لیکن پھر بھی سکون نہ ملا۔

سمانہ کی بغاوت

رعایا کی پریشانی اور کاہلی' دوسرے قحط اور بارش کی کمی سے جلال شاہی عتاب میں آیا بادشاہ پھر ایک بار خون کا پیاسا ہوگیا۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ اسی عرصہ میں ہنام اور سمانہ کی رعایا نے بغاوت کی اور شہر کو خالی کر کے جنگل کے ویرانہ میں جھونپڑیاں بنائیں۔ یہ لوگ شاہی مالگذاری دینے سے بالکل منحرف ہوگئے۔ بادشاہ نے ان کو راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی اور بہت جلد ان کی جھونپڑیوں کو جنہیں اس زمانہ میں منڈل کہا جاتا تھا گرانے کا حکم دے دیا اور اس گروہ کو پریشان کرنا شروع کیا تاکہ وہ لوگ شہر میں آباد ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا ان لوگوں کے سرداروں کو دہلی میں آباد کیا گیا۔

ملک جندر کی بغاوت

کھکروں کے سردار ملک جندر نے ۷۴۳ھ میں سرکشی کی اور وہاں کے حاکم ملک تاتار خاں کو موت کے گھاٹ اتارا اور تمام صوبہ کا حاکم بن بیٹھا۔ بادشاہ نے خواجہ جہاں کی سرکردگی میں اپنی فوج بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجی' خواجہ جہاں نے کھکروں کو تباہ و برباد کر کے اس سرکشی کو ٹھنڈا کیا اور ملک میں سکون ہوا۔

خلعت خلافت عباسیہ ۷۴۴ھ

محمد تغلق کو مدتوں سے یہ خیال ستا رہا تھا کہ کسی طرح سے خلیفہ عباسی کے دربار سے پروانہ حکمرانی حاصل کر لے کیونکہ اس کے خیال میں خلیفہ عباسی کی اجازت کے بغیر حکومت کرنا بالکل جائز نہیں تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ ملکی سیاسی مصلحت کے تحت مصری حکام نے عباسی خاندان کے ایک شہزادے کو مسند خلافت پر بٹھا دیا ہے۔ کمال الملک کی رائے سے متفق ہوتے ہوئے بادشاہ نے یہ سنتے ہی اس خلیفہ کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کی اور سکہ شاہی پر اپنے نام کی بجائے اسی عباسی خلیفہ کا نام کندہ کرایا اور ملک میں منادی کرا دی کہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بالکل ختم کر دی جائیں۔ اس کے بعد دو تین ماہ تک مسلسل دربار خلافت میں قاصد بادشاہ کے اجازت نامے کے لیے عریضہ لے کر جاتے رہے۔ ۷۴۴ھ میں حاجی سعید حریری خلیفہ کے ایلچی کے ساتھ منشور حکومت اور خلعت لے کر دہلی پہنچا تو بادشاہ نامہ کے استقبال کے لیے اپنے علماء مشائخ اور امراء کے ساتھ پانچ چھ کوس تک گیا۔ منشور خلافت کو آنکھوں سے لگایا' سر پر رکھا اور حاجی سعید حریری کے قدموں کو بوسہ دیا اور چند قدم اس کے جلوس کے ساتھ پیدل چلا۔ سارا شہر سجایا گیا اور آئینہ بندی کے بعد بادشاہ نے سر سے نامہ خلافت اتارا اور پھر اشرفیاں صدقہ کی گئیں۔ نماز جمعہ و عیدین کی اجازت پھر دے دی گئی۔ خلیفہ کا نام بھی خطبہ میں شامل کر دیا گیا اور ان تمام شاہان دہلی کے نام نیز اپنے باپ کا نام بھی دعانامہ مغفرت سے نکال ڈالا کیونکہ ان سب نے خلیفہ بغداد سے اجازت لیے بغیر حکومت کی تھی۔ محمد تغلق نے تمام زر بفت کے کپڑوں اور مسجدوں کے منبر کے قبوں پر خلیفہ بغداد کا نام کندہ کرایا۔ اپنے ہاتھ سے ایک نہایت مخلصانہ عریضہ اور ایک نفیس بے مثل موتی اظہار تشکر کے طور پر حاجی رجب کے ہاتھ خلیفہ کی

خدمت میں بھیجا- جامداران شاہی کے سردار ملک کبیر کو خلیفہ عباسی کی ملک گردانتے ہوئے ملک قبول کا خطاب دیا- یہ بہت بہادر' با اخلاق' عابد و زاہد تھے وہ بہادری اور جرات و ہمت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے-

کشنانایک کی بغاوت

بادشاہ ابھی اسی خوشی سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہوا تھا کہ اسے کشنانایک کی بغاوت سر کرنا پڑی یہ لدر دیو کا بیٹا تھا اور ان دنوں ورنگل میں رہتا تھا- اس نے کرناٹک کے طاقتور راجہ بلال دیو کی پناہ چاہی اور درخواست کی کہ مسلمانوں نے کرناٹک اور تلنگانہ کے حدود اربعہ پر قبضہ کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ سارے غیر مسلموں کو موت کے گھاٹ اتار دیں اس لیے اب ہمیں بھی خاموش نہ رہنا چاہیے- اپنی حفاظت ہمارا فرض ہے بلال دیو نے تمام امراء سلطنت کو بلایا اور اس بارے میں رائے طلب کی- بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بلال دیو اپنے تمام ماتحت ملکوں کو پیچھے رہنے دے اور اس مقام پر معرکہ آرائی کرے جو مسلمانوں کے آنے جانے کا خاص راستہ ہے اور مالابار' دھور سمندر اور کنپلہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے چھین کر اپنے تصرف میں لے آئے- ساتھ ہی ساتھ کشنانایک کو بھی مشورہ دیا گیا کہ وہ جوانمردی دکھائے اور ورنگل کو بادشاہ دہلی کے تصرف سے نکال کر خود اس کا مالک بن جائے- بلال دیو نے پہاڑی سرحد کے نزدیک ہی اپنے بیٹے بجن رائے کے نام پر ایک دشوار گزار جگہ پر ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام بجن نگر رکھا- کثرت استعمال سے اب یہی لفظ "بیجانگر" کے نام سے مشہور ہو گیا ہے-

بلال دیو نے کشنانایک کی کمک کے لیے لاتعداد سوار اور پیادے دیے- اس نے پہلے ورنگل پر قبضہ کیا اور یہاں کے وزیر عماد الملک نے بھاگ کر دولت آباد میں پناہ لی- بلال دیو نے کشنانایک کو دوبارہ فوجی مدد دی اور اس نے مالابار اور دھور سمندر کے راجاؤں کو جو ہمیشہ سے کرناٹک کے حکمرانوں کے باجگذار تھے' شہنشاہ دہلی کے سرداروں کی ماتحتی سے نجات دلا کر آزاد کیا- غرض یہ کہ فتنہ و فساد ہر طرف بپا ہو گیا اور گجرات و راجگڑھ کے سوا کوئی اور دور دراز ملک بادشاہ کے قبضہ میں نہ رہا- بادشاہ تغلق یہ حالات دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور طیش میں ایسے سیاسی احکامات نافذ کرتا کہ رعایا کانپ جاتی- بادشاہ کی سختیاں اور عتاب دن رات سہتے سہتے رعایا کا دل بادشاہ کی طرف سے کھٹا ہو گیا تھا- نئے فتنے بیدار ہونے لگے-

بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہنوز خشک سالی باقی تھی- اس باعث بادشاہ کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں' جو اس نے زراعت کے باب میں کی تھیں- اس نے مجبوراً یہ حکم دے دیا کہ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں اور جو لوگ جبر و تشدد سے شہر بند ہیں انہیں بھی جہاں چاہیں وہیں جانے کی آزادی دی جائے- جن لوگوں میں قحط و آلام و مصائب کا سامنا کرنے کے باوجود بھی زندگی کی رمق تھی' وہ مع اہل و عیال بنگالہ کی طرف چلے گئے- بادشاہ خود بھی قدرت کی ستم ظریفی سے عاجز آ گیا اور قحط کو بلائے آسمانی تصور کرتے ہوئے اس کا سدباب کرنے کی بجائے خود دہلی سے نکل آیا اور پٹیالی اور کنپلہ سے ہوتا ہوا دریائے گنگا کے ساحل پر جا پہنچا اور لوگوں کو حکم دیا کہ یہیں پر مقیم ہوں- اس کا نام "سرکدواری" رکھا گیا اور یہاں پر یہ انتظام تھا کہ کڑہ اور اودھ سے غلہ برابر پہنچتا رہا- شہر کے مقابلہ میں اس انتظام کے بعد سرکدواری میں غلہ کچھ ارزاں ہو گیا- صوبہ دار عین الملک (جو ظفر آباد اور اودھ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنی جاگیر میں رہتا تھا) جنس اور غلہ اور ضروریات زندگی کی دوسری چیزیں سرکدواری بھیجتا رہتا- بادشاہ جب "سرکدواری" میں رہا- عین الملک نے غلہ اور دیگر اشیاء کی شکل میں تقریباً آٹھ لاکھ ٹنکے کی مالیت کا سامان بادشاہ کو بھیجا- بادشاہ عین الملک کے حسن سلیقہ اور انتظام کا دل سے معتقد ہو گیا اور اس کی خدمات پر بہت تحسین و آفرین بھیجی' جن دنوں بادشاہ "سرکدواری" میں رہتا تھا اسی دوران میں تین فسادات اور بغاوتیں بپا ہوئے لیکن وہ بہت جلد ختم کر دیے گئے-

نظام مائیں کی سرکشی

پہلا فساد نظام مائیں کا تھا جو "کڑے" میں بپا ہوا- نظام مائیں ایک پنچ اور خراب آدمی تھا اس نے جو شرطیں بادشاہ سے کی تھیں انہیں پورا نہ کیا اور ۷۴۵ھ میں سرکش ہوگیا اور اپنا نام سلطان علاؤ الدین رکھ کر خود کو بادشاہ مشہور کر دیا لیکن قبل اس کے کہ بادشاہ اس فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کرے عین الملک نے خود ہی فوج لے کر اس پر چڑھائی کی اور اسے قید کر کے کیفر کردار کو پہنچایا اور سر قلم کر کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا- محمد تغلق کی بھانجی کے شوہر شیخ زادہ نظامی کو اس جنگ میں مامور کیا گیا تھا- شیخ زادہ نے نظام مائین اور اس کے رازداروں اور حاشیہ نشینوں کو سخت سزائیں دیں اور اس ہنگامہ کو بہت کم وقت میں ختم کر دیا-

ہنگامہ دکن

دوسرا فتنہ دکن میں بپا ہوا اس ہنگامہ کا اجمالی بیان یہ ہے کہ کسی زمانہ میں نصرت خاں نے بیدر کا ٹھیکہ ایک لاکھ ٹنکے پر لیا تھا- وہ ٹھیک وقت مقررہ پر رقم شاہی خزانے میں نہ پہنچا سکا- لہٰذا اس نے بچاؤ کی یہی صورت دیکھی کی باغی ہو کر بیدر کے حصار میں قلعہ بند ہو جائے- دیوگڑھ کے سردار قتلغ خاں کو نصرت خان کا سر قلم کرنے کا حکم دیا گیا اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے دیگر امرائے سلطنت کو بھی نامزد کیا گیا- قتلغ خاں نے آن کی آن میں قلعہ بیدر پر فتح پائی اور نصرت خان کو پابہ زنجیر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا-

علی شاہ کی بغاوت

نصرت خاں کے ہنگامہ کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ علی شاہ جو امرائے صدہ میں سے تھا اور ظفر علی خان علائی کا بھانجہ تھا وہ شاہی مالگزاری وصول کرنے کے لیے دیوگڑھ سے گلبرگہ آیا اور چہار طرف کہیں بھی کوئی شاہی عامل نہ ملا- اس نے اپنے تمام امرائے صدہ کو جمع کیا جن میں حسن گنگوہی بھی شامل تھا اور سب نے مل کر مہرن کو جو گلبرگہ کا حاکم تھا ۷۴۶ھ میں کسی بہانے سے قتل کر دیا اور اس کے مال و متاع کو برباد کر کے بیدر کا رخ کیا- نائب صوبہ دار کو بھی اپنی تلوار کا نشانہ بنایا' ملک پر قابض ہوگیا بادشاہ کو جب تمام حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے علی شاہ کی سرکوبی کے لیے قتلغ خاں کو بھیجا- علی شاہ نے قتلغ خاں کا مقابلہ کیا لیکن پھر ہزیمت پا کر قلعہ بیدر میں جا چھپا- قتلغ خاں کے عہد و اقرار کے بعد علی شاہ نے صلح کر لی اور تمام باغیوں کو قلعہ سے نکال کر بادشاہ کے حضور میں برکد واری پہنچا- بادشاہ نے علی شاہ اور اس کے ہمراہی سپاہیوں کو دیس نکالا دیا اور غزنی روانہ کر دیا لیکن چونکہ یہ خونی امیر غزنی سے بادشاہ کی اجازت کے بغیر باسار واپس چلے آئے' اس لیے بادشاہ نے عین الملک نیز اس کے دیگر ساتھیوں کو دولت آباد بھیج کر درنگل کی فتح کا سہرا اس کے سر ہی باندھنا چاہا- کیونکہ عین الملک مندرجہ بالا واقعات کی وجہ سے بادشاہ کا پسندیدہ حاکم تھا اور اسی لیے بادشاہ نے درنگل کی مہم پر اس کو بھیجنا چاہا اور محمد تغلق نے دیوگڑھ سے قتلغ خاں کو اپنے پاس بلا لیا-

بادشاہ کے تغیر و تبدل نے عین الملک کو طرح طرح کے وہموں میں گرفتار کر دیا- اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بادشاہ نے اپنے استاد قتلغ خاں کو بے خطا کیوں معزول کر دیا حالانکہ اس نے ہی دکن کی تمام بغاوتوں کو ختم کیا اور وہاں کی رعایا کو بادشاہ کی اطاعت گزار اور فرمانبردار بنایا تھا- اس کے علاوہ عین الملک کو دورہ مہم پر بھیجنا بھی اس کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا- غالباً" اس کا یہی مقصد ہو گا کہ بادشاہ اسے جاگیر سے الگ رکھنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اتنی بڑی مہم پر بھیجنے کا مطلب یہی ہے کہ اسے دشمنوں کے منہ میں دے رہا ہے- اس تغیر و تبدل سے چند دن پہلے بادشاہ نے گماشتوں کی ایک جماعت کو خیانت الزام میں پکڑ کر اپنی سیاسی حکمت عملی کے جوہر دکھائے تھے- یہ جماعت گرانی کا حیلہ کر کے دہلی سے بھاگ گئی تھی- اودھ اور ظفر آباد میں جا کر عین الملک کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی گزار رہی تھی-

عین الملک کی بغاوت

عین الملک کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ شاہی مخبروں کو پناہ دینے سے بادشاہ کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے لہٰذا عین الملک کے سامنے بغاوت کرنے کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار نہ تھا۔ اس نے دل میں باغی ہونے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر ظاہرا" بادشاہ کے سامنے فرمانبردار بنا رہا اپنے بھائیوں کو لشکر سمیت اودھ اور ظفر آباد سے بلوایا۔ ابھی یہ لشکر راستہ ہی میں تھا کہ عین الملک سرکدواری سے فرار ہو کر راہ میں اپنے بھائیوں سے جاملا۔ اس کے بھائی بہت ہی جلدی کر کے سرکدواری پہنچے اور بادشاہ کے ہاتھی اور گھوڑے جو چراگاہوں میں چر رہے تھے سب کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بادشاہ ان واقعات سے اچانک گھبرا گیا اور امروہہ' سامانہ' کول' ہرن سے فوجوں کو فورا" طلب کیا۔ خواجہ جہاں بھی بادشاہ کے حضور میں آیا۔ محمد تغلق نے لشکر کی ترتیب و تنظیم دی اور ادھر عین الملک اور اس کے بھائیوں نے بھی دریائے گنگا کو پار کر کے شاہی لشکر کے مقابلہ میں اپنے قدم جمائے۔ ان سرکش امراء کا یہ خیال تھا کہ رعیت چونکہ بادشاہ سے بیزار ہے لہٰذا ان سے مل جائے گی۔ قنوج کے میدان میں جنگ چھڑی اور بادشاہ اس خیال سے خود اس جنگ میں شامل ہوا تاکہ تمام امراء کو ایک ساتھ ختم کر دے۔ عین الملک اور اس کے بھائیوں نے جب سیاست اور غیظ و غضب کے سب سے بڑے مجسمہ کو بہ نفس نفیس میدان جنگ میں دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئے اور تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی فرار ہوگئے۔ عین الملک زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس کا ایک بھائی میدان کارزار میں مارا گیا اور دوسرا بھائی شہراللہ نامی زخمی ہوگیا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ سرکشی کرنے والوں کے بہت سے سپاہی مع ساز و سامان' مال و متاع دریا میں ڈوب کر ختم ہوگئے اور باقی ماندہ لب دم جب دریا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچے تو وہ عتاب شاہی کا شکار ہوگئے۔ بادشاہ نے بعد میں کہا کہ عین الملک فطری طور پر کینہ پروری اور بغض و عناد رکھنے اور پھیلانے والا نہیں ہے اور اس سے جو غلطی ہوئی معاف کر کے اس کو دربار میں بلا کر خلعت شاہانہ عطا کیا اور سلطنت کے بہت سے اہم معاملات کا اس کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ بادشاہ سرکدواری سے عازم بہرائچ ہوا اور حضرت سپہ سالار مسعود غازی کے مقبرہ کی زیارت کی۔ حضرت مسعود سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور آل محمود کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کے ہاتھوں جام شہادت پایا تھا۔ بادشاہ نے سپہ سالار کے مزار اقدس پر نذر چڑھائی اور خانقاہ مسعودی کے مجاوروں کو مالا مال کیا۔

بادشاہ نے خواجہ جہاں کو بہرائچ سے آگے بھیج دیا تاکہ عین الملک اور اس کے دیگر سپاہی لکھنوتی نہ پہنچنے پائیں اور جو لوگ قہر شاہی یا قحط سالی سے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر آباد ہوگئے ہیں اور اودھ اور ظفر آباد میں مقیم ہوگئے ہیں۔ ان سب کو ان کے اصلی وطن بھیجا جائے۔ خواجہ جہاں کو فتح حاصل کرنے کے لیے بھیج کر بادشاہ دہلی واپس لوٹ آیا اور تھوڑی مدت میں خواجہ جہاں بھی اپنی سپرد کردہ خدمات کو انجام دہی کے بعد دارالسلطنت دہلی پہنچ گیا۔ اس درمیان میں حاجی رجب اور شیخ الشیوخ مصر سے فرمان نیابت خلافت مع علم امارت لے کر بادشاہ کے پاس پہنچے۔ بادشاہ بہت سے درباریوں اور امراء شہر کو لے کر ان کے استقبال کے لیے چھ سات کوس تک گیا اور خلعت و فرمان خلافت کو سر پر رکھا اور کوشک تک پیدل آیا۔ خلیفہ بغداد کی بھیجی ہوئی حدیث کی کتاب مشارق اور قرآن مجید و فرمان امارت کو سامنے رکھ کر خلیفہ کی بیعت اپنے ہاتھ پر لینے لگا اور بادشاہ جو حکم دیتا تھا وہ خلیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور بادشاہ کو اپنے ہر فرمان میں لکھنا پڑتا کہ امیرالمومنین خلیفہ بغداد کا یہ حکم ہے۔ شیخ الشیوخ بصری کو بیش قیمت انعامات و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔ ساتھ ہی ساتھ خلیفہ کے لیے نہایت بیش بہا ہیرے جواہرات اور بے شمار دولت خدمت خلیفہ میں از راہ تشکر روانہ کی۔ اسی زمانہ میں خلفائے بنی عباس کے خاندان کا ایک شہزادہ دہلی آیا۔ محمد تغلق قصبہ پالم تک اس کا استقبال کرنے گیا ایک پرگنہ دولاگھ تنگ سفید کوشک سیری اور باغات کی تمام آمدنی شہزادہ کی معاشی مد میں صرف کر دی اور جب یہ شہزادہ بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے دربار میں آتا تھا تو بادشاہ بہ نفس نفیس

قتلغ خاں کی معزولی

بادشاہ ابھی نیابت شاہی کی خوشیوں سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس کو مرہٹواڑی کے علاقے کی تباہی اور بربادی کا حال معلوم ہوا یہ علاقہ قتلغ خاں کی حکمرانی میں تھا۔ اس کے گماشتہ عوام کو بہت پریشان کر رہے تھے۔ کہا گیا ٹیکسوں کی وصولیابی کا یہ عالم ہے کہ دس کی جگہ ایک بھی مشکل سے ملتا ہے۔ بادشاہ نے ان افواہوں کا یقین کر لیا اور قتلغ خاں کو اپنے پاس دہلی بلا لیا مع اس کے بھائی کے حالانکہ قتلغ خاں انصاف پروری' سیاسی حکمت عملی میں اپنے دور کا بہترین صوبیدار تھا اس کا بھائی مولانا نظام الدین' جس کا لقب عالم الملک تھا' وہ منصرم مقرر ہوا اور انتظام میں مملکت میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ جس زمانہ میں احکامات صادر ہوئے قتلغ خاں حوض بنوانے میں مصروف تھا جو آج تک "قلتو حوض" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے حوض کا تمام انتظام اپنے بھائی کے سپرد کیا اور چونکہ راستہ خطرناک تھا اس لیے اپنا مال و متاع بھی قلعہ وصاراگڑھ میں رکھا۔ اس قلعہ سے مطلب حصار بالائے کوہ ہے۔ یہ حصار پہاڑ کے دامن میں اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑ سے بنتا تھا اور باقی تین اضلاع چونے اور پتھر سے بنائے گئے تھے۔ دولت آباد سے مراد وہ قلعہ ہے جو پہاڑ کے اوپر بنایا گیا ہے۔ جب خلیفہ کی طرف سے بادشاہ کو منشور نیابت شاہی مرحمت فرما دیا گیا ہے تو بادشاہ نے شرع کی رو سے بھی اور عقل و شعور سے بھی یہی سمجھا کہ اب حکومت کرنا اور مسند خلافت پر بیٹھنا اس کا پیدائشی حق ہے۔ لہٰذا اس نے تمام امور سلطنت پر دوبارہ غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔

قتلغ خاں کے آتے ہی نئے سرے سے حکومت کے انتظامات ہونے لگے اور دکن کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ضلع ایک امیر کی نگرانی میں دے دیا گیا اس امیر کو شقدار کہتے تھے۔ محمد تغلق نے اس وقت کے سب سے بہادر اور جری عامل اور مشیر عماد الملک کو دکن کا سپہ سالار مقرر کیا اور سردار الملک اور یوسف بغرا جیسے امراء معتمد کو ان کے ساتھ دولت آباد بھیجا۔ بادشاہ نے سات کروڑ زر سفید پر دکن کے خالصے کا ٹھیکہ دے دیا اور پرگنوں کا انتظام بھی انہیں امراء کے ہاتھ میں دے دیا اور نئے مقرر شدہ افسروں کو تاکید کر دی گئی کہ عالم الملک کے مشورے سے ہر کام کریں۔ اس انتظام سے بھی اہل دکن سکون نہ حاصل کر سکے اور حالات سازگار نہ ہوئے۔ اہل ملک قتلغ خاں کے معزول ہونے اور نئے ضلعداروں کی خراب حرکتوں سے پریشان تھے۔ دکن کے باشندوں میں سے بہت لوگ خانماں برباد ہو گئے اور باقی ماندہ لوگوں نے باغی ہو کر سرکشی شروع کر دی انتظام ملک کا شیرازہ بکھر گیا۔

اسی طرح عزیز حمار نام کے ایک ذلیل اور پیچ قوم کے آدمی کو مالوے کا سردار بنا دیا۔ اس کو مالوے بھیجتے وقت بادشاہ نے کہا کہ وہاں کے تمام نئے نئے فسادات کی ذمہ داری امراء صدہ پر ہے لہٰذا ان امیروں کی سرکشی کو ختم کرنے کی پوری پوری ہدایت کی اور یہ کہ انہیں ہمیشہ اپنے رعب و داب میں رکھے۔ بادشاہ دکن اور مالوے کی بد انتظامیوں اور بغاوتوں کا خاطر خواہ انتظام کر کے پھر سرکدواری واپس آیا اور اس کے بعد ملک میں زرعی خرابیوں کو دور کرنے اور کاشتکاری کو ترقی دینے میں بہت سرگرمی دکھائی۔ اس نے ملک کو سرسبز کرنے اور آبادی بڑھانے کے لیے کئی قوانین بھی بنائے۔ یہ قانون اسلوب کے نام سے مشہور ہوئے اور انہیں امیر کوئی کا لقب دیا گیا۔ (کوئی ترکی میں آبادی کو کہتے ہیں' میرکوئی سے مراد حاکم آبادی ہے)۔

قوانین امیر کوئی

ان نئے وضع کیے ہوئے قوانین میں سے ایک یہ تھا کہ زمین کے ایک حصے کو ایک مرکز سمجھ لیا جائے اور ہر ایک شخص کو اس شرط پر یہ مرکز دیا جائے کہ اگر اس کی زمین قابل کاشت نہ بھی ہو تب بھی وہ اس کو قابل کاشت بنائے اور اگر زمین زرخیز ہے تو معمولی پیداوار سے زیادہ پیداوار بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس خدمت کی انجام دہی کے لیے تقریباً سو (شقدار) حکمران رکھے گئے۔ ملک کے بہت سے باشندے جو آوارہ وطن اور بے یار و مددگار ہو گئے تھے ان کی توجہ کھیتی باڑی کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ ان غریبوں کے ما سوا بعض

کھاتے پیتے اچھی حیثیت کے لوگ بھی لالچ میں آکر اس اصول پر کاربند ہوگئے۔ یہ نیا زراعت کرنے والا گروہ انعام و تقاوی کے صلہ میں کبھی کبھار بادشاہ کے خزانے سے رقم وصول کرتا رہتا اور شاہی عطیات کا بہت سا حصہ اپنی نجی ضروریات زندگی پر خرچ کر بیٹھتا تھا اور یقین تھا کہ رحم و کرم کے بعد جلال شاہی بھی نازل ہوگا اور اس کی تاب لانا مشکل ہوگا ہر ایک اسی عتاب کا انتظار کر رہا تھا۔ اس ضمن میں ستر لاکھ ٹکے خرچ ہوگئے اور دو سال ہی کے اندر اگر بادشاہ تھانہ کی مہم میں ختم نہ ہو جاتا تو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس جدید زراعت کرنے والے گروہ کا ایک بچہ بھی زندہ نہ رکھتا۔ محمد تغلق کے دور حکومت میں دوبارہ قحط پڑا اور ہر قحط کا سلسلہ تین تین سال تک جاری رہا اور لوگوں کے لیے طوفان بن کر آیا۔

غرض یہ کہ عزیز حمار بادشاہ سے رخصت ہو کر دھارا پہنچا اور ملک کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ عزیز حمار نے ایک دن امرائے صدہ کی ضیافت کی اور تقریباً" ستر امراء کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلاکر پھر اس نامعقول حکمران نے تمام امرائے صدہ کو کسی بہانے سے موت کے گھاٹ اتارا اور اس کارہائے نمایاں کی انجام دہی کی اطلاع بادشاہ کے نیاز میں بھیجی۔ بادشاہ نے عزیز حمار کی اس بزدلانہ حرکت اور جلد بازی سے قتل کرنے کی مثال کو شاہی وفاداری کا اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہوئے اسے خلعت شاہانہ اور اسپ خاص مرحمت فرمایا اور اس طرح اپنی خوشنودی ظاہر کی اور اس کی ہمت افزائی کی۔

عزیز کو بادشاہ نے خود بھی خلعت انعام و اکرام دیا تھا اور ہر حکمران کو ہدایت کی کہ تمام امراء عزیز حمار کی لائق خدمت کے صلہ میں اس کو انعامات تحفہ تحائف بھیجیں اور ہمت کو فی الامکان بڑھائیں۔ عزیز حمار کے اس کارہائے نمایاں نے بادشاہ کی نگاہوں میں رذیلوں اور پنچ لوگوں کو بڑھا دیا اور وہ ان کی تربیت پر فریفتہ ہوگیا اور وہ سفلہ لوگ جو بادشاہ کے احکام سے ذرا پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے اب بادشاہ کے مشیر خاص بن کر دربار میں جگہ پانے لگے اور سلطنت کے اہم امور پر مقرر کیے گئے اور خاندانی امیروں سے بھی ان کا مرتبہ بڑھ گیا۔ نجیاں گویے کا بیٹا تھا یہ گجرات' ملتان اور بداؤں کا امیر بنایا گیا اور مالی کا بیٹا جس سے زیادہ بدطینت آدمی دارالسلطنت میں نہ تھا' اسے وزارت کے عہدے پر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ سلطنت کے اہم کاموں پر ایسے لوگوں کو مامور کیا گیا اور انہیں قربت شاہی بھی حاصل ہوئی۔ مثلاً فیروز حجام' میکا نابنائی اور شیخ بابو بابک جولاہا۔ اس کے علاوہ گجرات کا وزیر مقبل نامی ایک غلام کو بنایا گیا جو شکل و صورت اور سیرت دونوں میں اپنے گروہ کا سردار تھا اور سب سے خراب آدمی تھا۔ بادشاہ کی اس کینہ پروری کی توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ شریف امراء اسکے احکامات کی تعمیل نہیں کرتے تھے اور نہ کرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ بادشاہ بعض احکامات ایسے صادر کرتا جو اس کے غیض و غضب کے آئینہ دار ہوتے اور اگر ان پر واقعی عمل کیا جاتا تو رعایا کا خون ناحق ہوتا اور ملک کی بربادی اور رعایا کے استیصال کا باعث ہوتا۔ لہٰذا وہ امراء اپنی عاقبت اندیشی اور فرزانگی سے ان احکامات کو ٹال جاتے اور بادشاہ اسے ان کی نااہلیت پر محمول کرتا لہٰذا اس کے دل میں غلام پروری کے جذبات جڑ پکڑتے گئے۔ بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ شریف زادے ہیں لہٰذا یہ بادشاہ کے احکامات کی قدر نہیں کرتے اور کمینوں کی فطرت ہی چونکہ غلامانہ ہوتی ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے احکام کو حکم خداوندی سمجھ کر بجالانے لگے۔ غرض یہ کہ عزیز حمار کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور ملک کے ہر گوشہ سے تحسین کی صدائیں بلند ہوئیں تو ملک کے تمام امیران صدہ طیش میں آکر اکٹھا ہوئے اور موقع کا انتظار کرنے لگے۔

اسی عرصہ میں ملک مقبل جس کا خطاب "خان جہاں" تھا اور اسی زمانہ میں گجرات کا وزیر مقرر کیا گیا تھا وہ صوبے کا تمام خزانہ اور بارگاہ کے گھوڑے جو گجرات میں اکٹھا کیے گئے تھے لے کر دیوی اور بروڈا کے راستہ سے دہلی چلا۔ ان اطراف میں جو امیران صدہ تھے سب نے مل کر اس کا مال و متاع لوٹ لیا۔ خان جہاں اسی ابتر حالت میں نہروالہ پہنچا۔ بادشاہ نے یہ سارے حالات سنے' بہت ہی طیش میں

خاں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ڈبھوی اور بروداکے فسادات اتنے اہم نہیں کہ جس کے سر کرنے کے لیے بادشاہ بہ نفس نفیس تشریف لے جائے اور اپنے لیے کہا کہ بادشاہ کی رہبری میں اس کو اتنی ہمت و جرات پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اس فتنہ کو بہ آسانی فرو کر کے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے یہ بھی شبہ تھا کہ بادشاہ کے اس مہم پر جانے سے کہیں' دیگر فتنہ خوابیدہ نہ جاگ اٹھیں اور پھران کا سدباب مشکل ہو جائے۔

بادشاہ نے قتلغ خاں کی اس پیش کش کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور اپنے چچازاد بھائی ملک فیروز کو اپنا نائب بنایا اور امور سلطنت میں مدد دینے کے لیے خان جہاں اور ملک کبیر کو چھوڑا اور خود ۷۴۸ھ میں دہلی سے روانہ ہوا کر سلطان پور میں قیام کیا جو شہر سے پندرہ کوس دور تھا تاکہ پوری فوج علم شاہی کے تلے جمع ہو کر عازم مہم ہو۔ اسی اثناء میں اسے عزیز حمار کی طرف سے عرضی وصول ہوئی کہ چونکہ امیران صدہ نہایت فتنہ و فساد برپا کرنے کے عادی ہیں اور خود عزیز حمار ان سے بہت ہی نزدیک مقام پر رہتا ہے۔ للذا وہ دھار کے سپاہیوں کی تنظیم کر کے ان کو سرکشی کی سزا دینا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے یہ عبارت دیکھی تو اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس کو معلوم تھا کہ عزیز حمار کو آداب جنگ و جدل سے اتنی آگاہی نہیں اور آئین جنگ کی اسے کیا خبر۔ عجیب نہیں کہ جلدی ہی اس کے قتل کی خبر سننا پڑے اور بادشاہ کا یہ خیال غلط ثابت نہ ہوا۔ سرکشوں کے سامنے عزیز حمار بدحواس ہوگیا اور گھبرا کر گھوڑے سے نیچے آرہا۔ دشمنوں نے وہیں پکڑ کر تلوار کے گھاٹ اتارا۔

محمد تغلق کی "سیاست"

بادشاہ سلطان پور سے روانہ ہوگیا دوران سفر میں بادشاہ نے ایک دن ضیائے برنی سے کہا کہ عام خیال ہے کہ ملک میں ریشہ دوانیاں بادشاہ کی سیاست سے پھیلتی ہیں' لیکن بادشاہ نے کہا کہ وہ اپنا ہاتھ بیکار نہیں رکھنا چاہتا۔ اس نے تاریخ دان ضیائے برنی سے دریافت کیا کہ تم نے تاریخ کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ بتا سکتے ہو کہ کن کن موقعوں پر بادشاہ کی سیاست درست اور حق بجانب ہوتی ہے۔ علامہ برنی نے جواب دیا کہ تاریخ کسروی میں رقم ہے کہ بادشاہ کے پاس سات مواقع ایسے ہیں جب وہ اپنی سیاسی حکمت عملی سے کام لے سکتا ہے اور یہ ساتوں جرائم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دین حق سے ہٹ جانا (مرتد ہو جانا)

۲۔ جان بوجھ کر خون ناحق کرنا۔

۳۔ شادی شدہ مرد کا شوہر والی عورت کے ساتھ زنا کرنا۔

۴۔ بادشاہ وقت کے ساتھ سرکشی کرنا۔

۵۔ کسی ہنگامہ اور بغاوت کا سردار بن کر فساد بپا کرنا۔

۶۔ جب رعایا سرکشوں باغیوں سے مل جائے اور اسلحہ و روپیہ پیسہ سے ان کی مدد کرے۔

۷۔ بادشاہ کے احکام سے پھر جانا اور مکمل طور پر اس پر عمل نہ کرنا۔

محمد تغلق نے دریافت کیا کہ حدیث صحیح سے کن کن جرائم کے متعلق ثابت ہوتا ہے۔ اس پر علامہ برنی نے فرمایا کہ پہلی تین قسموں کے بارے میں صحیح حدیثیں موجود ہیں یعنی ارتداد' زنا اور قتل وغیرہ کے بارے میں فقہ کے مسائل اور حدیثوں کی تفصیل میں صاف لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ باقی چار جرائم ملک کی فلاح اور اصلاح مملکت کے خیال سے مخصوص بادشاہوں کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

محمد تغلق نے اس پر یہ جواب دیا کہ پرانے زمانہ کی رعایا فرمانبردار تھی' اس کے اعمال و اقوال میں شرافت اور صداقت تھی لیکن اس دور میں اچھائیاں برائیوں میں تبدیل ہوگئیں اور گردش لیل و نہار کی وجہ سے بادشاہ کو خود مخلوق خدا کے خون سے ہولی کھیلنا پڑتی ہے۔

لہٰذا بادشاہ کے خیال میں اس کے مظالم کا خاتمہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یا تو رعایا ان افعال بد سے باز آ جائے' یا وہ دنیا سے اٹھ جائے ورنہ اسی سیاست پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسرے بادشاہ کے پاس کوئی ایسا دانشمندانہ وزیر بھی نہیں جو امور سلطنت میں مدد دے اور رعایا کو برہم نہ ہونے دے۔ بہرکیف بادشاہ مزیدار اور رنگین کہانیاں سناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور گجرات کے نزدیک ابوگڈھ پہاڑ تک پہنچ گیا اور اپنے ایک قابل اعتماد امیر شیخ معزالدین کو سرکشوں کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ معزالدین ڈبھوی کے آس پاس تک ہی پہنچا تھا کہ خواجہ جہاں بھی اس سے مل گیا۔ بغاوت کرنے والوں اور شاہی امراء میں باہم قتل و غارت گری شروع ہو گئی اور اس میں شاہی سرداروں نے فتح پائی اور بغاوت کرنے والے شکست کھا کر میدان چھوڑ کر بھاگے اور بادشاہ ابوگڈھ سے لوٹ کر پھر بھروچ آیا اور وہیں رہ پڑا۔ ملک قبول اور وزیرالممالک عمادالملک کو امیران صدہ کی گرفتاری کے لیے پیچھا کرنے کو بھیجا۔ دریائے نربدا کے ساحل پر پہنچ کر عماد الملک نے بہت سے سرکشوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان کے صلاح کاروں کو پکڑ لیا۔ سرکش امراء میں جو باقی بچے تھے انہوں نے حاکم بکلانہ مانديو کی راجدھانی میں پناہ لینا چاہی مگر مانديو بادشاہ کے غیظ و غضب سے خوب واقف تھا اس نے ان امیروں کو پناہ دینے کی بجائے تباہ و برباد کر دیا اور بدحال اور پریشان کر دیا اور اس صورت سے گجرات میں فساد و بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہوئی۔ عماد الملک چند روز بھروچ میں ٹھہرا رہا اور بادشاہ کے فرمان کے مطابق بہت سے باغیوں کو قتل و غارت کیا اور جو لوگ اس کی تلوار کا شکار نہ ہو سکے وہ آس پاس پریشانی و خستہ حالی کی صورت میں پھرتے رہے۔ بادشاہ بھی تھوڑے دنوں تک بھروچ میں رہا اور کیناییت نیز دوسرے گجرات کے شہروں کا مال و متاع' خزانہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور زبردستی چھین کر داخل خزانہ شاہی کیا اور گجرات کے لوگوں میں سے جس پر ذرا بغاوت کا شبہ ہوا اس کو فوراً قتل کر دیا گیا۔

ابھی اس فساد کی آگ ٹھنڈی بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرا اس سے بھی بڑا فتنہ خوابیدہ جاگ اٹھا۔ محمد تغلق نے زین الدین زند کو جو مجد الدین کے لقب سے مشہور تھا اور رکن الدین تھانیسری کے بیٹے کو جو اس دور کا سب سے بڑا فساد ڈھانے والا تھا ان کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ دولت آباد کے جتنے شرانگیز امراء خواہ وہ امیران صدہ ہوں یا کوئی اور انہیں گرفتار کر کے واصل جہنم کیا جائے' لیکن اپنا حکم نامہ صادر کر کے پھر بادشاہ پچھتا رہا تھا۔ اب اسے اس کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا کہ تمام سرکشوں کو اپنے سامنے بلا کر تلوار کے گھاٹ اتارے اور مجدالدین وغیرہ کے بعد بادشاہ نے ملک علی افسر جاندار اور ملک احمد لاچین کو جو امیر خسرو کے قریبی رشتہ دار تھے ان کو قتلغ خاں کے بھائی عالم الملک کے پاس اپنا حکم نامہ دے کر بھیجا' اور عالم الملک کو تحریر کیا کہ وہ اس گرد و نواح کے امیران صدہ کو ایک ہزار پانچ سو سواروں کی جمعیت سے ملک علی اور ملک احمد کے ساتھ بادشاہ کے نیاز میں بھیجے۔ عالم الملک نے رائچور' بدگل' گلبرگہ' گنگاوتی' گنجوتی' ایباغ' کلہر' بیکری' بزار' رام گیر وغیرہ مشہور شہروں کے امیران صدہ کو دولت آباد بلوا بھیجا۔ مقبوضہ ممالک کے امیروں کو بادشاہ کی سیاسی حکمت عملی اور قتل و غارت گری کی بہت سی مثالیں اور واقعات معلوم تھے اور ہر شخص اپنی جگہ پر خوفزدہ تھا۔

عالم الملک نے علی اور احمد لاچین کو عامل بنا کر ان امیران صدہ کے لانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں امیروں نے بمشکل تمام نصیرالدین تغلچی' قزلباش حاجب' حسام الدین' اسمٰعیل مخ اور حسن گانگو وغیرہ نامی گرامی امراء کو گلبرگہ میں جمع کیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر دولت آباد کی طرف بڑھے۔ جب یہ قافلہ درہ مانک پونج پہنچا جو کنج اور "دون" کے درمیان واقع ہے تو تمام امیران صدہ نے ایک مشاورتی مجلس کو تنظیم دیا کیونکہ وہ محمد تغلق کے ظلم اور تشدد سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا اس انجمن میں یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ کا اس طرح طلب کرنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اور انہوں نے سوچا کہ خود کو بھیڑ بکریوں کی طرح قصائی کے حوالہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہ صلاح کر کے عین روانگی کے وقت باغی ہو گئے اور شاہی عاملین پر حملہ کر دیا۔ احمد لاچین کو تہ تیغ کر کے اس کا

اور آکر دولت آباد پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا تمام خزانہ اور خدام ان کی ملکیت ہوگیا۔ عالم الملک کے اچھے اخلاق کا ہر ایک گرویدہ تھا اسلیے اس کو کچھ ضرر نہ پہنچایا گیا' لیکن دیگر شاہی عاملین کو موت کے گھاٹ اتارا۔ رکن الدین تھانیسری کے بیٹے کو بھی مار ڈالا اور سارا خزانہ آپس میں بانٹ لیا اور محمد تغلق کی سیاست سے بالکل بے خوف ہو کر بیٹھ رہے۔ گجرات کے باقی ماندہ امیران صدہ جو قہر سلطانی اور جلال شاہی سے ڈر کر جنگلوں میں صحراؤں میں چھپے ہوئے تھے اپنے دکنی بھائیوں کی دلیری کا حال سنکر نکل آئے اور ان میں شامل ہو گئے۔ ان تمام امیروں نے اسمٰعیل مخ کو جو بہت زیادہ عقل مند' جری اور بہادر تھا سردار بنا کر نصیرالدین اسمٰعیل کا لقب دے کر اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ محمد تغلق کو ان تمام واقعات کا حال معلوم ہوا اور وہ اسی وقت بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لے دکن کی طرف چلا۔

اسی سال بھروچ سے دولت آباد آیا۔ امیران صدہ بھی مقابلہ پر آئے ان امیروں نے بادشاہ کی فوج کے مقابلہ میں ایسی مردانگی اور شجاعت دکھائی کہ بادشاہ کی دائیں بائیں کا لشکر درہم برہم ہوگیا (میمنہ اور میسرہ) اور نزدیک تھا کہ بادشاہ کو بھی صدمہ پہنچے کہ امیران صدہ کی فوج کا افسر اعلیٰ شاہی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوگیا اور اس امیر کے قتل ہوتے ہی چار ہزار سوار میدان چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اس دوران میں رات کی سیاہی بڑھ گئی تھی اور تمام لوگ ایک دوسرے کے حال سے بے خبر ہو کر جدھر سینگ سمائے ادھر بھاگے اور ہر فریق نے میدان جنگ کے آس پاس ہی خیمہ لگا لیا۔ امیران صدہ نے ایک بار پھر مشاورتی مجلس کا انعقاد کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اسمٰعیل مخ قلعہ کے تحفظ کے لیے تھوڑا سا لشکر لے کر دولت آباد میں ٹھہرے اور دیگر باقی ماندہ امیر گلبرگہ جا کر اپنی اپنی جاگیروں کا انتظام کریں اور جب محمد تغلق دولت آباد سے واپس آکر دکن کی سرحد کے باہر ہو جائے تب یہ لوگ پھر اکٹھے ہو کر مہم کو دوبارہ سر کریں۔

اس تجویز کے مطابق محمد اسمٰعیل قلعہ دھارا میں' جہاں ضروریات زندگی کی تمام اشیاء فراہم تھیں ٹھہر گیا اور دیگر امیران صدہ میں حسن گانگو بھی شامل تھا اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ عماد الملک جو امیران صدہ سے ہار کر ندربار سلطان پور میں زندگی کے بقیہ دن گزار رہا تھا اس کو محمد تغلق نے دوسرے مشہور امراء کے ساتھ امیران صدہ کے تعاقب میں گلبرگہ بھیجا اور خود دولت آباد کے محل خاص میں قیام کیا۔ دولت آباد کے کچھ باشندوں کو امیر نوروز گرگین کے ہمراہ دہلی روانہ کر دیا اور اس کے ذریعہ فتح نامہ بھی اہل دہلی کے لیے بھیجا اور اراکین دولت کو حکم دیا کہ اس فتحنامہ کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر بلند آواز سے پڑھ کر سب کو سنا دیا جائے اور سارا شہر خوشی منائے۔

قلعہ دھارا کی تسخیر

محمد تغلق نے اب قلعہ دھارا کو فتح کرنے کا خیال کیا اور لاتعداد سپاہیوں اور پیادوں کو ساتھ لے کر قلعہ دھارا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ روزانہ چھوٹی چھوٹی لڑائیں ہوتی رہتیں اور تین مہینہ مسلسل قلعہ کے اندر اور باہر خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ انہیں حالات میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ ملک طغی نے جو صفدر الملک کا غلام ہے' فساد برپا کیا ہے اور خود بھی احمد خواجہ جہاں کا غلام تھا اور انہیں امیران صدہ کو اپنا ساتھی بنایا ہے جو پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مل کر اپنے قدم بڑھائے ہیں اور نہروالہ کو اپنا منبع بنایا اور ملک مظفر نائب شیخ معزالدین جو گجرات کا حاکم تھا اور اس کو قتل کر کے عاملوں کو گرفتار کر لیا۔ کنبایت کو بالکل برباد کر کے اب بھروچ کے قلعہ کے نیچے خیمہ لگا کر ٹھہرا ہوا ہے۔ بادشاہ کو یہ بات معلوم کر کے بہت پریشانی ہوئی۔ بادشاہ نے خداوند زادہ قوام الدین کو شیخ برہان الدین بلگرامی اور ظہیرالجیوش جیسے نامور امیروں کے ساتھ دولت آباد کے محاصرہ کے لیے چھوڑا اور خود جلد ہی گجرات کی طرف چل پڑا۔ دولت آباد میں رہنے والے دوسرے لوگوں کو بھی بادشاہ اپنے ساتھ دہلی لے چلا۔ دکن کے لوگوں نے بادشاہ کے لشکر کا پیچھا کیا اور چند ہاتھی نیز خزانہ لوٹ کر بادشاہ کے بہت سے سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بادشاہ دریائے نربدا کو پار کر کے بھروچ پہنچا طغی کو جب بادشاہ کے بھروچ پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ بھروچ سے کنبایت آگیا۔ بادشاہ نے ملک یوسف بقرا کو اس کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا۔

کنبایت کے پاس ہی بقرا اور طغی میں لڑائی ہوئی اور یوسف دوسرے نیک اور قابل اعتماد لشکریوں کے ہمراہ میدان جنگ میں مارا گیا اور

یوسف کے باقی بچے ہوئے سپاہیوں نے جا کر بادشاہ کے لشکر میں پناہ لی۔ طغی کی بغاوت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور اس نے معزالدین نیرہ اور اس کے عاملین کو قید خانے سے نکال کر اپنے خنجر کی پیاس بجھائی۔ بادشاہ اس حرکت سے غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا اور کنبایت چل دیا۔ اساول جواب احمد آباد کے نام سے موسوم ہے۔ طغی بھاگ کر یہاں چھپا بادشاہ بھی اسی کے نقش قدم پر چلتا رہا اور بہت جلد احمد آباد پہنچ گیا' طغی نے پھر احمد آباد کو چھوڑ کر نہروالا میں قیام کیا۔ بارش کی زیادتی کی وجہ سے پورا ایک مہینہ احمد آباد میں بادشاہ کو ٹھہرنا پڑا۔ اسی دوران میں خبر ملی کی طغی نے اچھی خاصی فوج اکٹھی کر لی ہے اور نہروالا سے احمد آباد کی طرف جا کر گڑھی (یہ مقام احمد آباد سے پینتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے) میں ٹھہرا ہوا ہے اور خیمہ لگایا ہے اور آمادہ پیکار ہے۔ محمد تغلق بارش کے زمانہ ہی میں اساول سے چل کر کڑی پہنچا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو طغی اور اسکے ہمراہی نشہ شراب میں چور محبان وطن کی طرح بادشاہ کی فوج کے مقابلہ پر ڈٹ گئے' لیکن چونکہ ان سرمست سپاہیوں کے ہاتھی قطار در قطار کھڑے تھے لہٰذا یہ لوگ کچھ نہ کر سکے اور بالآخر ہار کر درختوں کی جھنڈ میں چھپ گئے اور جھاڑیوں کے راستہ ہی چھپے ہوئے نہروالہ جا پہنچے۔ اس داروگیر میں جو پانچ سو سپاہی بچ رہے تھے وہ بادشاہ کے حکم کے مطابق پکڑے گئے اور سزائیں دی گئیں۔ محمد یوسف نے یوسف بقرا کے بیٹے کو باغیوں کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجا اس طرح یوسف کو پورا دن ہوگیا اور رات کو وہ ایک جگہ ٹھہر گیا۔ طغی کو فوراً" موقع ہاتھ آیا اور وہ مع اپنے متعلقین اور بال بچوں کے آگے بڑھ گیا اور نہروالہ پہنچ گیا۔ حوض سہنک کے کنارے شاہی خیمہ لگایا گیا اور بادشاہ خود گجرات کو سرسبز اور شاداب کرنے میں مشغول ہوگیا۔

صوبہ گجرات کے تمام حکمران اور راجے مہاراجے بادشاہ کے پاس آتے اور تحفہ و تحائف سے اپنی وفاداری اور نیاز مندی کا ثبوت پیش کرتے رہے ہر ایک شاہی پیش کش سے بھی مشرف کیا جاتا۔ محمد تغلق کی سعی پیہم سے گجرات کی بدحالی بالکل دور ہوگئی اور ملک میں خوشحالی اور شادابی نظر آنے لگی۔ طغی کے چند مشہور فوجی جو اپنے سردار سے جدا ہوگئے تھے اور رانہ منڈل کے دامن میں پناہ لی تھی۔ ان راجاؤں نے ان کے سر بھی کاٹ کر بادشاہ کے نیاز میں بطور خوشنودی روانہ کر دیے۔ محمد تغلق گجرات کی یہ ریشہ دوانیاں ختم کرنے کی کوشش ہی میں لگا ہوا تھا کہ اس نے سنا کہ دکن کے ان امراء نے جو بادشاہ سے ہار کر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے' پھر یک جا ہو کر حسن گانگو کی سرکردگی میں بغاوت کی آگ بھڑکائی ہے اور شاہی مشیر عمادالملک کو تلوار کے گھاٹ اتار کر خداوند زادہ قوام الدین اور ملک جوہر اور ظہیر الجیوش تمام سرکاری عاملوں کو خستہ حال اور پریشان کر دیا ہے اور وہ مالوے کی طرف فرار ہوگئے ہیں۔ اسمٰعیل مخ نے بھی دولت آباد کے قلعے کو چھوڑ دیا اور ان امراء کے گروہ میں شامل ہوگیا۔ اسمٰعیل نے حکمرانی کی ذمہ داری سے استعفیٰ دے دیا اور امیران صدہ نے حسن گانگو کو سلطان علاء الدین کا لقب دے کر دکن کا حکمران مان لیا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بہت تکلیف ہوئی مگر وہ بخوبی سمجھ گیا کہ یہ چند روزہ سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے جس نے نہروالہ میں بادشاہ کے ظالم ہاتھوں کو رعایا کے خون سے ہولی کھیلنے پر مجبور کیا۔

محمد تغلق نے چند روزہ سیاسی حکمت عملی سے پناہ مانگی اور باز آیا۔ ملک فیروز' خواجہ جہاں' ملک غزنین' صدر جہاں اور امیر رفیعہ وغیرہ مشہور اراکین سلطنت کو انکے لشکروں کے ساتھ حسن گانگو کو تہہ تیغ کرنے کے لیے دہلی سے اپنے پاس بلایا' مگر محمد تغلق کو دکن کے اخبارات سے یہی اطلاعات موصول ہوئیں کہ حسن گانگو نے ایک بہت بڑی جمعیت اکٹھا کر لی ہے اور بہت طاقتور ہوگیا ہے۔ ان خبروں نے بادشاہ کو خوفزدہ کر دیا اور اس نے امراء کا اس معرکہ کو سر کرنے کے لیے بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور پکا ارادہ کر لیا کہ گجرات کی مہم سر کرنے اور کرنال کو فتح کر کے پھر خود ہی حسن گانگو کو تہہ تیغ کرنے کے لیے جائے گا۔ گجرات میں بادشاہ دو سال تک ٹھہرا رہا۔ پہلا سال تو فوج کو منظم کرنے اور نئے سپاہیوں کو فوج میں رکھنے کا کام کرتا رہا اور دوسرے سال کرنال کو فتح کر لیا۔ کرنال کے تمام مکھی' باج گزار بھی بادشاہ کے فرمانبردار ہوگئے۔ کنکار دیو جو کہ کا راجہ تھا' وہ بادشاہ کی ماتحتی میں آگیا۔ اسے شاہی مہربانیوں سے مشرف کیا گیا۔ نظام الدین احمد

لیکن یہ بات درست مانی جاتی ہے کہ محمود شاہ گجراتی کے علاوہ کسی اور حاکم وقت نے کرنال کے قلعہ کو فتح نہیں کیا' بلکہ محمد تغلق نے بھی راجہ کی فرمانبرداری ہی کو غنیمت سمجھا اور اسے فتح کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

علامہ ضیاء الدین برنی کہتے ہیں کہ اسی دوران میں ایک دن محمد تغلق نے ان سے کہا کہ اس کی سلطنت کے ہر عضو میں طرح طرح کے امراض پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر ایک مرض کا علاج کیا جاتا ہے تو دوسرا مرض بڑھ جاتا ہے' چونکہ مولانا برنی نے بہت سی تاریخی کتب کا مطالعہ کیا تھا لہٰذا بادشاہ نے ان سے اس کا جواب چاہا۔ مورخ برنی نے جواب دیا کہ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ اگر کسی حکمران سے اس کی رعیت نفرت کرے اور ملک میں سرکشی اور بغاوت پھیل جائے تو بادشاہ کے لیے چارہ کار یہی ہے کہ بھائی یا اپنے بیٹے کو جانشین کر دے اور خود گوشہ گیر ہو جائے۔ اگر وہ مسند حکومت چھوڑنا مناسب نہ سمجھتا ہو تو ان باتوں سے دور رہے جو رعایا میں نفرت کے جذبات کو اجاگر کرتی ہیں۔ بادشاہ نے ضیائے برنی کو جواب دیا اس کا نہ کوئی بیٹا ہے جو جانشینی کے فرائض انجام دے سکے اور نہ وہ خود ہی ملکی سیاست سے الگ ہو سکتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے اس کی اس کو پروا نہیں۔

شود شود نشود گو مشوچہ خواہد شد

المختصر کونڈل میں بادشاہ بیمار پڑا جو کرنال سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے اس سے پہلے کہ بادشاہ کونڈل پہنچے اس کو معلوم ہوا کہ ملک کبیر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس نے خواجہ جہاں اور عماد الملک وزیر کو دہلی بھیج دیا اور مخدوم زادہ نیز دیگر اراکین سلطنت کو دہلی سے اپنے پاس بلا لیا۔ بادشاہ کونڈل پہنچا اور دہلی کے امراء مع اپنے خدام و مال و متاع شاہی کے بادشاہ کے نیاز میں آئے۔ اس نے دکن کا معرکہ سر کرنے کے لیے لشکر سجایا اور صحت یاب بھی ہوگیا۔ محمد تغلق نے دیپالپور' ملتان' اچھ' سیوستان سے کشتیاں ٹھٹھ کی طرف لگائیں اور کونڈل ہوتا ہوا لب دریا تک پہنچا۔ طغی کو تہ تیغ کرنے کے لیے دریا کے کنارے دوسری طرف آیا اور مع لشکر اور ہاتھیوں کے دریا کے دوسرے کنارے خیمہ نصب کیا۔ امیر فرغن نے پانچ ہزار مغل سپاہیوں کی فوج محمد تغلق کی مدد کے لیے التون بہادر کے ہاتھ بھیجی وہ اسی عرصہ میں پہنچ گیا۔ امراء اور سپاہیوں پر شاہانہ کرم کی بارش ہوئی اور سومرہ کے گروہ کو جنہوں نے طغی کو پناہ دی تھی' سمجھانے کے لیے ٹھٹھ بھیجا۔ بادشاہ نے پینتیس کوس ہی کا راستہ طے کیا تھا کہ عاشورہ کا دن آگیا۔ بادشاہ نے عادت کے موافق روزہ رکھا اور افطار کے وقت تازہ مچھلی کھائی اور پرانا مرض بخار عود کر آیا۔ بادشاہ نے بخار کی مطلق فکر نہ کی اور کشتی میں سوار ہو کر سفر کی منزلیں طے کرتا رہا۔ جب ٹھٹھ کا چودہ کوس کا فاصلہ رہ گیا تو بادشاہ ٹھہر گیا۔ مرض رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا بخار کی گرمی سے بے چینی اور پریشانی بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اکیس محرم ۷۵۲ھ کا آخری دن تھا اور محمد تغلق ساہری' پر ہیبت' شان و شوکت رکھنے والا حکمران ختم ہوگیا۔ اس نے عین نزع کے وقت یہ اشعار کہے۔

بسیار دریں جہاں چمیدیم بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپان بلند برنشستیم ترکان گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط و آخر چوں قامت ماہ نو خمیدیم

اس بادشاہ نے ستائیس سال تک حکمرانی کی۔

فیروز شاہ تغلق

سیاسی ابتری

مورخین کا خیال ہے کہ فیروز شاہ محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا محمد تغلق کا ہمیشہ سے ہی یہی خیال تھا کہ فیروز شاہ کو جانشین بنائے گا۔ محمد تغلق کے دوران حکومت میں فیروز شاہ نے دل و جان سے اس کی تیمارداری کی اور اپنی وفا شعاری اور ہمدردی سے بادشاہ کے بیمار دل میں جگہ قائم کر لی۔ بادشاہ کا تصور یقین تک پہنچ گیا اور اس نے علالت کے زمانہ میں ہی اپنی زبان سے فیروز شاہ کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ محمد تغلق کی وفات کے بعد فوج میں بہت بد انتظامی بڑھ گئی' لیکن فیروز شاہ اور دیگر خیر خواہان سلطنت نے اپنے اچھے انتظام سے فوجی بد نظمی کو دور کر دیا۔ سلطنت کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو ختم کرنے میں مصروف ہوگئے۔ سب سے اول تو ان لوگوں نے قزغن سے جو شاہی کمک آئی تھی اس کو واپس جانے کا حکم دے دیا کہ التون بہادر اس کی فوج اور امراء کا ہندوستان میں زیادہ قیام کرنا مناسب نہیں' کیونکہ ایسا نہ ہو کہ ہندی اور قزغنی سپاہیوں میں باہم کچھ بدمزگی پیدا ہو جائے اور پھر اس کا سدباب بہت مشکل ہو۔ ان حلیف امراء کو سمجھا دیا گیا کہ شاہی لشکر کے مہم پر جانے سے قبل ان کا اپنے وطن کی طرف چلا جانا بہت ضروری ہے اور یہی مصلحت اندیشی ہے۔

نوروز گرگین کی بغاوت

التون بہادر نے بھی اس صلاح کو مصلحت آمیز سمجھ کر خیمہ اور ڈیرے اٹھائے اور وہاں سے چل کر پانچ کوس کے فاصلہ پر ٹھہر گیا تو مبشر خان کا داماد جو محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا تھا اور آکر شاہی امرا میں شامل ہوگیا تھا وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر التون بہادر کے پاس جا پہنچا کیونکہ اس پر بغاوت اور سرکشی کا بھوت سوار تھا۔ اس نے التون بہادر سے کہا کہ یہ حقیقت عیاں ہے کہ ہندی حکمران اب دنیا میں نہیں ہے اور لشکر ہند بے دولہا کی بارات معلوم ہو رہا ہے۔ بادشاہ محمد تغلق کا ولی عہد کوئی اب تک نہیں مقرر کیا گیا۔ وہ اپنے اپنے کاموں میں بے حد سرگرداں ہیں۔ سپاہیانہ شان تو یہی ہے کہ کل جب دہلی کی فوج روانہ ہو ہم شاہی خزانہ تک پہنچ کر زر و مال اور نقدی جو ہاتھ لگے وہ حاصل کر لیں۔ التون بہادر اس کی مکارانہ گفتگو میں شامل ہوگیا۔ دوسرے دن جب لشکر شاہی سچ مچ بے حکمران کی فوج بن کر آگے بڑھی تو طے شدہ منصوبہ کے تحت التون اور نوروز نے شاہی لشکر پر حملہ کر دیا اور خزانے کے چند صندوقوں کو جو اونٹ پر لد کر جا رہے تھے انہیں اپنے قبضہ و تصرف میں کر لیا۔ بہت سے لونڈی اور غلام بھی ان باغیوں نے پکڑ لیے' خونریزی اور قتل عام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ تغلقی امراء نے بہت مشکلوں اور خوف و ہراس میں راستہ ختم کیا اور جیسے تیسے کوشش کر کے سیوستان جس کو عام طور پر سہوان کے نام سے پکارا جاتا ہے' پہنچے۔ اس برباد شدہ قافلہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور خزانے کو بچانے میں ایسے لگے کہ اپنے آپ پر کھانا اور سونا حرام کر لیا۔ دوسرے دن مخدوم زادہ عباسی اور حضرت شیخ نصیر الدین محمد چراغ اور دیگر علماء اور اولیاء نیز اراکین سلطنت کی ایک جمعیت باہم صلاح و مشورہ کر کے ملک فیروز باربک کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

فیروز تغلق کی جانشینی

ان ارکان نے مرحوم سلطان کے منتخب کردہ ولی عہد سے کہا کہ محمد تغلق نے اپنے مرتے وقت ہی فیروز شاہ تغلق کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا تھا اب اس وقت یہی وقت کا تقاضا ہے کہ سلطنت کے کاموں کو معرض التواء میں نہ ڈالا جائے اور بادشاہ کا ولی عہد تخت پر مسند

شریفین کا عزم ظاہر کیا اور مسند نشینی سے انکار کر دیا۔ اس نے بتیرا انکار کیا لیکن ان امراء و علما نے اس کی ایک نہ سنی اور اس پاک طینت' نیک نیت حکمران کو مجبور کر دیا۔

۲۳ محرم ۷۵۲ھ میں فیروز شاہ نے علماء اور اراکین سلطنت کے اصرار پر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ مسند نشینی کے وقت بادشاہ تقریباً" پچاس سال کا تھا۔ تخت نشینی کے پہلے ہی دن بادشاہ نے ہزاروں مخلوق خدا کو جو ٹھٹھہ میں نظر بند تھے ان کو روپیہ لے کر مول لے لیا اور تخت نشینی کے تیسرے دن بہت تزک و احتشام سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلا۔ راہ میں مغلوں اور ٹھٹھ کے باغی گروہ جلوس شاہی کو روکتے تھے لیکن جیسے ہی یہ حملہ کرتے شاہی سپاہی انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ چنانچہ مغل سرداروں کے لاتعداد سپاہی قتل کر دیے گئے۔ امیر نوروز اور التون بہادر نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی اور مزید ٹھہرنے کی قوت نہ پا کر جلدی ہی اپنے وطن چلے گئے۔ قوم ٹھٹھ کا وہ گروہ جو طغی کی سرکردگی میں فساد و بغاوت کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اپنی بساط کو سمجھ گیا اور قدم بڑھانے سے باز آیا۔ فیروز شاہ کی تخت نشینی رعایا کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہوئی۔ سلطنت میں فارغ البالی اور رعایا کو آرام ملا۔ بادشاہ سفر کی منازل طے کرتا ہوا سیوستان ککھر پہنچا۔ درویشوں' امیروں اور اراکین سلطنت کو انعام میں شمشیر و خلعت واسپ عطا کیے۔ باشندگان ککھر بھی بادشاہ کے الطاف و کرم سے شاداں ہوئے۔

فیروز محمد تغلق نے پہلے بادشاہوں کے تمام فرمان کو اسی حالت میں رہنے دیا اور انہیں کو ملک میں رائج کیا۔ جو لوگ قندھار' سیستان' خراسان' عراق' مصر اور بغداد سے سلطان محمد تغلق کے دربار سے وظائف اور مالی امداد کی خواہش لے کر آئے تھے' بادشاہ نے ان لوگوں کو حسب دلخواہ انعام و اکرام دیا اور وطن واپس بھیج دیا۔ خداوند عماد الملک اور امیر علی غور نافرمانبردار طغی کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجے گئے بادشاہ خود اچھ چلا گیا۔ وہاں کے علمائے کرام اور مشہور مستحق لوگوں کو شاہانہ تحفہ تحائف اور انعامات دیے۔ اسی دوران میں اس کو پتہ چلا کہ خواجہ جہاں جو محمد شاہ تغلق کا خسر اور نوے سال کا بڈھا آدمی تھا۔ اس نے ایک چھ سال کے معمولی خاندان کے لڑکے کو غیاث الدین کا خطاب دے کر اور سلطان محمد تغلق کا صلبی فرزند تصور کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ خواجہ جہاں نے اراکین شہر اور عمائدین کو اپنی صلاح میں شامل کر لیا اور اپنے لیے مددگاروں کا ایک اچھا خاص گروہ بنایا۔ بادشاہ نے ان کی اس حرکت کو بڑھاپے پر محمول کیا کہ بڑھاپے میں آدمی سٹھیا جاتا ہے اور ایک معافی نامہ خواجہ جہاں کے نام سے لکھ کر ہاتھیوں کے کوتوال کے ہاتھ دہلی بھجوایا اور خواجہ جہاں کو ملامت کی۔ کہ آیندہ ایسی خود سری نہ کرے جو رعیت کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔ بادشاہ آگے قدم بڑھاتا ہوا چلا اور سفر کی منازل طے کر کے دیپالپور میں ٹھہرا۔ دیپالپور سے ایک ایک منزل طے کرتا ہوا اور آرام کرتا ہوا اجودھن پہنچ گیا۔ حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جبیں سائی کرتا فیض یاب ہوتا ہوا حضرت بابا صاحب کے جانشینوں ان کے متعلقین اور خدام کو انعام و اکرام اور دوسری شاہانہ کرم فرمائیوں سے سرفراز کرتا ہوا فیروز شاہ اجودھن سے چل پڑا اور راستہ میں ملک قبول عماد الملک وزیر سلطنت نے اپنی جاگیر سے بادشاہ کا نیاز حاصل کیا۔

فیروز شاہ نے عماد الملک کو جڑاؤ خلعت' عہدہ وزارت اور خان جہاں کا لقب مرحمت فرمایا اور اس کی عزت کو بہت بڑھا دیا۔ بادشاہ ہانسی کے گرد و نواح میں پہنچا اور سید احمد ایاز نے ان اراکین کو اپنا ایلچی بنا کر فیروز شاہ کے نیاز میں بھیجا۔ جن کے نام یہ ہیں۔ سید جلال ترمذی' ملک حمید الدین بکھی' مولانا نجم الدین اور داؤد خان خانہ زاد وغیرہ اور بادشاہ کو یہ پیغام بھیجا کہ حکومت کو آج بھی خاندان تغلق سے تعلق ہے۔ لہٰذا اگر جہاں پناہ خود حکمرانی چھوڑ کر سلطنت محمد تغلق کے ولی عہد کے ہاتھ میں دے دیں اور خود صرف نائب کی حیثیت سے کام کریں تو عین خوشی اور مسرت کا باعث ہوگا۔ فیروز شاہ نے محمد تغلق کے تمام امراء اراکین سلطنت کو جمع کیا اور کہا کہ تم لوگوں کو ہمیشہ بادشاہ کا قرب حاصل رہا ہے اور تم اس کا ہر راز جانتے ہو۔ مجھے صحیح طور پر بتاؤ کہ بادشاہ نے اپنا کوئی تخت نشین چھوڑا ہے یا نہیں کہ میں

خود تخت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اپنا فرض سمجھوں- تمام درباریوں نے یک زبان ہو کر کہا بادشاہ کے کوئی بیٹا نہیں ہے اور وراثت اور وصیت کی رو سے دونوں طرح فیروز تغلق سلطنت کا حقدار ہے- اس مجلس میں شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی' مولانا کمال الدین سمانہ اور مولانا شمس الدین بخرزی جیسے مشہور زمانہ علماء اور مشائخ موجود تھے- بادشاہ نے ولی عہدی کے متعلق ان بزرگوں سے بھی گفت و شنید کی- مولانا کمال الدین نے جواب میں فرمایا جس کے ہاتھوں کام کا آغاز ہوا وہی کام کو انجام پر پہنچائے تو بہت ٹھیک ہے- مولف فرشتہ کا کہنا ہے کہ علماء کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ جہاں نے جس بچے کو تخت پر جانشین بنا کر بٹھایا تھا' وہ قطعی بادشاہ کا بیٹا ہوگا- اس لیے کہ ان علماء نے محمد تغلق کے لاولد ہونے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا اور نہ گواہی دی بلکہ ایک دوسرے ہی مسئلہ کو چھیڑا اور بات ختم-

جانشینی کا فیصلہ

الحتصر فیروز تغلق نے احمد ایاز کے قاصدوں کو گرفتار کر لیا اور ملازموں کی جماعت میں سے داؤد خان زاد اور مولانا زادہ کو خواجہ جہاں کے پاس تنبیہہ کے لیے روانہ کیا کہ وہ اس فعل سے الگ رہے- داؤد خان زادہ کے بعد اکثر امراء جن میں ملک نتھو حاجب اور ملک حسن ملتانی وغیرہ جو خواجہ جہاں کے رفیق بھی رہ چکے تھے اور جو اس کی صلاح بندی کے سلسلہ میں اس سے روپیہ بھی وصول کر چکے تھے' فیروز تغلق کے پاس آکر اس کے درباریوں میں شامل ہو گئے- اسی عرصہ میں طغی مارا گیا اور اس کے قتل کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی-

فتح خان کی ولادت

تھوڑے ہی عرصہ میں بادشاہ کے گھر میں تخت و تاج کے وارث نے جنم لیا اور شہزادہ فتح خاں کی پیدائش نے بادشاہ کے اقبال کو بڑھایا اور اس کو سربلند کیا- خواجہ جہاں کو اب خیال ہوا کہ اس کی اس حرکت کا انجام اچھا نہ ہوگا لہذا وہ بہت نادم ہوا اور بادشاہ کے حضور میں بازیابی کا ارادہ کر لیا- خواجہ جہاں نے اشرف الملک خلجی اور ملک حسین مرزا کو اپنے گناہوں کو معاف کرانے کے لے بادشاہ کے نیاز میں بھیجا- بادشاہ نے جان بخشی کی اور خواجہ جہاں مع اپنے ساتھیوں کے سر منڈا ہوا ننگا بدن' پگڑی گلے میں لٹکائے ہوئے دربار شاہی میں حاضر ہوا- بادشاہ نے اس کو ہانسی کے کوتوال کے ہاتھ میں دے دیا اور ایک ساتھی کو جلا وطن کر کے سرہند بھیج دیا اور دوسرے ہی خواہ شیخ زادہ بطائی کو دیس سے نکالا ہی دے دیا-

فیروز تغلق کا کردار

اس قصہ کے بعد دوسری رجب ۷۵۲ھ میں سلطنت دہلی کے تخت پر بیٹھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے نہایت کامیاب حکمران کی طرح حکومت کی- عدل و انصاف اس کے خاص جوہر تھے- اس کے دور حکومت میں ساری رعیت کی خواہشیں پوری ہو گئیں- ملک میں خوشحالی اور شادابی پھیل گئی- بادشاہ نے تمام امراء اور ارکین سلطنت کو حسب مقدور عہدے اور القاب دیے- حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے شیخ صدر الدین کو شیخ الاسلام کا لقب عطا فرمایا- خداوند زادہ قوام الدین کو خداوند حالی کا لقب دیا گیا- اور وکیل داری کا عہدہ عطا کیا اور سیف الملک کو داروغہ شکار گاہ مقرر کیا اور خداوند زادہ عماد الملک کو داروغہ اسلحہ جات بنایا گیا- اس زمانہ میں ان شہزادوں کو خداوند زادہ کہتے تھے جو سلاطین غور کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور وہ شاہی امراء جو خلفائے عباس کی نسل سے تھے انہیں مخدوم زادہ کا لقب دیا گیا- عین الملک کو "مشرف دیوان" مقرر کیا گیا اور ملک حسین کو عہدہ مستوفی الملک عطا کیا گیا- ۵ صفر ۷۵۳ھ کو بادشاہ سرمور پہاڑ کی طرف گیا- اس سفر کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا بلکہ شکار کے لیے کیا تھا- سرمور اور اس کے آس پاس کے اکثر

ولادت محمد خاں

اسی سال نو جمادی الاول کو بروز دو شنبہ دہلی میں شہزادہ محمد خاں کی ولادت ہوئی۔ بادشاہ نے عیش و عشرت کے شادیانے بجوائے اور جشن منائے گئے۔ ۷۵۴ھ میں بادشاہ شکار کھیلتا ہوا کلانور پہاڑ کی وادی میں جا پہنچا اور دریائے سرستی کے ساحل پر اونچی اونچی عمارتیں بنوائیں۔ شوال ۷۵۴ھ میں بادشاہ نے سلطنت کے تمام اختیارات مع نیابت شاہی عطا کر کے دہلی میں چھوڑا اور خود حاجی الیاس کو قتل کرنے کے لیے لکھنوتی کی طرف بڑھا۔

مہمات

حاجی الیاس نے بادشاہ سے بغاوت کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور بنارس تک حکمرانی کر رہا تھا۔ بادشاہ گورکھ پور پہنچا وہاں کے راجہ ادوے سنگھ نے شاہی ملازمت حاصل کر لی اور بادشاہ کو دو زنجیر فیل اور دوسرے قیمتی تحائف دیے۔ رائے کپور نے بھی تمام بقایا خراج ادا کیا اور دونوں رئیس بھی بادشاہ کے ہمراہ لکھنوتی کے معرکہ پر روانہ ہوگئے۔ فیروز شاہ منزل بہ منزل سفر طے کرتا ہو پنڈوہ کے گرد و نواح میں پہنچا۔ یہ مقام حاکم بنگالہ کی راجدھانی تھی حاجی الیاس بادشاہ کے پہنچنے پر بہت گھبرایا اور پنڈوہ چھوڑ کر ایک موضع میں بھاگ گیا یہ قصبہ "کدالہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور چونکہ کدالہ کے ایک طرف جنگل اور دوسری طرف پانی تھا۔ لہٰذا یہ جگہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے سر چھپانے کے لیے بہت مناسب تھی۔ بادشاہ نے پنڈوہ کی رعایا کو بالکل نہ چھیڑا اور شہر کو سابقہ حالت پر چھوڑ کر ساتویں ربیع الاول کو کدالہ پہنچ گیا۔ اسی دن قتل، غارت گری کا بازار گرم ہوا جنگ عظیم ہوئی اور ۲۹ ربیع الاول کو بادشاہ کے لشکر نے دریائے گنگا کے ساحل پر اپنا خیمہ نصب کیے۔ پانچویں ربیع الاخر کو بادشاہ نے لشکر گاہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور وہاں گندگی اور غلاظت سے بیزار ہو کر خود دوسری جائے قیام کی تلاش میں نکلا۔ حاجی الیاس کو شمس الدین کے نام سے پکارا جاتا ہے اس نے اس خیال سے شاہی لشکر پر حملہ کر دیا کہ شاید بادشاہ واپس جا رہا ہے اور چند عجیب و غریب پریشان کن حرکتیں کر کے پھر حصار قلعہ میں واپس چلا گیا۔ حاجی الیاس کے چوالیس ہاتھی، چتر و علم اور دوسرے لوازم بادشاہ کے قبضہ و تصرف میں آ گئے۔ حاجی کی فوج کے بہت سے سپاہی تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے اور بہت سے سپاہی گرفتار کر لیے گئے۔ بادشاہ نے فتح حاصل کر کے وہیں قیام کیا اور لکھنوتی کے قیدیوں کی رہائی کے لیے حکم نامہ جاری کر دیا۔

چونکہ بارش کا موسم آ گیا تھا اور بنگال میں اس کثرت سے بارش ہوتی تھی کہ کاشتکاری کے تمام کام بند ہو جاتے تھے لہٰذا بادشاہ نے بھی زیادہ دنوں تک قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور یہ خیال کر کے کہ دشمن کے ساز و سامان پر قبضہ بھی تو ایک طرح کی فتح ہوتی ہے۔ اس سال اسی پر اکتفا کی اور کہا کہ آئندہ سال سرکش کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا، دہلی کے لیے عزم سفر کیا۔

۷۵۵ھ میں دہلی کے نزدیک دریائے جمنا کے ساحل پر فیروز آباد بسایا۔ سات شعبان ۷۵۵ھ کو شکار کھیلنے کی غرض سے دیپالپور گیا۔ اس نے دریائے ستلج سے ایک نہر نکالی اور اور جھجھر کے قصبہ تک جو نہر نکلنے کی جگہ سے اڑتالیس کوس ہے اس شاخ کو لے آیا اور ۷۵۷ھ میں دریائے جمنا سے ایک شاخ سرمور پہاڑ اور بند دی کی طرف نکالی اور اس شاخ میں سات نہریں ملا کر اس وسیع نہر کو ہانسی تک لے گیا۔ ہانسی سے یہ نہرالبین لائی گئی اور یہاں پر ایک بہت مضبوط قلعہ بنوایا گیا اور بادشاہ کے نام پر "قلعہ فیروز" اس کا نام رکھا گیا۔ اس قلعہ کے نیچے ایک تالاب بنوایا گیا جو اسی نہر کے پانی سے ہر وقت بھرا ہوا رہتا ہے دریائے گھاگھرا سے ایک ندی نکالی گئی یہ نہر سرستی کے قلعہ سے ہوتی ہوئی نہر سرکتھرا میں جا کر مل گئی۔ ان دونوں نہروں کے سنگم پر ایک نیا شہر بسایا گیا جس کا نام فیروز آباد رکھا گیا۔ اس کے علاوہ جمنا کے پانی سے ایک نئی شاخ نکالی گئی اور فیروز آباد کے تالاب میں اس نئی نہر کا پانی گرایا گیا۔

خلیفہ عباسیہ کا فرمان نیابت

ذی الحجہ کے مہینہ میں ۷۵۷ھ میں خلیفہ عباسی الحاکم بامر اللہ ابوبکر بن ابی ربیع بن ابی سلیمان مصر کے حکمران کی طرف سے خلعت

نیابت اور فرمان سلطنت بادشاہ کے نام آیا۔ اسمیں مصر کے حکمران نے شاہان بہمنہ دکن کی فیروز شاہ سے بہت سفارش کی تھی اسی عرصہ میں حاجی الیاس جس کا نام شمس الدین تھا۔ لکھنوتی کے حکمران کے ایک عریضہ کے ساتھ بیش قیمت تحفہ تحائف لے کر فیروز تغلق کے حضور میں آیا۔ اس عریضہ میں حاکم لکھنوتی نے صلح و آشتی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بادشاہ نے حاجی الیاس کی درخواست منظور کرلی اور اس دن سے دکن اور بنگالہ شاہان دہلی کے اقتدار سے باہر ہوگئے اور صرف تحفہ تحائف بھیجنے کی حد تک تعلقات کا انحصار رہا۔ ۷۵۸ھ میں ظفر خاں فارسی سنار گاؤں سے آکر نائب مقرر ہوگیا۔ ۷۶۹ھ میں شمس الدین شاہ لکھنوتی نے چند پیغامبر بادشاہ کے حضور میں روانہ کیے اور ان قاصدوں کے ذریعہ قیمتی قیمتی تحفہ تحائف اور ہدیے بھیجے۔ بادشاہ نے ان پر خلوص تحفوں کو بہت خوشی سے منظور کرلیا اور اس کے عوض حاجی الیاس کو ترکی اور تازہ گھوڑے نیز ریشمی کپڑے روانہ کیے۔ لیکن یہ تحفے ابھی بردار بہار ہی میں تھے کہ حاجی الیاس کے انتقال کی خبر سنائی دی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بدلہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوگیا اور لکھنوتی کا حاکم مان لیا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ گھوڑے تو ہماری فوج کو ان کے مواجب کے صلہ میں دے دیے جائیں اور دوسرے بیش قیمت تحائف شاہی دربار میں واپس کر دیے جائیں اسی سال بادشاہ نے شکار کھیلنے کے لیے دیپالپور کا سفر اختیار کیا۔ شکار گاہ ہی میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ مغلوں کا ایک گروہ دیپالپور کے نزدیک آ گیا ہے۔ بادشاہ نے ملک قبول کو ان لوگوں کی تنبیہہ کے لیے بھیجا مگر ابھی وہ منزل مقصود پر پہنچا بھی نہ تھا کہ مغل ملک لوٹ کر تباہ و برباد کر کے لوٹ گئے۔

۷۶۰ھ میں فیروز شاہ نے خاں جہاں کو اپنا نائب بنا کر دہلی چھوڑا اور خود لکھنوتی روانہ ہوا۔ تاتار خاں اس دور میں سرحد غزنی کا سب سے معزز حاکم (عامل) مقرر کیا گیا۔ بادشاہ ظفر آباد پہنچا تو برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا بادشاہ بدرجہ مجبوری یہاں ٹھہر گیا تھا۔ اسی دوران قیام میں شیخ زادہ بسطامی جس کو پہلے دیس نکالا دیا گیا تھا۔ خلیفہ مصر سے خلعت لے کر پھر واپس لوٹا تھا بادشاہ نے شیخ زادہ کو اعظم الملک کا خطاب دیا۔ فیروز شاہ ابھی ظفر آباد ہی میں قیام پذیر تھا کہ اس نے ایک پیغامبر سکندر خاں حاکم لکھنوتی کے پاس بھیجا۔ شاہی پیغامبر پانچ زنجیر فیل اور دیگر تحفہ تحائف لے کر بادشاہ کی خدمت میں واپس آیا۔ سکندر خاں کے ان تحفوں اور ہدیوں کا بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوا بارش ختم ہوتے ہی وہ لکھنوتی کی طرف روانہ ہوگیا۔

شہزادہ فتح خاں کی تعلیم و تربیت

بادشاہ نے اپنے فرزند شہزادہ فتح خاں کو سراپردہ سرخ اور ہاتھی عطا کیا۔ اس کے نام کا خطبہ، سکہ اور گرز جاری کر کے اس کا مکتب الگ قائم کیا۔ بادشاہ نے صاحبزادے کو فرش خانہ چتر لعل اور تمام سرمایہ سلطنت عطا کر کے امراء اور منصبداروں کو اسکے لیے رکھا اور اتالیق اساتذہ اور انتظام کرنے والے جو نہایت باادب ہوں بادشاہ نے شہزادے کے لیے مقرر کیا۔ شہزادہ فتح خاں گو بہت چھوٹا تھا مگر پھر بھی اپنا وقت کھیل تماشوں میں برباد نہ کرتا اور صبح سے لے کر دس بجے دن تک اور شام سے رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتا۔ مجلس علم میں بہت سنجیدہ اور سواری میں بہت تیز تھا۔ بڑے سے بڑا اہم اور مشکل کام اس کے مصاحب اس کے سامنے رکھتے اور یہ نو عمر شہزادہ ان مقدمات کا اس خوبی سے فیصلہ کرتا کہ دربار کے بڑے بڑے عقلا حیرت میں انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

شہزادے کے صبر و تحمل کی مثال ہے کہ ایک دن اس کو صبح نیند آنے لگی۔ شہزادہ مدرسے سے محل کی طرف چلا راستے میں ایک ضعیفہ نے فریاد کی کہ اس کا شوہر اور بیٹا سنار گاؤں سے پنبہ مال اسباب خرید کر لا رہے تھے کہ فتنہ گروں نے ان کا مال لوٹ لیا اور یہ دونوں اسی بدشگونیات میں شاہی لشکر تک پہنچے لیکن شاہی سپاہیوں نے انہیں جاسوس سمجھ کر گرفتار کر کے نظربند کر دیا۔ بوڑھی عورت نے اپنی ... نانی اور دادا جانی۔ شہزادہ نے بوڑھی عورت سے کہا کہ وہ اپنے دعوی کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایسے دو شاہد لائے جو قابل ...

پھر دوبارہ شہزادے تک آنا بہت دشوار ہو جائے گا۔ شہزادہ ہنسا اور کہا کہ تم جا کر گواہ لاؤ میں یہیں کھڑا ہوا ہوں' بڑھیا اطمینان کے ساتھ چلی گئی سلطنت ہند کا نگہبان تخت و تاج کا حکمران کڑی دھوپ میں تپتے ہوئے میدان میں کھڑا رہا۔ لوگوں نے بار بار کہا کہ کسی درخت کے سایہ میں آرام کریں' شہزادے نے جواب دیا کہ ضعیفہ اسی جگہ پر آئے گی اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے لہٰذا اس جگہ سے سرمو تجاوز کرنا وعدہ خلافی ہوگی اور ایفائے عہدہ نہ کرنا بادشاہوں کے لیے سب سے بڑا عیب ہے۔ مختصر یہ کہ شہزادہ اسی صورت دھوپ میں کھڑا رہا کہ ضعیفہ اپنے گواہ کو لے کر حاضر ہوئی۔ گواہوں کے بیان سے ضعیفہ کے وعدہ کی سچائی ظاہر ہوگئی۔ شہزادہ گواہوں اور بڑھیا کو لے کر اپنے باپ کے دربار میں داد خواہی کے لیے حاضر ہوا۔

دربار میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ ہنوز آرام فرما رہا ہے۔ شہزادے نے بادشاہ کے بیدار ہونے کا انتظار کیا کافی دیر بعد بادشاہ جاگا اور شہزادے نے بڑھیا کا سارا حال بیان کیا اس کے خاوند اور بیٹے دونوں کو قید سے رہائی دلائی اس قصہ کو پورا کرا کے شہزادہ محل میں آیا۔ دس بجے دن کا کھانا اس نے سہ پہر کے وقت کھایا۔ فیروز شاہ ظفر آباد سے پنڈوہ پہنچ گیا۔ سکندر خاں بھی باپ کے نقش قدم پر چلا اور اکدالہ میں قلعہ بند ہوگیا بادشاہ نے قلعہ کو گھیر لیا۔ سکندر خاں نے پریشان ہو کر اڑتالیس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت تحفے تحائف بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور صلح چاہی۔ بادشاہ نے سکندر خاں سے صلح کر کے اکدالہ سے جونپور کی طرف کوچ کیا۔ دوسری برسات کا پورا موسم یہیں رہ کر گزار دیا۔ جونپور سے فیروز شاہ جاجنگر روانہ ہوا۔ یہاں سے سنکرہ پہنچا اور شہر کو فتح کر لیا۔ وہاں کا حکمران راجہ سرودمن اس سے ڈر کر بھاگ گیا اور بہت دور جا کر ایک مقام پر ٹھہرا۔ راجہ کی بیٹی شکر خاتون گرفتار ہوئی۔ بادشاہ نے اس کو اپنی منہ بولی بیٹی بنا لیا اور امن و امان سے اس کو رکھا اور آگے بڑھا۔ دریائے سندری کو پار کر کے جاجنگر کے صدر مقام بنارس شہر میں پہنچا۔ راجہ جاجنگر تلنگانہ کی طرف فرار ہوگیا اور بادشاہ بھی وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ راستہ میں بادشاہ نبیر تھان کی راجدھانی میں ہو کر گزرا اس نے سینتیس ہاتھی مع عمدہ عمدہ تحفوں کے پیش خدمت کیے اور جان کی پناہ چاہی۔ بادشاہ نے اس کی خواہش پوری کر دی اور پھر وہاں سے پدماوتی پہنچا۔ یہ جنگل خاص ہاتھیوں کے رہنے کا تھا بادشاہ نے یہاں دو ہاتھیوں کو جان سے مار ڈالا اور تینتیس ہاتھیوں کو زندہ ہی پکڑ لیا۔ ۷۶۳ھ میں بادشاہ سلامتی کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ پدرو کے پاس ایک پہاڑ ہے جس سے پانی نکل کر دریائے ستلج میں گرتا ہے۔ دریائے سرستی کے کنارے ایک ندی بہتی ہے اس کو "سلیم" ندی کے نام سے پکارا جاتا تھا ایک بڑا ٹیلہ دریائے سرستی اور سلیمہ ندی کے درمیان حائل ہے۔ اگر یہ ٹیلہ کھود ڈالا جائے تو اس ندی کا پانی سرستی میں گرے گا اور اس سے ندی کا سیلاب سرہند اور منصور پور کو سیراب کرتا ہوا سمانہ تک پہنچ جائے گا۔ بادشاہ یہ بات معلوم کر کے پدرو کی طرف چل پڑا حکم دیا کہ پچاس ہزار بیلدار جمع کیے جائیں جو اس درمیانی ٹیلہ کو کھود کر ندی اور دریا کو باہم ملا دیں۔ فوراً" اس حکم کے مطابق کام شروع ہوگیا اس کے اندر آدمیوں اور ہاتھیوں کی ہڈیاں تھیں آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی تھیں اور ان میں سے بعض تو پتھر کی ہوگئی تھیں اور بعض ہڈیاں اپنی اصلی صورت میں تھیں۔ بادشاہ نے سمانہ کے حدود سے سرہند کو جدا کر لیا اور سرہند کے رقبہ میں دس کوس زمین اور ملا دی اور ملک شمس الدین اور ضیاء الدین والدین ابو رجا کے ہاتھ میں وہاں کی عنان حکومت سپرد کی۔

سرہند میں بادشاہ نے ایک نیا قلعہ بنوایا اور اس کا نام فیروز پور رکھا پھر خود نگرکوٹ چلا گیا فیروز شاہ نگر کوٹ پہاڑ کی وادی میں پہنچا۔ جیسے ہی وہاں پہنچا لوگ اس کی خاطر مدارت میں برف لے کر حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو یہ دیکھ کر محمد تغلق کے زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ جس وقت اس کے آقا محمد تغلق کا یہاں سے گزر ہوا تو لوگ اس کے پاس خاطر کے لیے برف کا شربت بنا کر لائے۔ لیکن اس وقت چونکہ فیروز تغلق موجود نہ تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کی غیر موجودگی میں شربت پینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس کو فیروز تغلق سے دلی لگاؤ اور تعلق تھا۔ یہ واقعہ بیان کر کے فیروز تغلق نے حکم دیا کہ لشکر کے ساتھ جتنی شکر ہاتھیوں اور اونٹوں پر لدی آئی ہے اس کا شربت بنایا جائے اور

اس کو برف میں ٹھنڈا کیا جائے۔ پھر محمد تغلق کی یادگار کے طور پر ساری سپاہ کو شربت پلایا جائے۔ تھوڑے سے محاصرہ اور جنگ کے بعد نگر کوٹ کا راجہ اپنے درباریوں کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں آیا اور بادشاہ نے اس پر رحم و کرم کی بارش کی۔ نگر کوٹ کا نام "محمد آباد" محمد تغلق کی یادگار کے طور پر رکھا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سکندر ذوالقرنین کی یہاں آمد پر ہندو برہمنوں نے نوشابہ کا مجسمہ بنا کر اپنے گھروں میں رکھ لیا تھا۔ اب شہر میں اسی بت کی پوجا کی جاتی ہے' یہ بھی سنا کہ بت خانہ میں ایک ہزار تین سو کتابیں موجود ہیں اور اس بت خانہ کو جالا مکھی کہتے ہیں۔ وہاں کے برہمن عالموں' فاضلوں سے ان کتابوں کا حال بادشاہ نے دریافت کیا اور ان میں سے کچھ کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ عہد فیروز شاہی کے مشہور شاعر اعزالدین خالد خانی نے حکمت طبعی' شگون اور فال کی کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور اپنی اس تالیف کو "دلائل فیروز شاہی" کا نام دیا ہے۔ یہ بات ناقابل تردید ہے کہ یہ تالیف اور علمی حکمت کے لحاظ سے ایک بلند ترین کتاب ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ فیروز شاہ نے نگر کوٹ میں محمود کی یاد کو از سر نو زندہ کیا اور بت شکنی کے فرائض انجام دے کر گائے کا گوشت توبروں میں بھر کر برہمنوں کی گردنوں میں لٹکایا اور اس بدہیئت و حالت میں ان کو سارے لشکر میں گھمایا۔

ان مورخین کا کہنا ہے کہ فیروز شاہ نے نوشابہ کے بت کو ایک لاکھ تنگوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا تھا تاکہ یہ مجسمہ مدینۃ الرسول کی عام رہگذر پر رکھ دیا جائے اور جو زائرین وہاں جائیں ان کے پیروں تلے یہ بت روندا جائے اور روپیہ مدینے کے غرباء' فقراء اور محتاجوں کو بانٹ دیا جائے۔

نگر کوٹ پر اپنا قبضہ کر کے فیروز شاہ سندھ کو فتح کرنے کی نیت سے ٹھٹھ کی طرف بڑھا۔ جام مالی بن جام غفرہ جو ہمیشہ سے بادشاہ کا نہایت فرمانبردار رہا تھا اچانک باغی ہوگیا اور قلعہ خوب مضبوط کر کے اس کے اندر بیٹھ گیا۔ تھوڑے عرصہ تک تو بادشاہ نے قلعہ پر گھیرا ڈالا' لیکن جب غلہ اور چارہ' ہیرے جواہرات کے بھاؤ بکنے لگا تو بادشاہ نے محاصرہ کا ارادہ ختم کر دیا اور گجرات چلا گیا۔ گجرات ہی میں برسات کا پورا زمانہ گزارا۔ بارش کا موسم ختم ہوتے ہی بادشاہ نے ظفرخان کو گجرات کا حاکم بنایا۔ خود سفر کی منازل طے کرتا ہوا ٹھٹھ پہنچا۔ اس دفعہ جام مالی نے بادشاہ سے معافی مانگ لی اور خود شاہی ملازمین میں شامل ہوگیا۔ فیروز شاہ جام مالی اور اس کے تمام حاشیہ نشینوں کو دہلی لے کر آیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان پر نظر عنایت ہوئی اور ان کو رہا کر کے ٹھٹھ بھیج دیا گیا۔ ۷۷۴ھ میں مقتول خاں جہاں کا انتقال ہو گیا اس کا بڑا بیٹا "خاں جہاں" کے لقب سے اپنے باپ کا ولی عہد بنا اور ۷۷۵ھ میں ظفر خاں کا خطاب ملا۔ صفر کی بارہ تاریخ کو ۷۷۶ھ میں بادشاہ کے فرزند اکبر شہزادہ فتح خاں کا انتقال ہوگیا۔ اس سے تاجدار دہلی کے دل پر ایسا زخم لگا جو ناقابل اندمال تھا۔ بادشاہ کو اس لائق ولی عہد کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور اس صدمے سے بادشاہ بہت نڈھال ہوگیا' لیکن ایسے حالات میں سوائے صبر کے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی لہٰذا بادشاہ نے بھی یہی مشیت ایزدی تصور کرتے ہوئے ضبط و صبر سے کام لیا۔ بیٹے کو شاہی قبرستان (خطیرے) میں دفن کر دیا۔ اس غم نے اس کو چند دنوں تک امور سلطنت کی طرف بالکل توجہ نہ دینے دی۔ بادشاہ رات دن خون کے آنسو روتا یہ حال دیکھ کر اراکین و امراء سلطنت نے بادشاہ کو دلاسا دیا کہ خدا کی مرضی کے سامنے کوئی چارہ کار نہیں۔ رعایا اور امور سلطنت کی طرف سے بے اتفاقی بالکل غلط ہے

بادشاہ نے ان باتوں کو منظور کیا اور سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ دی۔ غم غلط کرنے کے لیے شکار کھیلنا شروع کیا اور نئی دہلی کے آس پاس ایک چار دیواری بنا کر اس کو اپنی شکار گاہ بنایا۔ اس شکار گاہ کے کچھ نشانات اب تک فیروز شاہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ۷۷۸ھ میں خواجہ شمس الدین دمغانی نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ گجرات کے عاملین اپنا خراج وصول کرنے میں بہت سستی کر رہے ہیں اب تک کوئی کالونی خاص ہواز دیوان شاہی میں نہیں پیش کرتے ہیں۔ اگر اس کی حکمرانی میرے سپرد کر دی جائے تو میں سو ہاتھی

بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ اگر شمس الدین ابو رجا جو غفر خاں کا نائب ہے دمغانی کی پیش کی ہوئی شرائط کو پورا کرنے کے لیے تیار ہے تو وہ گجرات کا صوبہ دار قائم رکھا جائے گا ورنہ یہاں کی صوبیداری کا حق شمس الدین دمغانی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ دمغانی کو فیروز شاہ نے سنہری پٹکا خلعت و انعام اور مع ایک پالکی عطا کرکے گجرات روانہ کر دیا۔ چونکہ دمغانی اپنی مقررہ شدہ شرائط پوری نہ کر سکا لہٰذا بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ گجرات کی رعایا بھی اس کے ہاتھوں حیران و پریشان تھی اور خون کے گھونٹ پی رہی تھی۔ لہٰذا ان لوگوں نے موقع پا کر دمغانی کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس کا سر بارگاہ سلطان میں بھیج دیا۔ مورخین کا خیال ہے کہ صرف یہی ایک سرکشی کا واقعہ سارے عہد فیروز شاہی میں ظہور پذیر ہوا۔ دمغانی کے قتل کے بعد بادشاہ نے ایک تربیت یافتہ امیر ملک مفرح کو فرحت الملک کا لقب دے کر گجرات کی صوبہ داری اس کے سپرد کی۔ اس قصہ کے بعد سرحد کے تمام شہروں میں اپنے قابل اعتماد عاملوں کو رکھا۔ کڑہ، مہوبہ اور اس کے گرد و نواح کی حکومت ملک شمس الدین سلیمانی بن ملک مروان دولت کے ہاتھ میں دے دی۔ بروده، مغدیہ اور کول کی صوبیداری حسام الملک کے سپرد کی۔ اس صورت سے جونپور اور ظفر آباد ملک بہروز کی ماتحت میں دیے گئے اور نصر الملک ولد مروان دولت کی نگرانی میں پنجاب سے سرحد کابل تک کا حصہ دیا گیا۔

قصہ مختصر فیروز شاہ کے دور حکومت میں آخر تک اس کے کسی غلام نے اپنے مالک کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ ۷۷۹ھ میں پرگنہ اٹاوہ کے مکھیوں اور چودھریوں نے سرکشی کی۔ بادشاہ ان سرکشوں سے بہت نالاں ہوگیا خود ان کی سرکوبی کے لیے دہلی سے چل پڑا۔ ان سرکشوں نے بھی بادشاہ کے سامنے صف آرائی کی ہمت کی، لیکن جلال شاہی کے سامنے ایک نہ چلی اور ہار کر بھاگ گئے۔ ان میں سے اکثر تو موت کے گھاٹ اتارے گئے اور بعض اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے گرفتار ہو کر آئے۔ بادشاہ نے اٹاوہ، اکھل، نیلائی جیسے مشہور جگہوں پر بہت مضبوط قلعے بنوائے اور قلعوں کی حکمرانی اپنے مخلص امراء کے ہاتھ میں دے کر خود کامرانی کے ساتھ دہلی واپس آ گیا۔ ۷۸۱ھ میں بادشاہ نے سامانہ کا رخ کیا۔ جونا شاہ خان جہاں نے بادشاہ کی خدمت میں بہت ہی بیش بہا تحفے بھیجے اور خود بھی شاہانہ کرم فرمائیوں کا مرکز بنا۔ بادشاہ سامانہ سے چل کر انبالہ اور شاہ آباد ہوتا ہوا سارن پور کے پہاڑ کے دامن میں جا پہنچا۔ وہاں راجہ مور اور گرد و نواح کے دیگر راجاؤں سے بھی خراج اور دیگر تحفہ تحائف وصول کیے اور دارالسلطنت واپس آ گیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو پتہ چلا کہ کٹھیرا کے چودھری کھرکو نے سید محمود جو بداؤں کا حکمران تھا اور اس کے بھائی سید علاء الدین اور سید محمود تینوں سرداروں کو اپنے گھر مہمان بلایا اور اس حیلہ سے قتل کر دیا۔

بادشاہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ نہایت طیش کی حالت میں سامان سفر درست کر کے بداؤں کی طرف چل پڑا۔ ۷۸۲ھ میں فیروز شاہ کا لشکر کٹھیر کے قرب و جوار میں پہنچا۔ شاہی فرمان کے مطابق فوجی سپاہی ہر گھر کو تباہ و برباد کرنے لگے۔ شہر کے باسیوں کو تہہ تیغ کیا اور اس قدر زیادہ تعداد میں ہندو مارے گئے کہ خود ان سادات کی روحیں ان کی سفارش کرنے لگیں۔ کھرکو فرار ہو کر کمایوں کے پہاڑ میں جا چھپا۔ شاہی سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور وہاں کے لوگ بھی شاہی فوجیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے اور اندازاً تیئس ہزار ہندو گرفتار کیے گئے۔ کھرکو پہاڑوں کے غار میں ایسا چھپا کہ یہ تک پتہ نہ چل سکا کہ زندہ ہے یا ختم ہو گیا۔

برسات کا موسم بھی نزدیک آ گیا تھا اور بادشاہ نے واپسی کا عزم کر لیا اور دہلی کے لیے روانہ ہوگیا۔ چلتے وقت ملک داؤد افغان کو سنبھل کا حکمران بنا کر بلند درجہ پر پہنچایا اور اس کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر سال کٹھرہ آئے اور یہاں کے باشندوں اور ملک کو تاراج کیا کرے۔ فیروز شاہ خود بھی ۷۸۷ھ تک ہر سال شکار کھیلنے کی لیے دہلی سے سنبھل آتا اور داؤد افغان سے جو کمی تباہ و برباد کرنے میں رہ جاتی اس کی تکمیل بادشاہ خود کرتا۔

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ بادشاہ کے اس غیظ و غضب کے دور میں گجرات میں ایک جریب زمین پر بھی کھیتی باڑی نہ ہو سکی اور

عرصہ دراز تک شہر کے باسی چین و آرام کی نیند نہ سو سکے۔ غرض یہ کہ تین سیدوں کی موت ہزاروں ہندوؤں کے قتل کے باعث ہوئی
اسی سال بادشاہ نے موضع بسولی میں جو بداؤں سے سات کوس پر آباد ہے ایک بہت مستحکم قلعہ بنوایا۔ اس حصار کو فیروز پور کا نام دیا لیکن ملک کے شرپسندوں نے اس حصار کو "آخر پور" کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ یہ ایسی بدفال منہ سے نکلی کہ اس کے بعد فیروز شاہ نے کوئی حصار نہ بنوایا اور وہی ہوا جو لوگ چاہتے تھے۔ آج تک لوگ اس کو آخر پور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی سال بادشاہ نے بڑھاپے کا ضعف محسوس کرنا شروع کیا اور خان جہان اب نائب کے درجہ سے بادشاہت کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ کیونکہ امور سلطنت میں اس کا عمل دخل ہونے لگا اور جو کچھ وہ کہہ دیتا بادشاہ اس سے سرمو تجاوز نہ کرتا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ ۷۸۹ھ میں وہ اس حد تک بادشاہ پر غالب آ گیا تھا کہ اس نے بادشاہ کو سمجھا دیا کہ شہزادہ محمد خاں، ظفرخاں، سماء الدین، ملک یعقوب اور ملک کمال وغیرہ امراء سے ساز باز کر کے بادشاہ کے متعلق بد خیال اپنے دل میں رکھنے لگا ہے۔ بادشاہ کو اس بات پر اعتماد ہو گیا اور شاہزادے کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ خان جہاں نے ظفرخان کو کچھ حساب و کتاب سمجھنے کے بہانے سے اپنے گھر میں مقید کر لیا اور شہزادہ کو گرفتار کرانے کی تدابیر کرنے لگا۔ شہزادہ اس کی چالوں سے واقف ہو گیا اور اپنے مکان پر مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں گوشہ نشین ہو گیا۔

خان جہاں نے اس کو دربار میں بلانا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کے پھندے میں نہ آیا۔ ایک روز شہزادہ نے اپنے آپ کو مسلح کیا اور پالکی میں سوار ہو کر چلا۔ پالکی میں پردے لگوا دیے تاکہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ شہزادے کے حرم کی بیگمات شاہی محلات میں ملنے کے لیے جا رہی ہیں۔ دربار سے ہوتا ہوا محافہ شاہی حرم میں داخل ہوا۔ بیگمات شاہی نے جب شہزادے کو مسلح دیکھا تو بہت خوفزدہ ہوئیں اور چیخنے چلانے لگیں اور کہنے لگیں کہ شہزادہ اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے محل میں گھس آیا ہے مگر اس نیک نیت شہزادے نے کچھ نہ کیا اور سیدھا بادشاہی محل میں گیا اور اسی طرح مسلح بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور باپ کی قدم بوسی کی اور دست بستہ گزارش کی کہ خان جہاں نے اس پر غلط الزامات لگائے ہیں تاکہ بادشاہ شہزادے سے ناراض ہو جائے اور کہا کہ کسی بیٹے نے آج تک باپ کو قتل نہیں کیا اور اگر کسی نالائق بیٹے نے ایسا فعل بد انجام دیا ہے تو اس نے اپنی جوانی سے کبھی اچھا پھل نہ پایا۔ اس نے بادشاہ کو سمجھایا کہ خان جہاں چاہتا ہے کہ شہزادے اور دیگر خواہان سلطنت کے قدم درمیان سے ہٹ جائیں اور وہ سلطنت ہند پر قبضہ و تصرف کرے۔ بادشاہ کو بیٹے کی بات کا یقین آ گیا اور اس نے کہہ دیا کہ وہ جیسے چاہے خان جہاں کو قتل کر کے ظفرخاں کو نظربندی سے رہائی دلائے۔

شہزادہ محمد خاں

شہزادہ محمد خاں نے تمام ہاتھیوں اور شاہی گھوڑوں کو تیار کرایا اور دس بارہ ہزار کی تعداد میں فیروز شاہی غلاموں کے ساتھ خان جہاں کے گھر کو گھیر لیا۔ خان جہاں کو اس حصار کی خبر معلوم ہوئی اس نے ظفرخاں کو فوراً قتل کر دیا اور خود تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ مکان سے باہر نکلا اور دشمن سے جنگ کی لیکن زخم لگنے سے بہت کمزور ہو گیا اور پھر خانہ نشین ہو گیا۔ پھر مکان کے دوسرے دروازے سے نکل کر میوات بھاگ گیا۔ کوکا چوہان کے گھر میں پناہ لی لیکن شہزادہ محمد خاں نے اس کے گھر کو بھی تباہ و برباد کر دیا اسکے حاشیہ نشینوں اور طرفداروں کو تلاش کر کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ اور خان جہاں کو کیفر کردار تک پہنچا کر خانماں برباد کر دیا۔ پھر باپ کی خدمت میں پہنچا

شہزادہ محمد خاں کی تخت نشینی

چونکہ بادشاہ اب بہت کمزور اور ضعیف ہو گیا تھا اس لیے اس نے شہزادہ محمد خاں کو ناصر الدین محمد کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا اور خود خانہ نشین ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ ناصر الدین محمد نے شعبان ۷۸۹ھ میں سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور

نام پر خطبہ پڑھا جائے۔ ناصرالدین نے اراکین سلطنت میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور بدستور قائم رکھا سب کو خلعت و انعام عطا کیے۔ ملک یعقوب اختر بیگ سکندر خاں کے خطاب سے گجرات کا حکمران بنا دیا گیا۔ ملک راجو کو بہادر خاں اور کمال عمر کو مفتی الملک مقرر کر کے ان دونوں کی عزت بڑھائی۔ ملک یعقوب سکندر خاں میوات کے قریب پہنچا اور کوکا چوہان جس نے خاں جہاں کو پناہ دی تھی' بہت خوفزدہ ہوا۔ لہٰذا کوکا چوہان نے بادشاہی اطاعت کی نیت ظاہر کرتے ہوئے خان جہاں کو پابہ زنجیر یعقوب خاں کے روبرو پیش کیا۔ ملک یعقوب نے خاں جہاں کو تہہ تیغ کر کے اس کا سر دہلی بھیج دیا اور خود گجرات کی طرف رخ کیا۔ ۷۸۹ھ میں ناصرالدین محمود خود کوہ پایہ سرمور کی طرف شکار کھیلنے کے لیے گیا۔ دو ماہ وہاں پر قیام کیا تھا کہ اس کو پتہ چلا کہ فرحتہ الملک اور امیران صدہ نے باہم مل کر بغاوت کی آگ روشن کر لی ہے اور ملک یعقوب نے سکندر خاں کو قتل کر کے اس کے مال و متاع پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا ہے۔ ناصرالدین یہ خبر ملتے ہی دہلی چلا گیا ابھی وہ زمانہ کی اونچ نیچ سے دوچار نہ ہوا تھا اس نے گجرات کے فتنہ و فساد کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور اپنی زندگی عیش و عشرت میں گزارنے لگا۔ اس عاقبت نااندیش حکمران نے باپ کے قدیم اور وفادار درباریوں کو قعر مذلت میں ڈال کر اپنے نئے اور نو عمر حاشیہ نشینوں کو درباری بنا لیا۔ چونکہ فیروز شاہ ابھی عین حیات تھا اس کے بہی خواہوں کو بادشاہ کا یہ فعل بد بہت برا معلوم ہوا۔

سکندر خاں ملک یعقوب کے واقعہ کو تقریباً پچاس دن گزرے ہوں گے کہ فیروز شاہ کے بھتیجے ملک بہاء الدین اور ملک کمال الدین نے باہم سازش کی اور فیروز شاہ کے غلاموں کو جن کی تعداد بقول مورخ "تاریخ مبارک شاہی" ایک لاکھ تھی' اپنے ساتھ ملا کر ناصرالدین سے بغاوت کر لی۔ ناصرالدین نے ملک ظہیرالدین لاہوری کو بغاوت کی آگ ٹھنڈا کرنے کے لیے بھیجا۔ ملک ظہیرالدین اسی میدان میں پہنچا جہاں فیروز شاہی لشکر جمع تھا۔ فیروز شاہ کے غلاموں نے اس پر پتھر برسانے شروع کر دیے' ملک ظہیرالدین زخمی ہو کر واپس لوٹ آیا' ناصرالدین سے ساری کیفیت بیان کی' ناصرالدین نے بہ نفس نفیس ان کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ شاہی لشکر مرتب کر کے باغیوں کے سر پر پہنچا' جنگ و خونریزی کے بعد ناصر کو کامرانی حاصل ہوئی' ادھر شاہی غلام بھاگ کر فیروز شاہ کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے کی غرض سے پہنچ گئے اور غلاموں نے دربار فیروزی کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور ناصرالدین کے سامنے دوبارہ قدم جمانے کی نیت کی۔ دارالسلطنت میں دو دن تک خون کی ندیاں بہتی رہیں' لیکن اس قتل و غارت گری کے باوجود بھی کوئی جماعت فریقین میں سے میدان چھوڑ کر نہ بھاگی' تیسرے دن غلاموں نے یہ ہوشیاری کی کہ بادشاہ کو محلسرائے سے باہر لا کر پالکی میں بٹھایا اور میدان کار زار میں لے آئے۔ شاہی فیل بانوں کو فیروزی چتر و اثاثہ دکھائی دیا تو وہ سمجھے کہ بادشاہ ناصرالدین کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے لیے بذات خود آمادہ ہو کر آیا ہے۔ تمام فیل بان شہزادے سے منحرف ہو کر بادشاہ کی طرف آ گئے۔

ناصرالدین کی شکست

ناصرالدین یہ حال دیکھ کر جنگ سے علیحدہ ہو گیا۔ کوہ پایہ سرمور کی طرف چلا گیا' اس کا سارا مال و متاع تباہ و برباد ہو گیا۔

غیاث الدین تغلق شاہ کی جانشینی

بادشاہ کے حواس ضعف نے مختل کر دیے تھے۔ اس نے غلاموں کے بے جا دباؤ سے مجبور ہو کر فتح خاں کے فرزند ارجمند اپنے پوتے غیاث الدین تغلق شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اپنے داماد امیر سید حسن کو جو ناصرالدین کا طرف دار تھا اس کو غلاموں کے بھڑکانے سے قتل کرا دیا۔ تغلق شاہ نے دادا کی زندگی میں سب سے پہلا حکم یہ صادر فرمایا کہ ناصرالدین کے حاشیہ نشینوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ تغلق شاہ نے ملک سلطان شہ خوش دل کو جو امراء فیروز شاہی میں بہت بلند مرتبہ آدمی تھا اس کو یہ حکم دے کر سمانہ روانہ کیا کہ ناصرالدین محمد کے دست راست یعنی عالی خاں حاکم سمانہ کو پکڑ کر اپنے ساتھ دہلی لائے اور سمانہ کی حکومت محمد شاہ کے ہاتھ میں دے دے۔

فیروز شاہ کی رحلت

تیرھویں رمضان ۷۹۹ھ میں فیروز شاہ تغلق نے تقریباً نوے سال کی عمر میں انتقال فرمایا' اس بادشاہ نے چالیس سال تک حکمرانی کی یہ بہت عالم و فاضل تھا۔ عدل اس کے کردار کی نمایاں خوبی تھی۔ رحم و بردباری اس کی شخصیت کا نمایاں جوہر تھے۔ اس کی رعیت اور سپاہ دونوں ہی ساری زندگی اس سے خوش رہے' اسکے دور حکومت میں کسی متنفس کو سرکشی اور بغاوت' جور و استبداد کی اجازت نہ تھی۔

فتوحات فیروز شاہی

بادشاہ کے خود تحریر کردہ حالات ایک تصنیف میں پائے جاتے ہیں جو فتوحات فیروز شاہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پہلا حکمران ہے جس نے افغانوں پر رحم و کرم کی بارش کی۔ جو افغانی امراء محمد تغلق کے دور حکومت میں ایک صدی منصب دار تھے ان کو ایک ہزاری امراء میں داخل کیا اور سرحد کے تحفظ کے لیے بھی انہیں امراء کو مقرر کیا۔ فیروز شاہ سے پہلے افغانی امیروں میں سے کسی نے یہ رتبہ حاصل نہیں کیا تھا۔ اس بادشاہ نے ۳۸ سال ۹ ماہ تک حکومت کی وفات فیروز اس حکمران کی تاریخ رحلت ہے۔ یہ امیر تیمور صاحبقران کا ہمعصر تھا۔ علامہ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی کی تصنیف اسی حکمران کے عہد میں کی۔ اسی فرمانبروا کے نام سے یہ کتاب موسوم کی' نظام الدین احمد اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے کہ بہت سے قوانین اور آئین عدل و انصاف فیروز شاہی کے ہی دور حکومت میں وضع کیے گئے' جن کی وجہ سے تمام رعایا اور مخلوق خدا نے چین و امن سے زندگی گزاری ان تمام قوانین میں سے تین ضابطہ قابل قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔

پہلا ضابطہ : بادشاہ نے سیاست کو جو حکمرانی کا عظیم حصہ ہے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے عہد حکومت میں کسی ذمی یا غیر مسلم کو کسی طرح کی سزا نہیں دی۔ اس بلند ہمت فرمانبروا نے اپنی سخاوت و دریا دلی سے حکومت پر جو سیاست کے سیاہ داغ پڑ گئے تھے انہیں دھو دیا۔ دفتر حکمرانی سے سیاست کو پاک کیا' وہ صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ مربی بھی تھا' ساری رعایا اس کی شیدائی تھی' ملک کا بچہ بچہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

دوسرا ضابطہ : رعایا کی حیثیت اور استطاعت کا لحاظ کر کے خراج وصول کرتا' خراج میں زیادتی کرنا بالکل بند کر دیا تھا' وہ کسی کی چغلی اور شکایت بالکل نہ سنتا یہی وہ قانون تھا جس نے فیروز شاہ کے عہد حکومت کو بلند اقبالی کی برکتیں عطا کی تھیں۔

تیسرا ضابطہ : ہمیشہ خدا ترس' رحم دل اور نیک لوگوں کو عامل مقرر کرتا' کسی بد طینت اور خراب شخص کو کبھی حکمرانی کا درجہ نہ دیتا تھا۔ چونکہ بادشاہ خود مجسمہ محاسن تھا اسی باعث تمام امراء اور حاکموں میں بھی اس کی انہیں خوبیوں کا عکس نظر آتا ہے۔ فیروز شاہ کی بخشش و کرم اور سخاوت کا پلہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں ہمیشہ بھاری رہا۔ اس عادل حکمران نے اپنی تصنیف فتوحات فیروز شاہی کی ساری عبارت فیروز آباد کی مسجد کے آٹھوں گنبدوں پر کندہ کرائی۔ اس کتاب میں وقائع فیروز شاہی کو آٹھ اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ بادشاہوں کا کلام سارے کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی خیال کے تحت فیروز شاہی کی مختصر عبارت تبرک کے طور پر تحریر کی جا رہی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ اس سے اس بلند ہمت اور رحم دل بادشاہ کی نیک نیتی اور ستودہ صفاتی سے قارئین اور اہل نظر پوری طرح واقف ہو جائیں۔

پہلی فصل مسجد کے اوقاف اور اس کے اخراجات کے بارے میں نصیحت کی ہے اور وصیت کے بیان میں ہے۔ دوسری فصل میں فیروز شاہ ۔۔۔ ہے کہ قدیم زمانہ میں معمولی سے جرائم کی بھی سزائیں بہت سخت ہوا کرتی تھیں۔ بے خطاؤں کا خون بہانا اور دیگر ہیبت انگیز عذاب نازل ۔۔۔ ناک' کان' ہاتھ' پاؤں کاٹ ڈالنا' آنکھیں نکلوا دینا' ہڈیوں کو لوہے کی سلاخ سے توڑنا' زندہ آگ میں جلا دینا' ہاتھ اور

کرنا۔ سیاسی حکمت عملی کے لیے بہت ہی آسان کام تھا اور خداوند رب العزت نے مجھے یہ توفیق عطا کی کہ ان تمام سزاؤں کو یک قلم ختم کر دیا۔ پرانے بادشاہ جن کی عالی ہمتی اور جانفشانی سے ہندوستان مسلمانوں کا دارالسلطنت بنا ختم ہونے کے بعد رعایا کے دلوں میں ان کی یاد بھی باقی نہ رہی ان کے نام خطبات سے نکال دیے گئے تھے۔ میں نے اپنے عہد حکومت میں ان شاہان سلف کے نام خطبہ میں از سر نو داخل کرائے تاکہ دلوں میں ان کی یادگار قائم رہے اور ان کی روح کو ثواب پہنچتا رہے۔ رقم کی بہت سی مدیں محض ظلم و استبداد کے تحت رعیت سے وصول کی جاتی تھیں اور خراج کے ساتھ شاہی خزانہ میں جمع کر دی جاتی۔ مثلاً رقومات چرائی' گل فروشی' نیل گری' ماہی فروشی' ندافی' ریسماں فروشی' نخود بریاں گرمی دوکانانہ' خمار خانہ' دادبگی' کوتوالی اور احتساب وغیرہ۔ میں نے ان تمام رقومات کو وصول کرنا بالکل بند کر دیا اور یہ عہد کر لیا کہ جو مال سنت رسول اللہ کے خلاف ہے وہ خزانہ فیروز شاہی میں ہرگز داخل نہ کیا جائے گا۔ میرے عہد سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ سپاہیوں کو بانٹ دیا جاتا تھا اور باقی تین حصے خزانہ شاہی میں داخل ہو جاتے۔ میں نے اس رسم کو بھی موقوف کر دیا اور پانچواں حصہ جیسا کہ شرع میں جائز ہے خزانہ میں رکھا جاتا اور چار حصے سپاہیوں میں تقسیم کر دیے جاتے۔ بدمذہبوں' بدعہدوں' ملحدوں اور کافروں' بدعت کرنے والوں کو اپنی راجدھانی سے نکال دیا جو خدا کی مخلوق کو گمراہ کرتے تھے ان فرقوں کی کتابوں کی عبارتیں رسم و رواج کو بھی یک قلم منسوخ کر دیا۔ مردوں میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے اور ریشمی لباس پہننے کا رواج عام ہو گیا تھا میں نے ان تمام عادتوں کو سرے سے ختم کیا۔ مسلمان اور ضرورت مند عورتیں مزاروں اور بت خانوں میں جا کر شور و شر کا سبب ہوتی تھیں میں نے حکم دیا کہ ایسے اجتماع میں عورتیں ہرگز ہرگز شرکت کے لیے نہ جائیں۔ بت خانوں کے بدلے مسجدیں بنوائیں۔ پرانے بادشاہوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں' خانقاہیں' مدرسے' کنوئیں اور پل اور مقبرے جو بہت بوسیدہ ہو گئے تھے ان کی از سر نو تعمیر کرائی اور ان کے لیے الگ الگ اوقاف مقرر کر دیے۔ جن اشخاص کو میرے مالک و سلطان محمد تغلق شاہ نے اپنی آہنی سیاست سے شکنجہ میں جکڑ کر ان کے بدن کے اعضا کٹوائے تھے۔ میں نے ان تمام اعضاء بریدہ لوگوں کے وارثوں اور جانشینوں کو تلاش کر کے ان کا وظیفہ اور انعام و اکرام مقرر کیا اور ان سب سے مرحوم کے نام الگ الگ معافی نامہ لکھوائے اور تمام کاغذات پر شہر کے شرفا اور عمائدین کے دستخط کرا کے تمام نوشتے مرحوم بادشاہ کے مقبرہ میں رکھوا دیے۔ جہاں کہیں بھی میں سنتا کہ کوئی درویش اور گوشہ نشین فقیر آیا ہے' وہاں آنا فوراً" اس کی خدمت میں حاضری دیتا اور خدمت کرتا۔ جو سپاہی اور امراء ضعیف ہو چکے تھے ان کو نصیحت کرتا تھا کہ وہ اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگیں اور دوبارہ گناہوں سے باز آئیں اور ان کے وظائف مقرر کر دیے تاکہ فکر معاش نہ کریں اور پوری تندہی سے خدا کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ ان واقعات کے بعد بادشاہ لکھتا ہے کہ مجھے دو مرتبہ زہر دیا گیا اور میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے زہر کا پیالہ پی لیا لیکن خدا نے زہر کو اپنا کام نہ کرنے دیا اور میں محفوظ رہا۔ مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ چونکہ تاریخ فیروز شاہی کے تمام واقعات مفصل طور پر وہ خود لکھ چکا ہے اس لیے کتاب کی اصل عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

اس نیک نفس حکمران کے عہد میں جو نئے محلات اور رعیت کی فلاح و بہبود کے لیے عمارتیں بنوائی گئیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) بند ہو	۵۰ عدد	(۶) دار الشفاء	۵ عدد
(۲) مسجدیں	۴۰ عدد	(۷) مقبرے	۱۰۰ عدد
(۳) مدرسے	۳۰ عدد	(۸) حمام	۱۰ عدد
(۴) خانقاہیں	۲۰ عدد	(۹) کنویں	۱۵۰ عدد
(۵) محل اور قصر	۱۰۰ عدد	(۱۰) پل	۱۰۰ عدد

ان کے علاوہ رعیت کی رفاہ اور ملک کی فلاح کے لیے لاتعداد باغات بنوائے تھے۔ بادشاہ نے ہر عمارت تعمیر کرا کے اس کے اخراجات کے آمدنی وقف کر دی اور ہر وقف کا ایک نوشتہ لکھ کر اس کے اجرا کے لیے حکم نافذ کر دیا۔

غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خاں

تغلق شاہ سلطان فیروز کے انتقال کے بعد فیروز آباد کے قلعہ میں تخت شاہی پر بیٹھا اور اپنے آپ کو سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے نام سے موسوم کیا۔ تغلق شاہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ ملک فیروز علی جو ملک تاج الدین پردہ دار کا بیٹا تھا' خاں جہاں کے خطاب سے مشرف ہوا اور وزیرالمالک مقرر کر دیا گیا۔ غیاث الدین ترمذی کو داروغہ اسلحہ مقرر کیا گیا اور فرحت الملک کو بدستور گجرات کا صوبہ دار اور حاکم ہی رکھا گیا۔ تغلق شاہ نے خاں جہاں اور بہادر ناہر کو ایک لشکر عظیم کے ساتھ ناصرالدین کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے بھیجا ناصرالدین نے سرمور میں دہلی کی فوج کے آنے کی اطلاع سنی تو اس نے بدرجہ مجبوری اپنے بچے اور بیوی کو پہاڑ کے ایک مضبوط حصہ میں چھوڑ دیا اور خود تغلق شاہ کی سپاہ سے صف آرا ہوا۔ دشمن سے شکست کھا کر آخر میدان چھوڑ دیا۔ یہاں وہاں مارا مارا پھرتا رہا حتیٰ کہ نگرکوٹ کے قلعہ میں جا کر پناہ لی۔ نگرکوٹ کا حصار بہت پائدار اور مستحکم تھا۔ شاہی سپاہ نے اس کو سر کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور دارالسلطنت واپس چلی گئی۔

تغلق شاہ کا کردار

تغلق شاہ جوانی کے نشہ میں سرمست اپنی زندگی نہایت عیش و عشرت میں گزارنے لگا' عدل و انصاف سے بالکل الگ ہو گیا۔ ملک میں جور و استبداد پھیل گیا' تغلق شاہ نے اپنے سگے بھائی سالار شاہ کو قید کر دیا۔ اس کا سگا چچا زاد بھائی تغلق شاہ سے خوف کھا کر خانہ نشین ہو گیا اور بادشاہ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ فیروز شاہی غلام جو سب درباریوں کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ انہوں نے ابوبکر شاہ کا ساتھ دیا یہ ساری جماعت شاہی دیوان خانہ میں داخل ہو گئی اور ان لوگوں نے تغلق شاہ کے امیرالامراء ملک مبارک کبیر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ غیاث الدین کو اس فتنہ کی اطلاع ہو گئی تو وہ محل کے اس دروازے سے جو دریائے جمنا کی طرف کھلتا تھا بھاگ نکلا۔ ملک رکن الدین کو تغلق شاہ کے فرار ہونے کی اطلاع مل گئی اور اس نے غلاموں کے ایک گروہ کے ہمراہ بادشاہ کا پیچھا کیا بھاگے ہوئے لوگوں کو پکڑ کر خان جہاں اور تغلق شاہ کو تلوار کا نشانہ بنایا۔ تغلق شاہ اکیسویں صفر ۷۹۱ھ کو تہ تیغ کیا گیا اور اس نے کچھ اوپر پانچ مہینہ فرمانبروائی کی۔

ابوبکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ تغلق

اراکین سلطنت نے غیاث الدین کو قتل کر کے ابوبکر شاہ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا' ملک رکن الدین نائب وزیر بنایا گیا تھوڑے ہی عرصے میں ملک رکن الدین کا سارے دربار میں بول بالا ہوگیا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ابوبکر شاہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر تغلق شاہ کے برابر موت کی نیند سلا دے۔ ابوبکر شاہ کو اس کے بد ارادے کی خبر ہوگئی' اس سے پہلے کہ رکن الدین اپنے عزم کو پورا کرے بادشاہ نے پہل کر کے رکن الدین اور اس کے حاشیہ نشینوں کو ختم کر دیا۔ اس سیاست عملی نے ابوبکر کی حکومت کو تھوڑی بہت طاقت بخشی لیکن بادشاہ کی بدنصیبی سے اسی زمانہ میں سمانہ کے امیران صدہ باغی ہوگئے۔ ان امراء نے ابوبکر شاہ کے فرمانبردار حاکم ملک سلطان شہ خوشدل کو تہ تیغ کر کے اس کا سر ناصر الدین محمد کے پاس نگرکوٹ بھیج دیا اور معزول بادشاہ سے سمانہ آنے کی درخواست کی۔ ناصر الدین محمد جالندھر کی راہ سے سمانہ پہنچا اور وہاں کا حکمران بن کر دہلی کی سلطنت پر چھاپہ مارا۔ ناصر الدین کو کئی بار شکست ہوئی' لیکن بالاخر دشمن پر حاوی ہوگیا اور بیسیوں ذی الحجہ ۷۹۲ھ میں ابوبکر شاہ کو قتل کر کے خود سلطنت دہلی پر قابض ہوگیا۔ اس کے کارناموں اور لڑائیوں کا مفصل بیان خود اس کے حالات کے باب میں لکھا جائے گا۔ ابوبکر شاہ نے ایک سال چھ ماہ تک حکومت کی۔

ناصرالدین محمد بن سلطان فیروز شاہ باربک (تغلق)

تخت نشینی

یہ اپنے باپ کی زندگی میں پہلی دفعہ چھ شعبان ۷۸۹ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ امیران صدہ نے ملک سلطان شہ خوشدل کو تہ تیغ کر کے ناصرالدین کو سمانہ بلوا بھیجا، تو جلدی جلدی سمانہ جا پہنچا۔ سمانہ پہنچ کر امراء سے اپنی حکومت کی بیعت لی اس کے ساتھ ہی امیران دہلی بھی ابوبکر سے منحرف ہو کر ناصرالدین محمد سے مل گئے۔ چشم زدن میں بیس ہزار سوگواروں کا گروہ اس کے پاس اکٹھا ہوگیا ناصرالدین سمانہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں پچاس ہزار اور سوار اس کے اطاعت گزار ہو گئے۔ پانچویں ربیع الآخر ۷۹۲ھ میں زبردستی دہلی میں داخل ہو کر قصر جہاں نما میں قیام کیا۔ ابوبکر شاہ نے بھی فیروز آباد ہی میں اپنے لشکر مرتب کیا اور دوسری جمادی الاول کو ناصرالدین سے آمادہ بہ پیکار ہو کر اپنا خیمہ نصب کیا۔ جنگ کے دوسرے روز بہادر ناہر ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ فیروز آباد واپس لوٹا۔ ابوبکرشاہ کو ناہر کے پہنچنے سے بہت ڈھارس ہوئی اور ناہر کے پہنچنے کے ایک دن کے بعد بادشاہ فیروز آباد سے نکل کر ایک وسیع میدان میں ناصرالدین سے جنگ کے لیے نکل آیا، ابوبکر شاہ کو کامرانی حاصل ہوئی۔ ناصرالدین محمد دریائے جمنا کو عبور کر کے دوآبہ میں پناہ گزین ہوا۔ ناصرالدین نے اپنے منجھلے بیٹے ہمایوں خاں کو ملک ضیاء الملک ابورجاء رائے کمال اور رائے خلجی بھٹی کے ساتھ سمانہ بھیج دیا اور خود جالیسر میں دریائے گنگا کے ساحل پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ چونکہ فیروز شاہی غلاموں نے شروع سے آخر تک ناصرالدین کے ساتھ دغا کی تھی لہٰذا اس نے عام حکم نشر کرا دیا کہ جہاں کہیں ان کا ایک گروہ یا فرد نظر آجائے اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور فوراً موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ اس طرح رعایا اور غیر رعایا کے ہاتھوں فیروز شاہی غلاموں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ ادھر ملک کی تمام رعایا ابوبکر شاہ کی مخالف ہوگئی تھی۔ خراج اور چوتھ دینے میں لیت و لعل کرتی تھی اسی دوران میں ملک سرور جو فیل خانہ کا کوتوال تھا اور ملتان کا حاکم ملک نصیر الملک حاکم بہار خواص الملک، رائے سرور اور دیگر امراء و اراکین سلطنت ناصرالدین کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس کے پاس پچاس ہزار سواروں کا لشکر تیار ہو گیا۔

ناصرالدین نے ملک سرور کو قلمدان وزارت عطا کر کے خاں جہاں کے لقب سے سرفراز کیا، ملک نصرالملک کو امیر الامراء بنا کر اسے نصر خاں کا خطاب عطا کیا، خواص الملک کو خواص خاں کا لقب ملا اور رائے سرور کو رائے رایاں کے خطاب سے دل شاد کیا۔ اسی طرح دیگر نامی گرامی امراء کو اونچے اونچے عہدے اور خطابات دیے گئے اور ان سب کو اپنا مطیع بنا کر دہلی کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ابوبکر شاہ بھی اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم کر کے دہلی سے باہر آیا۔ موضع کندنی میں دونوں فوجیں نبرد آزما ہوئیں۔ فریقین نے خون کی ہولی کھیلی ناصرالدین کی قسمت میں ابھی گردش باقی تھی۔ لہٰذا ابوبکرشاہ کی جیت ہوئی اور ناصرالدین جالیسر میں جا چھپا۔ ابوبکر شاہ کی سپاہ نے اس کا پیچھا کیا تمام مال و متاع برباد کر کے فتح مندی کا شادیانہ بجاتا ہوا دارالسلطنت واپس آیا۔

ہمایوں خاں

ہمایوں خاں نے اپنے باپ اور ابوبکر شاہ کی باہم آویزش کا حال سن کر سمانہ سے دارالسلطنت دہلی پر حملہ کر دیا دہلی کے آس پاس کے [illegible] کو خوب لوٹا اور برباد کیا۔ ابوبکر نے ملک شاہین کو ہمایوں خاں کا مقابلہ کے لیے بھیجا۔ پانی پت میں دونوں لشکر آمادہ بہ پیکار ہوئے
[illegible]

کے امراء ہی تھے اور پوشیدہ طور پر ناصرالدین سے ساز باز کر رہے تھے۔ اس لیے ابوبکر شاہ تخت شاہی کو چھوڑ کر دشمن کا پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا' لیکن اس مرتبہ ہمایوں خاں کے فرار ہونے سے ابوبکر شاہ نے بہت دلیری دکھائی اور امرائے سلطنت کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بہ نفس نفیس ناصرالدین کو تہ تیغ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ دہلی شہر سے بیس کوس کے فاصلہ پر قیام کیا' ابھی بادشاہ جالیسر جانے کا سامان ہی کر رہا تھا کہ ناصرالدین نے کوتوال اور دیگر امراء سے ساز باز کر کے اپنے بیوی بچے جالیسر ہی میں چھوڑے اور خود چار ہزار سواروں کی فوج لے کر ابوبکر شاہ سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ ناصرالدین دہلی کے نزدیک پہنچ گیا بجائے اس کے کہ ابوبکر شاہ کی راہ میں رکاوٹ بنے وہ دہلی پر حملہ کر بیٹھا۔ ابوبکر شاہ کے آدمیوں نے اس کو روکنا چاہا' مگر اس نے بداؤں دروازے میں آگ لگا دی۔ خود قصر ہمایوں میں قیام پذیر ہوا شہر کے تمام عمائدین اور امراء ناصرالدین کی خدمت میں حاضری کے لیے آئے اور اس کی فتح و کامرانی پر مبارک باد دی۔ ابوبکر شاہ کو اس قصہ کی خبر ہوئی اور وہ بھی اسی روز دہلی میں داخل ہو اور ملک بہاؤالدین خنگی جو ناصرالدین کے حکم کے بموجب دربانی کر رہا تھا اس کو تہ تیغ کیا اور قصر ہمایوں کی طرف بڑھا۔ ناصرالدین کے حاشیہ نشین ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اس لیے وہ ابوبکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور حوض خاص کے دروازے سے نکل کر جالیسر میں پناہ لی۔ ناصرالدین کے بعض امراء مثلاً خلیل خاں امیر باربک' آدم اسمٰعیل خاں' بادشاہ کا بھانجا وغیرہ ابوبکر شاہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

اسی سال رمضان کے مہینہ میں غلامان فیروز شاہی کا سب سے بڑا رکن مبشر حاجب جو اسلام خاں کے لقب سے مشہور تھا ابوبکر شاہ سے باغی ہوگیا۔ اور غلامان شاہی کے ایک گروہ کو اپنا لیا اور ناصرالدین محمد کو محبت آمیز خط لکھا اور اس کو دہلی بلوایا۔ ابوبکر شاہ کو پتہ چل گیا کہ ملک کا بہت بڑا حصہ اس کا دشمن اور ناصرالدین محمد کا دلدادہ ہوگیا ہے اور ناصرالدین محمد نے پھر اپنی جگہ چھوڑی ہے۔ اس لیے ابوبکر شاہ مجبوراً اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دہلی چھوڑ کر بہادر ناہر کے پاس میوات روانہ ہوگیا۔ ابوبکر ملک شاہین صفدر خاں اور ملک بحری کو دہلی میں چھوڑ کر گیا تھا۔ ناصرالدین اسی سن میں رمضان کے مہینے میں دہلی میں پہنچا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اسلام خاں کو وزیر الممالک مقرر کیا۔ ناصرالدین نے اپنی حالت ٹھیک کر کے شاہی ہاتھیوں کو غلامان فیروزی سے چھین کر اپنے خاص فیل بانوں کے سپرد کر دیا۔ ناصرالدین کی اس حرکت سے غلامان فیروز شاہی بہت نالاں اور رنجیدہ ہوئے اور مع اپنے بال بچوں کے رات کو بھاگ کر ابوبکر سے جا ملے۔ ناصرالدین نے بقیہ غلاموں کو جو بادشاہ گری کی فرائض انجام دے رہے تھے درالخلافت سے نکال دیا۔ یہ روایت مشہور ہے کہ ناصرالدین نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ غلامان فیروز شاہی تین دن کے اندر اندر دہلی سے باہر نکل جائیں ورنہ ان کا مال و متاع سب شہریوں کو دے دیا جائے گا۔ غلاموں کی ایک جماعت تو دارالسلطنت سے جلاوطن کر دی گئی اور باقی غلاموں نے اپنے تئیں چھپا کر خود کو شرفاء کے حلقہ میں شامل کر لیا۔ ناصرالدین نے ان خود ساختہ شرفاء کا امتحان اس طرح لیا کہ لفظ کھرا کھری کا تلفظ کرایا' مگر یہ لوگ بادشاہ کی طرح اس لفظ کا صحیح تلفظ نہ کر سکے اور بنگالیوں اور پوربیوں کی طرح اس لفظ کو ادا کیا اور یہ بنے ہوئے شرفاء موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ حد یہ ہوئی کہ بہت سے شریف زادے بھی اپنی پوربی بولی کی وجہ سے مارے گئے اور شاہی غلو کا شکار ہوگئے۔

ناصرالدین کی حکمرانی

ناصرالدین نے سلطنت کی عنان ہاتھ میں لے کر اطراف و جوانب سے لشکر اکٹھا کیا۔ اسی عرصہ میں اس کا بیٹا ہمایوں خاں بھی سامانہ سے دہلی مراجعت کر آیا۔ ناصرالدین کو فرزند کی آمد سے بہت تقویت ہوئی اب ناصرالدین ابوبکر شاہ کو تاخت و تاراج کرنے پر کمربستہ ہوا اور ہمایوں کو نامی گرامی امراء اور عمائدین مثلاً اسلام خاں' عادل خاں' رائے کمال الدین اور رائے خلجی وغیرہ کے ہمراہ ابوبکر کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ہمایوں کی سپاہ کوٹلہ پہنچی اور محرم کے مہینہ ۷۹۳ھ میں ابوبکر شاہ نے بہادر ناہر اور فیروز شاہی غلاموں کی مدد سے ہمایوں کے لشکر پر شب خون مارا اور اس چھاپہ سے ہمایوں کے لشکر کے سپاہی زخمی ہوگئے۔ شہزادے نے ہمت نہ ہاری اور ابوبکر شاہ کے مقابلہ میں صف

آراء ہوگیا۔ اسلام خاں کو بھی فوراً ہی خیال آگیا اور وہ شہزادے کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ ابوبکر شاہ تھوڑی دیر تک تو برسرپیکار رہا، مگر جلدی ہی مجبوراً کوٹلے کے قلعہ میں جا چھپا۔ ناصرالدین محمد شاہ نے یہ خبر سنی اور فوراً میوات پہنچ گیا۔ ابوبکر شاہ اور بہادر ناہر کے سامنے سوائے اطاعت قبول کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ دونوں خادم اور مخدوم بہت جلد ناصرالدین محمد کے سامنے حاضر ہوئے۔ ناصرالدین نے بہادر ناہر کو رخصت کر دیا اور ابوبکر شاہ کو پھر اپنی ساتھ لے کر کنڈی آیا اور قلعہ میوات جہاں پہلے بھی وہ پناہ لے چکا تھا وہیں نظر بند کر دیا۔ ابوبکر شاہ کی وفات زمانہ قید ہی میں ہوگئی۔ ناصرالدین محمد شاہ اب دہلی آیا اور معلوم ہوا کہ گجرات کا صوبہ دار فرحت الملک سرکش ہوگیا ہے۔ بادشاہ نے فرحت الملک کی جگہ ظفرخاں کو حاکم گجرات مقرر کر دیا۔ ناصرالدین نے جس تزک و احتشام کے ساتھ ظفرخاں کو گجرات روانہ کیا تھا اس کی مفصل داستان شاہان گجرات کے سلسلہ میں بیان کی جائے گی۔

۷۹۴ھ میں رائے نرسنگ، سردار دھوں راٹھور اور بیر بہان بھنسور کا چودھری جو ہندوؤں میں سب سے زیادہ جری تھا اور پشت پر مددگار بھی بہت تھے وہ بادشاہ سے باغی ہوگیا۔ ناصرالدین نے جب ان کی سرکشی کا واقعہ سنا تو اسلام خاں کو شورپشتوں کے سردار، رائے نرسنگھ کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے شاہی فوج کے سامنے صف آرائی کی اور برسرپیکار ہوا، مگر پھر اس کی فوج کو شکست ہوئی اور رحم و کرم کا طلبگار ہوا، صلح کے بعد ناصری حلقہ بگوشوں میں شریک ہوگیا۔ اسی عرصہ میں ناصرالدین کو پتہ چلا کہ اٹاوے کے چودھری نے قصبہ "تلارام" کے آس پاس کے پرگنوں کو برباد کرنا شروع کر دیا ہے۔ بادشاہ ان باغیوں کو ختم کرنے کے لیے خود آگے بڑھا اور اٹاوے کے قلعہ کو برباد کر کے قنوج آیا۔ اس کے اطراف و جوانب کو فتح کر کے جالیسر پہنچا۔ بادشاہ جالیسر کی سرزمین کو اپنے لیے مبارک سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے اس شہر میں ایک قلعہ بنوایا اور اس کا نام "محمد آباد" رکھا۔ اسی دوران میں خواجہ جہاں کا ایک عریضہ بادشاہ کے نام پہنچا کہ اسلام خاں کی نیت ٹھیک نہیں ہے بہت جلد وہ حرص و طمع کی آگ بجھانے کے لیے لاہور پہنچ کر بغاوت پھیلانے والا ہے۔

بادشاہ فوراً دہلی پہنچا اور اسلام خاں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ اسلام خاں نے واقعہ کی حقیقت سے صاف انکار کیا، حاجو نام کے ایک ہندو اور خود اسلام خاں کے بھتیجے نے جو پہلے سے اس کے دشمن تھے جھوٹی گواہی دے کر بادشاہ کو اسلام خاں کی طرف سے متنفر کر دیا۔ بادشاہ پہلے ہی خوفزدہ تھا ان گواہوں کی بات کو سچ سمجھ کر اسلام خاں کو تہ تیغ کیا اور خواجہ جہاں کو وزارت کا عہدہ دیا۔ خواجہ جہاں اب بادشاہ کا دست راست بن گیا اور ملک مقرب الملک محمد آباد کی حکومت پر مسند آرا کیا گیا اور اپنے صوبہ کو چلا گیا۔ ۷۹۵ھ میں سردار دھن راٹھور اور بیر بہان نے پھر سرکشی کی۔ ملک مقرب نے شاہی حکم پاتے ہی محمد آباد کی فوج کو لے کر سرکشوں پر حملہ کیا اور فتنہ کو ختم کرنے کے بعد اپنے صوبہ میں واپس آیا۔ ناصرالدین نے شوال ۷۹۰ھ میں میوات کا سفر کیا اور میوات کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دور تک چلا گیا۔ جالیسر پہنچ کر ناصرالدین بہت سخت بیمار پڑا اس بیماری کی حالت میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ بہادر ناہر نے نافرمانی کی ہے اور دہلی کے بعض نواح کو خوب لوٹا اور برباد کیا ہے۔ بادشاہ نے باوجود بیماری کے جالیسر سے میوات کا سفر کیا۔ بادشاہ کوٹلے تک پہنچا تھا کہ بہادر ناہر مقابلہ پر آ گیا مگر شکست ہوئی پہلے تو وہ حصار کوٹلے میں قلعہ بند ہوگیا، لیکن یہاں اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھا اور جھرکھر بھاگ گیا۔

ناصرالدین اس عمارت کی تکمیل کے لیے پھر جالیسر آگیا جس کی بنیاد ڈالی تھی۔ یکم ربیع الاول ۷۹۶ھ میں بادشاہ نے ہمایوں خاں کو جو اس دوران دہلی میں ٹھہرا ہوا تھا شیخا کھکھر کو تہ تیغ کرنے کے لیے حصار لاہور روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔

ناصرالدین کی رحلت

بیٹے نے ابھی دارالسلطنت سے قدم باہر نہیں نکالے تھے کہ بادشاہ نے آخرت کا سفر کیا۔ اس کی علالت روز بروز زور پکڑتی گئی اور مرض میں بے قراری بڑھتا چلا جا رہا تھا آخر کار ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کی لاش دہلی لائی گئی اور ناصرالدین بھی

سکندر شاہ بن ناصرالدین محمد شاہ

ناصرالدین محمد کی وفات کے بعد ہمایوں خاں ۱۹ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں مسند نشین ہوا اور اپنے کو سلطان سکندر شاہ کے نام سے مشہور کیا۔ سکندر شاہ نے اپنے باپ کے عاملوں اور حکماء کو ان کی پرانی خدمات پر مامور رکھا۔ ابھی اس کو ایک ماہ بھی حکومت کرتے نہ گزرا تھا کہ صحت نے جواب دے دیا اور مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ بیماری شروع ہونے کے پورے پندرہ دن بعد اس نے بھی حوض کے کنارے اپنے باپ اور دادا کے پاس ہی اپنی جگہ بنالی۔ اس نے ایک ماہ پندرہ دن حکمرانی کی۔

ناصرالدین محمود بن ناصرالدین محمد

سکندر کی وفات کے بعد جانشینی کا معاملہ معرض التواء میں پڑا رہا اور پندرہ دن تک تخت دہلی خالی پڑا رہا اس بارے میں اختلاف آراء تھا۔ بالآخر خواجہ جہاں کی کوشش سے ناصرالدین محمد کا سب سے چھوٹا فرزند محمود حکمرانی کے لیے چنا گیا۔ امراء نے اس کو تخت پر بٹھا کر اس کا لقب بھی ناصرالدین ہی رکھا اور تمام ارکین و امراء نے محمود کی حکومت پر بیعت کی اور اس کے آگے اطاعت شعاری کا عہد کیا۔ خواجہ جہاں حسب سابق عہدہ وزارت پر قائم رہا۔ مقرب خاں کو مقرب الملک کا خطاب اور وکیل سلطنت و امیرالامراء بنا دیا گیا۔ دولت خاں کو دیبر عارض ممالک مقرر کیا گیا۔ سعادت خان باربکی کے عہدہ پر رکھے گئے' سارنگ خاں کو دیپالپور کا حاکم بنا دیا گیا۔ دہلی میں مختلف ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ایک طرح کا انقلاب آ چکا تھا' سلطنت کی مضبوطی اور طاقت ختم ہو رہی تھی' ملک میں چاروں طرف بغاوت و سرکشی کی آگ پھیل رہی تھی' ہندو ہر طرف خوابیدہ فتنوں کو بیدار کرنے میں مصروف تھے۔ خصوصاً" مشرقی ہندوؤں نے خوب فتنہ پردازی شروع کی تھی۔

خواجہ جہاں کو ناصرالدین محمود نے سلطان الشرق کا لقب دے کر بیس عدد ہاتھی اور ایک لشکر عظیم کے ساتھ قنوج اور بہار کے ہندوؤں کو تہ تیغ کرنے کے لیے بھیجا۔ خواجہ جہاں نے سلطنت کے مشرقی حصہ میں امن و امان قائم کر کے جونپور تک کا دورہ کیا اور بنگال کے حکمرانوں سے بقایا چند سال کا خراج اور ہاتھیوں کی مقرر شدہ تعداد وصول کی۔ حاکم دیپالپور سارنگ خاں نے ملتان اور اس کے آس پاس کی فوج جمع کی اور شیخا کھکھر سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا۔ شیخا کھکھر نے بھی اپنا لشکر منظم کیا اور اجودھن سے چلا' لاہور سے بیس کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکر نبرد آزما ہوئے۔ فریقین میں جنگ عظیم ہوئی جسے زمانہ یاد رکھے گا۔ کھکھر کو شکست فاش ہوئی وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کھکھر لاہور آیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر کوہ جموں میں جا کر پناہ لی۔ سارنگ خاں نے لاہور کی حکومت کی عنان اپنے چھوٹے بھائی عادل خاں کے ہاتھ میں دی اور خود دیپالپور واپس آ گیا۔ اسی زمانہ میں ناصرالدین محمود نے مقرب الملک کو سو عدد ہاتھی اور تربیت یافتہ فوج کے ساتھ دہلی میں چھوڑا اور خود گوالیار اور بیانہ کی طرف چل پڑا۔

سعادت خاں باربک بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ بادشاہ گوالیار کے نزدیک پہنچا۔ مبارک خاں پسر ملک راجو ملوخاں برادر سارنگ خاں اور ملک علاءالدین دہار والے نے سعادت خاں کو قتل کی سازش کی۔ سعادت خاں ان کی سازش کو سمجھ گیا اور دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا مگر ملو خاں اس سے بچ کر دہلی بھاگ گیا۔ ناصرالدین محمود اس فساد کے بعد دہلی واپس آیا۔ مقرب الملک نے بادشاہ کا استقبال کیا' لیکن شاہی دربار کا رنگ اپنے خلاف دیکھ کر بہت فکر مند ہوا اور ملوخاں جیسے فاسد اور باغی کو پناہ دینے کی وجہ سے بہت نادم ہوا۔ مقرب الملک جلد از جلد شہر میں داخل ہو گیا اور قلعہ بند ہو کر اس نے جنگ کرنا شروع کر دی۔ تین مہینہ تک مسلسل لڑائی کا سلسلہ چلتا رہا کبھی کبھی اندرونی اور بیرونی فوجوں میں تلواریں بھی چل جاتیں۔ بادشاہ کو خوب معلوم تھا کہ یہ سارا فساد سعادت خاں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ناصرالدین محمود اپنے درباریوں اور ہاتھیوں کی مدد سے محرم ۷۹۷ھ میں شہر کے اندر داخل ہوا اور مقرب خان سے جا ملا۔ مقرب خاں دوسرے ہی دن اہل شہر کا ایک لشکر عظیم تیار کر کے سعادت خاں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نکل آیا۔ مقرب الملک کو شکست ہوئی اور مجبوراً" پھر اس نے شہر میں جا کر پناہ تلاش کی۔ برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ حصار دہلی بہت پائدار تھا۔ سعادت خاں نے شہر کے گرد و نواح میں قیام

خان بن فتح خاں بن سلطان فیروز تغلق کو میوات سے فیروز آباد بلوایا اور ناصرالدین نصرت شاہ کا لقب دے کر اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔

نصرت شاہ

سعادت خان نے بادشاہ کو کٹھ پتلی بنا کر تمام سلطنت کی مہموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سعادت خاں کے اس طرح قبضہ و تصرف سے دیگر امراء اور غلامان فیروز شاہی اس سے متنفر ہو گئے اور ان لوگوں نے فیل بانوں کو بھی سعادت خاں کے خلاف کر دیا۔ امیروں اور غلاموں نے بادشاہ نصرت شاہ کو بھی سعادت خاں سے برگشتہ کردیا۔ اسے یہ لوگ ہاتھی پر بٹھا کر سعادت خاں کی مدافعت کے لیے بڑھے' سعادت خاں کو ان حالات کی بالکل خبر نہیں تھی اس لیے اس میں مقابلہ کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ نصرت شاہ کے مقابلہ سے بھاگ کر خود اپنے ہاتھوں موت کا شکار ہوا۔ سعادت خاں نے مقرب الملک سے امان چاہی اور اس کے پاس چلا گیا' لیکن چند روز کے بعد ہی اس کو تہ تیغ کر دیا گیا اور فیروز آباد کے امراء نے نئے سرے سے نصرت شاہ کی اطاعت قبول کی اور حلف اٹھایا اور بہت سے شہروں پر اپنا قبضہ و تصرف کرلیا۔ اس فساد نے سلطنت دہلی کے دو حکمران بنا دیے اور اس طرح سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔

دو بادشاہوں کی حکمرانی

اب امراء بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے کچھ لوگ جن میں تاتار خاں گجراتی' شہاب ناہر اور فضل اللہ بلخی شامل تھے' نصرت شاہ کے ساتھ تھے۔ ناصرالدین محمود کے طرفداروں میں مقرب الملک اور اس کے ساتھی تھے۔ سیری کے قلعہ کا حاکم ملو خاں' اقبال خاں اور بہادر ناہر ان دونوں حکمرانوں سے بالکل الگ رہے اور نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر فریقین میں تخت کے لیے کشمکش جاری تھی' کبھی فیروز آباد کی فوجیں دہلی کی طرف آ جاتیں اور کبھی دہلی کی سپاہ فیروز آباد پہنچ جاتی نوبت یہاں تک پہنچی کہ فریقین میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا اس تگ و دو میں رعایا کا خون ہو رہا تھا۔ اور کوئی نتیجہ خیز بات سامنے نہ آتی تھی اسی دوران میں دیپالپور اور ملتان کے حاکموں' سارنگ خاں اور خضر خاں میں ۷۹۸ھ میں بدظنی شروع ہوئی آپس میں خوفناک جنگ ہوئی۔ نتیجہ میں سارنگ خاں کو فتح ہوئی اور ملتان بھی اسکے قبضہ میں آ گیا۔ ۷۹۹ھ میں سارنگ خاں نے سامانہ پر چڑھائی کی اور صوبہ دار عالی خاں کو جلا وطن کر کے خود سامانہ پر بھی قابض ہو گیا۔

نصرت شاہ نے یہ واقعہ سن کر پانی پت کے صوبہ دار تاتار خاں اور ملک الیاس کو اس کے ساتھ کر کے سارنگ خاں کی تنبیہہ کے لیے بھیجا۔ محرم ۸۰۰ھ میں ان کے ہاتھوں سارنگ خاں نے شکست کھائی اور اس کے بعد ملتان چلا گیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ مرزا پیر محمد امیر تیمور کے صاحبزادے نے دریائے سندھ کے پل پر کشتیاں باندھ کر پل کو پار کرلیا ہے اور اوچھ کا محاصرہ کر رہا ہے۔ اس لیے سارنگ خاں نے فوراً" ہی ایک لشکر عظیم کے ساتھ ملک تاج الدین اور دوسرے امراء کو حاکم اوچھ کی مدد کے لیے روانہ کر دیا' لیکن مرزا پیر محمد کو ان لوگوں کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے دریائے بیاس کے ساحل پر پہنچ کر اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا اس طرح ان کی فوج بکھر گئی۔ اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے۔ ملک تاج الدین تو فرار ہو کر ملتان گیا اور سارنگ خاں ہراساں ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ مرزا پیر محمد ملک تاج الدین کے تعاقب میں ملتان پہنچ گیا۔ سارنگ خاں کہاں تک قلعہ بند رہتا۔ جب کھانے پینے کی مشکلات شروع ہوئیں تو وہ مجبوراً" باہر آیا اور پیر محمد کا مطیع ہو گیا۔ پیر محمد نے سارنگ خاں اور اس کے تمام ساتھیوں کو پکڑ لیا اور ملتان پر قبضہ کر لیا' لیکن سارنگ خاں نے بہت جلد آزادی حاصل کر لی اور ملتان کو پھر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اسی عرصہ میں اقبال خاں اور مقرب الملک میں کچھ ان بن ہو گئی۔ اقبال خاں بجائے ناصرالدین کے نصرت شاہ سے مل گیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پہنچ کر دونوں نے حلف وفاداری اٹھایا۔ اس کے بعد اقبال خاں اور نصرت شاہ مع لشکر و سپاہ قلعہ جہاں نماں میں آ گئے۔ ناصرالدین محمود مع مقرب الملک اور بہادر ناہر پرانی دہلی میں ٹھہرا رہا۔ یہ عہد و پیمان زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا تیسرے دن ہی اقبال خاں نصرت شاہ کے خلاف ہو گیا جیسے ہی نصرت شاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی اس نے حصار سیری سے نکلنے کا ارادہ کر لیا اور کامیاب ہو گیا۔ اقبال خاں

نے اس کا پیچھا کیا اس کے تمام مال و متاع اور سپاہ و لشکر پر قبضہ کر لیا' نصرت شاہ اپنے وزیر تاتار خاں کے پاس پانی پت چلا گیا۔

مقرب الملک کا قتل

اقبال خاں نے فیروز آباد پر قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی اور مقرب الملک کی باہمی آویزش کا بھی آغاز ہوا۔ مسلسل دو مہینہ تک دونوں ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کی کوشش میں لگے رہے۔ آخر کار امراء اور بادشاہ نے مل کر ان کی باہمی کشمکش کو دور کیا' لیکن اقبال خاں پھر بھی اپنی وفاداری کا عہد نہ نبھا سکا اور دنیا کا کچھ خیال کیے بغیر ایک دن مقرب الملک کے گھر پہنچا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس حرکت کا ناصرالدین محمود پر بھی اثر ہوا۔ اقبال خاں نے ناصرالدین محمود کو اپنے رعب سے بالکل اپنے بس میں کر لیا جو چاہتا کرا لیتا۔ اس نے اسیری میں تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑا اور خود ناصرالدین محمود کو ساتھ لے کر تاتار خاں کو قتل کرنے کے لیے پانی پت روانہ ہوا۔ ادھر تاتار خاں نے اپنے ساز و سامان اور سپاہ کو پانی پت کے قلعہ میں چھوڑا اور خود دوسرے راستے سے فرار ہو کر دہلی پہنچا۔ اقبال خان نے قلعہ کو سر کر لیا۔ اور تمام سامان قبضے میں لے کر دہلی واپس آ گیا۔ تاتار خاں اس عرصہ میں قلعہ دہلی پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا اور ڈر کر اپنے باپ ظفر خاں کے پاس گجرات پہنچ گیا۔ اقبال خاں دہلی میں رہ کر امور سلطنت کو انجام دینے میں مصروف ہو گیا ابھی اس کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ امیر تیمور کے حملہ کی اطلاع ملی پتہ چلا کہ وہ دریائے سندھ کو پار کر کے ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

امیر تیمور کا ہندوستان پر حملہ ۸۰۰ھ

امیر تیمور نے جب یہ سنا کہ ہندوستان میں ہنگاموں اور شورشوں کا بازار گرم ہے تو اس نے ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور بہت جلد دریائے سندھ پار کر کے حملہ کر دیا۔ اس نے چول جلالی کے کنارے (جو جلال الدین منگ برنی کے وہاں رہنے کی وجہ سے اسی نام سے مشہور ہے) اپنا ڈیرا ڈالا۔ پہاڑ کے دامن میں رہنے والے بہت سے زمیندار صاحب قران کی ملازمت میں آ گئے اور شہاب الدین دریائے جہیت کی آس پاس اپنے شہروں کی حفاظت کرتا رہا۔ تیموری شہزادہ مولیاں جانے کی تیاری کرنے لگا ادھر مرزا پیر محمد نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تیموری شہزادے کے جانے پر شہاب مبارک نے مرزا پیر محمد کی ملازمت کر لی۔ مرزا نے اس کے ساتھ بہت مہربانی کی' مگر اس نے دغا کی اور اس کا مخالف ہو گیا۔ امیر تیمور نے اس کی تنبیہہ کے لیے شیخ نورالدین کو بھیجا اس کے ساتھ ایک کثیر تعداد سپاہیوں کی بھی روانہ کی۔ شہاب سے اطاعت گزاری کے لیے کہا گیا مگر اس کو اپنے قلعہ پر بہت ناز تھا۔ اس نے قلعہ کے آس پاس ایک گہری خندق کھدوا دی اور اس میں آب نیلاب ڈالدیا۔ شیخ نورالدین نے پہلے ہی آ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ شہاب کا ارادہ شبخون مارنے کا تھا مگر اس کو کامیابی نہ ہوئی دونوں میں خوب جنگ ہوئی قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔ جس کے نتیجے میں شہاب ہار گیا اور مع اپنے بال بچوں کے کشتیوں پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔ امیر نورالدین بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ادھر امیر تیمور امیر نورالدین کو بھیجنے کے بعد خود اس کے پیچھے چل پڑا تھا یہ دونوں جموں اور چناب کے سنگم پر پہنچے تو ایک سربفلک قلعہ نظر آیا جس کا نام قلعہ تلنبہ تھا۔ امیر تیمور کے حکم کے مطابق نہر پر پل باندھ دیا گیا ساری فوج اس کو پار کر کے تلنبہ کے میدان میں آ گئی یہیں خیمے لگائے گئے لشکر میں غلہ کی بہت کمی تھی۔ لہٰذا شہر کو امیر تیمور کے حکم سے برباد کر دیا گیا۔ جہاں کہیں غلہ اور مال و متاع نظر آیا اس کو قبضہ میں کر لیا گیا' یہاں سے یہ لشکر شہر شاہنواز کے نواح میں جا پہنچے اور ٹھہر گیا۔ یہاں پر اناج بہت تھا۔ فوج نے اپنی ضرورت کے مطابق تو لے لیا باقی کھلیانوں میں آگ لگا دی یہاں کے لوگوں کا جرم یہ تھا کہ جب شہزادہ پیر محمد یہاں سے گزرے تو اس کی اطاعت نہیں کی تھی۔ امیر شاہ اور ملک شیخ محمد نے لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر قتل و غارت گری کا وہ منظر پیش کیا کہ تاریخ کے اوراق کبھی نہ بھول سکیں گے صرف علماء سادات اور مشائخ اس آگ سے بچے تھے

بہت زیادہ ہوئی جس سے گھوڑے مر گئے مجبور ہو کر شہزادہ قلعہ بند ہو گیا- اس کے دشمن جو گرد و نواح میں تھے چوری چھپے راتوں کو آتے اور شہزادہ کا مال و متاع جو چاہتے لوٹ کر لے جاتے- ان حالات میں شہزادہ بہت پریشان ہو گیا تھا اس کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنے پیادہ لشکر کو لے کر یہاں سے نکل جائے- یہ اس شش و پنج میں تھا کہ اس کو پتہ چلا کہ امیر تیمور دریائے بیاس کے ساحل سے گزر رہا ہے- چودھویں صفر جمعہ کے دن اس نے مع اپنی فوج امیر تیمور کی خدمت میں حاضری دی اور اس نے وہ تمام تحفے و سامان جو ہندوستان سے اسے ملے تھے- امیر کے سامنے رکھ دیے اور سارا سامان امرائے لشکر میں تقسیم کر دیا امیر تیمور نے بھی تین ہزار گھوڑے شہزادے کی فوج میں بانٹ دیے-

شہزادے کو حاکم بھٹیز سے شکایت تھی اس لیے تیمور نے اس حاکم کی سرکوبی ضروری سمجھی اور اجودھن پہنچ گیا- اجودھن کے باشندے بہت خوف زدہ ہوئے بہت سے تو حصار بھٹیز میں روپوش ہو گئے اور بہتوں نے شہر ہی میں رہنا مناسب سمجھا- امیر تیمور نے اجودھن میں سب سے پہلے حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر حاضری دی اور بھٹیز کے باشندوں کی جان بخشی کر کے قلعہ بھٹیز کی طرف چل پڑا یہ سارا سفر امیر تیمور نے ایک ہی دن میں طے کر لیا-

قلعہ بھٹیز کی فتح

یہ قلعہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے بہت مشہور تھا یہاں پر آج تک کوئی دشمن نہ پہنچ سکا تھا امیر پہلا مسلمان تھا جس نے یہ جرات کی تھی- اس کی آمد سے اجودھن اور دیپالپور کے باشندوں میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا- آس پاس کی ساری رعیت اس قلعہ میں پناہ لینے کے لیے بھاگی کیونکہ اس سے زیادہ مستحکم اور کوئی حصار دور دور تک نہ تھا- جو لوگ قلعہ بند نہ ہو سکے وہ خندق کے پاس پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے-

امیر تیمور جب قلعے کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے بیرون قلعہ کے تمام لوگوں کو تہ تیغ کیا اور پھر قلعہ کی جانب قدم بڑھائے یہاں کا حاکم خلجی راؤ تھا- یہ بہت جری اور بہادر تھا اس وقت کے ہندو حکمرانوں میں سب سے زیادہ قوی' وہ کمر ہمت باندھ کر باہر آیا- اس کو لشکر کشی اور قلعہ کے تحفظ کا بہت تجربہ تھا- ہندی میں "راؤ" کا مطلب ہی بہادر ہوتا ہے اور یہ اسم بامسمی تھا- اس نے اپنی فوجیں آراستہ کیں اور برسرپیکار ہوا مگر ناکامی ہوئی تو مجبوراً قلعہ میں جا چھپا تیمور پیچھے ہٹنے والا نہ تھا- اس نے ہمت نہ ہاری اور ایک خونریز لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا- قصہ مختصر شام ہوتے ہوتے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا- مال غنیمت بہت ہاتھ آیا اس کے بعد تیمور نے قلعہ پر نظر کی- اس نے قلعہ میں ایک نقب لگانے کا حکم دیا- چنڈ دل رائے بہت خوفزدہ ہو گیا اور عاجز آ کر بادشاہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ایک قاصد کو تیمور کی خدمت میں بھیج کر استدعا کی کہ صرف ایک دن کی مہلت اس کو مل جائے اس کے بعد دوسرے دن وہ خود قلعہ کو چھوڑ دے گا- امیر نے اس کی بات کا اعتماد کر کے وعدہ کر لیا لیکن راجہ دوسرے روز باہر نہ نکلا اور وعدہ خلافی کی-

تیمور کو اس کی حرکت پر بہت غصہ آیا اور نقب زنی کا حکم دے دیا اس پر لوگوں نے اندر سے قلعہ کے برجوں پر آ کر رونا چلانا شروع کر دیا اور داد و فریاد کر کے امان چاہی- چنڈ دل رائے حضرت فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزدے (جو بھٹیز میں قیام پذیر تھے) کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر آیا اور مع ان کے امیر تیمور کے سامنے گیا- راؤ نے بہت سے جانور قیمتی اور عمدہ عمدہ تحفے تحائف' ریشمی کپڑے اور تین سو عراقی گھوڑے بطور تحفہ امیر کی خدمت میں پیش کیے- امیر تیمور نے ان تحائف کو قبول کر لیا اور اس کی جان بخشی کے ساتھ ہی ساتھ شاہانہ خلعت عطا کیا- امیر سلیمان شاہ اور امیر الہ داد کو قلعہ کی پاسبانی پر مقرر کیا تاکہ لوگوں کو قلعہ کے اندر سے نکالا جا سکے- ان کے سپرد دوسرا یہ کام گیا تھا کہ جس آدمی نے پیر محمد کے نوکر حسین کو بڑی تلوار سے سزا دی جائے پناہ گزینوں سے کہا گیا کہ وہ امانت کا مال داخل کر کے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں- امیر کی حکمت عملی رائے چنڈول اور اس کے بیٹے دونوں کو پسند نہ آئی' لہٰذا بغاوت کر دی- امیر کو ان کے منشاء کا حال معلوم ہوا اور اس نے رائے چنڈول کو نظر بند کر دیا' شہر میں لڑائی شروع ہو گئی- شہر کے لوگ امیر کے

پاس آئے جان کی امان چاہی۔ شیخ نور الدین اور امیر الہ داد نے اس سختی سے جزیہ وصول کیا کہ ہندو مسلمان سب ان امراء سے عاجز آ گئے۔ لوگوں نے اپنے مال و متاع کو برباد' بال بچوں کو قتل کر دیا اور خود کشی کر لی۔ اسی بہادر گروہ نے تیموری فوج کے ایک حصہ کو بھی ختم کر دیا۔ امیر اس شہر کو مکمل طور پر برباد کر کے پھر سرستی پہنچا یہاں کے بھاگے ہوئے لوگوں کو چن چن کر قتل کیا' ان کا تمام مال و اسباب چھین لیا پھر فتح آباد چلا گیا۔ یہ شہر بھی امیر تیمور کے ہاتھوں مسمار ہو گیا۔ اس کے ساتھ توہنہ اور اہرونی کے قلعے بھی تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اس کے بعد امیر نے سامان باربرداری تو سمانہ بھیج دیا اور خود وہاں کے جنگلات پر قبضہ کرنے کی فکر کرنے لگا۔ جتائی قوم کے ڈاکوؤں اور لٹیروں کو قتل کر کے وہاں کے سیدوں سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ پھر سمانہ سے ۵ میل کی فاصلہ پر کیتھل میں مقیم ہوا۔ تمام امراء اور شہزادے اپنی اپنی لڑائیں ختم کر کے یہیں آ کر بادشاہ کے پاس جمع ہو گئے۔

قلعہ لونی پر قبضہ

اس کے بعد بادشاہ نے فوج کو بتورہ جانے کی ہدایت کی اور خود پانی پت پہنچ گیا۔ تمام سپاہیوں کو سردی کی وجہ سے جبہ پہننے کی ہدایت کر دی۔ پھر دریائے جمنا کو عبور کرتا ہوا میان دو آبہ پہنچ گیا۔ وہاں کے قلعہ لونی پر اپنا قبضہ کیا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔ لونی کا قلعہ جمنا اور ہنڈن کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈن بہت گہری ندی ہے جس کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دریائے کالپی سے کاٹ کر لونی میں جمنا سے ملایا۔ لونی کے اکثر باشندے آتش پرست تھے۔ تیمور نے لونی کے قلعہ کو فتح کیا اور دریا کے ساحل پر "جہاں نما" میں قیام کیا اور دریا کی گزرگاہوں کی حفاظت کرنے لگا۔ امیر سلیمان شاہ اور امیر جہاں کو دہلی کی تباہی کے لیے بھیجا خود سات سو مسلح فوجی سپاہیوں کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر کے جہاں نما کی عمارتوں کی سیر کرنے لگا۔ امیر تیمور ابھی دریائی راستوں اور جنگ و جدل کے بہترین موقعوں کی تلاش میں تھا کہ ناصر الدین محمود اور اقبال خاں پھر اس کی فوج کو دیکھ کر پانچ ہزار سوار اور پیادے اور ستائیس ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی فوج لے کر شہر سے باہر آئے۔ محمود سیف نے تیمور کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا اس پر تیموری فوج بہت برا فروختہ ہوئی۔ اس کی قراول نے تقریباً تین سو افراد دشمن کے مقابلہ پر آ گئے۔ بہادر اور امیر الہ داد بھی امیر تیمور کے حکم سے ان تیمور قراولوں کی مدد کے لیے میدان میں آ گئے۔ وہ لشکر عظیم کے ساتھ دریا کے اس طرف پہنچے اور تیر چلانا شروع کیے۔ ملوخاں اس مقابلہ سے گھبرا گیا اور میدان جنگ سے بھاگا۔ امیر نے اس امر کو اپنے لیے نیک شگون سمجھا اور لونی کے مغرب کے بجائے مشرق میں آ کر قیام کیا جو نواح دہلی سے نزدیک تھا۔ یہاں بھی اس کے دیگر امراء اور لشکری جمع ہو گئے۔ امراء نے بتایا کہ دریائے سندھ کے ساحل سے لے کر لونی کے مشرقی حصہ تک فتوحات کے سلسلہ میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ قیدی بنائے گئے تھے۔ وہ اس روز بہت خوشیاں منا رہے تھے۔ جب ناصر الدین اور ملوخاں امیر تیموری فوج کے ساتھ برسرپیکار تھے اور دشمنوں کی فتح کی دعائیں کر رہے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب قیدی آپس میں مل کر امیر تیمور کے خلاف ہو جائیں۔

یہ سب قیدی زیادہ تر ہندو تھے۔ لہٰذا امیر تیمور نے یہ بات سن کر حکم عام دے دیا کہ کوئی فوجی اپنی خدمت کے لیے پندرہ سال کے بعد کا قیدی نہ رکھے اگر پورے پندرہ سال قید کے پورے ہو گئے ہیں تو اس کو تہ تیغ کیا جائے' ورنہ خدمت لینے والا سپاہی قتل کیا جائے اور اس سپاہی کے مال و متاع کا مالک وہ شخص ہو گا جو سپاہی نافرمانی کی اطلاع بادشاہ کو دے گا اس حکم کے مطابق ایک دن میں ایک لاکھ قیدیوں کی جان لی گئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی قاعدہ بنا دیا گیا کہ ہر دس سپاہیوں میں سے ایک سپاہی نو عمر غیر مسلم قیدیوں کی حفاظت کرنے والا ہو گا۔ فرمان جاری کیا گیا۔ پانچویں جمادی الاول کو تیموری فوج دریائے جمنا عبور کرتی ہوئی فیروز آباد کے میدان میں آ کر ٹھہری۔ فوجی ... نے آ کے ایک بہت بڑی خندق کھودی اور اس میں کانٹے' بھینسوں کے پاؤں اور گردنیں ڈال دیں' سپاہی رات کو لشکر کی

ڈٹ گیا۔ اقبال خاں اور ناصرالدین محمود دونوں کو اس بات کی خبر ہوئی وہ لوگ سو ہاتھی اور اور ایک لشکر جرار لے کر میدان میں آ گئے۔ تیموری سپاہیوں کی بہادری کے سامنے ہاتھیوں کی فوج بھی مات کھا گئی اور آناً فاناً سارے ہاتھی تیر اور نیزوں کا شکار ہو گئے۔

ناصرالدین محمود کی شکست

دشمن کے سپاہی اپنے آپ میں مقابلہ کی ہمت نہ پا کر میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے' مگر اب ناصرالدین محمود اور اس کا خادم ملوخاں بھی گھبرا گئے اور انہیں بھی راہ فرار کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ تھوڑی سی فوج کے ساتھ لڑائی کے میدان سے نکل کر شہر میں پہنچ گئے۔ امیر تیمور نے شہر کے دروازے تک ان فراریوں کا پیچھا کیا اور کامیاب و کامران واپس آیا' تیمور نے حوض خاص کے پاس اپنا خیمہ لگایا۔ ناصرالدین اور ملوخاں چھوٹی سی جمعیت لے کر شہر میں داخل ہوئے تھے' وہ اسی رات وہاں سے فرار ہو گئے۔ ناصرالدین گجرات چلا گیا۔ ملوخاں نے برن میں پناہ لی۔ امیر نے فرار کی خبر پاتے ہی ان کا پیچھا کرنے کے لیے اپنے آدمی دوڑائے' امیر تیمور کے سپاہیوں نے مفروروں کے ساتھیوں کو تو راستہ ہی میں ختم کر دیا اور ملوخاں کے بیٹوں سیف الدین اور خداداد دونوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ امیر تیمور نے اب عید گاہ کے میدان میں قیام کیا۔ بڑے بڑے عالم فاضل اور مشائخ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جان کی امان چاہی۔ امیر نے سب کو مالا مال کیا جمعہ کے دن جامع مسجد کے خطبہ میں امیر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

سولھویں جمادی الاول کو کچھ امراء مال غنیمت کا حساب کر رہے تھے اور کچھ لوگ مجرم باغیوں کو جو شہر میں چھپ گئے تھے تلاش کر رہے تھے۔ اس وجہ سے شہر میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا حالانکہ تیموری امراء نے سپاہیوں کو خاطر خواہ نصیحت کی تھی اور شہر میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے کہا تھا' مگر فوجیوں کے لیے ان کی نصیحت بیکار ثابت ہوئی اور اسی طرح لوٹ مار جاری رہی۔ ہندوؤں نے اپنے بال بچوں کو خود ہی مار ڈالا اور سامان میں آگ لگا دی ادھر امیر تیمور پانچ دن کے لیے خلوت نشیں ہو گیا تھا لہٰذا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے تخلیہ میں خلل اندازی کر سکے اور بادشاہ کو اس ہنگامہ کی خبر دے۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے تاکہ باہر سے لٹیرے اور باغی شہر میں نہتے سپاہیوں پر حملہ نہ کریں۔ رات بھر باغی اور لٹیرے حملے کرتے رہے صبح شہر کا دروازہ کھلا یہ سب اندر داخل ہو گئے۔ سپاہیوں نے ** سے زیادہ باغیوں کو گرفتار کیا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کیا۔ مال و متاع اس قدر زیادہ تھا کہ اس کا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے۔ طرح طرح کے قیمتی ہیرے' جواہرات' الماس' یاقوت' مروارید وغیرہ تیموری سپاہیوں کے ہاتھ آئے۔ بادشاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہونے کی روایتیں مختلف ہیں۔ راقم فرشتہ کا خیال ہے کہ ہندوؤں کی ایک جماعت جامع مسجد میں لڑ جھگڑ رہی تھی کہ تیموری سپاہیوں نے اس جمعیت کو گرفتار کر لیا۔ لیکن نظام الدین احمد وغیرہ نے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ تیموری عامل لگان کی وصولی کر رہے تھے۔ لوگ ان کی سختی اور دست درازی سے بہت تنگ آ گئے تھے۔ انہوں نے رقم دینے سے انکار کر دیا اور چند عاملوں کو قتل بھی کر دیا۔ بادشاہ نے اس بات سے برہم ہو کر حکم دیا کہ سادات' علماء اور مشائخ کو چھوڑ کر باقی سب کا خون معاف ہے۔ یہ سنتے ہی تیموری سپاہی بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے اور خوب دل کھول کر لوٹ مار کی۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ کسی اور بادشاہ کے عہد میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ امیر نے ایک سو بیس ہاتھیوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہ فیروز شاہ کے وقت کے پروردہ تھے اس کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں اس کو محمد تغلق کی بنائی ہوئی رنگین مسجد بہت پسند آئی۔ اس نے سمرقند میں ایسی ہی مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ دہلی کے سنگتراش سمرقند بھیجے گئے اور وہاں ایسی ہی مسجد تعمیر کی گئی۔

امیر تیمور کی ہندوستان سے واپسی

امیر تیمور نے کل پندرہ دن دہلی میں قیام کیا اس کے بعد اپنے وطن کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت سپاہیوں کی ایک جماعت کو علماء اور مشائخ کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ خود شہر سے فیروز آباد چلا گیا بادشاہ ابھی فیروز آباد ہی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ راجہ بہادر ناہر نے اس کو تحفہ

دو سفید ہاتھی بھیجے اور اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ امیر تیمور نے سید شمس الدین ترمذی کو اس کے پاس بھیجا' بہادر ناہر نے انہیں کی وساطت سے امیر تیمور کی ملازمت حاصل کر لی۔ خضر خان جو ناصرالدین محمود اور امیر تیمور کی باہمی کشمکش کے زمانہ میں میوات کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا تھا اب باہر نکلا اور اس کو بھی الطاف شاہانہ سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ فیروز آباد سے پانی پت پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے امیر شاہ ملک اور دیگر امیراء کی ایک طاقتور جماعت کو میرٹھ کے قلعے کی فتح کے لیے بھیجا۔ یہ قلعہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مضبوط تھا' امیر شاہ میرٹھ پہنچا اور تیمور کو اطلاع دی کہ قلعے کے لوگ لڑتے جھگڑنے پر آمادہ ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے فتح کرنے والے بہت سے آئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ امیر تیمور کو ان لوگوں کی خود سری بہت ناگوار گزری اس نے بہ نفس نفیس حملہ کرنے کی ٹھانی۔ تیموری سپاہیوں نے قلعہ میں سرنگ کھودنا شروع کر دی بہت جلد دس پندرہ گز کی نقب تیار ہو گئی۔ الیاس اعوان عالی اور مولانا احمد تھانیسری کے صاحبزادے نیز ملک صفی کبیر وغیرہ جو جان ہتھیلی پر رکھ کر مقابلہ کے لیے تیار تھے میدان میں آ گئے۔ مگر تیموری سپاہی کمند کے ذریعہ قلعہ کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ نقب مکمل ہونے سے پہلے ہی ان بہادر تیموری سپاہیوں نے اہل قلعہ کو تہ تیغ کر دیا اور قلعہ پر فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔

اس دوران میں نقب بھی تیار ہو گئی اور قلعہ کی چار دیواری اور اس کے برج توپ سے اڑا دیے گئے۔ غرضیکہ جو حال بھٹیز کے قلعہ کا ہوا تھا وہی حشر میرٹھ کے قلعہ کا ہوا۔ اتنی بلند عمارت منٹوں میں مسمار ہو گئی اس سے تیموریوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ فاتحین کو اس پر بڑا ناز ہوا۔ امیر تیمور سوالک پہاڑ کی طرف بڑھا اور اس پہاڑی سلسلہ کے جتنے آباد شہر تھے سب کو جی بھر کر برباد و تاراج کیا پھر وہ دریائے گنگا کو پار کرتا ہوا دوآبہ پہنچا اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو لوٹ مار کر ختم کر دیا ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ اس خطہ میں محمود غزنوی بھی گیا تھا ان لوگوں کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا اس فتح کے بعد تیمور واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں رتن نام کے ایک زمیندار کو قتل کر کے اس کا مال اسباب اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جموں تک پہنچتے پہنچتے چھوٹے بڑے بہت سے قلعے فتح کر لیے۔ جموں کے راجہ نے بھی خود سری کا ارادہ کیا' لیکن بادشاہ کے رعب کے سامنے اس کی ایک نہ چلی' وہ بادشاہ کی دعوت پر مسلمان ہو گیا۔

شیخا کھکھر نے اپنے چھوٹے بھائی جیرت کھکھر کو جو خوف سے بڑے بھائی کے پاس چھپ گیا تھا تیمور سے مقابلہ کرنے پر بہت لعنت ملامت کی۔ وہ سارنگ خان کے بالکل خلاف ہو کر اپنے وطن کی طرف چلا اور تیمور کی بارگاہ میں کامیابی حاصل کر لی شیخا کھکھر بادشاہ کی نگاہ میں بحال ہو گیا خلعت شاہانہ سے سرفراز ہوا۔ امراء تیموری میں سے کسی کی ہمت نہ تھی کہ اس کے خلاف ایک کلمہ بھی اپنے منہ سے نکالے۔ مگر شیخا کھکھر کا آفتاب بہت جلد گہنا گیا۔ تیمور اپنے وطن واپس گیا تو شیخا کھکھر موقع پا کر لاہور کے قلعہ کا مالک بن بیٹھا۔ اس نے مورخ فرشتہ کے بزرگوں میں سے ایک شخص ہندو شاہ (جو شاہی خزانچی تھا) اور ماوراءالنہر کے نامی بزرگ مولانا عبداللہ صدر کے ساتھ اپنے اخلاص کو بالائے طاق رکھ کر بہت برا سلوک کیا۔ اس کا غرور اتنا بڑھ گیا کہ تیمور جب پنجاب سے گزرا تو اس سے ملاقات تک کرنے نہ آیا۔ امیر تیمور کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے معتبر امراء اور شہزادے کو اس کی سرکوبی کا حکم دیا۔ لاہور کے قلعہ کو ان لوگوں نے فتح کر کے شیخا کو گرفتار کر لیا۔ تیمور نے اس کو قتل کر کے لاہور' دیپالپور اور ملتان کی حکومت خضر خاں کو دے دی۔ خود کابل کے راستے سمرقند چلا گیا' دہلی اور سیری دونوں مقامات دو ماہ تک ویران پڑے رہے۔ پھر ان شہروں کو قدرتی وبا نے بھی گھیر لیا' قحط نے ان شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ نصرت خاں' ملو اقبال خاں کے خوف سے دوآبہ میں پناہ گزین تھا وہ موقع پا کر میرٹھ پہنچا۔ عادل بھی اپنی فوج اور چار ہاتھیوں کے ساتھ اس سے جا ملا۔ نصرت شاہ کو عادل خاں پر اعتماد نہ تھا لہٰذا اسے میرٹھ پہنچتے ہی قید کر لیا گیا۔ اس کے مال و متاع پر قبضہ [illegible] نے [illegible] ہزار سواروں کی فوج لے کے نصرت شاہ فیروز آباد پہنچا دہلی کی تباہ و برباد زمین پر قبضہ کر لیا۔ شہاب خاں اپنے لشکر اور دس عدد

و بربادی کے لیے برن روانہ کیا۔

ادھر ملو خاں نے وہاں کے باشندوں کو خوب اشتعال دلایا شہریوں نے شہاب خاں کو قتل کر ڈالا۔ ملو خاں نے شہاب کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا اور نئی طاقت حاصل کر کے پھر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ اس کے مقابلہ پر ٹھہر نہ سکا اور میوات چلا گیا۔ ملوخاں دوسری دفعہ دہلی کا حاکم ہو گیا اور قلعہ سیری میں قیام کیا۔ اب دہلی میں کچھ اطمینان ہوا اور جو لوگ تیمور سے خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے وہ سب واپس آ گئے اور یہ ویران جگہ کچھ آباد نظر آنے لگی۔ پرانی دہلی میں وہی ویرانی اور کھنڈرات نظر آتے تھے نئی دہلی خوب ترقی کر رہی تھی۔ میان دوآبہ پر اقبال خاں کا قبضہ ہو گیا اور جو مقامات دور تھے وہاں جس نے چاہا قبضہ کر لیا۔ گجرات کا حاکم خاں عالم ظفر خاں بن بیٹھا' مالوہ پر دلاور خاں نے قبضہ کر لیا' جونپور' قنوج' اودھ اور کڑہ پر سلطان اشرف خواجہ جہاں کا قبضہ ہو گیا۔ امیر تیمور کے حکم کے مطابق لاہور' ملتان' دیپالپور کا حاکم خضر خاں مقرر ہو گیا غالب خاں کو سمانہ کا حاکم بنایا گیا۔ بیانے پر شمس الدین اوحدی کا قبضہ ہوا ہر ایک اپنے اپنے علاقے میں خود مختار بن بیٹھا کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔

ملوخاں کا دہلی پر حملہ

۸۰۳ھ جمادی الاول میں ملوخاں نے دہلی سے بیانہ پر حملہ کیا اور شمس خاں سے جنگ کر کے حکومت اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے کمپیر کی طرف چلا اور وہاں کے راجہ نرسنگھ سے پیشکش وصول کر کے پھر دہلی چلا آیا یہاں پہنچتے ہی اس کو معلوم ہوا کہ سلطان اشرف جہاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کا بیٹا واصل خاں مبارک شاہ کے لقب سے حکومت کا وارث بن بیٹھا ہے۔ یہ سنتے ہی ملوخاں نے ایک مہینہ کے اندر ہی اندر سلطان مبارک شاہ پر حملہ کر دیا۔ شمس خاں (جو بیانہ کا حاکم تھا) مبارک خاں اور بہادر ناہر' ان سب نے ملو اقبال خاں کا ساتھ دیا۔ وہ دریائے گنگا کے ساحل پر قصبہ پٹیالی پہنچا یہاں رائے سمیر اور دوسرے زمیندار حاکم اس سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے' مگر میدان سے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کے بعد ملوخاں قنوج پہنچا اور ابھی جونپور اور لکھنؤ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ مبارک شاہ ایک لشکر عظیم لے کر اس سے لڑنے کے لیے آیا دونوں فوجوں کے بیچ دریائے گنگا حائل تھا۔ لہٰذا دو ماہ کی تگ و دو کے بعد جب پانی کو عبور کرنے کی ہمت فریقین میں سے کسی کو نہ ہوئی تو مجبوراً اپنے اپنے خیمے اکھاڑ کر واپس چلے گئے۔ ملوخاں چونکہ شمس خاں اور مبارک خاں سے بدگمان ہو گیا تھا اسی باعث ان دونوں ہی کو راستہ میں قتل کر ڈالا۔

۸۰۴ھ میں سلطان ناصرالدین محمود جو ظفر خاں کے برے برتاؤ سے بہت نالاں تھا مالوہ آ گیا اور جب ملو اقبال خاں نے اس کو دہلی بلایا تو چلا آیا مگر ملو اقبال کے ڈر سے گوشہ نشین ہو گیا اور مہمات سلطنت کا خیال بھولے سے بھی دل میں نہ لایا حکومت سے بھی بالکل دست کش رہا۔ اتفاق سے اسی سال مبارک شاہ کا جونپور میں انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی شاہ ابراہیم حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر بیٹھا۔ ملو اقبال کو موقع ہاتھ آیا اور ناصرالدین محمود کو ساتھ لے کر قنوج پر حملہ کیا۔ شاہ ابراہیم نے مشرقی سپاہیوں کے ساتھ بڑے کروفر سے اس کا مقابلہ کیا اور اپنے ملک کو اس کے قبضے میں کسی طرح نہ آنے دیا۔ ادھر ناصرالدین کے ذہن میں یہ بات آئی کہ چونکہ ابراہیم شاہ اس کا پروردہ اور خانہ زاد ہے لہٰذا وہ خیال کرے گا اور حکومت کی عنان اس کے ہاتھ میں دے کر خود اس کی اطاعت کرے گا مگر اس کا خیال غلط نکلا۔ ناصرالدین ایک رات شکار کھیلنے کا بہانہ کر کے ابراہیم شاہ کے پاس پہنچا' ابراہیم شاہ نے اس کے آنے کا مقصد سمجھ لیا اور معمولی خاطر مدارت جو اس کا فرض تھا وہ بھی نہ کی۔ ناصرالدین مایوس واپس آیا اس نے ابراہیم شاہ کے نائب کو قنوج سے نکال دیا اور خود قبضہ کر لیا۔ شاہ ابراہیم جونپور واپس چلا آیا اور ملوخاں نے دہلی کی راہ لی۔

ملوخاں کا قلعہ گوالیار پر حملہ

۸۰۵ھ میں ملوخاں نے گوالیار کے قلعہ پر حملہ کیا یہ قلعہ پر آشوب تیموری زمانہ میں راجہ نرسنگھ کے قبضہ میں آ گیا تھا اور اس وقت

اس کا بیٹا پرم دیو اس قلعہ کا حکمران تھا- لہٰذا پرم دیو کی قوت اور قلعہ کی مضبوطی نے ملوخاں کو اس ارادے میں ناکام رکھا- دوسری بار اس نے پھر قلعہ پر دھاوا بولا- اس بار پرم دیو نے قلعہ سے باہر آکر مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر پھر قلعہ میں جا چھپا- اس دفعہ بھی ملوخاں نے اس کے آس پاس کی مقامات میں خوب لوٹ مار کی اور دہلی واپس چلا گیا- ۸۰۷ھ میں اٹاوہ پر اقبال خاں نے پھر حملہ کیا- رائے سمیرد اور رائے تھمالہ وغیرہ جو اٹاوہ میں موجود تھے' ان سب سے پیشکش وصول کی اور چار ماہ مسلسل لڑنے کے بعد واپس ہوا- اس کے بعد ملوخاں کی ہمت اور بڑھ گئی اس نے پورے طور پر ناصرالدین سے نمکحرامی کی اور قنوج پر حملہ کیا جہاں ناصرالدین حکمرانی کر رہا تھا- ناصرالدین قلعہ بند ہوگیا ملو اقبال نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور عرصہ تک لڑتا رہا لیکن قلعہ کی مضبوطی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ ناکام رہا-
محرم ۸۰۸ھ میں اقبال خاں سمانہ کی طرف بڑھا- بہرام خاں جس کو فیروز شاہ نے پال پوس کر بڑا کیا تھا اور اس کا غلام تھا وہ ان دنوں سارنگ خاں کے خلاف ہوگیا تھا اور سمانہ میں مقیم تھا وہ بھی ملوخاں سے بہت خوفزدہ ہوا اور بھاگ کر قلعہ دھور میں چھپ گیا- ملو اقبال نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ کے درے تک پہنچ گیا یہاں حضرت علیم الدین جو سید جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے تھے انہوں نے بمشکل تمام دونوں کی صلح کرائی- بہرام خاں کو ساتھ لے کر ملوخاں دہلی کی طرف چل پڑا تاکہ خضر خاں کو ختم کر کے دہلی کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرے- ملو اقبال تلونڈی پہنچا اور رائے داؤد' کمال بشتی' اور رائے ہبو کو گرفتار کرلیا- بہرام خاں سے بھی اس کو خطرہ تھا لہٰذا اس کو بھی مروا دیا اور اپنے وعدے کا بالکل خیال نہ کیا پھر اجودھن کے آس پاس اپنے خیمے نصب کیے-

خضر خاں کو دشمن کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی اس نے پنجاب' ملتان' دیپالپور وغیرہ کے لشکر تیار کیے- میدان جنگ میں دونوں حریف صف آراء ہوئے- ۱۹ جمادی الاول کو جنگ شروع ہوئی- اقبال خاں پر بد عہدی اور وعدہ شکنی کا بھوت سوار تھا لہٰذا قدرت نے بھی اس کو ویسا ہی صلہ دیا اس کا گھوڑا بیچ میدان میں زخمی ہوگیا اور وہ اسلام خاں لودھی کے ہاتھوں قتل ہوگیا اسلام خاں لودھی کے سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر خضر خاں کی خدمت میں پیش کیا اس نے یہ سر اس کے وطن بھجوا دیا- فتح پور میں اس کا سر شہر کے صدر دروازے پر لٹکایا گیا-
خضر اور ملو اقبال کی اس جنگجوئی کا حال دہلی میں دولت خاں لودھی اور اختیار خاں نے سنا ان امراء نے سلطان ناصرالدین کو قنوج سے بلوا بھیجا- ناصرالدین ۸۰۸ھ میں تھوڑی سی جمعیت لے کر دہلی پہنچا اور تخت پر جلوہ افروز ہوا- لیکن اب اقبال شاہی سلطنت دہلی سے جا چکا تھا- ناصرالدین نے پنجاب اور ملتان کی مہموں کو زیادہ اہمیت نہ دی اور بہرام خاں کو دولت خان کی تباہی اور بربادی کے لئے بھیجا بھی فیروز شاہ کے پروردہ غلاموں میں سے تھا اور بہرام خان کی موت کے بعد سمانہ پر حکومت کر رہا تھا- ناصرالدین نے دولت خاں کو تو ادھر بھیجا اور خود قنوج پر دھاوا کر دیا- شاہ ابراہیم نے خوب جی کھول کر مقابلہ کیا بڑی خونریز جنگ ہوئی- مگر ناصرالدین حریف کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور مہم کو بیکار سمجھ کر واپس چلا آیا- فیروز شاہ کے وقت کے امراء اور ملازمین جو موجود تھے وہ بادشاہ کی جنگجوئی اور فوج کشی سے نہایت آزردہ ہوگئے- لہٰذا وہ بادشاہ کو بغیر بتائے ہوئے اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے- سلطان ابراہیم شرقی نے یہ حالات سنے اور دریائے گنگا کو عبور کرتا ہوا قنوج پہنچا اور اس کو فتح کیا- پھر دہلی کی طرف بڑھا وہ منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ خاں اعظم ظفر خاں گجراتی نے سلطان الپ خاں کو گرفتار کر کے مالوے پر قبضہ کرلیا ہے اور اب وہ جونپور پر بھی حملہ کرنے والا ہے یہ سن کر ابراہیم شرقی نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جونپور واپس چلا گیا-

ابراہیم لودھی اور بیرم خاں کا معرکہ

۹۱۰ھ میں پنجاب کے صوبیدار دولت خاں لودھی اور بیرم خاں سامنے سے دو میل کے فاصلہ پر صف آراء ہوئے' بیرم خاں ہار گیا اور

نے سمانہ کے گرد و نواح پر قبضہ کر لیا اور دولت خاں لودھی واپس آ گیا- ۸۱۰ھ ذیعقد میں ناصرالدین محمود ے مقرر کیے ہوے برن کے حاکم ملک میر ضیاء پر ابراہیم شرقی نے حملہ کر دیا ملک میر ضیا قلعہ سے نکل کر ناصرالدین محمود کے مقابلہ پر آیا لیکن پہلے ہی حملے میں شکست کھا گیا اور قلعہ کے اندر جا کر چھپ گیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ناصرالدین کے سپاہی بھی قلعہ میں داخل ہو گئے اور حریف کو قتل کر ڈالا- پھر ناصرالدین سنبھل جا پہنچا سنبھل کا حاکم تاتار خاں بغیر جنگ و جدل کے ہی میدان چھوڑ گیا- ناصرالدین نے اسد خان کو سنبھل میں چھوڑا اور خود دہلی واپس چلا آیا- ۸۱۱ھ میں قلعہ فیروز پور کے حاکم قوام خان پر ناصرالدین نے حملہ کر دیا- پہلے تو قوام خاں قلعہ بند ہو گیا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو گراں قیمت تحفے تحائف کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کی- ناصرالدین نے اس کی خطا معاف کی اور دہلی واپس چلا آیا- خضر خاں کو بھی یہ حالات معلوم ہوئے اور وہ فتح آباد پہنچا- اس نے ان تمام لوگوں کو بہت تکلیفیں دیں جو ناصرالدین کے طرف دار تھے اور ملک تحفہ کو حکم دے دیا کہ دو آبہ کے درمیان ناصرالدین کی حکومت کو تباہ و برباد کر دے اور خود رہتک ہوتا ہوا دہلی پہنچا- ناصرالدین کو اتنی عقل نہ تھی' وہ خضر خاں کی آمد کی اطلاع پاتے ہی فیروز آباد میں قلعہ بند ہو گیا- خضر خاں نے قلعہ کو گھیر لیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں غلہ' چارہ اور اشیائی خوردنی کی کمی سے گھبرا کر محاصرہ ختم کیا اور فتح پور چلا آیا- ۸۱۲ھ میں بیرم خاں' خضر خاں سے ناراض ہو کر دولت خاں سے مل کر آ گیا- دولت خاں اس زمانہ میں دریائے جمنا کے ساحل پر اپنے خیمے لگائے ہوئے تھا- بیرم خاں نے اپنے اہل و عیال کو پہاڑ پر بھیج دیا اور خود دولت خاں کے پاس پہنچ گیا- خضر خاں نے بھی بیرم خاں کا تعاقب کیا اور جمنا کے ساحل پر پہنچ گیا-

بیرم خاں اپنی ناعاقبت اندیشی پر بہت شرمندہ تھا اور خضر خاں کی خدمت میں بہت عجز و انکساری سے معافی کا طلبگار ہوا- خضر خاں نے اس کو پھر حاکم بنا کر اس کے پرگنہ پر بھیج دیا- ۸۱۳ھ میں خضر خاں ملک ادریس پر حملہ آور ہوا- اس کو محمد شاہ نے رہتک کا حاکم مقرر کیا تھا- ملک ادریس قلعہ میں جا چھپا مگر چھ ماہ بعد پریشان ہو کر اپنے بیٹے کو بیش قیمت پیشکش کے ساتھ خضر خاں کی بارگاہ میں بھیجا اور صلح کر کے اس کی اطاعت منظور کی- خضر خاں رہتک سے چل کر سمانے کے راستے سے فتح پور پہنچا- ۸۱۴ھ میں ان مقامات پر حملہ کیا جو رہتک کے آس پاس تھے اور جن پر ناصرالدین محمود قابض تھا- ملک ادریس اور مبارز خاں اس کے استقبال کے لیے آئے اس کی عنایتوں اور انعامات سے مالا مال ہوئے پھر اقلیم خاں اور بہادر خاں کی جائدادوں کو نارکول میں تہ و بالا کیا اور اس کے بعد دہلی پہنچا- سلطان ناصرالدین سیری کے قلعہ میں ٹھہرا ہوا تھا خضر خاں نے اس کے قلعہ کو گھیر لیا- اختیار خاں فیروز آبادی نے ناصرالدین محمود کی زوال آمادہ حکومت کا اچھی طرح اندازہ لگا لیا اور اسی باعث خضر خاں کی طرف چلا گیا- اختیار خاں خضر خاں کو فیروز آباد لے کر آ گیا اور دو آبہ کے درمیان قبضہ کر کے غلہ' اجناس' اور چارے کی بہم رسانی کے تمام راستے اہل دہلی پر بند کر دیے- مگر ناصرالدین کی قسمت میں ابھی حکمرانی باقی تھی-

ناصرالدین محمود کی وفات

قحط کی وجہ سے خضر خاں دو آبے سے واپس لوٹا اور فتح پور چلا گیا- رجب کے مہینہ میں ناصرالدین نے کیتھل کا سفر کیا اور شکار کھیلنے میں لگ گیا شکار گاہ سے لوٹ رہا تھا کہ ذیقعدہ کے مہینہ میں بیمار پڑ گیا اور چند دنوں کے بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا- ناصرالدین محمود کے انتقال کے ساتھ ہی گویا شہاب الدین غوری کے غلاموں کی حکومت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور غلامان ترک کے ہاتھ سے حکمرانی جاتی رہی- ناصرالدین محمود نے باوجود بے شمار مشکلات کے بیس سال دو مہینہ تک حکومت کی- ناصرالدین کے انتقال کے بعد عوام نے دولت خاں لودھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور ۸۱۶ھ میں وہ تخت پر بیٹھ گیا-

دولت خاں لودھی کی تخت نشینی

۸۱۶ھ میں اس کو بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا- ملک ادریس اور مبارز خاں' خضر خاں کے مخالف ہو گئے

اور دولت خاں کے طرف داروں میں شامل ہوگئے- دولت خاں جس مہینہ میں تخت پر بیٹھا اسی مہینہ میں کہنتیر کی طرف چلا' رائے نرسنگھ اور دیگر امراء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے- دولت خاں قصبہ پٹیالی میں گیا اور وہاں مہابت خاں بدایونی بھی اس کی خدمت میں آیا اور اس کا ملازم ہوگیا- اسی زمانہ میں پتہ چلا کہ ابراہیم شاہ شرقی نے قادر خاں بن محمود خاں کو کالپی میں گھیر لیا ہے- قادر خاں کے پاس اتنا لشکر نہ تھا کہ وہ ابراہیم کے مقابلہ پر صف آرا ہو لہٰذا وہ پیچھے ہٹ گیا اور دہلی بھاگ گیا- خضر تو ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتا تھا' یہ خبر سنتے ہی فوراً دہلی پر حملہ کر کے فتح کرنے کی نیت سے آگے بڑھا اطراف و جوانب سے لشکر جمع کیا تقریباً ساٹھ ہزار سواروں کو جمع کر کے ذی الحجہ کے مہینہ میں (۸۱۶ھ میں) میں دہلی پہنچ گیا- خضر خاں کے پہنچتے ہی دولت خاں لودھی سیری کے قلعہ میں چھپ گیا یہ محاصرہ چار مہینہ تک مسلسل رہا اور قلعہ کے لوگ مصائب و آلام سے گھبرا گئے- آخر کار پندرہ ربیع الاول ۸۱۷ھ کو دولت خاں حصار سیری سے باہر آیا اور خضر خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اسے گرفتار کر کے فیروز آباد کے قلعہ میں قید کر دیا گیا-

دولت خاں کا انتقال

اسی طرح قید کی حالت میں اس کا انتقال ہوا دولت خاں نے ایک سال تین مہینے حکومت کی اس کے بعد خضر خاں نے عنان حکومت سنبھال لی-